مطبوعات مؤتمر المصنفین (۲)

اسلام
اور
عصرِ حاضر

از

مولانا سمیع الحق

مؤتمر المصنفین

دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)

پاکستان
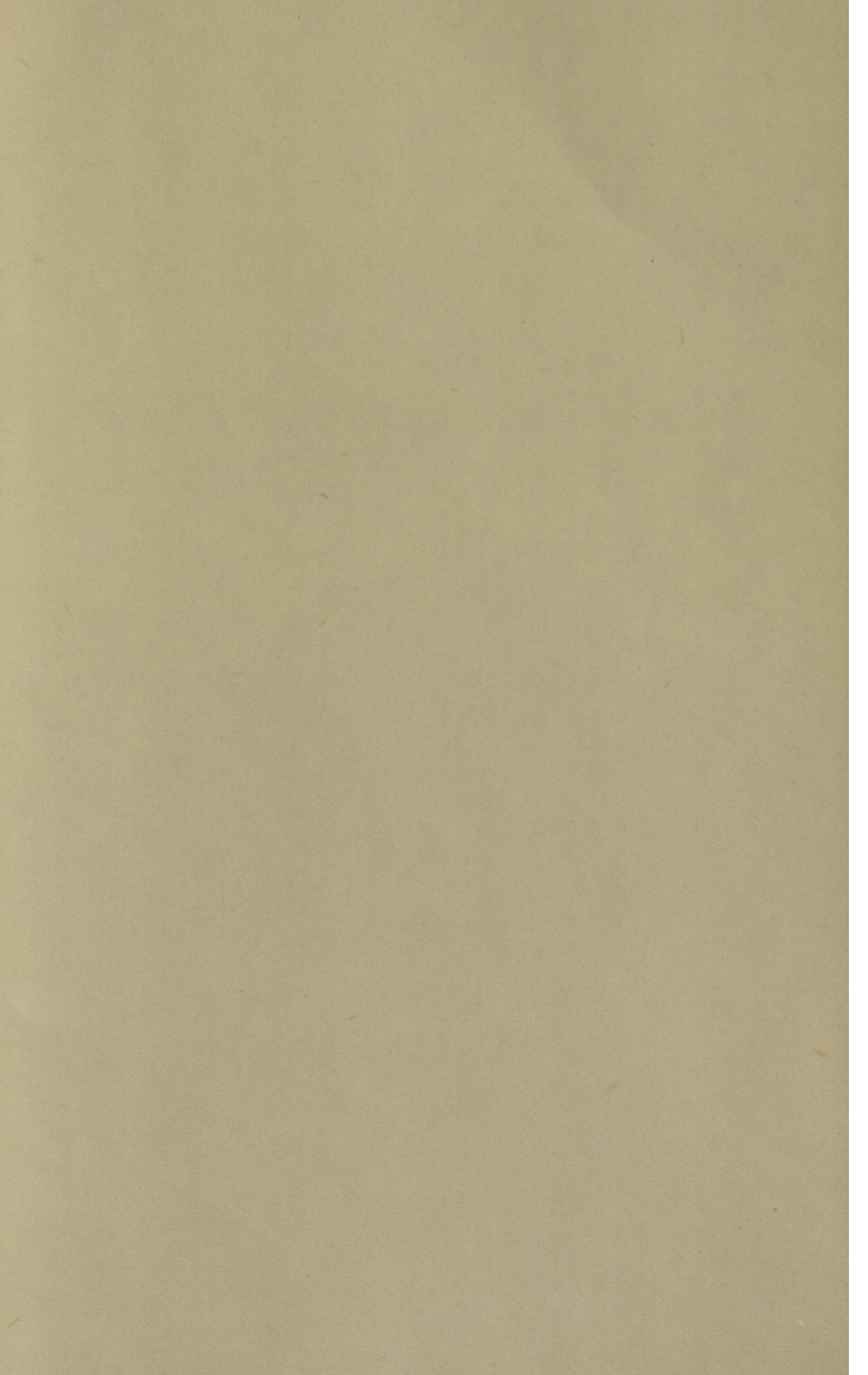
مطبوعات مؤتمر المصنّفین (۲)

اسلام
اور
عصرِ حاضر

عصرِ حاضر کی مادہ پرست تہذیب اور عالمِ اسلام پر اس کے فکری، تمدنی اور عملی اثرات کا جائزہ
علمی و دینی فتنوں تجدد و استشراق اور فرقِ باطلہ کا تعاقب، موجودہ دور کے سائنسی، معاشی، تمدنی، اخلاقی، معاشرتی
اور آئینی مسائل میں اسلام کا موقف، قانونِ فتح و شکست اور اسباب عروج و زوال، الغرض بیسویں صدی
کے کارزارِ حق و باطل میں اسلام کی بالادستی کی ایک جھلک

مولانا سمیع الحق

مؤتمر المصنّفین
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)
پاکستان

سرپرست ادارہ : حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ

* نام کتاب ــــــــ اسلام اور عصرِ حاضر
* مصنف ــــــــ مولانا سمیع الحق
* ناشر ــــــــ مؤتمر المصنّفین
* پرنٹر ــــــــ عالمین پرنٹرز لاہور
* سلسلۂ مطبوعات ــــــــ (۲)
* صفحات ــــــــ ۶۴۰
* قیمت ــــــــ ستائیس روپے ۲۷/-
* باراوّل ــــــــ شعبان ۱۳۹۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

بیسویں صدی بڑھاپے کے حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ صدی ملت مسلمہ کے لیے اپنی چودہ سو سالہ تاریخ میں ایک انوکھی آزمائش کا دور ثابت ہوئی۔ جب کہ یورپ کی مادہ پرست تہذیب اور خدا بیزار مغربی تمدن اپنی پوری توانائیوں اور بھرپور منصوبوں کے ساتھ عالم اسلام پر حملہ آور ہوا اور جہاں بھی اسے قدم جمانے کا موقع ملا، تمدن و معاشرت، اخلاق و تہذیب سیاست و معیشت، تعلیم و تربیت، غرض زندگی کے ہر میدان میں اس نے قدیم و جدید اقدار میں معرکہ برپا کر دیا۔ مسلمانوں کو مغربیت کے اس فتنۂ عمیا سے بڑھ کر کسی فتنے کا سامنا کرنا نہیں تھا، اس لیے خدا کے سچے آخری پیغام کے علمبردار نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم اور خداوند کریم نے خود بار بار اس فتنے کے علمبردار اقوام یہود و نصاریٰ کی فتنہ سامانیوں سے اُمت کو مختلف پیرایوں میں متنبہ کیا پنجوقتہ نمازوں کی ہر رکعت میں غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کی شکل میں ان اقوام کے طرزِ حیات سے پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی، مگر جب مغربیت کا فتنہ عالمِ اسلام پر پوری طرح چھا گیا، تو اس کی ظاہری اور مادّی شان و شوکت، حکومت و اقتدار کی جاذبیت اور اخلاق و تہذیب سے آزاد فلسفۂ حیات نے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کے دل و دماغ کو بھی پابندِ طوقِ غلامی کر دیا۔ ذہن و فکر کی یہ غلامی اتنی سخت جان ثابت ہوئی کہ مغربی حکومتوں کا ممالکِ اسلامیہ سے بوریا بستر سمیٹ دینے کے بعد بھی یہ سرطان کی طرح اِن لوگوں کے قلب و دماغ میں جڑیں راسخ کر گئی اور یہ لوگ انسانی دورِ ارتقاء کے اِس قدیم جاہلیت اور تہذیب ناچوانی تمدن کے اس نئے ظہور کو تجدد و ترقی سمجھتے رہے اور مذہب کی اخلاقی سچائیوں اور تہذیبی صداقتوں اور بے مثال روایات کو اس کے قدموں پر نثار کرتے رہے

اِس میں شبہ نہیں کہ مغرب کا جدید دورِ صنعتی ، سائنسی اور مادّی ترقّی و عرُوج کے لحاظ سے عالمِ انسانیت کے لیے ایک انقلابی دَور ثابت ہوا مگر یہ تہذیب اپنے جلو میں خدا فراموشی اور مادّہ پرستی اور اس پر مبنی ہزاروں تمدّنی ، اخلاقی اور تہذیبی قباحتوں کا سیلاب بھی لیے ہوئے تھا ، جو اپنی راہ میں حائل ہونے والی مذہب اور انسانیت کی ہر اچھّی بات کو بہانا چاہتا تھا ، اَب عالمِ اسلام کے لیے اعتدال مصلحت بینی ، حقیقت پسندی اور عاقبت اندیشی کا راستہ یہی تھا کہ اس سیلاب کو روکنے کے بجائے (جو اس کے بس کی بات نہ تھی) اس کے آگے ایسے ڈیم بنا لیتا اور خیر و شر میں امتیاز کی ایک ایسی چھلنی رکھ دیتا جو اس کے مفید ثمرات و نتائج سے استفادہ کا تو ذریعہ بنتا ، صنعتی اور سائنسی علمی اور تمدّنی ترقیات سے بھرپور فائدہ اُٹھاتا ، اس لیے کہ صنعت و سائنس نہ تو مشرق کی میراث ہے اور نہ اس پر مغرب کی اجارہ داری ہے مگر اس تمدّن اور معاشرت میں مذہب و اخلاق ، حیا اور شرافت سے عاری نظام میں جو خرابیاں تھیں ، اس سے مکمّل طور پر بچا رہتا ، اس کے لیے مومنانہ دماغ ، مدبّرانہ صلاحیتوں اور معتدلانہ منصوبوں کی ضرورت تھی اور نہایت باریک بینی اور دُور اندیشی کی بھی ، اس لیے کہ مغربی تمدّن کی بھلائی اور بُرائی ، خیر و شر ، اثم و نفع کا باہمی اختلاط اتنا شدید تھا کہ گویا يخرج من بين فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربين جیسی صورت پیدا ہو گئی تھی ، مگر افسوس کہ مسلمانوں میں اس فتنۂ ضالہ (مغربیت) کا سامنا کرنے میں کسی نے تو نہایت افراط سے کام لیا کہ ایمان و یقین اور اخلاق و صداقت کی ہر متاع مغربی تمدّن کی رعنائیوں اور ظاہری آب و تاب پر قربان کر دی ، یہ ہمارے ہاں کا تجدّد پسند اور مغرب زدہ طبقہ تھا ، جو اگر سوچتا تو انہی کے دماغ سے ، بولتا تو انہی کی زبان سے ، لکھتا تو انہی کے قلم سے ۔ اِس طبقہ نے برصغیر کی غلامی کے بعد یورپ کی ہر لَے میں لَے ملائی ، مذہب اور اخلاق کا مذاق اُڑانے میں یہ اپنے آقاؤں سے بھی آگے رہے ۔ مغربی تقلید میں یہ لوگ مذہب کو فرد کا نجی معاملہ سمجھنے لگے ، اخلاقی اور معاشرتی بندشوں کو مرد و عورت کے طبقاتی تفاوت اور عورت پر ظلم سے موسوم کیا گیا ۔ سیاست میں میکیاولی کو مقتدا

بنایا گیا، فحاشی اور بے حیائی کے تمام مظاہر کو تفریح اور آرٹ و ثقافت کی شکل دی گئی، دستور اور آئین کو مغربی جمہوریت اور سوشلزم کے سانچوں میں ڈھالا گیا۔ معاملات اور معاشیات کو خود غرضی، جلب منفعت، استحصال، مساوات کے نام پر ظالمانہ غصب و نہب کے خراد پر چڑھایا گیا اور دوسری طرف اسلامی شعائر و اقدار، عقائد اور تعلیمات کو سامانِ استہزاء بنا کر ان پر کبھی لبرل ازم کی آری چلائی گئی اور کبھی تحقیق و ریسرچ کی قینچی اور کبھی استشراق کا تیشہ لے کر انھیں ٹکڑے ٹکڑے کرنا چاہا۔ مغربی تہذیب کی علمبردار یہ بیسویں صدی اپنے پہلو میں ایک طرف تو خدا و رسول سے بغاوت مذہبی قدروں سے مذاق کا سلوگن لے کر اٹھی، دوسری طرف مسلمانوں کی تدبیر منزل اور تہذیب، اخلاق اور مساواتِ مرد و زن اور آزادیٔ نسواں کی شکل میں دھاوا بول دیا گیا، جس کے نتیجے میں عائلی نظام درہم برہم کرنے کی سعی کی گئی، بے پردگی، عائلی قوانین، تعدد ازدواج پر پابندی، خاندانی منصوبہ بندی جیسے دسیوں مسائل کھڑے کر دیئے گئے۔ آرٹ اور ثقافت کے نام سے نظامِ عفت و عصمت پر شبخون مارا گیا، علم و تحقیق کے نام پر ماڈرن ازم اور تجدد کے ادارے قائم ہو گئے پھر مسلمانوں کی فکری یگانگت اور اتحادِ عقیدہ کا شیرازہ منتشر کر دینے کے لیے کچھ تو قادیانیت وغیرہ کی صورت میں نئے نئے فتنے برپا کئے گئے اور کچھ پرانے فتنوں اور فرقِ باطلہ کو نئی قوت اور طاقت فراہم کی گئی، فتنۂ رفض، و انکارِ صحابہ، اسلاف سے بغاوت، فتنۂ انکارِ حدیث، بہائیت وغیرہ کو نئے سرے سے منظم کیا گیا۔ دین کے حقائق اور مقاصد کو رسومات سے بدلنے کی سعی کی گئی اور اصل روح کے بجائے نمائشی نعروں اور پُرفریب مظاہروں پر قناعت کی گئی۔ الغرض سیاست اور نظامِ حکومت میں مغربی جمہوریت کی تقلید نے اسلام کے نظامِ حکمرانی و جہانبانی کو نگاہوں سے مستور کر دیا ——— ان سب چیزوں کا مختلف پیرایوں میں اس صدی میں مسلمانوں کو سامنا کرنا پڑا اور اسکے دفاع ترویج و فروغ اور پُرزور وکالت میں وہی لوگ پیش پیش رہے جو رنگ و جسم سے تو عالمِ اسلام اور مشرق سے تعلق رکھتے تھے، مگر قلب و دماغ اور فکر و نظر کے لحاظ سے مکمل غلام۔

دوسری طرف کچھ لوگوں نے تفریط سے کام لے کر اور مغرب کی عداوت کے ایمانی جذبات میں مغلوب ہو کر یورپ سے آمدہ ہر صنعتی اور سائنسی ترقی، تمدنی پیش رفت اور مادی عروج سے بھی آنکھیں بند کرنی چاہیں اور عالمِ اسلام کی سرحدات پر پہرے بٹھانے چاہے کہ اس طبقے کی نگاہ میں اس کی اچھائیاں، برائیوں سے بہت کم تھیں، تفریط کا یہ راستہ بھی اعتدال کا نہیں تھا کہ جس سیلاب کے سامنے بند باندھنا ممکن نہ تھا، اس کا رُخ کارآمد منصوبوں کی طرف موڑنا چاہتے تھے۔ بہرحال جب اس صدی کے پیدا کردہ فتنوں، مفاسد اور مسائل نے عالمِ اسلام کو ایک نازک موڑ پر کھڑا کر دیا تو دینی حمیت اور ایمانی حرارت سے لبریز اذہان و قلوب نے مختلف طریقوں سے اپنی اپنی صوابدید پر علاج تجویز کیا، کسی نے علم و تحقیق کے میدان میں بھرپور تعاقب کیا۔ کسی نے جہاد و سیاست کے ذریعہ اس کا استیصال کرنا چاہا، کسی نے تعلیم و تربیت کے ذریعہ، ایمان و اسلام کی حفاظت کا کام سنبھالا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے حسنِ عمل اور اخلاص کے مطابق صلہ دے گا۔

اس نووارد نے ناتجربہ کاری، کم علمی اور ہر طرح کی بے بضاعتی کے باوجود جب تحریر و صحافت کے میدان میں قدم رکھا تو وطنِ عزیز مغرب کی پیدا کردہ ارتیاب و تذبذب کے اسی غیر یقینی دَور سے گزر رہا تھا اور مُلک کی باگ ڈور انہی ہاتھوں میں تھی، جو عقل و فکر، تمدن اور تہذیب ہر لحاظ سے غلامی کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے تھے، یہی مُلک کے اربابِ حل و عقد تھے اور یہی تمدن و سیاست دستور و معیشت پر اثرانداز ہونے والی قوت اس لیے قدرتی طور پر زیادہ تر انہی حالات اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا اور مختلف اوقات میں عصرِ حاضر کے پیدا کردہ مسائل پر اسلام کی روشنی میں کچھ خامہ فرسائی کرنی پڑی، محدود علم، محدود بصیرت، مگر ایمانی جذبہ اور حمیتِ حق کی بنا پر جو کچھ ہو سکا "ماہنامہ الحق" کے ذریعے پیش کرتا رہا۔ جسے آج اس مجموعہ کی شکل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اسلام اور عصرِ حاضر ایک ایسا ہمہ گیر اور عالمگیر موضوع ہے، جس کا حق ادا کرنا

نہ تو کسی ایک فرد کے بس میں ہے اور نہ آسان۔ اور پھر مجھ جیسے کم سواد طالب العلم کے لیے تو اتنے اہم موضوع کا نام لینا بھی شرم کی بات ہے۔ اس لیے اس کتاب میں موضوع سے متعلق مباحث کے تمام گوشوں پر سیر حاصل گفتگو کی نہ تو اُمید کی جا سکتی ہے اور نہ ایک حقیر طالب العلم سے اس کی توقع۔ اس کے علاوہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ کوئی مربوط اور مستقل تصنیف نہیں کہ اس میں تصنیفی محاسن تلاش کیے جائیں بلکہ ان خیالات اور تاثرات کا مجموعہ ہے جو پچھلے دس سال میں وقتی طور پر کوئی مسئلہ سامنے آجانے کی شکل میں سپردِ قلم کیے گئے۔ ایک طرح اسے رواں اور سرسری تبصرہ کہیئے کہ لکھنے والے نے تحقیق و ریسرچ اور تصنیف و تالیف کی حیثیت سے نہیں، بلکہ کسی مسئلے پر اپنے مخالفین کے جذبات برانگیختہ کر دینے یا ان کے فکر کا رُخ موڑ دینے کے لیے لکھے۔ انھیں ایک قسم کے داعیانہ مضامین کہیئے جس میں "خطابہ" سے بھی کام لے لیا جاتا ہے۔ مگر "تحقیق" و استقصا اور مباحث کے تمام پہلوؤں کا احاطہ مقصود نہیں ہوتا، پھر لکھے گئے بھی تو اکثر ایسے حالات میں کہ پرچہ مکمل ہے دو ایک صفحات کے اداریے کے لیے کام رُکا ہوا ہے۔ ایسے میں لشٹم پشٹم قلم اُٹھا کر رواروی میں کچھ لکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔ نہ لکھنے والے کے سامنے کوئی تصنیف اور مقالہ، نہ یہ وہم و گمان کہ آگے چل کر یہ چیز کتابی شکل اختیار کرے گی۔ نہ وہ اپنے آپ کو اس کام اور مقام کا اہل پاتا ہے۔ پھر ایک ایسا شخص جس کی مادری زبان اُردو نہیں، علم سے تہی دامن ہونے کے علاوہ وہ اُردو ادب و صحافت کے کوچوں سے بھی قطعی نابلد ہے، نہ اسے اُردو کے مجالس علم و ادب کی صحبتیں میسّر ہوئی ہیں محض ایک سوزِ دروں اور احقاقِ حق کے ولولہ سے قلم اٹھاتا ہے۔ الفاظ کے پیچوں میں خود بھی الجھنا نہیں چاہتا کہ الفاظ کی دروبست تذکیر و تانیث، اعراب اور گرامر کے قواعد کی بندشیں، مطالب و مقاصد، احساسات و جذبات کے مقابلے میں اسے ثانوی معلوم ہوتی ہیں، اس لیے وہ اپنی لفظی اغلاط سے بھی عفو و درگزر کا طلب گار ہے۔ اور اگر مندرجات کتاب سے کسی فرد یا کسی جماعت کی نادانستہ دلآزاری اور دل شکنی ہو سکتی ہے تو اس کے لیے بھی عفو و صفح اور ترحم کا سزاوار ہے کہ اس نے جان بوجھ کر، کسی طمع اور خوف کی وجہ سے یا ذاتی رجحانات

کی وجہ سے ایسا نہیں کیا، مقصود ایسے مواقع پر محض رضائے الٰہی کی بنا پر کلمۂ حق کا اظہار تھا، اس میں علم وفہم کی غلطی ہو سکتی ہے، مگر قصد وارادہ بہرحال اصلاح ہی رہا۔ واللہ علیمٌ بذات الصدور

یہ کتاب مؤتمر المصنفین کی دوسری پیش کش ہے۔ اس کی پہلی پیش کش "دعوات حق" کو خدا نے جس مقبولیت سے نوازا اور قومی پریس، اصحاب علم وفضل نے جس طرح اس کا خیر مقدم کیا۔ یہ محض خداوند کریم کے فضل وکرم کا کرشمہ تھا، اسی ذات رحیم وکریم کی عنایتوں اور رحمتوں سے امید ہے کہ اس حقیر کاوش کو بھی مسلمانوں کے لیے بالخصوص نئے تعلیمیافتہ طبقے اور نوجوان نسل کے لیے کسی طرح کار آمد بنادے۔ وباللہ التوفیق وہو خیر رفیق

؎ چشمۂ فیض سے اگر ایک اشارہ ہو جائے
لطف ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

سمیع الحق
مؤتمر المصنفین
دار العلوم حقانیہ
۲۴ شعبان ۱۳۹۶ھ / ۱۹ اگست ۱۹۷۶ء

موتمر المصنفین کی پہلی پیش کش

افادات وارشادات
شیخ الحدیث مولانا
عبدالحق صاحب مدظلہ

دعواتِ حق
(جلد اوّل)

تالیف وترتیب
مولانا سمیع الحق

قومی پریس کے تبصروں کے اقتباسات

"چٹان" لاہور، ۷ جون ۱۹۷۶ء

اسلامی مسائل پر اگرچہ صدیوں سے بہت کچھ لکھا جاتا رہا ہے اور عصر حاضر میں بھی، لیکن مولانا عبدالحق کا انداز منفرد و یگانہ ہے وہ عوام سے عوام کی زبان میں نہایت دلنشیں انداز میں بات کرتے ہیں۔ انکی باتیں دل میں ترازو ہوتی جاتی ہیں اور دینی موقف سمجھ میں آجاتا ہے۔

"خدام الدین" لاہور ۱۴ مئی ۱۹۷۶ء

یہ کتاب ملت کے ہاتھوں اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ باید وشاید مختلف عنوانات سے اتنا کچھ ملیگا کہ آپ کئی ضخیم کتابوں سے بے نیاز ہوجائیں گے۔

"سیارہ ڈائجسٹ" لاہور جون ۱۹۷۶ء

"دعوات حق" ایک بڑے عالم اور بڑے انسان کے خیالات وافکار کا مجموعہ، دینی کتب میں ایک اہم اضافہ، اُن تمام موضوعات پر اسلام کی روشنی میں خیالات کا اظہار جو نہ صرف مذہب کی بنیادی روح بلکہ انسانی بہبود سے گہرا واسطہ رکھنے والے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔

"مشرق" لاہور ۱۲ اپریل ۱۹۷۶ء

زندگی کے روزمرہ مسائل کے بارہ میں قرآن وسنت کے احکام دلنشیں پیرائے میں۔ واعظوں، خطیبوں، مبلغوں کے علاوہ عام آدمی بھی اس کتاب سے احکام دین کو عملی زندگی میں بروئے کار لانے میں مدد لے سکتا ہے۔ بارہ ابواب ساڑھے اٹھ اہم موضوعات، پانچسو سے زائد عنوانات کے تحت وضاحت سے بیان۔

"البلاغ" کراچی رجب ۹۶ھ

اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو دلوں پر اثر انداز ہونیکی خاص توفیق عطا فرمائی ہے انکے مواعظ سے قلب میں سوز وگداز، ایمان میں پختگی اور زندگی کے ہر شعبہ میں دین کی تعلیمات وہدایات اور ان کے اسرار و حکم ملتے ہیں۔ ان خطبات میں زمانۂ حاضرہ کے بہت سے مسائل پر بڑے بصیرت افروز، جاندار تبصرے ہیں۔ کتاب تمام مسلمانوں کے لیے نہایت مفید اور ائمہ و خطباء کیلئے بہترین رہنما ہے۔

"المعارف" لاہور، جون ۱۹۷۶ء

مولانا کا سلسلۂ فیض عالم شباب پر ہے یہ کتاب نصیحت آموز اور بہترین تذکار وموعظت کا دلآویز مجموعہ نہایت سلیقہ سے بکھرے ہوتے جواہر پارے پیش کیے گئے ہیں عبادات و معاملات وغیرہ سب چیزیں بڑی اچھی ترتیب کے ساتھ۔

"فیض الاسلام" راولپنڈی جولائی ۱۹۷۶ء

اصلاحِ معاشرہ اور تزکیہ نفس کے سلسلہ میں یقیناً ایک عمدہ، قابلِ قدر اور قابلِ مطالعہ۔

"قومی زبان" کراچی جون ۱۹۷۷ء

اسلامی افکار وتعلیمات کا ایسا خزینہ جسکی مثال موجودہ دور میں اردو زبان میں نظر نہیں آتی۔ افادیت کا حلقہ اور فیضان عام مسلمانوں سے لے کر طلبہ، اساتذہ، ائمہ مساجد، خطباء علماء مصلحین امت، ارباب سیاست وحکومت تک پھیلا ہوا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث کے قلب کے سوز ملت کی دردمندی، اصلاحِ امت کے جوش وولولہ مزاج ومسلک کے اعتدال نے اس مجموعہ کو اور بھی پُر تاثیر بنا دیا ہے۔

صفحات پونے سات سو اعلےٰ جلد آفسٹ طباعت قیمت ۳۰ روپے

مؤتمر المصنفین دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) پاکستان

فہرست مضامین

باب ۶

باب ۱

بیسویں صدی کی مادہ پرست تہذیب
اور
عالمِ اسلام پر اُسکے اثرات

بیسویں صدی کی مادہ پرست تہذیب

یورپ کے ہاتھوں پوری انسانیت بے چینی اور اضطراب میں مبتلا ہوئی، پریشانی انتشار اور بے یقینی کی اس بحرانی کیفیت نے رفتہ رفتہ پورے عالمِ اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، مغرب کی خدا بیزار تہذیب اور مادیت پر کھڑا کیا گیا، تمدن طاعون کی طرح ہر سو پھیلنے لگا، اور آج بدقسمتی سے مملکتِ عزیز پاکستان بھی پوری شدت سے اس کی زد میں ہے۔ طبقاتی، علاقائی، لسانی اور نظریاتی جنگ ایک عفریت کی طرح اسے ہڑپ کرنا چاہتی ہے۔ اور تاریخ کی بے مثال قربانی سے حاصل کی گئی مملکت پر نزع کی سی کیفیت طاری ہے، مریض جاں بلب ہے مگر مرض کی تشخیص کون کرے اور علاج کب موثر ہو جبکہ مرض کا علاج مرض ہی سے کیا جا رہا ہو اور اُسی عطار سے نسخہ شفا مانگا جا رہا ہو جس نے زہر کھلا کھلا کر مریض کو لبِ گور تک پہنچا دیا ہے۔ گویا حالت یہ ہے کہ ؎

تداویت من لیلیٰ بلیلیٰ عن الھویٰ

کما یتداوی شارب الخمر بالخمر

اس مصیبت اور ہولناک عذاب سے چھٹکارا ہم اُسی مادیت میں ڈھونڈ رہے ہیں جس نے پوری انسانیت اور پورے عالمِ اسلام کو موت کے چوراہے پر کھڑا کر دیا ہے۔ مادیت خواہ مارکسزم اور سوشلزم کی شکل میں ہو یا مغربی نظامِ حیات اور وہاں کے معاشی نظاموں کی صورت میں اسکی اساس خدا فراموشی، آخرت فراموشی، انسان کی اعلیٰ اور اخلاقی اقدار کی پامالی پر ہے۔ اس کا خلاصہ جسم کی پرستش اور پیٹ کی عبادت کی ہے، وہ انسان کا رخ اعلیٰ سیرت،

ستھرے کردار اور معنوی اقدار سے موڑ کر صورت کی زیبائش، معدہ کی پرورش اور خواہشات نفس کی تسکین کیطرف کر دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج پوری کائنات اور پوری انسانیت کو مادہ اور معدہ کے پیمانہ سے ناپا جا رہا ہے۔ انسان کی تمام عالمی جد و جہد اجتماعی اور انفرادی ساری کوششوں کا محور دنیا کی چند روزہ زندگانی اور یہاں کی عیش کوشی رہ گئی ہے۔ پھر اس حرص و آز کی گہرائی اتنی شدید ہے کہ ڈیڑھ بالشت پیٹ نے زمین کو اس کی تمام وسعتوں کے ساتھ ہڑپ کر دیا مگر ہوسناکی بڑھتی گئی اور چاند ستاروں اور آسمانوں پر کمند ڈالی جانے لگی۔

خدا اور آخرت کے تصور سے آزاد انسان کی اس حیوانی فطرت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا کہ اگر اسے سونے کی دو بھری وادیاں بھی مل جائیں تو یہ تیسری کی تلاش میں رہے گا، پیٹ اور خواہشات، یہ انسان جیسے ناتوان اور محتاج مخلوق کے فطری تقاضے تھے، قدرت نے اسے روکا نہیں بلکہ پوری فیاضی سے اس ساری کائنات کو عرش سے لیکر فرش تک اس کی جسمانی خدمت پر لگا دیا۔ یہ چاند یہ ستارے یہ آسمان یہ زمین یہ سمندر اور یہ ہوائیں یہ بادل اور یہ بارشیں سب اس کی جسمانی حاجتوں اور تقاضوں کا مجسم جواب ہیں، وہ اس کے لئے مسخر ہیں۔ اور اس وسیع کائنات میں ابر و باد اور مہ و خورشید سب کی ترک تازیاں اس مٹھی بھر جسم "جسد انسانی" کی خاطر ہیں۔ پھر کیا انسان جو کائنات کے ذرہ ذرہ، کیا ہوا کیا پانی، کیا دھوپ کیا مٹی، ہر چیز کا محتاج ہے۔ اس کا مقصد بھی صرف دیگر چرند اور پرند کی طرح چرنا کھانا پینا ہے۔ اگر یہی مقصد ہوتا تو بڑی حیرت اور تعجب کی بات ہوتی کہ ان چیزوں میں تو انسان سے ایک سے ایک بڑھ کر مخلوق چوپائے اور درندے موجود ہیں۔ کھانے پینے میں تو گدھا اور ہاتھی اس سے زیادہ آسودہ ہے۔ نہ ہل جوتنے نہ بونے نہ کاٹنے نہ صاف کر کے پکانے کی فکر ہے۔ نہ پوشاک کی نہ مکان کی۔ شہوت رانی میں وہ ایک چڑیا کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قوت اور طاقت میں ایک معمولی درندہ اس پر غالب ہے۔ پھر یہ سراپا احتیاج ہے۔ مگر کائنات کی کوئی چیز اس کی محتاج نہیں۔ یہ عناصر اور مادیت کے بغیر پل بھر کے لئے زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر اس کی پوری نوع بھی مٹ جائے تو پانی، ہوا، آگ، چاند، سورج اور زمین کا کیا بگڑ

سکتا ہے۔ پھر اس پر کیا سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے کہ اسے پوری کائنات پر فضیلت دی گئی اور اسے اس عالمِ آب و گل میں اللہ کا خلیفہ بنایا گیا اور تمام عالمین پر اس کو شرافت اور کرامت دی گئی۔

خلافت اور فضیلت انسانی کی وجہ موٹی سی بات ہے کہ اگر انسان کا مقصد پیدائش اور اس کا نقطۂ معراج صرف وہ ہوتا جو بیسویں صدی نے سمجھ لیا ہے کہ انسان صرف چھوٹے پیمانہ پر "کھاد کی ایک مشین" بن کر رہ جائے۔ حیوانات اور درندے بھی اسکی درندگی اور اس کے اٹھائے ہوئے شر و فساد سے سر پیٹ لیں۔ اس کی ہوسناکیوں کو دیکھ کر شیطان بھی الامان پکار اٹھے۔ تو یہ چیز خدائے بزرگ و برتر کی حکمتوں اور اس کی شانِ عدل کے خلاف ہوتی کہ "کھاد کی مشین" کو پوری کائنات اور اسکی بزرگ ترین مخلوق ملائکہ تک ایسی فضیلت دی جائے اور سب کو اس کی بیگار میں لگا دیا جائے، اگر ہماری طبیعت ایک پر غیر منصفانہ اور عقل و فہم سے کوسوں دور کوئی فیصلہ گوارا نہیں کر سکتی، تو خدائے حکیم و علیم جیسی غیورّ ذات کی غیرت کب اسے گوارا کر سکتی تھی۔

مقصدِ تخلیق آفرینشِ آدم سے لیکر اب تک وہ ہمیں میثاقِ ازلی کا دیا ہوا سبق دہرا دہرا کر کہہ رہا ہے کہ اس سارے ہنگامۂ ہا و ہو کا مقصد چند روزہ زندگی کی عیاشی کرنا، ڈبل روٹی کھانا، کلہ کی کرنا اور خوشی و خرمستی میں بھول جانا نہیں بلکہ یہ ساری چیزیں تو ایک بلند و برتر مقصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور اصل منزل تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ اصل مقصد تو دائمی سرخروئی اور ابدی زندگی کا حصول ہے۔ نفسانی خواہشات اور حیوانی تقاضوں کو کنٹرول کر کے انسانیت کی معراج تک پہنچنا ہے، آفاق اور انفس میں پھیلے ہوئے اس وسیع کارخانۂ قدرت کو اپنے خالق کی پہچان اور اس کے دئے گئے وسائل اور قوتوں کو اسکی رضامندی کا ذریعہ بنانا ہے۔ اس مقصد کی پہچان اور اسے حاصل کرنے کی جد و جہد اسے صحیح معنوں میں انسان اور خلیفۃ اللہ بناتی ہے۔ اور وہ پیٹ کا نہیں بلکہ اللہ کا بندہ بن جاتا ہے۔ وہ لا الٰہ الا المادۃ والمعدۃ کا نہیں بلکہ لا الٰہ الا اللہ کا نعرہ لگاتا ہے۔

اسلامی معاشرہ اطمینان کا نقطۂ معراج

وہ اپنے بنی نوع انسان کو ذلیل و خوار اور اُسے ہڑپ نہیں کرتا بلکہ اس کے غم اور رنج کو اپنا غم اور اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتا ہے۔ وہ اپنے پیٹ کو کاٹ کر دوسروں کی حاجت روائی کرتا ہے۔ وہ لوٹ کھسوٹ ظالمانہ استحصال اور طبقاتی نفرت کا نہیں بلکہ عدل و انصاف، ایثار و محبت کا پیکر مجسم بن جاتا ہے۔ اگر اس کے پڑوس میں کوئی بیمار ہے تو یہ کراہتا ہے، بھوکا ہو تو تڑپتا ہے۔ ننگا ہو تو کپکپاتا ہے۔ الغرض وہ شیطان اور درندوں کا نہیں بلکہ خدائے حی و قیوم کی شانِ عدل و کرم کا ایک چلتا پھرتا نمونہ بن جاتا ہے، اور اسی طرح وہ پوری انسانیت کو اللہ کے ایسے سایۂ رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے۔ جہاں نہ خوف ہے نہ حزن نہ بے چینی ہے اور نہ اضطراب نہ حرص و ہوس ہے اور نہ ظلم و بے انصافی نہ استحصال ہے نہ حقوق کی پائمالی اور نہ انسان کے دکھ درد سے غلط فائدہ اٹھانے کی سیاسی عیاریاں بلکہ ہر چیز اپنے مرکز اور اپنے نقطہ پر قائم اور چاروں طرف سکون ہی سکون ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاشرہ قائم کیا وہ اس دورِ عافیت و اطمینان کا نقطۂ معراج تھا۔ اور انہوں نے قیامت تک انسانیت کی فلاح کیلئے یہی شاہراہ متعین کی۔

مگر پھر کیا ہوا ——— ؟ اس عہدِ سعادت سے ہم جتنے دور ہوتے گئے، شر و فساد اپنی ظاہری رعنائیوں کے ساتھ ہم پر مسلط ہوتا گیا، مادہ پرستی اور نفس پروری کی نظر فریب روشنی سے آنکھیں چندیا گئیں، ہم مقصد و منزل کو جانے والے جادۂ حق سے ڈگمگانے لگے۔

مغرب کی خدا بیزار تہذیب

یہاں تک کہ انیسویں صدی میں مغرب اور اس کی خدا بیزار تہذیب نے نہ صرف ہماری بلکہ پوری انسانیت کی گاڑی منزل تک پہنچنے والی پٹڑی سے اتاری، مقصدِ تخلیق کو فراموش کر دیا۔ ہم سیرت و اخلاق، روح اور ایمان کو بھول گئے اور مادیت کے سنہری جال میں پھنس کر کشاں کشاں ہلاکت اور بربادی کی طرف دوڑنے لگے۔ پرکار جب تک اپنے نقطہ پر جا رہے تو سارے نقشے ٹھیک بنتے ہیں اور اگر بال برابر بھی مرکز سے ہٹ جاتے تو سارے دائرے ٹیڑھے ہو جاتے ہیں۔

نعرۂ انا الحیوان کے تباہ کن نتائج انسان نے انا الحیوان (میں ایک مہذب حیوان ہوں۔) کی صدا لگائی اپنے مرکزِ ثقل مقامِ انسانیت سے ہٹ گیا اور نتیجہ اس عظیم الشان بے چینی افراتفری اور تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ ظہر الفساد فی البرّ والبحر بما کسبت ایدی الناس۔ کی ایسی ہولناک تصویر اب تک تاریخ کے کسی دور میں ہمارے سامنے نہیں آسکی۔ مقصد کو بھول جانے والا مادیت کا پرستار انسان، پیٹ اور اسکی خواہشات کے سامنے کتنا مجبور و بے بس ہے، اسکی تصویر مغربی مادیّت اور اس کے ردِعمل میں رونما ہونے والے معاشی اور اخلاقی معاشرہ کی شکل میں ہمارے سامنے ہے، وہ کبھی اپنی تشنگی کی تسکین کی خاطر خوشحال اور آباد بستیوں کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتا ہے۔ کبھی اپنے ظلم و عدوان کے لئے نئی نئی آبادیاں ڈھونڈھتا ہے، اس جذبۂ حیوانیت نے صرف ایک جنگِ عظیم میں چھ کروڑ انسانوں کو ہلاک اور مجروح کروایا۔ ۵ اکروڑ گھر تباہ ہوئے، ڈھائی کروڑ افراد اجڑ گئے، ہیروشیما اور ناگاساکی جہنم کدہ بن گئے، اسی خدا فراموشی نے کوریا کی معمولی دو سالہ جنگ میں پچاس لاکھ انسانوں کی ہلاکت اور ایک کروڑ افراد کے مجروح ہونے کی شکل اختیار کی، اس خود غرضانہ تمدّن نے ہمیں انسانی رشتوں سے بے نیاز کر دیا ہم صلہ رحمی کو دقیانوسیت سمجھنے لگے۔ بڑے بوڑھوں اور اپاہجوں کو مروانے کی تجویزیں پیش کیں، یہاں تک کہ جگر کے ٹکڑوں معصوم بچوّں کا گلہ فیملی پلاننگ اور برتھ کنٹرول جیسے خوشنما ناموں کے پردہ میں گھونٹنے لگے اور مادر پدر آزاد بننے کے بعد پورے معاشرہ کو آئین، قانون، اخلاق و روایات کے بندھنوں سے آزاد کرانے کیلئے "ہیپی ازم" کا ایک پورا فلسفہ کھڑا کر دیا۔ ناتوان اور بے کس مخلوق عورتوں کو مساوات کے نام سے زندگی کی کٹھن جدوجہد میں جوت دیا۔ اخلاق اور شرافت کے نقوش خواہشات کی بھٹی میں پگھلنے لگے اور عفت و عصمت نام کی کوئی چیز بھی ایک گالی بن کر رہ گئی اور اس تہذیب کے صدقے جو جنسی پیاس پیدا ہوئی اسکی تسکین کیلئے کتّوں اور خنزیروں سے بھی کام لینے میں بخل نہیں کیا گیا، یہاں تک کہ ہم جنس پرستی کے حق میں اسی تہذیب کے اوّلین مرکز برطانیہ میں بھرے ایوان نے تالیوں کی گونج میں قرارداد منظور کی۔ بوڑھا اور لب گور عیار برطانیہ جاتے جاتے امریکہ

کی شکل میں اپنا جو تنومند اور دیوہیکل حرامی بچہ چھوڑ گیا ہے ، وہ نئے جوش اور ولولہ سے بھرپور ہو کر اس جانشینی کا حق ادا کرنا چاہتا ہے اور آج کی خبر ہے ٹائم اخبار کے حوالہ سے کہ امریکہ کے ہم جنس پرست پورے زور شور سے منظم ہو کر اسے سرکاری طور پر جائز اور انسانی حق قرار دینا چاہتے ہیں۔ اور ایک اندازہ کے مطابق امریکہ کے ۲۶ لاکھ مرد اور ۱۴ لاکھ عورتیں ہم جنس پرستی کے اس شوق کا قانونی مظاہرہ کروانا چاہتی ہیں۔

صنعتی انقلاب ہوسِ زر اور خواہشاتِ نفس کے اس جذبہ نے لوٹ کھسوٹ جلبِ زر اور حصولِ دولت کی عجیب عجیب شکلیں اختیار کیں صنعتی اور مشینی دور شروع ہوا جس کے نتیجہ میں مٹھی بھر افراد رزق کے خزانوں پر قابض ہوئے اور انسانوں کی اکثریت اس مشینی دور کے صدقے بھوک افلاس اور بیماریوں سے کراہنے لگی۔ ایثار ، اخلاص اور ہمدردی کی بجائے قومی ، علاقائی ، لسانی ، طبقاتی اغراض معیارِ شرافت بن گئے اور جو بھی انسانوں کا جتنا خون پسینہ چوس سکا اُسے معاشرہ نے زیادہ عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھا۔

غیر فطری سامراجی نظام کا غیر فطری ردِ عمل یہ انسان کا ایک ظالمانہ غیر فطری اور غیر انسانی مظاہرہ تھا۔ پھر جب ہر غیر فطری عمل کا ردِ عمل بھی غیر فطری ظاہر کرانا قانونِ قدرت ہے۔ تو لازم تھا کہ اس کا ردِ عمل بھی انتہائی شدید اور سفاکانہ ظاہر ہو جائے ، نتیجہ بیسویں صدی کے آغاز ہی میں سوشلزم اور کمیونزم کی شکل میں ظاہر ہوا جس نے انسانیت کے رہے سہے تمام اقدار اور اخلاق بھی تہس نہس کر دئے ، مجبور اور مظلوم کی ہمدردی کے نام پر پوری انسانیت سے ہولی کھیلی گئی۔ غریب اور کسان کے نام سے تمام وسائل رزق پر چند غنڈوں نے پارٹی اور جماعت کی شکل میں قبضہ کیا۔

مذہب اور اخلاق سے جنگ مساوات ، اشتراکیت اور غریب پروری کے خوشنما پردوں میں انسانی فطرت ، انسانی ضمیر ، ابدی اقدار اور روحانی مقاصد روندے گئے ، حقیقی مقصدِ حیات کی ذراسی جھلک بھی مذہب ، تعلیم اور اخلاق کی شکل میں دکھائی دی ، اس کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا ، اور اس ساری جدوجہد کی اساس بھی مادیت اور تن پروری پر ہی رکھی گئی ، ایسی مادیت جو نہ مذہب کی روادار تھی ، نہ خدا اور نہ انسانی اقدار

اور روایات کی۔ یہ نئی مادیت بھی سوشلزم وغیرہ کی شکل میں انسان کو ایک "سنہری جنت" اور اسکی بھول بھلیوں میں ڈالدیتی ہے، اور روٹی کے چند ٹکڑوں اور چند ٹکوں کی خاطر انسان کے تمام اعلیٰ وارفع مقاصد حیات خرید لیتی ہے، اور یہ ہے وہ "سرخ جنت" جسکی خاطر روس میں بالکل ابتدائی ایام میں کروڑوں افراد قتل، جلاوطن، مجروح اور عمر بھر زندہ درگور کر دئے گئے، اور چین میں ڈیڑھ کروڑ زمیندار پھانسی پر لٹکائے گئے، جبر و تشدد سے نہ کہ نظریہ کی صداقت کے زور سے، مزدور اور کسانوں کے نام پر "اشتراکیت" کا جو ہوّا کھڑا کر دیا گیا، خود اسٹالن معترف ہے کہ ایک کروڑ تو صرف کسان مارے گئے، صرف یہی نہیں بلکہ سٹالین نے کمیونزم کے قیام کے لئے پانچ کروڑ مسلمانوں کو قتل کیا اور یہ تمام تشدد صرف مال چھیننے کے لئے نہیں تھا بلکہ ذاتی عقیدہ، دین، فطری آزادی، شخصی آزادی اور تمام اخلاقِ فاضلہ اس کے بھینٹ چڑھا دئے گئے۔ دین اور انسانیت کی اس قربان گاہ پر جو کتبے نصب کئے گئے، یہاں ہم ان میں سے صرف ایک کتبہ پیش کرتے ہیں جو مسلمانوں سے متعلق ہے۔ اور وہ چینی صدر ماوزے تنگ کے پیروؤں اور چینی لیڈروں کا ایک پیغام ہے جس کا متن یہ ہے:

> "اے مسلمانو! گوشِ ہوش سے سن لو آج کے بعد تمہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم اپنے چہروں پر دین کا نقاب ڈال سکو ورنہ ہم تمہیں جلاوطن یا نیست و نابود کر دیں گے۔ آج کے بعد تمہیں گائے کی بجائے خنزیر کا گوشت کھانا پڑے گا۔ آج کے بعد تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ تم اپنے اوقات نماز میں ضائع کرو، قرآن کی تلاوت کرو۔ اے مسلمانو! پورے غور سے سنو تمہیں اپنی مساجد اور مدارس کو ڈھانا ہوگا۔ اپنی اسلامی تعلیمات کو توڑنا ہوگا، نماز کو خیرباد اور ختنے سے اجتناب کرنا ہوگا۔"

(اسلام اور کمیونزم ص۶۷ بحوالہ چینی اخبار تن بات باؤ ہانگ کانگ)

۱۱ر نومبر ۱۹۶۷ء

معاشی اور معاشرتی مسائل کا اصل حل | یہ ہے وہ ردِ عمل جو مغرب کے سامراجی نظام کا

غیر فطری حجاب تھا جس نے معاشی ترقی روک دی۔ شرف انسانیت توڑ دی۔ انسانی اخوت اور تصورِ آخرت سے ہمیں محروم کردیا، اس وقت دونوں نظاموں کا تجربہ ہمارے سامنے ہے ہم ایک چوراہے پر کھڑے ہیں اور ہمیں فیصلہ کرنا ہے، ہمارا اہم ترین مسئلہ صرف اقتصادی اور معاشی نہیں، ہمیں اپنے روحانی، علمی، اخلاقی اور دینی امراض کا بھی علاج کرنا ہے، بیشک معاشی عدم توازن فوری اصلاح طلب ہے مگر ہمارا معاشرہ، ہماری سیاست اور ہماری تہذیب جس انارکی اور انتشار کا شکار ہو رہے ہیں، اس کی وجہ صرف بھوک، فقر اور معاشی بدحالی نہیں کیونکہ خوشحال اور فارغ البال گھرانے اس انارکی اور خرابی کے زیادہ شکار ہیں۔ اگر یہاں کے گیارہ کروڑ انسانوں میں سے ہر شخص معاشی لحاظ سے "قارون" بھی بن جائے تب بھی اصل مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اصل مسئلہ وہی ہے جو ابتداء میں بیان ہوا کہ ہم ایک مادہ پرست قوم نہ بنیں، مسلمان بن جائیں، صرف جسم پیٹ اور صورت پر نظر نہ ہو۔ اخلاق۔ ایمان۔ اعمال صالحہ بھی ملحوظ رہیں، ہم یورپ اور سوشلسٹ ممالک کیطرح ایک خوشحال حیوان نہیں بلکہ زمین میں اللہ کا خلیفہ اور خیر امت، امتِ محمدیہ کا ایک حسین نمونہ بن جائیں اور یہ تب ہوگا کہ ہم اپنے مقام اپنے نظریہ اپنے مقصدِ حیات اور اپنے فرائض کو پہچان سکیں، یہی ایک صورت ہے جو ہمیں معاشی مسائل سے بھی نجات دلاتی ہے۔ اور معاشرتی خرابیوں سے بھی۔ اور اس سے نہ صرف ہمارا جسم اور پیٹ بلکہ روح اور ضمیر بھی عافیت اور سکون کی نعمت سے آسودہ ہو سکتا ہے، اب ہمیں فیصلہ کرنا ہے کہ کون سا راستہ اپنے لئے پسند کریں۔ (نومبر ۱۹۶۹ء)

مادہ پرستوں کا واویلا

پچھلے دنوں برنگھم یونیورسٹی (برطانیہ) کے شعبۂ علوم اسلامیہ کے پروفیسر مستشرق جان ٹیلر نے بھارت کے دار العلوم ندوۃ العلماء میں تقریر کے دوران برطانیہ کی مسلم اقلیت کا ذکر کرتے ہوئے ایک حقیقت کی طرف بھی اشارہ کیا اور کہا کہ ـــ "درحقیقت اس وقت دنیا میں

آسمانی دین کی پیروی اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کا دعویٰ کرنے والی دونوں قومیں مسلمان اور عیسائی مادیت اور دہریت کی گود میں جانے والوں کی بہ نسبت اقلیت میں ہیں، دونوں کو مادیت اور ظاہر پرستی کا سامنا ہے۔ اور منکرِ خدا اقوام اس اقلیت کو اپنے اندر مدغم کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔" (البعث الاسلامی لکھنؤ عربی مجلّہ)

پروفیسر صاحب موصوف کی بات اس حد تک معقول ہے کہ موجودہ حیوانی تہذیب و تمدن جسکی بنیاد سراسر مادی مفادات، خواہشات کی تکمیل جلبِ منفعت، زر پرستی، حصولِ دولت، معاشی افکار اور اقتصادی فلسفوں پر ہے۔ اس کا دار کسی خاص مذہب اور کسی ایک دین پر نہیں۔ دہریت اور نفس پرستی کا یہ عفریت ہر اس نظریہ، دین، علم و حقیقت، ادراک و معرفت کو چیلنج کر رہا ہے، جس کا تعلق روح، آخرت، سچائی و صداقت، معنوی اقدار یا کسی بھی مابعد الطبعیاتی عقیدہ سے ہو کہ موجودہ تہذیب کا خمیر ہی جسم و مادہ اور نفع عاجل، لذت پرستی اور استیلاء و استبداد سے اٹھایا گیا ہے، معنوی اقدار، روحانی صفات اور انسان کے باہمی روابط و علائق سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ تبتغون عرض الحيوة الدنيا والله يريد الآخرة۔

باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست — مگر سوال یہ ہے کہ خدا اور خود فراموش تہذیب جس نے آج انسان کو جامد و بے حس حیوان اور جسم پروری کی ایک مشین بنا کر رکھ دیا ہے ـــــ اس تہذیب نے جنم لیا کہاں سے؟ کس نے اس شجرۂ خبیثہ کو پروان چڑھایا؟ عیسائیت کا علمبردار یورپ اور دیگر صلیبی اقوام علی الخصوص برطانیہ کے علاوہ اور کون تھا جس نے انسانیت کو موت کے چوراہے پر لا کھڑا کیا۔ جس نے رنگ و بو، خواہش اور شہوات کی ایک نظر فریب جنت لبسائی، جس نے بالشت بھر پیٹ اور معدہ سے ساری کائنات کو ناپا، اور جس نے لا الہ الا المعدۃ والمادۃ۔ کے بلند بانگ نعروں سے خدا کے وجود اور تمام غیبی حقائق سے انکار کیا۔ وہ عیسائیوں کا مکروہ کلیسائی نظام اور دشمن فطرت اصول ہی تھے جنہوں نے عقل و دانش کو مذہب سے بغاوت پر آمادہ کیا، وہ یورپ ہی تو تھا جس نے اپنے علم و ادراک کی اساس حواس اور مشاہدات پر رکھی۔ جس کا منطقی اور طبعی نتیجہ یہی ظاہر ہوا کہ وہ تمام مابعد الطبیعی حقائق خدا و رسول، روح و آخرت،

بعث بعد الموت اور حساب و کتاب مفروضہ اور من گھڑت افسانے معلوم ہونے لگے، جو عقل و حواس کی گرفت میں نہ آسکے۔ نتیجۃً دنیا مادیت کے چنگل میں چلی گئی اور مذہب سے محروم ہو کر منکرِ خدا اقوام اطمینان و سکون سے عاری زندگی کی جلتی بھٹی میں کودتی چلی گئیں۔

خدا بیزار تہذیب پر مگرمچھ کے آنسو | آخر یہ آگ سلگائی کس نے ہے، جس کے سوز و تپش سے آج یورپ کے دانشور نالاں ہیں۔ یہ حالات پچھلی چند صدیوں میں یورپ ہی کے مذہب بیزاری سے پیدا ہوئے جس نے پہلے اپنے مذہب کا حلیہ بگاڑ دیا، اسے اپنے حیوانی مقاصد کا آلہ کار بنایا۔ آسمانی تعلیمات سے مسیحیت کا رشتہ کاٹ کر رومی و یونانی تہذیب کے ملبہ سے اس کی عمارت اٹھائی، اس میں بت پرستی کی آمیزش کی، رہبانیت کے نام سے زندگی سے فرار کی راہ اختیار کی، پھر جبر و استبداد اور استعماری عزائم کے سہارے اس خدا بیزار تہذیب کو دیگر اقوام و مذاہب پر ٹھونسنے کی کوشش کی اور اس طرح خدا کی زمین کو ہر قسم کی درندگی و بربریت اور شر و فساد سے بھر دیا ـــــ آج پروفیسر جان ٹیلر صاحب مادیت اور دہریت کا رونا رو رہے ہیں۔ اگر یہ آنسو مگرمچھ کے آنسو نہیں ہیں تو یہ تلخ حقیقت کیوں ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے کہ اس تمام حیوانیت اور مذہب بیزاری کا سہرا تو یورپ کے مسیحیوں کے سر ہے۔ ؎ باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

نئے دور کا چیلنج اور اسلام | یہاں ہم اتنا مزید عرض کئے دیتے ہیں کہ اس وقت مادیت اور ظاہر پرستی کے چیلنج کو صرف اسلام ہی قبول کر سکتا ہے۔ جس میں طلبِ معاش، حصولِ رزق اور کسبِ حلال کی گنجائش تو ہے، مگر خدا فراموشی کی نہیں، جہانبانی اور جہانگیری ہے مگر ظلم و استبداد نہیں، حصولِ منفعت کا حق ہے مگر حق تلفی اور خود غرضی کا نہیں۔ دشمن سے مقابلہ ہے مگر عیاری نہیں۔ دنیا ہے مگر دین سے بغاوت نہیں۔ ربانیت ہے مگر رہبانیت نہیں۔ علم و معرفت ہے مگر جمود و تعصب نہیں۔ نعمتوں اور لذتوں سے لذت اندوزی ہے۔ مگر اباحیت اور انکار کی نہیں ـــــ عیسائیت تو اس وقت اپنا دم توڑ چکی تھی جبکہ خدا نے انسانی ہدایت کے لئے آخری روشنی بھیجی۔ قرونِ وسطیٰ کا غیر متمدن اور بیسویں صدی کا ترقی یافتہ یورپ تو علم و تحقیق کے نام پر کتبِ مقدسہ میں الحاق و تحریف اور دشمنِ فطرت خود ساختہ مسیحی اصول کے ذریعہ اس

تابوت میں آخری کیل ٹھونک چکا ہے ـــــ مسیحیت، دین و مذہب اور علم اور معرفت کے ہر معرکہ میں شکست کھا چکی ہے، تو مادیت کے میدان میں کیا سنبھل سکے گی۔ عصر حاضر کی انسانیت آج جس خلاء کا شکار ہے یہ خلاء صرف، اور صرف اسلام ہی سے پُر ہو سکتا ہے کہ موجودہ بے چینی اضطراب درد و تڑپ، پریشانی اور تشنگی کا مداوا صرف اسلام ہی ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام فطرۃ اللہ اللّتی فطر الناس علیھا ـــــ اور انشاء اللہ دیر یا سویر اسلام ہی ہوگا جو مادہ پرست اکثریت کو اپنے اندر جذب کر کے رہے گا۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون۔ مخبر صادق و مصدوق علیہ السلام نے فرمایا جسے حضرت مقدادؓ نے نقل کیا ـــــ لا یبقی علی ظھر الارض بیت مدرٍ ولا وبرٍ الّا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام بعز عزیز و ذلّ ذلیل امّا یعزھم اللہ فیجعلھم من اھلھا او یذلھم فیدینون لھا۔ مقدادؓ نے آخر میں فرمایا: فیکون الدین کلہ اللہ۔ (رواہ احمد)

مہیب رُوحانی خلاء کے کرشمے

اخبار جنگ کا ایک مراسلہ نگار مقیم امریکہ ۱۲ ستمبر کے پرچہ میں اپنے مشاہدات امریکہ لکھتے ہوئے رقمطراز ہے:

"آجکل امریکہ میں جنات حاضرات اور علوم روحانیہ سے بڑی دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ نئی پود افیون، گانجے کی نشہ آور مجذوبیت سے لیکر مردوں کی روحوں سے بات چیت کرنے اور علم نجوم سے حالاتِ زندگی تلاش کرنے کیطرف بہت مائل ہے۔ زیادہ ذہین اور متلاشی نوجوان مذاہب مختلفہ پر کتابیں پڑھتے اور تقریریں سنتے ہیں۔ اور ہر اس علامہ اور سوامی کے در پر پہنچتے ہیں کہ جہاں سے انہیں دلی اور روحانی تسلی ہو سکے۔ آجکل "یوگا" کا یہاں کافی تذکرہ ہے مگر سب سے زیادہ تسلط

جادو ٹونے کا ہے، ٹونے ٹوٹکے کا کاروبار زوروں پر ہے علوم رموز کے ہتھکنڈوں سے روپیہ بٹورنے والے کافی ہیں۔ کم وبیش دس گیارہ ماہنامے علوم مخفیہ پر یہاں چھپتے اور لاکھوں کی تعداد میں بکتے ہیں۔ ہر اخبار میں روزانہ نجوم کا کالم ہوتا ہے۔"

اس سے اندازہ لگائیے اس مہیب روحانی خلاء کا جس سے آج کا یورپ دوچار ہے سائنس فلسفہ اور ٹکنالوجی کا عہد عروج، روشن خیالی کے دعوے مگر چاند پر کمند ڈالنے والا انسان جتنا بلندی پر جاتا ہے اتنا ہی تخیلات اور طلسمات کی کھائیوں میں گرتا جارہا ہے۔ رمل و جفر، کہانت، جوگ اور یوگ، القائے شیطان اور مرتاض جوگیوں کے گورکھ دھندوں سے جس مذہب نے انسان کو نکالا تھا اسے نظر انداز کر کے یورپ، آج اپنی فطری طلب و تجسس کی پیاس کہاں کہاں بجھانا چاہتا ہے۔ مگر فطرت کی تشنگی جس آبِ زلال سے ہو سکتی ہے اسے تو ہاتھ نہیں بڑھایا جاتا۔ نتیجۃً بے چینی اور اضطراب بڑھ رہا ہے۔ اب اسے کون سمجھائے کہ سکون اور مسرت ان اوہام و خرافات میں نہیں نہ اسرار و رموز پر مبنی مخفی علوم میں، یورپ کا مشینی انسان یہ دولت اگر پا سکتا ہے تو صرف اس آسمانی دین سے جو نہ عقل سے متصادم ہے نہ سائنس سے، اس میں ظن و تشکیک کی کوئی تاریکی ہے۔ نہ جادو ٹوٹکے کی توہم پرستی، جسکا ظاہر اور باطن ایک ہے۔ دن اور رات برابر لیلہا کنہارہا ——— مغرب کے مجبور و بے کس انسانو! اگر تمہیں سکون خاطر کی تلاش ہے، تو آؤ! محمد عربی صلوٰۃ اللہ علیہ کے مطب سے تمہاری تڑپتی روح کو سکون اور آسودگی کا سارا سامان مل سکے گا۔ اور اسلام کے شجرۂ طوبیٰ کے سائے میں راحت قلب و نظر بھی ——— (اکتوبر ۱۹۷۴ء)

مذہب اور انسانی زندگی کا باہمی تعلق

مذہب انسان کی زندگی میں کس قدر دخل انداز ہوتا ہے، یہ کسی مغرب زدہ فلسفی یا پروردۂ الحاد انسان سے نہ پوچھئے۔ اس لئے کہ اس کی پرواز کو مادی اسباب و وسائل سے بالا نہیں ہے۔ اس کے یہاں زندگی کا حاصل جسم کی آرائش و زیبائش اور دنیا کے رنگ و بو سے لطف اندوزی ہے۔ مغرب کی ساری زندگی اور زندگی کے سارے کاروبار کا محور صرف اور صرف ہی مادی تعیش اور دنیا کی ہوس ہے۔ اس کے سارے کل پرزے اسی مقصد کے لئے ڈھلتے اور جڑتے ہیں۔

اسلام کے علاوہ اکثر مذاہب مادہ پرستانہ تخیل کی گرفت میں آچکے ہیں

دنیا کے بیشتر حصے نے مغرب کے اس تخیل و تصور کو اعتقاداً نہ سہی عمل اور کردار سے قبول کر لیا ہے۔ دنیا کے بیشتر مذاہب اس مغربی آئیڈیالوجی سے مرعوب ہو کر اس کوشش میں ہیں کہ اس تصور کو قبول کرنے کے ساتھ اس کو مذہبی رنگ دے دیا جائے۔ اور یہ سعی کی جا رہی ہے کہ ہر مذہب کی طرف سے یہ اجازت نامہ حاصل ہو جائے۔ کہ یورپ کا مادی نظام۔ خدافراموشی اور معدہ پرستی اور دنیوی آسائشوں کے لئے شبانہ روز دوڑ دھوپ نہ صرف یہ کہ مذاہب اس کے مخالف نہیں۔ بلکہ ان کی تعلیمات میں اس تہذیب و نظام کی گنجائش ہے۔

عیسائیت، یہودیت، بدھ ازم، ہندو ازم اور اس کے علاوہ وہ نظریات جو اپنے آپ کو مذہب کے دائرہ میں داخل کرتے ہیں۔ ان سب کا حشر گذشتہ چند سال بلکہ چند صدیوں سے یہی ہو رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ اب تقریباً سب مذاہب یورپ کے مادی نظام کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے ہیں۔ اور اپنی بچی کھچی روحانیت کو خاک میں ملیامیٹ کرتے ہوئے اپنے روحانی نظام سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اور یہاں تک

غور کیا جائے اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ ان مذاہب میں زندگی کے سب مراحل کے لئے کوئی ایسا جامع نظام نہیں جو ایک طرف فرد کے حیات کی نگہبانی کرے۔ اور دوسری طرف صحیح اجتماعی نظام کے پھلنے اور پھولنے کے مواقع بہم پہنچائے۔

کیا مذہب فرد کا نجی معاملہ ہے؟

اسی حقیقت کے پیشِ نظر مغرب سے متاثر لوگوں میں یہ نعرہ سنا جاتا ہے کہ مذہب فرد کا نجی فعل ہے۔ قوم و ملت کی اجتماعی حیات میں اس کا کچھ دخل نہیں۔ ان کا یہ نعرہ اس حیثیت سے صحیح ہے کہ جن مذاہب سے ان کو واسطہ پڑا ہے یا جن کی ریسرچ و تحقیق میں یہ اپنی زندگیاں صرف کرتے ہیں۔ ان کی گرفت کسی فرد سے آگے بڑھ کر کسی اجتماعی نظام پر نہیں پڑی۔ اس لئے ان کے یہاں مذہب کا اجتماعی زندگی میں مؤثر کردار ادا کرنا اس جدید تہذیب و تمدن کے دور میں مجنون کی بڑ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔

مادی نظریات کی ٹکر صرف اسلام سے ہے

اسلام چونکہ ایک عالمگیر اور مکمل مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات کا دائرہ صرف چند رسومات تک محدود نہیں۔ بلکہ وہ فرد اور قوم دونوں کی زندگیوں پر کنٹرول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ جہاں فرد کی زندگی کے لئے لائحہ حیات تجویز کرتا ہے۔ وہاں سوسائٹی اور اجتماعی زندگی کے نظام کو بھی ایک صحیح رخ پر ڈالتا ہے۔ اور یہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں۔ بلکہ اسلام نے یہ سب کچھ اپنی تاریخ کے مختلف ادوار میں کر کے دکھایا ہے۔ اگر ایک مسلمان اسلام کی تعلیمات پر گہری نظر رکھتا ہو تو کوئی دوسرا نظریہ اس کے دل و دماغ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اور نہ خلافِ اسلام کسی تصورِ حیات سے وہ مصالحت کر سکتا ہے۔ اسی ذہنی کشمکش کے دور میں اسلام کے نام لیواؤں کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ یورپ کے مادی نظام اور دوسرے نظریات کی ٹکر براہِ راست اب اسلام سے ہے۔ اسلام ہی ان کا حریف ہے۔ اور اب ان کا سارا زور اور سب صلاحیتیں اسلامی تعلیمات کی بیخ کنی اور انسانیت کو اسلام سے متنفر کرنے کے لئے وقف ہیں۔ بدقسمتی سے آج کا مسلمان "قرونِ خیر" سے دور ہوتے ہوئے اسلام کو خیرباد کہہ رہا ہے۔ اور اس کی زندگی آہستہ آہستہ اسلام

کی گرفت سے آزاد ہوتی جارہی ہے۔ دینی حس کمزور ہونے کی وجہ سے عملی اعتبار سے مسلمان وہ نہیں رہا جو قرونِ اولیٰ کا باعمل اور مذہبی مسلمان تھا۔

یورپ مسلمان کے کردار کو کھوکھلا کرنے کے لئے اس سے بہتر چال اور کیا چل سکتا تھا۔ کہ اس کو زندگی کے ایسے پُرکشش خطوط سے روشناس کر دیا، اور ایسا دامِ ہمرنگِ زمین اس کے لئے بچھایا کہ مسلمان کا کردار تو ایک طرف اس کا ایمان ڈگمگا رہا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ایمان کی دولت اور اس کی حلاوت سے محروم ہوتا جارہا ہے۔

مسلمان کے مذہبی شعور اور اس کے دینی استقلال سے یہ توقع ہونی چاہیئے تھی کہ کفر و الحاد، ایمان کو متزلزل کرنے والے نظریات، اخلاقی بے بہروی، جنسی آوارگی، اور اس کے علاوہ جن جن راستوں سے مسلمان کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی جاتی، مسلمان ان تحریکوں کے پھلنے پھولنے سے پہلے ہی ان کا سر کچل دیتے۔

حیرت کا چوراہہ مگر مذہبی اقدار سے گریز نے آج مسلمان کو ایک ایسے چوراہے پر کھڑا کر دیا ہے جہاں وہ حیران و ششدر اپنی کھوئی ہوئی منزل کی راہ تلاش کرنے میں متفکر ہے۔

آج مسلمان کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیئے کہ جو راستہ اسلام نے اس کے لئے تجویز کیا تھا۔ اس سے بہتر اور سیدھا راستہ کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث پر غور فرمائیے۔

عن ابن مسعودؓ قال خطّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطًّا ثم قال ھٰذا سبیل اللہ ثم خط خطوطًا عن یمینہ وشمالہ وقال ھٰذہ سبلٌ علی کل فیھا شیطان یدعوا الیہ وقرء انّ ھٰذا صراطی مستقیمًا فاتبعوہ (مسند احمد و نسائی)	ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک، سیدھا خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے۔ پھر اسکے ارد گرد دائیں بائیں اور خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ مختلف راستے ہیں اور ان میں سے ہر ایک پر شیطان کھڑا ہو کر لوگوں کو دعوت دے رہا ہے۔ اور آپ نے یہ آیت پڑھی کہ بیشک یہ میرا راستہ ہے سیدھا سو تم اس پر چلو۔

جس طرح ایک رہرو اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کی طرف جانے والے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا۔ مسلمان کو بھی ایسا ہی سوچ لینا چاہیئے کہ جب اس کی منزل اسلام نے متعین کر دی ہے تو اب اس کو دوسرں کی طرف دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اسلام کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے اصولوں کو قربان کرتے ہوئے کسی اور نظریہ سے مصالحت نہیں کر سکتا وہ اپنا راستہ ایک خطِ مستقیم کی طرح متعین کر چکا ہے۔ اس خط کے اردگرد جتنے بھی ٹیڑھے خطوط اور لائنیں ہوں گی۔ اسلام ان کو "شیطانی راستے" تصور کرے گا۔

مذہب کی اہمیت کا احساس اس سترہ روزہ جنگ (۶۵ء کی لڑائی) میں پوری قوم پر یہ حقیقت واشگاف ہوگئی ہے کہ ان کی جائے پناہ صرف اسلام ہے۔ اسلام ہی وہ عظیم طاقت ہے جو اپنے نام لیواؤں کے دلوں میں اپنے سے چھ گنا زائد فوجی طاقت والے ملک کے مقابلہ میں روحِ جہاد پھونکتے ہوئے فتح و کامرانی کے راستے ہموار کرتا ہے۔

پہلے جو لوگ مذہب سے تمسخر کیا کرتے تھے اب مجبوراً دبی زبان سے مذہب کی اہمیت اور ضرورت کا اقرار کرنے لگے۔

اس جنگ کی وجہ سے اٹھارہ سال بعد ہمارے اذہان سے غفلت کے پردے سرکنے لگے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ صرف ہنگامی کیفیت ہی نہ ہو بلکہ ایک دائمی عمل ہو۔ اور مسلمان اپنے بھولے ہوئے سبق کو دوبارہ یاد کرلے۔ اور خدا کے خلاف بغاوت، یورپ کی تقلید، مذہب سے تمسخر و استہزاء، اور خلافِ شریعت عادات و اطوار سے مکمل پرہیز کرے۔ اگر ہم نے یہ سبق حاصل کر لیا تو بعید نہیں کہ اللہ تبارک و تعالےٰ کی بے پایاں رحمتیں، ہم کو اپنی پناہ میں لے لیں۔ (دسمبر ۶۵ء)

مذہب اور سیاست کی تفریق

مشرقی پاکستان کے ایک پارٹی لیڈر نے کراچی کے ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی رائے میں مذہب، سیاست اور معیشت علیحدہ علیحدہ شعبے ہیں مذہب میرے سر کا تاج ہے مگر روٹی کے لئے جدوجہد سے مذہب کا کوئی تعلق نہیں، اس جلسہ میں کچھ دوسرے لوگوں نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔—— صرف یہی نہیں بلکہ کئی دوسری پارٹیاں بھی مذہب کے بارہ میں اسی قسم کے مضحکہ خیز تصور کا برملا اظہار کرتی رہتی ہیں اور عام مسلمانوں کے لئے مذہب کے بارہ میں ایسی ناقص سطحی اور عیارانہ ذہنیت بجا طور پر موجب حیرت اور تعجب بن جاتی ہے۔ یہ لوگ ایک طرف تو منافقانہ روش اختیار کر کے مذہب کو سر کا تاج کہہ دیتے ہیں مگر اس کے فوراً بعد اپنے چار پانچ فٹ جسم کی اقلیم کو بھی اس تاج کی فرمانروائی سے الگ کر دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر مذہب کا یہ تاج اتنا مجبور و بے بس ہے کہ پیٹ اور روٹی جیسے بنیادی مسائل میں بھی اپنی بالادستی منوا نہیں سکتا تو پھر اس تاج کو سر پر رکھنے کا تکلف کیوں کیا جاتا ہے؟ اور انتخابی مہم میں عوام کو ورغلانے کی خاطر قرآن و سنت کی بنیاد پر آئین کے نعروں کو ان کا ضمیر کیسے برداشت کر لیتا ہے؟ اگر احساس اور ضمیر زندہ ہو تو ایسے دوغلہ پن سے انسان خود بھی شرمندہ ہو جاتا ہے۔ مذہب اگر سیاست اور معیشت جیسی گہرائی اور گیرائی رکھنے والے مسائل پر بھی کنٹرول نہ رکھ سکے اور عبادات میں تو پہلے سے ایسے نعرہ بازوں کی جگہ صفر ہوتی ہے تو آخر مذہب کس مرض کی دوا رہ جاتا ہے۔ جس کا نام تبرکاً یا اغراض کی خاطر استعمال کیا جائے، ہمارے اکثر سیاست دانوں کا یہی ملحدانہ ذہن اور منافقانہ روش ہے جس نے قوم کو اس ہولناک چوراہے تک پہنچا دیا ہے —— اسلام کا دعویٰ ہے کہ وہ انسانی زندگی

کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شعبہ سے بھی بے تعلق نہیں رہ سکتا وہ اگر روٹی کا مسئلہ اور جنسی تقاضوں کو جائز وناجائز اور حلال وحرام کی پابندیوں سے آزاد چھوڑ دے تو پھر انسان اور دیگر حیوانات اور چوپایوں میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے۔ مذہب انسان کو انسان بنانا چاہتا ہے اس لئے وہ سیاست اور معیشت تو کیا، بول وبراز جیسی باتوں پر بھی اپنے احکام اور ہدایات لاگو کرتا ہے، بلاشبہ مذہب ہمارے سروں کا تاج ہے، مگر ایسا تاج کہ اس کے پہننے والے اپنے زمانہ کے جبر واستحصال کرنے والی سب سے بڑی طاقت قیصر اور کسریٰ کے تاج کو مدینہ کی گلیوں میں ٹھوکریں لگاتے اور روندتے پھرتے ہیں، پوری انسانیت اس تاج کی چمک دمک سے روشن ہوئی۔ اس تاج نے دکھوں کا مداوا کیا، انسان کو انسان بنایا، اس کی تمام حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کیا۔ مگر جب مذہب دلہن کا روایتی تاج بن کر رہ گیا جس کا مقصد صرف وقتی آرائش اور نمائش سمجھا گیا ہو اور باقی تمام جسم اس تاج کی حکمرانی سے آزاد کرا دیا گیا۔ تو روٹی کا مسئلہ پیدا ہوا۔ پوری انسانیت پیٹ کے قعرِ مذلت میں جا گری اور ساری دنیا اس غلیظ گڑھے کے گرد بھوکے گدھے کی مانند گھومنے لگی مگر نہ تو کسی کی ہوس پوری ہوئی نہ بھوک اور پیاس ختم ہوئی۔ اگر روٹی کا مسئلہ مذہب سے آزاد ہو گیا تو یاد رکھئے کہ انسان ایک ایسا بھوکا کتا رہ جائے گا جو کسی مردار کو نوچنے کی خاطر پوری زندگی اپنے بنی نوع پر غرانے اور چنگاڑنے میں گزار دیتا ہے۔

خدا کے بندو ذرا ہوش سے کام لو۔ مذہب کو اتنا سستا سمجھ کر پوری انسانیت کو ذلت کے بازار میں اتنا گھٹیا اور بے دام مت بناؤ، مذہب ہمیں ایک لامثال اور معیاری مخلوق بنانا چاہتا ہے اور یہ تب ممکن ہے کہ ہماری سیاست ومعیشت تمدن اور معاشرت اور ہمارے تمام حوائج اور ضروریات کی کوئی ادنیٰ سی بات بھی مذہب کے دائرہ سے باہر قدم نہ رکھ سکے ——— (مئی ۱۹۷۰ء)

مذہب اور عصری تقاضوں میں معتدلانہ راستہ

صدر آغا محمد یحییٰ خان نے راجشاہی میں خطاب کے دوران فرمایا کہ ہمارے معاشرے کی بنیادی ضرورت یہ ہے کہ اپنے عقیدے اور نظریئے کے بنیادی اصولوں کو نقصان پہنچائے بغیر سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں شامل ہو جائے، انہوں نے کہا کہ اسلام خود علم کے حصول و توسیع پر زور دیتا ہے اور بنیادی طور پر سائنس اور ہمارے عقیدے میں کوئی تضاد نہیں صدر محترم کا سائنسی ترقی کے ساتھ عقیدے اور نظریئے کے تحفظ پر زور دینا ایک خوش آئند تبدیلی ہے جو پچھلے آمرانہ دور اور موجودہ اقتدار انداز فکر میں محسوس ہو رہی ہے۔ عصر حاضر کے فکر و نظر کی اصل گمراہی یہی ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے یا تو دین اور عقیدہ کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے یا اسے ثانوی حیثیت دی جائے، ہمیں مذہب کو موجودہ دور کے تقاضوں سے نہیں بلکہ موجودہ تقاضوں کو مذہب سے ہم آہنگ کرنا ہے، سائنس کو مذہب کی لگام لگا کر ہم موجودہ ترقی کی دوڑ میں منزل سے ہمکنار ہو سکتے ہیں، دین اور عقیدے سے بے لگام سائنس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔

صدر ایوب خان کی بنیادی غلطی یہ تھی کہ وہ فطرت کے ابدی حقائق، مذہب، اور عقیدہ کو عصری تقاضوں کی قربان گاہ پر قربان کرنا چاہتا تھا، حالانکہ مذہب انسان کیلئے نہیں بلکہ انسان مذہب (عبادت) کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ ہر دور اور اس کے تقاضوں کو عبدیت کا طوق پہنا کر ہی مقصد تخلیق سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ سائنس اور مذہب کے موضوع پر سابق صدر کے خیالات کو سامنے رکھ کر ہم موجودہ صدر کے محتاط اور حقیقت پسندانہ خیالات کی تحسین کئے بغیر نہیں رہ سکتے، پچھلے دنوں ایسے ہی معتدلانہ خیالات کا اظہار ہمارے گورنر جناب نور خان بھی فرما چکے ہیں۔

استحصال اور مادہ پرستی کا انجام

امریکہ کے صدارتی امیدوار رابرٹ کینیڈی کا قتل ایک المیہ ہے۔ مگر یہ تو ایک شخصی معاملہ ہے۔ اس وقت انسانیت کا سب سے بڑا المیہ خود امریکہ اور امریکی قوم ہے جس کے ہاتھوں ہزاروں لاکھوں انسان ویٹ نام میں جل رہے ہیں۔ فلسطین اُجڑ گیا ہے، سرزمین قدس کے مظلوم عرب خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں، اور جو بچ گئے ہیں وہ در در کی خاک چھان کر ذلت و مسکنت کی زندگی گذار رہے ہیں اور یہ تو صرف فلسطین اور ویٹ نام کا حال ہے ورنہ اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی استحصال و استعمار یا انسانی حقوق کی پامالی اور جبر و بالادستی ہے۔ اس میں بالواسطہ یا براہِ راست ان ہی سفید فام یورپیوں کا ہاتھ ہے۔ امریکہ نے جو کچھ بویا اب اس کا پھل کاٹ رہا ہے۔ قدرت کا عجیب دستور ہے، بسا اوقات اللہ تعالیٰ ظالم کا گلا خود اس کے ہاتھوں سے کٹوا دیتا ہے۔ مظلوم و مقہور انسانیت سے کھیلنے والے امریکیوں کے ہاتھ اب اپنے ہی گریبانِ عصمت اور دامنِ عفت و عافیت کو تار تار کر رہے ہیں۔

پچھلے ماہ کے صرف ایک ہفتہ کے اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں تقریباً دو ہزار افراد یا تو قتل ہوئے، یا انہوں نے خودکشی کی۔ افلاس بیروزگاری، طبقاتی کشمکش کا عفریت الگ اس کے سر پر سوار ہے اور بین الاقوامی بدنامی، سیاسی تخلف، جنگی زیر دستی الگ اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ اور ان سب چیزوں سے بڑھ کر رنگ و نسل کا مسئلہ جس نے امریکیوں کے امن و امان کو تہس نہس کر دیا ہے، اور یہ ظہور ہے اس خدائی قانون، مکافاتِ عمل کا جس کی گرفت سے کوئی قوم

یا فرد اور معاشرہ نہیں بچ سکا، ظالم کا ظلم اور سفاکی جتنی شدید ہوگی قدرت کی پکڑ بھی اتنی ہی سخت ہوگی۔ آج اگر امریکہ پر قتل و قتال اور خون ریزی کے بادل چھائے ہوئے ہیں، تو یہ ٹھیک ردِ عمل ہے۔ اس عالمی ڈکیتی اور غنڈہ گردی کا جس کی بنا پر امریکہ نے یہود جیسے راندہ درگاہ قوم کی سرپرستی کی اور اسے عربوں کے سینہ پر براجمان کر دیا۔ ایسی قوم کی پشت پناہی جسکی ذلّت اور مغضوبیت پر خدا نے دائمی مہر ثبت کی ہو ہرگز ہرگز عزّت، غلبہ اور دنیا میں مقبولیّت، کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ کینیڈی کو کسی عرب نے قتل کیا یا امریکی نے، مگر ووٹ کی خاطر یا اپنی مسخ شدہ اسلام دشمن فطرت کی وجہ سے وہ اسرائیل کی حمایت میں پیش پیش تھا۔ اور خدا نے مغضوب اور ذلیل قوم کی حمایت، کا مزہ اسے چکھا دیا۔

دولت و ثروت کی بے وفائی یہ تو امریکہ کی تصویر کا وہ سیاہ رُخ ہے، جس پر ظاہر بین نگاہیں نہیں پڑتیں، یورپ کی سرمایہ داری، عیاشی اور دولت کی ریل پیل اور مادی آسائش کا "روشن" پہلو بھی اس سے کم سیاہ اور بھیب نہیں، ایمان، تصوّرِ آخرت اور روح سے کھوکھلی زندگی کا یہ پہلو بظاہر بڑا دلکش مگر بباطن سراپا عذاب ہے۔ ایک کینیڈی خاندان کو لیجئے، اس مختصر کنبہ کو اپنے والد سے اخبار ڈیلی میل کی اطلاع کے مطابق ۲۵ کروڑ پونڈ کی دولت ملی جو پورے مغربی پاکستان کے بجٹ سے زیادہ ہے۔ مگر دولت کی اس فراوانی کے باوجود اس خاندان کا کیا حشر ہوا یا ہو رہا ہے۔ کچھ قتل ہوئے اکثر مختلف حوادث کے شکار ہوئے اور کچھ اندرونی بے چینی اور پریشانی کے ہاتھوں ذہنی یا جسمانی طور پر مفلوج ہیں۔ یہ ایک عبرت انگیز مثال ہے مال و دولت اور مادی زندگی کی بے ثباتی اور بے مروّتی کی اور تصدیق ہے ان ارشاداتِ ربّانی کی جس میں مال و دولت کو ڈھلتی چھاؤں، چند روزہ بہار، نظر کا دھوکا اور متاعِ فریب کہا گیا ہے۔

کمثل غیثٍ اعجب الکفّار نباته، ثمّ یھیج فتراہ مصفرًّا ثمّ یکون حطاما۔

(دنیا کی مثال بارش جیسی ہے جس کی سبزی نے کسانوں کو خوش کر دیا پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تو اسے زرد شدہ دیکھتا ہے۔ پھر وہ چُورا ہو جاتا ہے۔)

دنیائے فانی کی یہی وہ بے وقعتی ہے جسے قرآن نے ان الفاظ سے ظاہر کیا۔ وما اغنیٰ عنه ماله اذا تردّیٰ۔ (جس وقت وہ ہلاک ہوتا ہے تو اس کا مال اسے کچھ نفع نہیں پہنچاتا۔)

مااغنیٰ عنہٗ مالہٗ وماکسب۔ (اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا۔) اور جب، پردۂ فریب نگاہوں سے ہٹ جائے گا تو یہ بندۂ ہوی وہوس اور نشۂ دولت سے سرشار انسان خود بھی چیخ اُٹھے گا۔ مااغنیٰ عنّی مالیہ ھلک عنّی سلطانیہ۔ (میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا، مجھ سے میری حکومت بھی جاتی رہی۔) —— اور یہی وہ معیشۃ ضنک —— (تنگ زندگانی) ہے۔ جو ہوسِ دنیا خالق ومخلوق سے بے نیازی اور سچائیوں کو جھٹلانے کی صورت میں انسان کو گھیر لیتی ہے۔

اطمینان وعافیت سے کھوکھلی تہذیب یورپ کے کروڑپتی امیروں کی "خوش عیشی" پر مر مٹنے والو ذرا دیدۂ عبرت کھولو، ان میں سے ہر ایک کا حال اُس راک فیلر اور ہنری فورڈ جیسا یاد گے جن سے اپنی دولت کا حساب تک نہ ہو سکتا تھا، مگر اندرونی بے چینی اور ذہنی خلار کی وجہ سے انہیں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہو سکا۔ اور جن میں سے ایک (راک فیلر) بھری پارلیمنٹ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور ایوان سے پوچھنے لگا کہ مجھے بتلا دو کہ حقیقی کامیابی کیا چیز ہے؟ اگر مال ودولت کامیابی ہے تو میں اپنی ساری متاع ایک رات کے سکون پر نثار کرنے کو تیار ہوں۔ مگر آہ اُسے کون سمجھاتا کہ سکونِ قلب، حیاتِ طیبہ، اور عافیت سے بھرپور زندگی تو صرف اور صرف اللہ کی یاد، اس سے صحیح تعلق اور ایمان ویقین کی دولت سے مل سکتی ہے، بیسویں صدی کی مادی تہذیب پر مر مٹنے والو تمہارے لئے صد ہزار نصیحت ہے ان کینیڈیوں اور راک فیلروں کے حسرتناک انجام میں، خالص مادی تہذیب تو خدا کا وہ عذاب ہے، جس کی تپش دل کی گہرائیوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ۔ عافیت اور سکون کی دولت، تو خدا کی یاد ہی سے مل سکتی ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کی یاد ہی سے دل مطمئن ہو سکتا ہے۔ (جولائی ۶۸ء)

رنگ ونسل کے جھگڑے

مغربی تہذیب اور محمدی تہذیب کا موازنہ

امریکہ کے سیاہ فام نیگرو رہنما ڈاکٹر مارٹن لوتھر کنگ کو کتنی بے دردی سے قتل کیا گیا، اس لئے کہ اُسے خدا نے سیاہ فام پیدا کیا تھا۔ اور وہ اپنے اور اپنے ہم رنگ وہم نسل انسانوں

کے حقوق کا تحفظ چاہتا تھا، اُن سیاہ فام انسانوں کے حقوق جنہیں یورپ کے "سفید بندوں" نے حیوانات سے بھی بدتر اور حقیر سمجھ رکھا ہے، جن پر ملک کی معاشی راہیں مسدود ہیں، جن کے لئے نصاب تعلیم، تعلیم گاہیں، ہوٹل، بسیں اور گاڑیاں تک علیحدہ ہیں، یہاں تک کہ کارخانوں میں ان کے آنے جانے کے راستے تک الگ ہیں اور جن کے ساتھ رشتہ ناطہ بہت بڑا پاپ" سمجھا جاتا ہے — یہ سیاہ فام انسان بدترین طبقاتی تفاوت، استحصال، ظلم و جبر اور حقوق کی حق تلفی کا شکار ہیں۔ اُس امریکہ اور یورپ میں جو "تہذیب و تمدن" کی امامت کا مدعی ہے، اُس امریکہ میں جو اقوام متحدہ کا چوہدری ہے جو انسانی حقوق کی حفاظت کا دعویدار ہے، اُس امریکہ میں جو ہمیشہ انسانی حقوق کے چارٹر کا ڈھنڈورا پیٹ کر اپنے ظلم، سفاکی اور ذلت کے داغ چھپانا چاہتا ہے، اپنے ملک کے باشندوں کے ساتھ بھیڑ بکریوں جیسا سلوک اُس دعویدار تہذیب ملک میں ہو رہا ہے، جہاں کے سب سے بڑے شہر نیویارک کی بندرگاہ میں "آزادی کا مجسمہ" دنیا سے آنے والوں کا استقبال ان الفاظ سے کرتا ہے:

"اپنے بے کس مصیبت زدہ اور غلام عوام کو ہمارے سپرد کیجئے تاکہ وہ آزادی کی زندگی بسر کر سکیں وہ لوگ جن کا نہ کوئی ٹھکانہ ہے اور نہ کوئی وطن۔ لیجئے میں حاضر ہوں اور سنہری دروازہ کے قریب اپنی مشعل لئے کھڑا ہوں۔"

مگر اُف قول و عمل کے تضاد کی ایسی بھیانک مثال کیا تاریخ کے کسی دوسرے حصہ میں بھی مل سکتی ہے۔؟ ہرگز نہیں تاریخ میں پہلی بار دھوکہ، فریب، دجل و تلبیس اور عالمی پیمانے کی یہ "بدمعاشی" صرف یورپ اور مغربی تہذیب ہی کو نصیب ہو سکی ہے، جس کے نسلی، علاقائی اور قومی امتیازات سے خود امریکہ اور برطانیہ جل رہا ہے۔ رہوڈیشیا مظلوم انسانوں کے خون سے لالہ زار ہے، کینیا نالاں ہے، اور جنوبی افریقہ پوری انسانیت پر ماتم کناں ہے، جہاں انسانی خون کی وقعت بول و براز کے برابر بھی نہیں رہی۔ اُف کتنی شوخ چشم اور حیاء سے تہی ہے۔ یہ تہذیب اور کتنے جری ہیں اس کے علمبردار جنہیں اب بھی اپنے آپ پر ناز ہے، کتنی کور چشمی اور دیدہ دلیری ہے ان گستاخ نگاہوں کی جو اپنی اس ساری شقاوت و رندگی اور ذلت و رسوائی کو تہذیب و تمدن اخلاق اور انسانی حقوق کی رعایت کا نام دیکر بار بار اٹھتی ہیں، تو اُس مذہب پر جو حقیقی مساوات

کا علمبردار، انسانی حقوق کا نقیب اور پوری کائنات کیلئے رحمت بن کر آیا ہے، اور جو ابتداء سے لیکر آج تک احترام انسانیت کا عملی نمونہ پیش کر رہا ہے۔ جس کے بھیجنے والے کا اعلان ہے: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ بیشک اللہ کے ہاں تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو۔ جس کے پیغمبرؐ کا وداعی پیغام تھا: الناس من آدم وآدم من تراب (ابن سعد)۔ تمام انسان آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ آگے ارشاد فرمایا: لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا للاسود علی الاحمر ولا للاحمر علی الاسود الّا بالعلم والتقویٰ۔ کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں اور نہ کسی سیاہ فام کو سرخ رنگ والے پر اور سرخ رنگ والے کو سیاہ فام پر کوئی فضیلت ہے۔ مگر علم اور تقویٰ کے لحاظ سے، ایک روایت میں یہ اضافہ ہے: ولا لابیض علی اسود۔ نہ کسی سفید فام کو سیاہ فام پر کوئی فضیلت ہے —— یہ اس مذہب کی بات ہے، جس نے ایک سیاہ فام حبشی غلام بلالؓ کو انسانیت کی معراج سے نوازا، جنہیں حضورؐ اقدس نے جنّت میں اپنے سے آگے آگے چلنے کی بشارت دی اور جب ایک صحابیؓ نے انہیں "او حبش کے بیٹے" کہہ کر پکارا۔ تو حضورؐ نے اسے ڈانٹ کر فرمایا تم میں اب بھی جاہلیت کی بوباس باقی ہے۔ یہ اُس سیاہ فام بلالؓ کی بات ہے جسے اسلامی قلمرو کے سب سے بڑے فرمانروا فاروق اعظمؓ "یا سیّدنا!" اے ہمارے سردار" سے پکارا کرتے تھے اور یہ وہ فاروق اعظمؓ ہیں جن کا جنازہ اپنے علم وفضل کی بدولت ایک عجمی نژاد صہیب رومیؓ نے پڑھایا جب کہ سرخ وسفید رنگ والے کئی جلیل القدر صحابہؓ موجود تھے۔

یہ اُس دین قیم کی امتیازی شان ہے۔ جس نے والیٔ مصر کے ساتھ ملنے والے وفد کی قیادت ایک ایسے سیاہ فام صحابی حضرت عبادہؓ بن صامت کو سونپ دی تھی جسے دیکھ کر بادشاہ لرز گیا اور اصرار کرنے لگا کہ دوسرے شخص کو میرے ساتھ گفتگو کے لئے مقرر کر دو، مگر مسلمانوں نے والیٔ مصر کی یہ خواہش ٹھکراتے ہوئے کہا کہ چونکہ یہ شخص علم وفضل اور تقویٰ میں ہم سب سے بڑھ کر ہے، اس لئے یہی ہمارا امیر ہے۔ نیز فرمایا کہ ہماری فوج میں تو ایک ہزار سے زیادہ ایسے سیاہ فام شخص ہیں —— یہ اُس مذہب کی بات ہے جس نے ہر دور میں عجمی موالی اور سیاہ فام

غلاموں کو دین اور علوم دین میں اجتہاد اور امامت کا منصب عطا فرمایا یہ اُس دینِ حنیف کی خصوصیت ہے جس نے ایک بھینگے، لنگڑے، اپاہج اور چپٹی ناک والے سیاہ فام شخص حضرة عطاءؒ بن ابی رباح کے سامنے اجلّۂ علم وفضل کو سرنگوں کرا دیا جن کی وفات کو اہلِ مدینہ نے "عافیت سے محرومی" سمجھا۔ (ما وجدناہ الّا کا العافیة) جن کے بارہ میں اسلامی سلطنت کے فرمانروا عبدالملک بن مروان موسم حج میں منادی کراتے تھے کہ عطاء کے علاوہ کوئی اور فتویٰ نہ دے، وہ عطاء جو اہلِ حرمین کا امام اور فقیہ تھا، اور جنہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے پیشوا ابوحنیفہؒ نے اپنے تمام اساتذہ اور شیوخ سے افضل قرار دیا۔ یہ اُس روشن محمدی تہذیب اور حنیفی ملّت کی داستان ہے جس کے ایک خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک سیاہ فام لونڈی کی شکایت پر والیٔ مصر ایوب بن شرحبیل کو مامور کیا کہ میرا خط ملتے ہی تم خود سواری کسو، خود روانہ ہو جاؤ اور اپنے سامنے اُس کے گھر کی دیوار بلند کرا دو ـــــ گورنر نے جا کر بڑی تلاش کے بعد گمنام لونڈی کا مکان معلوم کیا اور خود اپنی نگرانی میں امیر المومنین کی خواہش پوری کی ـــــ تُف ہے اس عقل و خرد پر جو اس روشن اور تابندہ تہذیب کی عصرِ حاضر کی خونی اور ذلیل تہذیب سے کچھ بھی نسبت قائم کرے۔
(دینی خامہ)

برطانوی دارالعوام کی قرارداد

جاہلیت کا نقطۂ معراج

۴ر جولائی ۱۹۶۷ء کو انگلینڈ کے ہاؤس آف کامنس (دارالعوام) نے ۱۴ مخالف اور ۶۹ موافق ووٹوں سے تالیوں کی گونج اور پُرجوش خیر مقدم سے اس بل کو منظور کر لیا کہ بالغ مرد باہمی رضامندی سے تلذذ جنسی حاصل کر سکتے ہیں، اور قانون کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ بل کی منظوری کے وقت ہاؤس کی گیلریاں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں۔ اس کے بعد یہ بل ہاؤس آف لارڈز (دارالامراء) سے گزر کر ملکۂ عالیہ کے دستخط سے قانون کی آخری شکل اختیار کر گیا۔ یہ ہے مغربی تہذیب کا نقطۂ عروج اور منتہائے کمال، مظلوم کی داد رسی اور ظالم کی مذمت میں تو اس سفید سامراج کی وہ سرد مہری

(جسکا مظاہرہ اقوام متحدہ میں کیا گیا) اور بے غیرتی و بے حیائی میں یہ جوش وخروش اور اتفاق ـــــ بے حیائی کا اونچی اور اجتماعی سطح پر سرِ بازار ایسا مظاہرہ ـــــ بے شرمی اور دیوثی پر دیوثوں کی اتنی خوشی ـــــ یقیناً آج قوم لوط بھی شرم میں ڈوب چکی ہوگی اور ابلیس نے تو سر پیٹ لیا ہوگا کہ ان "لارڈوں" اور "پرنسوں" کے ہوتے ہوئے شیطنت کا کلنگ صرف میرے ماتھے کے لئے کیوں مخصوص ہے ۔؟

اس قرارداد کی منظوری پر ہم تہذیبِ مغرب پر ریجھنے والے تمام "روشن خیال اور ترقی پسندوں" کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ گناہ کس قوم میں نہیں پائے جاتے ۔؟ مگر کسی اور قوم نے بھی تالیوں کی گونج اور پارلیمانی سطح پر اپنی ذلّت اور خباثت، بے حیائی اور رذالت کا ایسا ثبوت بہم پہنچایا ہے ؟ اگر بے حیائی کے یہ طور طریقے (استلذاذ بالجنس) کتوں اور خنزیروں کے ہاں بھی رائج نہیں، تو اب ہم ان علمبرداران "تہذیب" کے لئے وہ کونسا نام تجویز کریں جو ان کی اس شاندار قومی خصوصیت پر دلالت کر سکے ۔ ؟ اس خبر کے بعد بھی کیا کسی کو ان اقوام کے بارہ میں ارشاداتِ خداوندی: وضربت علیھم الذلّة ۔ اور اولٓئک کالانعام بل ھم اضلّ ۔ اور ثم رددناہ اسفل سافلین ۔ کی صداقت میں کوئی تردّد ہو سکتا ہے ۔ اگر یہ لوگ ضالین اور مغضوب علیہم نہیں ہیں تو آپ اس کا وجود کہاں ڈھونڈیں گے ۔؟ مغربی تہذیب کی یہ قرارداد جاہلیّت کی معراج ہے ۔ اور انسان کو ذلیل چوپائیوں سے بھی بدتر مخلوق بنانے میں ابلیس کی سب سے بڑی فتح ـــــ :

پھر افسوس اور ماتم تو ان اقوام کی عقل وخرد پر ہے ۔ جو یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی حیوانیت اور شیطنت کے ان علمبرداروں کی تقلید و اتباع کو "قومی عظمت" کا نشان سمجھے ہوئے ہیں ـــــ اے ربِ کائنات اس ننگِ انسانیت مخلوق کے ہاتھوں اشرف المخلوقات انسان کی مٹی کب تک پلید ہوتی رہے گی ۔ تو دیکھ رہا ہے کہ سارا عالم اس گندی تہذیب کی غلاظتوں سے بھر گیا ہے ۔ اور ساری دنیا اس کے شر و فساد سے نالاں ہے ۔ یہ تہذیبِ مغرب کیا ہے ۔؟ اس دھرتی پر خدائے قہار کی سب سے بڑی پھٹکار ، انسانیت کے لئے گالی اور تہذیب و شرافت کے منہ پر ایک طمانچہ ـــــ ہزار صد ہزار لعنت ہو اس تہذیب پر خدا اور تمام برگزیدہ مخلوق کی ـــــ

دینِ فطرت اسلام کے مسئلہ تعدد ازدواج پر پھبتیاں کسنے والے "جریدہ ٹائم" اور اس کی ساری قوم کو ہم خاص طور سے مبارکباد پیش کرنا چاہتے ہیں کہ اس قرارداد کی منظوری کے بعد تو اب آپ کو ایک شادی کی ضرورت بھی نہ رہی۔ اس قرارداد کی منظوری سے آپ کے روحانی باپ فرائڈ کی روح کتنی سرشار ہوگی۔؟ (اگست ۶۷ء)

اقوامِ متحدہ

بیسویں صدی کے شیطانی ڈراموں کا سب سے بڑا اِسٹیج

مشرقِ وسطیٰ کے حادثہ پر ایک ماہ کے غور و فکر کے بعد جنرل اسمبلی کا اجلاس ختم ہوگیا۔ اس پوری مدت میں اس کا صرف ایک مسئلہ پر "اجماع" ہوسکا، اور وہ تھا اجلاس کو برخواست کرنے کی "قرارداد" گویا مغرب کے اس طلسماتی چکر کا ڈھونگ صرف "برخاستند" کے لئے رچایا گیا تھا۔ اصل مسئلہ پر قرارداد تو کیا مذمت کا کوئی لفظ بھی منظور نہ ہوسکا۔ ظلم و انصاف کی تاریخ کا جائزہ لینے والا مورخ اس انکشاف سے مبہوت ہوگا۔ کہ دنیا میں مظلوم کی دادرسی اور حق و انصاف کا گلا سب سے زیادہ بے دردی اور عیاری سے جس "ادارے" کے ذریعہ گھونٹا گیا اس کا نام اقوامِ متحدہ تھا۔ حقوقِ انسانی اور انسانی قدر و احترام اور آزادیٔ اقوام کا محافظ و پاسبان ادارہ؟ —— ع برعکس نہند نام زنگی کافور —— دنیا بھر میں ہر سال اس کے انصاف اور مساوات پروری کے دن منائے جاتے رہے۔ مغرب تو مغرب مشرق بھی اپنی سادہ لوحی سے اسکی جمہوریت نوازی کے ڈھنڈورے پیٹتا رہا۔ مظلوم و بے کس اسلامی مشرق کی اس ادارے سے نیازکیشی کا تو یہ عالم تھا کہ وہ تھوڑے تھوڑے وقفہ بعد اس "کالی دیوی" کے قدموں پر سینکڑوں نہیں ہزاروں انسانوں کا خون نثار کرتا رہا۔

مغربی سامراج کے اس "خونخوار عفریت" کے "مقدس چارٹر" کی روشنی میں خدا کی بستیاں اجڑتی رہیں، انسانی قافلے گھربار سے بھٹکتے اور کٹتے رہے، ناموس لٹتے رہے مخلوقِ خدا کی بے بس آبادیاں اسکی "حرام پیداوار" کے ہاتھوں نپام بموں سے جلتی رہیں، یہ قبرص و فلسطین اور

یہ کشمیر، ایتھوپیا اور رہوڈیشیا اور خاص طور سے جنوبی ویٹ نام اور خود سفید فام بندروں" کے سیاہ فام نیگرو علاقے، یہ سب ادارۂ اقوام کی" عدل پروریوں" کے شاہد عدل ہیں۔ اسکی سحر طرازیوں کا بھی عجیب حال ہے۔ کہ جب بھی اس نے انسانیت کو خونی پنجہ میں کسا، لوگوں نے اسی کی دہائی دی اور اسی کو پکارتے رہے۔ آنیوالی نسلوں کو بیسویں صدی کی یہ منحوس حقیقت حیرت میں ڈال دے گی کہ ابلیس نے اپنی زندگی میں ظلم و شیطنت کے جو سب سے بڑے ڈرامے کھیلے ان کا اسٹیج یہی اقوامِ متحدہ تھا جسے چاروں طرف سے انسانی حقوق، مساوات، اور آزادیٔ اقوام کے خوشنما پردوں سے سجایا گیا تھا۔ مگر حقیقت بینوں کیلئے مستقبل کے انتظار کی کیا ضرورت۔؟ اسکی سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کے حالیہ کردار نے یہ پردے ابھی سے چاک کر دئے ہیں۔ پردے کے پیچھے کیا ہے۔؟ انسانیت کا بین الاقوامی مذبح، عدل و انصاف کی سب سے بڑی قربان گاہ، انسانی حقوق اور آزادیٔ اقوام کے لئے ایک گالی، یہ اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہے، جس کا نام ہے اقوامِ متحدہ۔

روس اور امریکہ

انسانیت کے دو بڑے دشمن

امریکہ ہزاروں میل دور ویٹ نام کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے، وہی کچھ روس نے اپنے اتحادیوں کی مدد سے چیکوسلواکیہ کے ساتھ کیا، اپنے استعماری عزائم پر پردہ ڈالنے کیلئے روس اب ہزاروں تاویلات کرے گا۔ مگر حریت پسند اور باشعور دنیا ان تاویلات پر کیسے کان دھرے گی۔؟ جبکہ اب تک خود روس، ویٹ نام کے بارہ میں امریکہ کی ایسی تاویلات کا مذاق اڑاتا رہا۔ حقیقت بہر حال حقیقت رہے گی کہ روس ہو یا امریکہ مظلوم اور پسماندہ اقوام اور کمزور ممالک کو اپنے استبدادی پنجہ میں رکھنے اور انسانیت کا گلا گھونٹنے کے بارہ میں دونوں یکساں ہیں۔ امریکہ روس کو امن و سلامتی کا دشمن سمجھتا ہے۔ اور روس امریکہ کو ظلم و استعمار کا علمبردار، مگر ہر وہ شخص جس کے دل میں انسانی حقوق

اور حریت اقوام کے جذبات موجزن ہوں اور یہ جذبات سیاسی مصالح کے دبیز پردوں میں دب نہ چکے ہوں، اس کا ضمیر یہی فیصلہ کرے گا۔ کہ روس ہو یا امریکہ دونوں نہ مشرق کے دوست ہیں نہ مغرب کے، انہیں غرض ہے تو اپنی چودھراہٹ سے اور انہیں سروکار ہے تو اپنی خبیث اغراض اور اپنے استعماری مقاصد سے، اپنے مقصد کے لئے دونوں جب بھی چاہیں کسی بھی پُرامن اور ہنستے کھیلتے پرسکون ملک کو جہنم زار بنا دیں۔

صدیوں قبل یہود نے عیسائیوں پر اخلاق و تہذیب اور سچائی سے عاری ہونے کی پھبتی کسی، جواب میں عیسائیوں نے یہودیوں کو ہر خیر و بھلائی اور اخلاق و شرافت سے عاری قرار دیا۔ ایک جلیل القدر صحابی عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کی زبانی دونوں کے ریمارکس سن کر فرمایا: صدقتا۔ یعنی دونوں نے سچ کہا۔ یہود و نصاریٰ واقعی ایسے ہیں، آج بھی اسی زبان میں کہا جا سکتا ہے کہ ایک دوسرے کے بارہ میں روس اور امریکہ دونوں سچے ہیں۔ ویٹ نام اور اس کے بعد چیکوسلواکیہ اس حقیقت کی زندہ مثالیں ہیں۔ اگر فلسطین، قبرص اور کشمیر سے ماؤف ذہن سبق نہیں لے سکے تو ان تازہ مثالوں میں تو ساری انسانیت سارے مشرق اور خاص طور پر سارے عالم اسلام کے لئے کھلی اور واضح نشانی موجود ہے۔ ویٹ نام بننے سے تو سب پناہ مانگتے ہیں — پھر کیا چیکوسلواکیہ کا حشر ویٹ نام سے مختلف ہے۔؟

سامراج کا جنازہ

جنگ ویٹ نام کا خاتمہ

ویٹ نام سے بعد از خرابی بسیار امریکی سامراج کا جنازہ نکل گیا ۳۰ سالہ جنگ میں امریکہ کے ہاتھ کیا آیا —؟ ۲۳ لاکھ افراد لقمۂ اجل بنے، دو کروڑ بے گھر، نو لاکھ یتیم ویت نام کی آدھی آبادی پناہ گاہوں سے محروم ہوئی امریکہ نے پونے بیس کھرب روپے اس آگ میں پھونک ڈالے جو پوری دنیا کو بھوک سے نجات کا ذریعہ بن سکتے تھے اور جس سے ڈھائی سو سال تک پاکستان جیسے ملک کا بجٹ پورا ہو سکتا تھا۔ امریکہ کو اس کے عوض ملا تو کیا۔؟

عالمی رسوائی، ذلت، شرمندگی، درندگی اور بہیمیت کا سرٹیفکیٹ۔ اب تھائی لینڈ سے امریکہ بھگایا جا رہا ہے۔ کمبوڈیا نے رسوا کر کے گھر سے نکال دیا۔ کوریا اور لاؤس میں پٹائی ہو رہی ہے۔ یہ ہے اس صدی کے عظیم سامراجی کا عبرتناک انجام۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ سامراجی قوتوں کے بارہ میں ہمارے اکابرین جنگِ آزادی حضرت شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیرہ کی پیشنگوئیاں ایک ایک کر کے پوری ہو رہی ہیں۔ برطانیہ کے بعد امریکہ کا شیر بھی مر رہا ہے۔ سامراج سکڑ رہا ہے، اور اس صدی کے اختتام تک برطانیہ کی طرح امریکہ کا بھی دنیا کی قلاش اور غریب و بے دست اقوام میں شمار ہونا کوئی ناممکن بات یا خوش فہمی نہیں رہی ــــــ

چین کے لئے
سلامتی کا راستہ

چین کو بالآخر فتح ہوئی اور امریکہ کو شکست ماننی پڑی۔ یہ ایشیائی اقوام کی جیت ہے۔ چین یہاں کے مظلوم اور ستم رسیدہ اقوام کا سہارا ہے۔ مگر ہمیں ڈر ہے کہ مغربی سامراج کا یہ حریف حلیف بن جانے کے بعد اپنے مثالی کردار کو چھوڑ نہ بیٹھے کہ الکفر ملّۃ واحدۃ کی بنا پر رشتۂ وحدت پہلے سے موجود ہے۔ لوگ امریکہ اور چین کے قرب و تعلق پر خوش ہو رہے ہیں۔ لیکن ہم چین کو نہایت مضبوط مگر مغربی سازشوں سے بہت دور دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان سے عداوت ہی میں چین کی بھلائی ہے۔ اور ایشیائی اقوام کی بھی، ہماری دعا ہے کہ چین اس امریکی دامِ زرّیں کی فریب کاریوں میں نہ آئے جس سے سمندر کی مچھلیاں اور فضاؤں کے پرندے بھی الاماں والحفیظ کہہ کر پناہ مانگتے ہیں۔

باب ۲
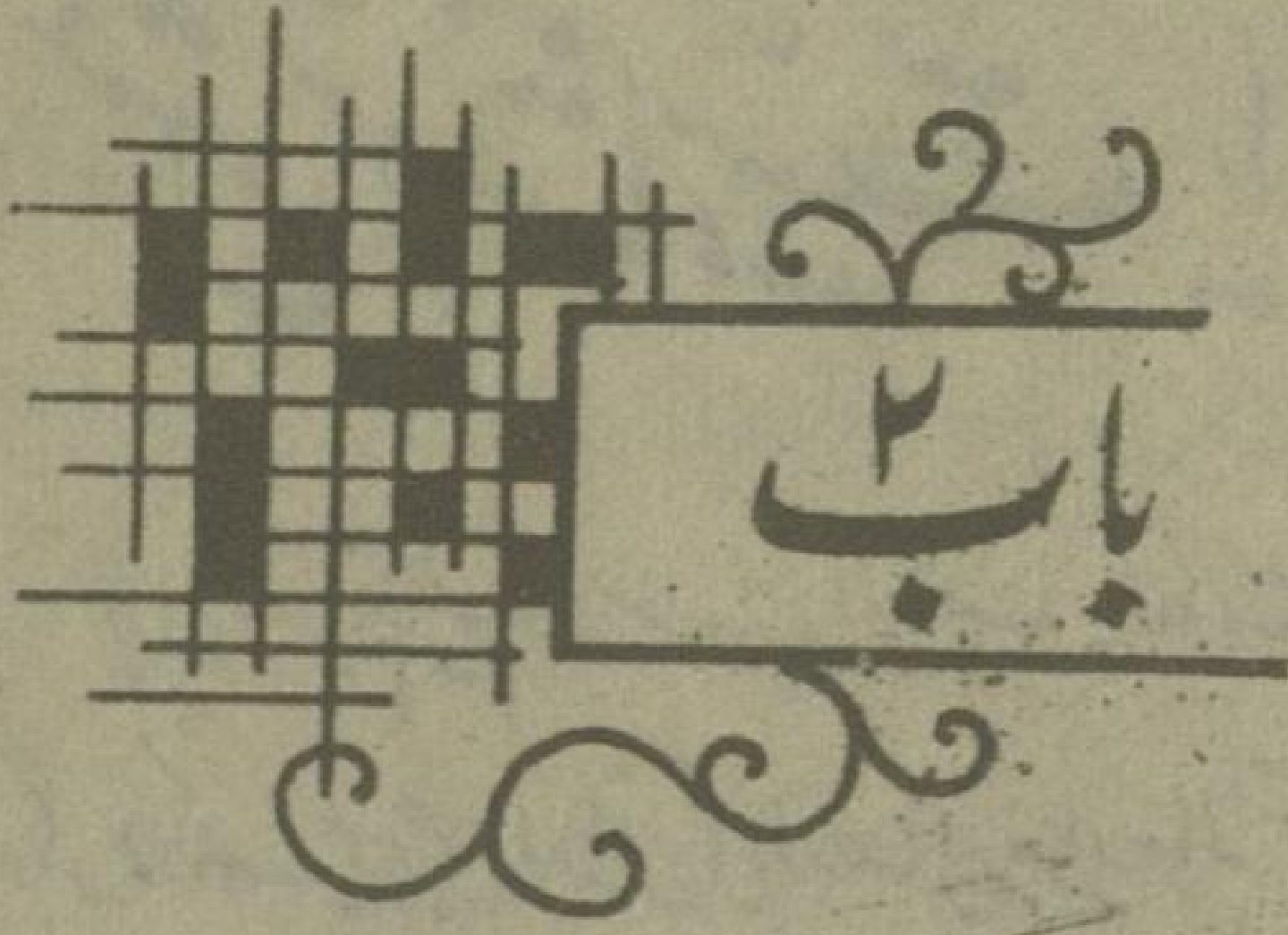
عالمِ اسلام مغربیت کی زد میں

جشنِ شہنشاہیّت یا احیاءِ جاہلیّت

قابلِ احترام عظیم دوست اور ہمسایہ مملکت ایران کی تحریک پر نہ صرف ایران و پاکستان بلکہ دیگر ممالک میں بھی ایران کی اڑھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن منایا جارہا ہے۔ تقریبات کا ایک طویل سلسلہ ہمارے ہاں بھی شروع ہے۔ پورا پریس خاص اڈیشن اور مضامین نکال رہا ہے سرکاری سطح پر دفاتر میں تعطیل کی گئی ہے اور رنگا رنگ پروگراموں سے اس جشن کی رنگینیوں میں اضافہ کیا جارہا ہے —— ایران ہمارا امن پسند پڑوسی اور ساتھی ہے۔ شاہِ ایران بالقابہ ہمارے مخلص حلیف ہیں۔ پھر اسلام کے اٹوٹ بندھنوں نے ہم سب کو جسدِ واحد بنا دیا ہے۔ ایک کی خوشی سب کی شادمانی اور ایک کا غم سب کی بے چینی ہے۔ اس لئے بجا طور پر ہم شہنشاہِ ایران اور ایرانی عوام کی مسرتوں میں شریک ہیں۔ ہم خلوص و وفا کا بدلہ خلوص سے دینا جانتے ہیں اور انشاء اللہ ایرانی قوم ہر نازک مرحلہ پر ہمیں احسان شناس اور وفا شعار قوم پائے گی۔ پس بلاشبہ ہم اپنے دل کی گہرائیوں میں شاہِ ایران اور ان کے معزز خاندان بلکہ "اسلامی ایران" کے تمام بہادر اور محب ملت و وطن سپوتوں کے لئے جذباتِ تحسین موجزن پاتے ہیں۔

پس امید ہے کہ وفا کیشی کے اس واضح اعتراف کے بعد اسلامی تقاضوں اور جذبۂ ایمانی سے مجبور ہو کر اس ڈھائی ہزار سالہ جشن پر ایک خاص زاویہ سے کچھ عرض کرنے کی جسارت کو کسی بُرے جذبہ پر محمول نہیں کیا جائے گا۔ مقصد نصح و خیر خواہی ہے۔ اپنے وطنِ عزیز کیلئے گرامی قدر ہمسایہ ایران کیلئے اور پورے عالمِ اسلام کے لئے اس لئے ان گذارشات کو جذبۂ خلوص اور احساسِ مسئولیت خداوندی ہی پر محمول کیا جائے گا۔

دنیا کی تمام جاہلیتوں سے بیزار ہونے والے محمد عربی علیہ السلام کے نام لیوا۔ بلالحاظ اختلاف مسلک اگر غور کریں گے تو غیر شعوری طور پر اس اجتماعی جرم عظیم کی شدت اور گہرائی پر محو حیرت ہو کر اشکِ ندامت بہائے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ جو بے خبری میں اس جشن کی شکل میں سرزد ہو چکا ہے۔ اگر خدا نے چاہا اور یہ اشکہائے ندامت اس کی تلافی بن سکے تو اس خامہ فرسائی کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

مسئلے کا اصل رُخ بظاہر معاملہ کسی ایک خاندان کے جشن کا ہے مگر ہے تاریخ اسلام کی بھیانک ترین لغزش اور جاہلیت اولیٰ کی اتنی زبردست تحسین جسکی نظیر پوری تاریخ میں ملنی مشکل ہے ـــــ مسئلے کا ایک رخ تو یہ ہے کہ کیا اسلام نے شہنشاہیت کی حوصلہ افزائی کی ہے ۔؟ اور کیا ملوکیت کی کوئی بھی شکل حضورؐ کے پیش کردہ نظام سیاست و مملکت سے جوڑ کھا سکتی ہے ۔؟ دوسرا گوشہ یہ ہے کہ کیا اسلام نے کسی شخصیت، خاندان، کسی طبقہ یا کسی عہد یا تاریخ کے کسی خاص دور کا مروّج طریقوں سے جشن منانے کی اجازت دی ہے ۔یا نہیں ؟ اور کیا اسلام کا عمومی مزاج شہنشاہیت کی اس انداز میں روادار ہے ۔؟ سلطانیٔ جمہور اور مساوات کے غلغلوں میں مسلمانوں کا ایسے نمونوں پر قائم رہنا غیروں پر کیسے اثرات چھوڑ سکتا ہے ـــ ؟ کتاب و سنّت کی روشنی میں ان سب باتوں پر گفتگو کی گنجائش ہے مگر بات صرف اتنی نہیں اور نہ ہمارا روئے سخن ان چیزوں کیطرف ہے ۔؟ ذرا غور کیجئے یہ جشن اگر صرف سیادت مآب رضا شاہ پہلوی یا ان کے قریبی بزرگوں کا منایا جاتا یا اس سے بھی ایک قدم بڑھ کر اس کا دائرہ صرف سرزمین فارس میں آفتاب اسلام کی ضیا پاشی کے آغاز تک وسیع ہوتا تو بمشکل ہی سہی لیکن گنجائش شاید اس جشن کی نکل آتی اور اس حد تک ہم بھی جذبات سپاس و محبت میں شریک ہوتے ـــــ ۔

عہد جاہلیت کی تحسین اور اسلام جمع نہیں ہو سکتے مگر یہاں تو بات چودہ سو سال کی نہیں ڈھائی ہزار سال کی ہے ۔ جس میں گیارہ سو سالہ دور خالص اس عہد جاہلیت کے شہنشاہوں کا ہے ۔جب کہ اس پورے عرصہ میں ایران کی تیرہ و تاریک سرزمین کسی بھی آسمانی دین اور توحید کی روشنی سے شناسا نہ ہوئی نہ ان ملوک و امراء کے ہاں کسی اخلاقی قدر کی قدر افزائی تھی ۔پھر اس اڑھائی ہزار سالہ عہد میں ان ملوک کا وہ عہد نامسعود بھی شامل ہے ۔جب کہ بعثت نبوی کے بعد خلافت راشدہ قریب الختم ہونے تک ان شہنشاہوں نے اپنی ساری قوت و سطوت اسلام اور داعیٔ اسلام کے مقابلہ میں صرف کر دی اور ہر قیمت پر اسلام کے تابندہ چراغ کو بجھانا چاہا مگر اسلام کے بہادر جرنیلوں نے سب کچھ لٹا کر یہ روشنی نہ صرف بچائی بلکہ ایران کے ظلمتکدوں کو اس سے روشن کر کے دم لیا ۔

اسلام سے پہلے ایران کی شبِ دیجور مگر اس روشنی سے پہلے ایران کی شبِ دیجور کی کیا حالت تھی، آئیے ظہورِ اسلام سے ذرا پہلے اور پھر اس کے بعد اس کی دھندلی سی تصویر پر ایک نظر ڈالیں شاید تختِ کیانی پر متمکن ان شہنشاہوں کے "کارناموں" میں بھی حسن کا کچھ سامان مل جائے۔

مزدکیت اور زردشت بعثتِ نبوی سے پہلے ہمیں قباد اوّل بن فیروز سے واسطہ پڑتا ہے۔ جس نے مزدک کو پروان چڑھایا۔ مزدک نے دولت کے ساتھ عورت کو بھی مشترکہ قومی سرمایہ بنایا کسی ایک کی بیوی سب انسانوں کا بستر بن سکتی ہے۔ یہ اس کا فلسفہ تھا۔ قباد نے اس تحریک کو شاہی سرپرستی میں لیا۔ عیش پرست ملوک اور امراء نے اس کا خیر مقدم کیا اور اس بہیمانہ تعلیم نے رہی سہی اخلاقی قدروں کو بھی خاک میں ملا کے رکھ دیا ۵۳۱ء میں قباد کی جگہ نوشیرواں آیا جس کی عدل پروری کی دنیا میں ایک دھوم ہے۔ مگر عدل و انصاف کا یہ تمغہ اسے ان ہزاروں احباب واقارب اور امراء وعوام کو تہ تیغ کرنے کے صلہ میں ملا جو اس کے کیشِ زردشتی اور جذبۂ آتش پرستی میں مزاحم بنے۔

الغرض! اس نے مزدکیت کی جگہ زردشت کے نامعقول فلسفہ کو بزورِ شمشیر رائج کرنا چاہا۔ یہ فلسفہ کیا تھا۔؟ یزدان واہرمن کے نام سے خداؤں کی تقسیم، نیکی وبدی، خیر وشر ظلمت ونور کا گورکھ دھندا، آگ اس میں مسجودِ خلائق تھی، رہا اخلاق تو اس پورے آئین اور فلسفہ میں اس کے لئے کوئی خانہ نہ تھا، بلکہ مجوسیت نے باپ کا بیٹی، بھائی کا بہن، بیٹے کا ماں سے نکاح کو ایک عام بات بنا کر اخلاقی قدروں کو پوری طرح محو کرنے کی بھرپور کوشش کی یہی وجہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں ہم بادشاہ یزدگرد ثانی کو اپنی بیٹی سے نکاح کرتے اور پھر اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے دیکھتے ہیں —— نوشیرواں عادل کی اس دوئی پرستی (تثنی فی العبادۃ) کو اس کے بیٹے نوشزاد نے تثلیث پرستی سے مٹانا چاہا جو خود تثلیث میں محو تھا۔

نوشیرواں کے بعد یزدگرد ثالث سے لیکر ہرمز چہارم تک یہی حالت رہی شہنشاہوں کے اس عہد میں عورت کا جو مقام تھا اس کے کچھ نقوش شاہنامہ کے اوراق میں نظر آسکتے

ہیں ــــ

مانویت | اسی عہد کی یادگار مسیحیت اور مجوسیت کی وہ معجونِ مرکب بھی ہے جو مانویت کے نام سے مشہور ہے جسکی بنیاد یہ ہے کہ ترکِ ازدواج و تعلقاتِ انسانی کے ذریعہ پورے بنی نوعِ انسان کی نسل کشی کی جائے۔ ان حکمرانوں میں قدرِ مشترک اگر تھی تو یہی کہ یہ اپنے بنی نوعِ انسانوں پر خدائی کیلئے پیدا ہوئے ہیں، رعایا انہیں معبود اور اوتار سمجھے۔ اور وہ رعایا کو بے دام غلام جیسے بھی چاہیں ان کے مال و متاع اور عصمت و آبرو میں تصرّف کریں۔ وہ اپنے سوا ساری مخلوق کو ذلیل اور کمتر سمجھتے اور اسے اپنے برابر کسی بھی انسانی سلوک کے مستحق نہ خیال کرتے۔ ہمارے ایک اولعزم سفیر مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جب ایک دفعہ رستم کے دربار میں ساری شان و شوکت کو روندتے ہوئے تخت تک پہنچے اور رستم کے برابر بیٹھ گئے تو پورا دربار اس گستاخی پر چلّا اٹھا اور مسلمانوں کے ایک معزّز سفیر کو جنہیں بلایا گیا تھا۔ تخت سے کھینچ کر نیچے گرا دیا گیا۔ صحابیؓ رسولؐ نے شانِ قلندرانہ سے دربار پر ایک نگاہِ حقارت ڈالی اور فرمایا کہ اب تم ضرور مغلوب ہوگے۔ کیونکہ کوئی سلطنت ایسے افعال و اخلاق کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔

الغرض! ان بادشاہوں کے ایسے عادات و اطوار تھے جنھوں نے مشرک عیسائیوں کو حضرت رسول کریم علیہ السلام کی نظروں میں مجوس پر قابلِ ترجیح بنا دیا تھا۔ قرآن کا سورہ روم بھی مسلمانوں کے ایسے ہی جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے۔

بعثتِ نبویؐ اور ملوک فارس کا ردِّعمل | اب ذرا بعثتِ نبوی کے بعد ملوک فارس کے ردِّعمل کو بھی دیکھئے۔ حضورِ اقدسؐ کا والا نامہ دعوتِ نجات و فلاح لیکر حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے ذریعہ عظیم فارس کسریٰ خسرو پرویز کے پاس پہنچتا ہے۔ مگر وہ طرزِ تخاطب دیکھتے ہی آگ بگولہ ہو کر نامۂ مبارک پھاڑ دیتا ہے اور کہتا ہے: یکتب الیّ بھذا وھو عبدی۔ میرا محکوم ہو کر مجھے ایسا خط لکھتا ہے ـــــ پھر نہ صرف یہ کہ قاصد کی تذلیل کر کے اسے نکلواتا ہے۔ بلکہ یمن کے گورنر باذان کو حضور کی گرفتاری اور مدائن پہنچا کر دربار میں پیش کرنے پر مامور کرتا ہے۔ اور اس طرح حسبِ بشارتِ نبویؐ ہزار سالہ مستحکم سلطنت کی بنیادیں خود

اپنے ہاتھ سے تہ و بالا کرنے کا سامان کرتا ہے اس کے بعد مدائن کے چودہ کنگروں کے گرنے کی تعبیر شروع ہوتی ہے۔ اور خسرو پرویز کا بیٹا نہ صرف اپنے باپ کو بلکہ تمام خاندان اور وارثان مملکت کو قتل کر کے تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ تو اس کی جگہ سات برس کا بچہ اردشیر تختِ کیانی پر بٹھلایا جاتا ہے۔ مگر اپنے ہی ایک جرنیل کے ہاتھوں وہ بھی قتل ہو جاتا ہے۔ اور پورے خاندان میں مرد وارث تخت نہ ہونے کی وجہ سے کسریٰ کی بیٹی بوران کی تاجپوشی ہوتی ہے۔ مگر جلد ہی دور کا ایک رشتہ دار اسے قتل کر کے تخت پر قابض ہو جاتا ہے وہ بھی ایک ماہ لطفِ سلطنت نہیں اٹھاتا کہ اہلِ فارس اُسے قتل کر دیتے ہیں اب کسریٰ کی دوسری بیٹی ارزمیدخت کی باری آتی ہے۔ اور وہ مالک تخت و تاج بن جاتی ہے۔ مگر مشہور جرنیل رستم اپنے باپ کا انتقام لیتے ہوئے ملکہ کو اندھا کر کے قتل کر دیتا ہے اور کسی اور کو تخت پر بٹھاتا ہے۔ مگر جلد ہی تختِ کیانی پھر لاوارث ہو جاتا ہے۔ اور بالآخر تلاشِ بسیار کے بعد کسریٰ کے ایک گمنام پوتے یزدجرد کو کہیں سے لا کر تختِ شاہی پر متمکن کر دیا جاتا ہے۔

چراغِ مصطفوی اور فارس کے بولہبی شرارے — یہی یزدجرد ہے جسے ہم حضرت عمرؓ کی جان نثار افواج کے ساتھ سرزمین فارس اور عراق عجم میں مسلسل برسرِ پیکار دیکھ رہے ہیں۔ قادسیہ، مدائن اور نہاوند کے میدان اسلام اور جاہلیت کے اس خونین تصادم کی نشانیاں ہیں۔ رستم و ہرمزان جالینوس اور فیروزان اور یزدگرد و خاقان وہی بولہبی شرارے ہیں جو آخر تک چراغ مصطفوی سے ستیزہ کار رہے۔ سعد بن ابی وقاص، ربعی بن عامر، حذیفہ اور مغیرہ رضی اللہ عنہم کے پاک ارواح شہادت دیتے ہیں کہ اسلام کسی لمحہ بھی اس عجمی جاہلیت کا روادار نہیں ہو سکتا۔ قادسیہ کے میدان، فارس کے دشت و صحرا، دجلہ کی طغیانیاں اور مدائن کے کھنڈرات جاہلیت اور اسلام کے درمیان نہ مٹنے والی دوری اور حد فاصل کی گواہی دے رہے ہیں۔

بہر تقدیر عہد اسلام سے قبل یا اس سے کچھ عرصہ بعد عہدِ عثمانؓ تک یہ اُس شہنشاہیت کی ایک جھلک تھی جسے آج محمد عربیؐ کے غلاموں نے خراجِ تحسین پیش کیا۔ ان عاشقانِ پاک

طینت کے ارواح پر کیا گذری ہوگی جنہوں نے انسان کو انسان کی بندگی سے نکال کر ایک معبود برحق کی چوکھٹ پر لانے کی خاطر اپنی محبوب جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور عجم کے کارگزاروں کو اپنے خون سے لالہ زار بنا دیا۔ عراق اور ایران کے صحراؤں میں اپنے اسلاف کی تگ و تاز اور جہادِ پیہم کی ساری داستان ہم بھلا بیٹھے۔

اسلام جشنوں کا روادار نہیں | اگر اسلام جشنوں اور یادگاروں کا متحمل ہوتا اور ہمارا موجودہ عہدِ ذلت و ادبار ان نحوستیوں کو برداشت کرتا اور ہم جشن مناتے بھی تو ہمیں اس فاروقِ اعظم کا جشن منانا چاہئے تھا جس کے صدقے آج ہم نہ صرف ایران بلکہ کئی اسلامی سلطنتوں کے دعویدار ہیں۔ صحابہؓ کی جان فروشیاں نہ ہوتیں تو اس دور کی جاہلانہ ملوکیت ہمیں کہاں پہنچائے ہوتی۔ آج ہم عالمِ انسانیت کیلئے بوجھ ہوتے، انسان انسانوں کا غلام ہوتا۔

قابلِ فخر اسلاف کون ہیں۔؟ | ہمیں یاد منانی ہے تو اپنے جرنیل سعد بن ابی وقاص کی منانی چاہیئے جن کے فولادی عزم و یقین کے سامنے بحر ظلمات سرنگوں ہوا اور اُن صحابہؓ کا جن کے عزم و حوصلہ کے صدقے فارس کے ایوان نغمہ ہائے توحید سے گونج اُٹھے۔ ابو عبید اور خالد کی یاد تازہ کیجیئے جن کے عزم و تدبر اور صلابت و ہمت کے سامنے روم کے صنمکدے پگھل کر رہ گئے۔ اسلام کفر اور عہدِ جاہلیت کے کسی نقش کو تازہ کرنے کا روادار نہیں اور نہ اسلام ایسے لوگوں کی تحسین کرتا ہے۔ خواہ وہ ہمارے آباؤ اجداد ہی کیوں نہ ہوں۔ خواہ ایسا ایران میں کیا جائے یا عرب میں افریقہ میں ہوتا ہے یا ہند میں، ہمارے لئے قابلِ فخر وہی اسلاف ہیں جن کا سب کچھ اوّل و آخر اسلام کیلئے تھا۔ اگر ہمارے اسلاف میں سے کسی نے خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے، اسلام اور داعیٔ اسلام کے بارہ میں اچھی روایت نہیں چھوڑی تو ہم ایسے اسلاف پر فخر و مباہات کی بجائے اظہارِ نفرت و ملامت کرتے ہیں۔ مسلم کی شان تو یہ ہے کہ: لاتجد قوماً یومنون باللّٰہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللّٰہ ورسولہ ولو کانوا آباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم۔

جاہلیت کی کوئی یاد لائق اعتناء نہیں۔ | جاہلیت کی یاد خواہ فراعنۂ مصر کی ہو یا ابوجہل و ابولہب قریش کی، مغلوں کے ہلاکو یا چنگیز کی ہو یا یمن کے عاد و ثمود کی، ہندوستان کے راجہ

داہر کی یا عراق کے نمرود اور فارس کے دارا و سکندر کی ہر لحاظ سے قابلِ نفرین ہے۔ اور ہمیں اس دورِ جاہلیت کو دل و دماغ کے ہر گوشہ سے مٹا دینا چاہیئے۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ مصر کی فرعونیت اور سندھ کی داہریت پہ تو واویلا کیا جائے مگر ایران کی عجمی جاہلیت کی یاد منانے میں سب ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی سعی کریں۔

ہم امتِ مسلمہ ہیں عہدِ جاہلیت کی کوئی یاد کوئی نشان اور کوئی نقش ہمارے لئے لائقِ اعتناء نہیں اور اس ہادیٔ برحقؐ کی تعلیم ہے جس کے آنے سے جاہلیت کی کایا پلٹ گئی، ایوان کسریٰ میں زلزلہ آگیا اور اس کے چودہ کنگرے زمین بوس ہو گئے، شام کے تمام آتشکدوں کی آگ بجھ گئی، بحیرہ سادہ کا پانی خشک ہو گیا سماوہ کی ندی سوکھ گئی، بحیرۂ طبریہ کا پانی منقطع ہو گیا۔ اور فارس کے چیف جسٹس نے خواب دیکھا کہ مضبوط و توانا اونٹ اور اونٹوں کے پیچھے عربی گھوڑے دجلہ کو عبور کر کے بلادِ عجم میں پھیل گئے ہیں۔ یہ جاہلیت اب قیامت تک قدموں میں پائمال ہوتی رہے گی۔ ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ ـــ ہمارے محبوب قائد حضرت عمرؓ نے اس جاہلیت کو ہمیشہ کیلئے زیر و زبر کرنے کے بعد فرمایا تھا۔ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہو گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے۔ تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسرے کے ہاتھ میں دے دیگا۔

کاش! ایران کے اربابِ حکومت ہماری اس دردمندانہ گذارشات پر کچھ توجہ دے سکیں ـــ

حسینؓ کے شیدائی مگر شہنشاہیت کا جشن

ایران نے دنیا کے پچاس ممالک سمیت ڈھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا جشن منایا اور بقول ایرانی وزیر دربارہ اسد اللہ عالم کے صرف ایران میں اس جشن پر ایک کروڑ ۶۶ لاکھ ڈالر خرچ ہوئے۔ یہ کروڑہا کروڑ کے مصارف اور شہنشاہی طور طریقے اس مسلمان قوم کے ہیں جو ہزارہا

ہزار مسائل اور الجھنوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ جس کا بیت المقدس یہود نے چھینا ہے۔ جس کی صحرائے سینا پر دشمن قابض ہے، جس کے خون سے قبرص اور فلپائن میں ہولی کھیلی جا رہی ہے۔ جس کا کشمیر ہندوؤں نے غصب کیا ہے۔ جس کی سرحدات پر غیر قومیں مستعد اور چاک و چوبند کھڑی ہیں۔ اور خرچ بھی ان عجمی شہنشاہوں کی یاد پر جنہوں نے اپنے دور میں اسلام اور داعیٔ اسلام کی راہ میں روڑے اٹکانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اور پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اس ملک میں منایا گیا جو شیعان حسینؓ کہلا کر حضرت حسینؓ کے نام پر اس لئے فدا ہوتا ہے کہ بزعم ان کے انہوں نے ملوکیت کے خلاف آواز اٹھائی اور جن کے ہاں حضرت معاویہؓ نعوذ باللہ اس لئے گردن زدنی ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کے حق میں بیعت لی۔ مگر جو شہنشاہیت کا بانی کہلائے اس کی قبر کا طواف کرتا ہے۔ اور شہنشاہیت کو ایسی بے مثال خراجِ تحسین پیش کرتا ہے۔

خلافت اور سوشلزم کے دعویدار مگر تحسین شہنشاہیت

اور ستم ظریفیاں دیکھنی ہوں تو اپنے ہاں کی جماعت اسلامی کو دیکھئے جو حضرت معاویہؓ کو اسی جرم میں ملوکیت کا بانی اور قابل لامت سمجھ کر "خلافت و ملوکیت" کا طوفان اٹھاتی ہے۔ مگر اس عظیم جشن پر ان کا پورا پریس خاموش ہے۔ مصر کے صدر ناصر کو ایک نعرۂ فرعونیت کے الزام پر جو تحقیق طلب تھا، اب تک معاف نہیں کر سکتی مگر دارا اور خسرو پرویز کے اس زبردست خراجِ تحسین میں اُسے نہ صرف سانپ سونگھ گیا، بلکہ لاہور سے ان کے ایک نیم سرکاری ہفت روزہ نے ذوالقرنین کے پردے میں پردہ داری کی سعی بھی کی جو پچھلے ایک شمارہ میں جمہوریت کو اسلام پر واضح الفاظ میں برتری دینے کا اعلان بھی کر چکا تھا۔ اور ذرا اپنے ہاں مساوات اور سوشلزم کے دعویداروں کے قول و عمل کا بھی موازنہ کیجئے۔ جن کا پورا پریس شہنشاہیت کی یاد منانے میں برابر کا شریک تھا اور جن کے مساوات ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۷۱ء میں ڈکٹیٹر شپ، شہنشاہیت کے ساتھ ملائیت کو عالم اسلام کے زوال کا سبب قرار دیا گیا تھا مگر اوپر کے سارے حاشیے جشن کی رنگ رلیوں سے بھرپور تصاویر سے مزین تھے اور جن کے قائدین نے جشن کی ہر شب کو "شب قدر" جان کر دل کے ارمان نکالے ـــــ تضاد قول و عمل کے کیسے کیسے بھیانک نمونے اس واقعہ میں موجود ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تاریخ اور مظاہر پرستی کی سنگین گرفت

شاہِ ایران کی تاجپوشی دھوم دھام اور شاہانہ طمطراق سے ہوئی۔ اور اب تک اخبارات کے صفحات ان تقریبات کی رنگینیوں اور ہزارہا ہزار ہیروں اور جواہر سے مرصع تاج و تخت کے چرچوں سے معمور ہیں۔ ایک امن پسند مخلص اور حلیف فرمانروا کی مسرتوں کا پہلا تاثر تو ظاہر ہے کہ ہم سب ان کی مسرتوں میں شریک ہوں گے۔ مگر اس کے ساتھ ان تقریبات کا ایک اور پہلو بھی ہے جس سے ایک نگاہِ حقیقت بین گریز نہیں کر سکتی، کہ تاریخ جدید ہو یا قدیم اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ وہ اگر چاہے تو بیسویں صدی کو بھی دو ہزار سال پیچھے کی طرف لوٹا دے۔ اس کی گرفت اتنی سنگین ہے کہ بیسویں صدی (جو جمہوریت اور سلطانی جمہور کا دور کہلاتا ہے) میں کیقباد اور کیخسرو، کسروان فارس یا سلطنتِ روما کی الف لیلوی داستانیں دُہرا سکتی ہے۔ عہدِ جدید کا "متمدن" انسان خواہ قدامت بیزار انگلینڈ کا باشندہ ہو یا جمہوریت پذیر فارس کا، جذبۂ شخصیت پرستی کے سامنے آج بھی اتنا ہی بے بس ہے جتنا کہ ہزار سال پہلے تھا۔ اور تو اور مساواتِ انسانی اور اشتراکیت کا دعویدار روس کیا اپنے گلے سے مظاہر پرستی کا پھندا اتار سکا ہے؟ ہرگز نہیں سٹالن اور لینن کے سامنے یہ قوم کتنی بے بس ہے! جو قوم خدا سے کٹ گئی عمر بھر مخلوق کی جبہ سائی اس کا شیوۂ حیات بنا۔ عجز و انقیاد اور تعظیم و تکریم کی وہ کون سی صورت ہے جس کا مظاہرہ خدائے حی و قیوم سے انسانیت کو توڑنے کے بعد جذبۂ پرستش نے ان لوگوں سے اپنے مصنوعی اربابوں کے مجسموں، مقبروں، نشانیوں اور سمادھیوں پر نہیں کروایا۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جہاں تمام تکلفات خود ساختہ امتیازات اور تعیشات کا بھی روادار نہیں رہا جن سے دوسروں کی انسانی عظمت اور جذبۂ خودی پائمال ہوتی ہو۔

مادہ پرست اسلامی حکومتوں کا
فلسفۂ حیات

بحری جہاز کے عرشہ کیلئے عازمین حج کی قرعہ اندازی کے نتائج کا اعلان کر دیا گیا ہے، جو اعداد و شمار سامنے آئے ہیں اس کے مطابق امیدواروں اور کامیاب افراد کا تناسب مایوس کن اور روح فرسا ہے۔ مثال کے طور پر صرف ضلع پشاور کو لیجئے جہاں تین ہزار افراد نے درخواستیں دیں مگر اس ضلع کا کوٹہ صرف ایک سو نشستوں کا تھا۔ ایک اور تیس بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ نسبت ملک کے ہر ڈویژن اور ضلع میں رہی۔ حج بدل یا سہ سالہ اور پنج سالہ امیدواروں کے لئے تھوڑا بہت جو الگ کوٹہ تھا اس میں شرح تناسب اس سے بھی زیادہ رہی۔ بہت سے افراد ایسے تھے جن کا نام قرعہ میں نکل آیا مگر کاغذات میں معمولی کسی سقم کا بہانہ بنا کر انہیں سعادتِ حج سے محروم کر دیا گیا، یہی حال ہوائی جہاز کا ہے۔ جن معدودے چند افراد کو ہوائی سفر کی اجازت ہے، ان کے ساتھ بھی معاملہ ایک فرض کی ادائیگی میں تعاون سے زیادہ بزنس پیمانے پر ہے اور انہیں بونس واؤچر کے نام دو گنا مصارف ادا کرنے پڑتے ہیں۔ نتیجۃً بوڑھے ضعیف مسلمان اشتیاقِ دیدِ بیت اللہ میں سسک رہے ہیں۔ سالہا سال سے ملک کا ایک بہت بڑا دیندار اور ذی شعور دردِ دل رکھنے والا طبقہ گنبدِ خضرا کی ایک جھلک دیکھنے کیلئے تڑپ رہا ہے، پورا سال امید و بیم کے جان سوز لمحات میں گذار کر پھر انہی محرومی اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جو سالہا سال سے ان کے حق میں سوہانِ روح بنی ہوئی ہے، وقتی طور پر دینی اور اسلامی حلقوں سے کچھ شور بھی اٹھ جاتا ہے۔ تعداد میں چند ایک سو کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے، مگر مسئلہ کی نزاکت اور تلخ اثرات بڑھتے جا رہے ہیں، ہر سال امیدواروں میں اضافہ کے ساتھ ان کی حرمان نصیبی کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور جذبات اندر ہی اندر بھڑکتے ہیں۔ اور تسکین کا سامان نہ پا کر حکومت سے ناراضگی، نفرت اور پورے ملک سے بیزاری کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔

یہ صورتِ حال کافی عرصہ سے چلی آرہی ہے، مگر حج بیت اللہ کے مقدس اور مبارک فریضے کا مسئلہ ہے کہ "بزعم خویش دنیا کی اس سب سے بڑی نام نہاد اسلامی سلطنت" میں لاکھوں پاکیزہ تمناؤں اور مقدس آرزوؤں کے خون کرنے کا ذریعہ بنا ہوا ہے۔ ہر سال لاکھوں دینی احساسات کے آبگینے چور چور ہو جاتے ہیں۔ مگر اس کا کوئی علاج نہیں ہو رہا۔

مان لیا کہ زرِ مبادلہ اور سیم و زر کا مسئلہ اس راہ میں سنگِ گراں بنا ہوا ہے، مگر کیا اب تک ملک و ملت کو درپیش دوسرے مسائل کی طرح ہم نے اس مسئلہ کو بھی سنجیدہ طریقے سے اور منظم منصوبے کے ذریعہ کبھی حل کرنے کی کوشش کی، ۳۰ کروڑ روپے سے فیملی پلاننگ بنانے والی حکومتوں نے کبھی اس مسئلہ کے لئے بھی کوئی منصوبہ بندی کمیشن بنایا جو اس کے لئے زرِ مبادلہ کی فراہمی اور اضافہ کے لئے کسی پلانٹ پر غور کرے۔ یہاں کروڑوں روپیہ، ثقافتی طائفوں اور اس قسم کی عیاشیوں پر خرچ ہو رہا ہے، کروڑوں روپیہ عورتوں کے سامانِ آرائش و زیبائش، فلموں اور ٹیلی ویژن سیٹوں کی درآمد پر لگ رہا ہے۔ اعلیٰ اور مہذب ہوٹلوں کے نام پر ملک میں انٹرکانٹیننٹل قسم کے ہوٹلوں کے نام سے فحاشی کے جزیرے اور سیفٹی قحبہ خانے قائم ہیں۔ ذرا ہم نے کبھی غور کیا کہ ان پر کتنا زرِ مبادلہ خرچ ہو رہا ہے، پرمٹوں سے درآمد ہونے والی شراب کے خطیر مصارف میں کتنا اضافہ ہو رہا ہے۔؟ اور کیا ایک ایمانی فریضہ کی تکمیل کا مسئلہ پیٹ کے مسائل سے بڑھ کر اگر نہیں تو اس کے برابر بھی قابلِ اعتناء نہیں۔

دینی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کی وجہ | دراصل اس تمام خرابی اور دیگر تمام دینی اور اخلاقی قدروں کی پامالی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم دین، اخلاق اور اسلام کو اس کا صحیح مقام دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ ہمارا بنیادی فلسفہ حیات یہی ہے کہ ضرورت اور مفاد کی خاطر جتنا بھی چاہئے بیخ بیخ کر اسلام کا نام لو، اقتدار حاصل کرنا ہو تو اسلام کی دوہائی دو، اسلام کے نام پر لاکھوں کی لٹیا ڈبو دو۔ اسلامی حکومت کے نام پر ان کی عصمتیں تار تار کر دو، جس کفر اور الحاد کو چلانا چاہو اس پر اصلی اسلامی ٹریڈ مارک کا ٹھپہ لگا دو۔ مگر جب مقصد حاصل ہو جائے، تو سب سے بڑھ کر خود ہی اسلام کا ایک ایک ستون ڈھانے لگ جاؤ۔

منافقانہ روش ۲۲ سال بلکہ اور بھی پیچھے ہٹ کر اپنے ماضی پر نگاہ دوڑائیے تو قول و عمل کے تضاد کی ایک ایسی بھیانک تاریخ تمہارے سامنے آجائے گی جس کا ہر باب اور ہر صفحہ غداری، عیاری اور خود غرضی سے داغدار ہے۔ اسلام کا احساس ہمیں اس وقت ہوا جب قدرت کی تلوار نیام سے باہر آئی اور اقتدار یا جنگِ زرگری کے اس اکھاڑہ کے وجود کو خطرہ محسوس ہوا یا کسی طبقہ کے مادی اور ذاتی مقاصد ڈگمگانے لگے۔ یہاں کے لیڈر اسلام کی مالا جپتے ہیں، مگر ان کا ذاتی اور اجتماعی کردار اسلام کے لئے ایک گالی ہے، یہاں غریب اور کسان کے نام پر سوشلزم مساوات اور اشتراکیت کے خراد پر اسلام کو وہی طبقہ چڑھا رہا ہے جو غریبوں کا خون پی پی کر پھولے نہیں سماتا، یا جو غریب اور بے کس طبقہ کی غریبی سے فائدہ اٹھا کر اس کی عصمتوں سے کھیلتا رہا ہے۔ یہاں عدلِ عمرؓ، فراستِ صدیقی اور فقرِ ابوذر کا نام وہ لوگ لے رہے ہیں جن کی ذہنی آبیاری لینن اور کارل مارکس جیسے اعداءِ اسلام سے ہو رہی ہے۔ یہاں "اسلامی نظامِ حیات اور تحریک اقامتِ دین" کے نفاذ کے لئے وہی لوگ پیش پیش ہیں جن کی خانگی اور ذاتی زندگی سے اسلام کوسوں دور ہے۔ مگر ان کی نگاہِ گستاخ اگر اٹھتی ہے تو حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کا دین اور ایمان جانچنے کیلئے وہ اسلام کے علمبردار ہیں۔ مگر اسلام کے قرنِ اول عہدِ خلافت کو بھی معاف نہیں کرتے اور اس اسلام کی ایک ایک بنیاد پر تیشۂ تحقیق چلانا ان کا علمی مشغلہ اور تحقیقی عیاشی ہے۔ یہاں کی ہر نئی حکومت اسلام کے تحفظ اور فروغ کا پرچار کرتی ہے مگر ان کے عہدِ اقتدار میں حاجیوں کی شرح گھٹ جاتی ہے۔ اور روزہ خوروں کی تعداد اور نائٹ کلبوں کی رونق میں ترقی اور درونِ پردہ ہوٹلوں میں احترامِ رمضان کے مشاغل میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اخباری رپورٹ کے مطابق اس رمضان کے دوران کراچی کی نائٹ کلبوں میں دن بھر شراب نوشی نے گذشتہ تمام سالوں کا ریکارڈ توڑ دیا۔

تلبیس حق و باطل سے لبریز لٹریچر یہاں کے اخبارات نظریۂ پاکستان کی بقاء اور تحفظ کے بہت بڑے مناد بنتے ہیں مگر جنگ جیسا کثیر الاشاعت اخبار فلمی صفحات اور اشتہارات کے نام پر اخلاق اور شرافت کی تمام حدود پھاندنے کو نظریۂ پاکستان کی تشریح

سمجھتا ہے وہ فلمی ایڈیشن کے صفحۂ اوّل پر کسی فاحشہ عورت کا تقریباً برہنہ فوٹو شائع کرتے ہوئے نہیں جھجکتا۔ (ملاحظہ ہو، ۱۱ر اکتوبر کا فلمی ایڈیشن) یہی حال اس پایہ کے دیگر اخبارات کا ہے جو رمضان کے مقدس مہینہ میں بھی اپنے قارئین کے کام ودہن کا انتظام فحش تصاویر اور جنسی جذبات بھڑکانے والے مضامین سے کرتے ہیں، ان کے ایک کام میں قرآن کی تفسیر اور نظریۂ پاکستان کی تبلیغ ہوتی ہے۔ اور دوسرے پہلو میں اخلاق باختہ یورپ کے غلیظ اور بدبودار ادب کے شہ پارے۔ یہ پوری صورتِ حال اس پوری قوم، حاکم سے لیکر ادنیٰ رعیّت تک، کے نفاق، عقیدہ سے بے تعلقی، نظریہ سے فرار، خودغرضی اور عیاری کی نشاندہی کر رہی ہے۔ اور جب تک ان بیماریوں کا علاج نہیں ہوگا نہ تو حج کا مسئلہ حل ہوگا، نہ روزے اور نماز کا، مگر یاد رکھیئے قانونِ مکافاتِ عمل ایسی دھاندلی ہمیشہ کیلئے برداشت نہیں کرتی، قدرت کی تلوار کو نیام سے نکلنے سے پہلے صداقت، ایمان ویقین اور اس کے ساتھ والہانہ تعلق سے روک دو ورنہ وہ فتنہ آکر رہے گا۔ جس کے شکار صرف مجرم نہیں ہوتے۔ واتّقوا فتنۃً لاتصیبنّ الذین ظلموا منکم خاصۃ۔

ثقافت کے نام پر فحاشی

ثقافت، آرٹ اور کلچر کے نام پر ملک کو فحاشی اور بے حیائی کے جس جہنم کے کنارے پہنچا دیا گیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ادھر، ہم اسلام کے دعویدار ہیں اور "اسلامی انقلاب"، کا تہیہ کرنے کے مژدے سنا رہے ہیں۔ ادھر قوم کے اخلاقی زوال کا رونا بھی رویا جاتا ہے۔ ہمارے ٹی وی پر امرتسر کے ٹیلی ویژن کی یلغار کا بھی خوب ماتم کیا جا رہا ہے۔ اخلاقی جرائم کا دور دورہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اخلاقی قدروں کی پائمالی اور بربادی کا مرثیہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ مگر جب عمل تو بڑی بات ارادۂ عمل کے لئے بھی کوئی آواز اٹھاتا ہے تو "نفاق" کی عجیب شرمناک اور گھناؤنی تصویر اپنے سے پردہ حقیقت سرکا کر قوم کے سامنے آجاتی ہے۔

یہی مظاہرہ قومی اسمبلی میں ثقافت کے نام پر فحاشی سے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی قرارداد زیرِ بحث آجانے کے موقعہ پر ہوا۔ قرارداد تو مسترد ہونی ہی تھی کہ اکثریت کے ہاتھوں مٹھی بھر اہلِ حق بے بس تھے گو اتمام حجت اور اور کلمۂ حق کی بلندی کا فریضہ ادا ہو ہی جائے۔ مگر قرارداد کی مخالفت کے دوران کھل کر ثقافت کی وہ کون سی عجیب وغریب تعبیر و تفسیر نہ تھی جو قوم کے روشن خیال ماڈرن ارکان نے نہ کی ہو۔ رقص و سرود، گانا، بھنگڑا، لڈو، ثقافتی طائفے تو خیر ایسی خرافات ہیں کہ اس لفظ ثقافت کا لازمہ بن چکی ہیں۔ مگر اب کے سرکاری مقررین کے خیالات سن کر حیرت ہوتی کہ نعوذ باللہ اسلام کی تاریخ عہدِ صحابہؓ اور خلفاء راشدین کی ساری عمارت ہی ناچ گانے اور ایسی خرافات اور منکرات کی اینٹوں پر قائم ہے۔ العیاذ باللہ۔

یہ اندازِ فکر اور اسلام کے بارہ میں یہ منافقانہ روش اب تو ہمارا قومی شعار ہی بن چکا ہے۔ پچھلے ۲۶ سال اسی منافقت اور عیاری کی نظر ہو چکے ہیں۔ مگر اب تو اس دور کا نقطۂ عروج معلوم ہوتا ہے اور عروج کے بعد زوال قدرت کا اٹل قانون ہے جو لوگ طاؤس و رباب اوّل طاؤس و رباب آخر۔ اور بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست کے فلسفہ پر نہ صرف گامزن بلکہ اس کے داعی ہیں۔ اور جو تہذیبی اقدار کو طوائف کے کوٹھے میں محدود سمجھ کر قوم کو وہاں سے جا کر سیکھنے کی تلقین کرتے ہیں[1]۔ انہیں قدرت کی تعزیروں سے ڈرنا چاہیئے۔ اور حالات سے سبق بھی سودی نظام کے بعد فحاشی سے متعلق قومی اسمبلی کے ہاتھوں قرارداد کا مسترد ہو جانا دوسرا ایک عظیم المیہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ملک و ملت کی حالتِ زار پر رحم فرماوے اور قوم کے کلیدی طبقہ کو ہدایت دے ——— (جنوری ۱۹۷۴ء)

---

[1] قرارداد اور بحث کے دوران ایک سرکاری رکن نے کہا کہ اصل روحانیت اور تہذیب نفس طوائف کے کوٹھے سے پائی جاسکتی ہے۔

شکستہ خوردہ قوم پر

ثقافتی طائفوں کی یلغار

ادھر کوریا کا ثقافتی طائفہ آرہا ہے۔ اُدھر ترکی کے فن کار رخصت ہو رہے ہیں۔ ہر طرف سے طائفوں کی آمد آمد ان طائفوں کے نیم عریاں رقص و سرود اور پھڑکتے ہوئے جسموں کی ایک دھوم ہے۔ کراچی سے خیبر تک پورا ملک ان کی زد میں ہے۔ فحاشی، بے حیائی، عریانی اور اخلاق باختگی کا کونسا نمونہ تھا۔ جو اس اسلامی مملکت کے ہر بڑے چھوٹے شہر اور اس کے سینماؤں اور کلبوں میں ان طائفوں یا "طوائفوں" نے پیش نہ کیا ہو۔ نہ صرف کلبوں میں بلکہ بازاروں میں اسٹیڈیم میں پارکوں میں ہزاروں کے سامنے شرفاء اور حکام کے سامنے مردوں عورتوں بچوں کے سامنے وہ سب کچھ کیا گیا کہ شرافت اور حیا، سر پیٹ کر رہ گئی اور یہ سب کچھ انفرادی طور پر نہیں سرکاری اہتمام میں، جنہیں دیکھنے کی "سعادت" نہ مل سکی اخبارات اور پھر ٹیلی ویژن انہیں کب محروم رکھتے، وہ بھی محظوظ ہو گئے۔ بلکہ اس پر بس نہیں کی، یہ ثقافتی طائفے اپنی مجالس، انٹرویوز اور گفتگو میں ہماری مردہ غیرت پر تھوک بھی گئے۔ مردہ حمیّت کو لاتیں بھی ماریں۔ مگر بے غیرت ضمیر کی نیند اور بھی گہری ہوتی چلی گئی۔

ایک ٹرکش فنکار نے اپنے پاکستان آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ "آپ لوگ ایک بہت بڑے طوفان (مشرقی پاکستان کی جدائی، کروڑوں کی غلامی، لاکھوں کی قید، رہے سہے ملک کی ذلّت و پستی) سے گذرے ہیں، آپ رنجیدہ ہیں۔ ہم آپ کی تفریح طبع کا سامان مہیا کرنا چاہتے تھے۔"

مس نادیہ نے کہا کہ کلچر اور مذہب کے معاملہ میں ہندوستانی پاکستانیوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ (بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی ہے وہ بھی پوری ہو جائے گی۔) مس قلوپطرہ نے کہا کہ مکمل عریانی کو اپنا کر ہم اخلاق درست کر سکتے ہیں، اس طائفہ کو اگر چڑھتی تو یہاں کی مذہبی تنظیموں سے،

اور چند حیادار مسلمانوں سے، کہ وہ ہمیں ایسا کرنے نہیں دیتے۔ جو بقول اُن کے خود کو اچھے مسلمان تو کہتے ہیں مگر اچھے انسان نہیں کہتے ـــــ آگے بڑے پتے کی بات کہی۔ کہ ہمارے ترقی پسند تو سن کر اچھل پڑیں۔ فرمایا خدا کرے آپ کے ہاں بھی کمال اتاترک کے کارنامے کو دہرایا جائے۔

ـــــ جی ہاں! دہرایا جا رہا ہے۔ بہت کچھ دہرایا گیا۔ مگر ترکوں نے بھی اس صیہونی ایجنٹ دشمنِ اسلام ملعون ومغضوب کمال اتاترک کے کارناموں کا مزہ چکھ لیا۔ اور پاکستان کا زخم تو ابھی ہرا ہے، کچھ کمی ہے تو وہ بھی بہت جلد پوری ہو کر رہے گی۔ ایک اور فنکار مسٹر کمال نے کہا کہ اے لوگو اپنے ان نام نہاد مسلمانوں اور علماء کا محاسبہ کرو جو خلوت کدوں میں ہمیں گالیاں دیتے ہیں اور اندرونِ ملک انتشار پھیلانے کے ساتھ باہر بھی ملک کی ساکھ کو نقصان پہنچا رہے ہیں"

مس نجلہ کا تبصرہ تھا کہ پاکستانی جنسیات کے معاملے میں بڑے زبردست واقع ہوئے ہیں ـــــ یہ اور اس قسم کے بیشمار رکیک جملے، بے حیائی اور عیاشی کی رغبت اور غلاظت کے ہزارہا ہزار نمونے آپکو ان طائفوں کے صرف ایک انٹرویو میں مل سکتے ہیں۔ جو ماہناموں میں چھپے اور بکے۔ اور اگر آپ کو ایسی باتوں پر اچنبھا ہے تو ذرا اپنی سب سے بڑی نمائندہ مجلس "قومی اسمبلی" میں آکر اپنی منتخب سراپا عفت خواتین کے ڈائیلاگ اور تقاریر سن لیجئے۔ یہی اندازِ بیان یہی استدلال یہی جرأتِ رندانہ نظر نہ آئے تو جو سرزنش ہو کر سکتے ہیں۔ یہ اس قوم کی حالت ہے جو آگ اور خون کے طوفان سے گذری نہیں بلکہ دن بدن ذلت و پستی، رسوائی اور تباہی کے گڑھوں میں دھنستی چلی جا رہی ہے۔ مگر وہ اپنا غم ایسے حیا باختہ پروگراموں میں محو ہو کر مٹانا چاہتی ہے۔ پس کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی نصیحت اور عبرت کی ضرورت ہے۔

فھل من مدّکر ـــــ

ہاکس بے کے ساحل پر

قومی شرافت کا جنازہ

کراچی کے ہاکس بے پر جو شرمناک واقعہ رونما ہُوا، اخباری اطلاعات کی بناء پر اس سے صدرِ مملکت سے لیکر قوم کے عام افراد تک کی آنکھیں شرم سے نیچی ہو گئیں اور واقعی سینکڑوں جوان لڑکوں کا سینکڑوں لڑکیوں پر ٹوٹ پڑنا اور بھوکے کتوں کیطرح انہیں نوچنا اور بھنبھوڑنا ایک دوسرے پر ہلہ بولنا، الغرض قوم کی شرم وحیاء کا جنازہ اس شان سے ہاکس بے کے ساحل پر سمندر میں ڈبو دینا۔ خود شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے، مگر کیا واقعی ہماری نگاہیں شرم سے نیچی ہو گئی ہیں، یا شاید یہ بھی ایک رسمی حیاداری کا مظاہرہ ہے۔ ہم ہاکس بے کی حیا باختہ نوجوان پود کو کوستے ہیں۔ مگر یہ واقعہ تو پوری قوم کی ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے۔ تم انہیں کوستے ہو تو اپنی عقل وخرد کا ماتم کیوں نہیں کرتے، تمہیں صرف اُن "شریف زادیوں" سے ہمدردی کیوں ہے۔ جو مادر پدر آزاد بن کر آوارہ نسلوں کے لئے سامانِ تفریح بننے ہی کیلئے پکنک منانے تفریحی ساحلوں پر جاتی ہیں۔ اگر کوسنا ہے تو دونوں کو کوسو اور اگر ہمدردی کے مستحق ہیں تو لڑکیوں کے ساتھ لڑکے بھی کہ ہم ہی ان کے اخلاق اور شرم وحیاء کے قاتل ہیں۔ ہم ہی نے انہیں ہوسناکی اور حیوانیت کے اس ہلاکت آفریں راستہ پر ڈال دیا ہے۔ شرم سے آنکھیں نیچی کرنے والے بزرگو! ذرا آنکھیں اٹھا کر تو دیکھو تمہارے تعلیمی اداروں میں کیا پڑھایا جاتا ہے۔ اور کن کن عملی تجربات کی لیبارٹریوں سے قوم کی نئی پود گذاری جارہی ہے۔ اور وہ دیکھو فلم کا پردۂ سیمین وہ "قومی ترقی" میں بنیادی کردار ادا کر رہا ہے۔ اور وہ جب ٹی وی پر نوجوان پود پرانی نسل کی داڑھیاں نوچ رہی ہوتی ہے۔ تو تمہارا جذبۂ غیرت کہاں مرچکا ہوتا ہے۔ اور تمہاری جبینِ غیرت ریڈیو پر فحش مبتذل گانے سن سن کر اور سنا سنا کر کبھی عرق آلود نہیں ہوتی۔ پھر جب آگ اور پانی کو یکجا کرنے کا نتیجہ اس شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے تو تمہاری آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔ میری نگاہیں تو اس واقعہ سے

نہیں بلکہ عمائدین اور مترفین قوم کے اس اعتراف شرم پر شرم کے مارے جھک گئی ہیں کہ ؎

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اُونچی سوسائٹی کی
گھناؤنی تصویر

ان دنوں اخبارات میں کراچی کی ایک فاحشہ عورت شہناز گل اور ان کے ایک دوست (جنہوں نے خودکشی کی) کے سکینڈل کا چرچا ہے اس واقعہ کے ضمن میں جو تفصیلات سامنے آرہی ہیں انہوں نے ہمارے ملک بالخصوص اونچے معاشرہ کی ایک گھناؤنی تصویر ہمارے سامنے رکھ دی ہے۔ یقین نہیں آسکتا کہ یہ تصویر برطانیہ کی کرسٹائن کیلر کی ہے یا کسی اسلامی مملکت کے سب سے بڑے شہر کی مسلمان سوسائٹی کی ـــــ افسوس کہ جو مملکت اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے نام پر حاصل کی گئی تھی وہاں کے مہذّب معاشرہ کے اکثر ذمہ دار افراد ڈاکٹر وارڈ اور کرسٹائن کیلر کا کردار ادا کرنے میں مشغول ہیں مگر اصلاح حال کی صورت سامنے نہیں آرہی ـــــ شہناز گل کیس ایک المیہ اور ماتم ہے، پورے پاکستان کی غیرت وحمیّت پر، حکام اور سرمایہ دار طبقوں کی اخلاقی اور ایمانی بے حسی پر پورے پریس کے ذوقِ اشاعتِ فاحشہ پر، اور پورے ملک کے اخلاقی زوال پر ـــــ۔

دشمنی صرف استعمار سے نہیں لادینی نظام سے بھی

پچھلے دنوں مصر کے ایک ممتاز مفکر و مصنف اور ان کے رفقاء کی شہادت کا سانحۂ فاجعہ پیش آیا۔ صدر ناصر اور ان کی فوجی عدالت نے انہیں پھانسی پر لٹکایا۔ ان لوگوں نے صبر و استقامت سے دار و رسن کے مراحل طے کئے اور اپنی جانیں رفیقِ اعلےٰ کے سپرد کیں۔ رحمہم اللہ و ارضاہم۔ اس سانحہ ہائلہ کے حقیقی اسباب و محرکات ابھی تک سامنے نہیں آ سکے مگر اتنی بات واضح ہے کہ عالم اسلام کی اکثریت ان پر لگائے ہوئے الزامات سے مطمئن نہیں ہو سکی۔ جن لوگوں کا وجود عالمِ اسلام کے لئے مشترکہ متاع اور گرانمایہ سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ ان کے ساتھ اس طرح کے سلوک پر عالمِ اسلام کا اضطراب ایک لازمی اور طبعی امر ہے کہ مسلمان ہر درد و مصیبت میں ایک دوسرے کے لئے "جسدِ واحد" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (اذا شتکیٰ عضوٌ منہ (الحدیث) اگر واقعی یہ لوگ ملکی مصالح سے غداری کے مرتکب ہوئے تھے۔ تو پھر بھی ان کی ہمہ گیر مقبولیت کی بناء پر ضروری تھا کہ ان کا کیس کسی غیر جانبدار یا مشترکہ ٹربیونل میں پیش ہوتا۔ یا کم از کم انہیں اپنی صفائی کا موقع دیا جاتا۔ اگر ایک جماعت یا تحریک برسرِ اقتدار گروہ سے مطمئن نہ ہو اور وہ اسے بدلنا چاہتی ہو تو "جمہوریت" کے اس دور دورہ میں محض اس جرم کی بناء پر اسے گردن زنی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ سامراج اور استعمار کے مقابلہ میں صدر ناصر کی کوششیں لائقِ تحسین و تائید ہیں۔ ہم سامراجیت علی الخصوص مغربی استعمار کو اس دور کا بدترین المیہ اور "شجرۂ ملعونہ" سمجھتے ہیں۔ مگر اس کے ساتھ خدا فراموش قومیت، مذہب بیزار اشتراکیت یا سیکولرزم کو ہرگز گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ مذہب بالخصوص اسلامی اقدار کے احیاء و فروغ کو استعمار و استبداد کی بیخ کنی کی راہ میں ایک رکاوٹ

سمجھتے ہیں، وہ صریح غلطی پر ہیں۔ قوم و وطن سے بالاتر اور اسلامی اقدار کا علمبردار ہو کر بھی تو کافرانہ استبداد و استعمار کو للکارا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ یورپی استعمار اور سامراجیت کی بندشوں سے کلی طور پر آزاد ہونا عالمِ اسلام کا اقدام اور اہم ترین فریضہ ہے۔ لیکن اگر اس لعنت کی جگہ مصر کی اشتراکیت (خواہ اسے سوشلزم کے معنی میں نہ لیا جائے) یا سیکولرزم یا کوئی اور غیر اسلامی نظام اپنا قدم جماتا ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ دین اور مذہب کو سماجی، اقتصادی اور معاشی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے۔ تو ہم اس متبادل نظام کو بھی ایک لعنت ہی سمجھیں گے۔ اس صورت میں مغربی سامراج کے جنازہ نکلنے پر ہمیں خوشی تو یقیناً ہو گی مگر وہ صرف سلبی پہلو ہو گا۔ اور محض ایسی خوشی جو دیت نام، کیوبا یا کانگو کی آزادی اور فیڈرل کاسٹرو یا ہوچی منہ اور لومبا کے کارناموں پر حاصل ہو۔

ایک مسلمان کو کامل خوشی تو صلاح الدین ایوبیؒ کے مؤمنانہ فتوحات سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جو نہ صرف صلیب کے علمبرداروں کو دشمنی صرف صلیبی اقوام سے نہیں صلیبی نظام سے بھی بلکہ صلیبی نظام کو بھی توڑ کر رکھ دے۔ مصطفےٰ اتاترک کی فتوحات اور کارناموں پر خوشی کا چراغاں ضروری تھا۔ لیکن تصویر کا وہ روح فرسا اور ایمان سوز رُخ بھی نظروں کے سامنے رہنا ضروری تھا جس کے نتیجہ میں ترکیہ سے اسلام اور دینِ محمدی کو جلا وطن کیا گیا اور محمدیؐ اقدار کا نام لینا ناقابلِ معافی جرم قرار پایا، ایک دن خوشی کے نقارے بج گئے مگر نصف صدی بلکہ آج تک ملّتِ مسلمہ ترکیہ میں اسلام کی غربت پر رو رہی ہے۔ افسوس کہ جذبات کی شدت میں یہ تلخ ترین پہلو نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ عالمِ اسلام کی بعض قیادتیں مغربی استعمار سے لڑ رہی ہیں۔ اور بعض مشرقی استبداد (سیکولرزم یا دہریت) سے برسرِ پیکار ہیں۔ مگر جس گرم جوشی سے یہ مقابلے ہو رہے ہیں اس سے زیادہ شوق اور ولولہ سے اپنے دشمن (سامراج یا سیکولرزم) کے معاشی، سماجی اقدار اور ان کی تہذیب و تمدن، نظریات، عادات و اطوار سے معانقہ کیا جا رہا ہے (ہمارے بعض عرب بھائی تو اس معاملہ میں خاصے تیز ہیں) محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے طرزِ زندگی کو جاہلیت عصرِ حاضرہ (مغربی تہذیب اور مادیت) کے بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ یہ لوگ یورپی اقوام

اور بیرونی اقتدار کے تو دشمن ہیں۔ مگر خود سرتاپا انہی کے رنگ میں ملک و قوم کو ڈبو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ مصالحت کی رو میں وہ اپنے دینی مسلمات، متوارث اور قطعی اقدار سے انحراف اور اس میں تبدیلی و ترمیم سے بھی نہیں شرماتے۔ ان حالات میں مسلمانوں کا یوں ایک دوسرے کو مشقِ ستم بنانا، ایک دوسرے کو گردن زدنی قرار دینا ہرگز قابلِ ستائش نہیں ہوسکتا۔ صدر ناصر اگر مغربی استعمار سے برسرِ پیکار ہیں، تو سید قطب اور ان جیسے دیگر علماء و دعاۃ مغربی تہذیب و تمدن سے، ایک سیاسی محاذ پر لڑ رہا ہے۔ اور دوسرا علمی اور دینی محاذ پر۔ اس واقعۂ فاجعہ نے مسلمانوں کے علمی محاذ کو ایک بلند پایہ عالم، مصنّف، ادیب، مفکر اور داعی سے محروم کر دیا۔ تو سیاسی محاذ پر صدر ناصر کی مقبولیت اور انصاف پسندی کو بھی شدید نقصان پہنچایا۔ اور یہ دونوں باتیں عالمِ اسلام، مسلمانوں، عربوں، حریت پسند اقوام اور سامراج دشمن عناصر کے لئے فالِ نیک نہیں ہیں —— اللہ تعالےٰ مسلمانوں کی حالتِ زار پر رحم فرمائے۔ (۱۹۶۶ء)

صومالیہ کا شرمناک واقعہ

افریقی حکومت صومالیہ کے دار الخلافۃ کے ایک کھلے میدان میں دس مسلمان علماء اور رہنماؤں کو زندہ جلا دینے کی خبروں سے عالمِ اسلام میں تشویش اور احتجاج کی لہر دوڑ گئی ہے۔ صومالیہ افریقہ کا ایک ایسا ملک ہے جس کی ساری آبادی غیور مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ مگر موجودہ اشتراکی حکومت نے برسرِ اقتدار آتے ہی صومالیہ کا رشتہ اسلام اور عربی زبان سے کاٹ کر کمیونسٹ ممالک سے جوڑنے کی کوششیں شروع کیں، مساجد میں بھی عربی اور دینی تعلیم پر پابندی لگا دی گئی، دین کے نجی دینی ادارے بھی بند کر دئیے گئے، اس پر مسلمان اٹھ کھڑے ہوتے، مگر احتجاج کرنے والوں کو مشقِ ستم بنایا اور اب تازہ اقدام یہ کیا کہ عورتوں اور مردوں کے نام نہاد غیر اسلامی مساوات

کے نام سے نکاح وطلاق کے قطعی عائلی مسائل میں دخل اندازی کی یہاں تک کہ وراثت کے مخصوص احکام میں بھی تبدیلی کر کے اس میں مرد اور عورت کو برابر قرار دیا —— یہ قرآنی نصوص میں صریح مداخلت تھی اور جس کی کچھ مثالیں ہمارے ہاں رسوائے عالم عائلی قوانین کی شکل میں پہلے سے موجود ہیں۔ صومالیہ کے علماء حق اور غیور مسلمانوں نے اس لادینی اور اشتراکی جسارت پر صدائے احتجاج بلند کی، حکومت نے اندھا دھند گرفتاریاں شروع کیں یہاں تک کہ دس مجاہدین کو ایک کھلے میدان میں زندہ جلا دیا گیا۔ صومالی حکومت کی اس بہیمیت، درندگی، وحشیانہ اور بزدلانہ حرکت پر اسلامی دنیا میں احتجاج ہو رہا ہے یہاں تک کہ اقوام متحدہ نے بھی اس پر نفرت ظاہر کی ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ عالم اسلام کی اکثریت کو ہر جگہ ایسے مادر پدر آزاد نام نہاد مسلمان حکمرانوں کا سامنا ہے۔ جو کرسی اور مفاد کی خاطر نام تو اسلام کا رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر ثقافتی، تعلیمی اور فکری لحاظ سے یورپ یا اشتراکی دنیا کے غلام ہوتے ہیں۔ تجدد اور ماڈرن ازم ان کی بیماری ہے۔ وہ ہر چیز کو مغرب کی دنیا پرست یا کمیونزم کی مادہ پرست نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی غلامانہ ذہنیت کی وجہ سے ان کی اپنی مسلم شخصیت انفرادی تشخص مٹ چکا ہوتا ہے۔ یہ طبقہ حمیت دینی اور اخلاق انسانی اور غیرت ملی سے عاری ہو چکا ہوتا ہے۔ مگر المیہ یہی ہے کہ دنیا کے تقریباً ایک ارب مسلمانوں کی اتنی بڑی طاقت پر ہر جگہ حکمرانی اور اقتدار اس چھوٹی سی اقلیت کو حاصل ہوتی ہے جو ذہن و فکر کے لحاظ سے قطعی غیر مسلم اور غیروں کا آلۂ کار ہوتی ہے۔ انقلاب یورپ کے بعد مسلمانوں پر یورپ مغربیت اور کمیونزم کا جو سب سے بڑا ظلم ہے۔ وہ یہی کہ ایک مختصر سا برسر اقتدار طبقہ جو نام کا مسلمان ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے سیاہ و سفید کا مالک بن کر صرف دنیا کے نہیں مسلمانوں کے دین و شریعت کا بھی فیصلہ کرنے لگتا ہے یہ متجددین، ماڈرن، لبرلسٹ، انارکسٹ اور کمیونسٹ ذہن کے نام نہاد مسلمان عالم اسلام کے سب سے بڑی لعنت ہیں اور جب تک دنیا بھر کے مسلمان اس صورتحال سے نجات نہیں پائیں گے۔ صومالیہ جیسے شرمناک واقعات ہوتے رہیں گے۔ دین میں مداخلت بھی ہوگی۔ اور قطعی مسلمات دین میں تحریف بھی، اور مسلمانوں کی سرزمین پر مسلمان حکمرانوں کے ہاتھوں دینی، ثقافتی اور اخلاقی قدریں پائمال ہوتی رہیں گی۔

فلموں کے ذریعہ دین سے تلاعب

پاکستان کے مرکزی شہر کراچی میں ڈان آف اسلام فلم کا اردو ترجمہ "فجرِ اسلام" سے دکھایا جا رہا ہے۔ جس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عہدِ رسالت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اور کچھ بزعمِ خویش "دانشور" اس کے مطابقِ اسلام ہونے کا فتویٰ بھی دے رہے ہیں۔ جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے مسلمانوں کی غیرت وحمیت کا جنازہ اٹھ جانے پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے —— کہ اس طرح شرمناک جسارت کو ایک اسلامی ملک میں کس طرح گوارا کیا جا رہا ہے۔ کیا مسلمانوں کی غیرت اب اتنی سرد ہو چکی ہے کہ آقائے دوجہان سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے مقدس رفقاء صحابہ کرامؓ اور اہلبیتؓ کی عصمت اور ناموس کی اس طرح کھلے بندوں تضحیک و توہین پر بھی انہیں جھنجھوڑنا پڑے گا۔ آج سے چند سال قبل انگریز کے عہدِ نامسعود میں صرف حج کے نام پر کوئی فلم جس غیور و جسور قوم کے افراد کو گوارا نہ ہو سکی۔ آج وہ قوم فحاشی اور بیحیائی کے ان فلمی پردوں پر "عہدِ رسالت" کے نقشے دیکھنے پر بھی خاموش ہے۔ جو حیا باختہ ننگِ شرافت ننگی عورتوں اور مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ اس فلم کے حامی کہہ رہے ہیں کہ کسی مقدس شخصیت کا سایہ تک بھی فلم میں نہیں آنے دیا گیا۔

مگر عہدِ رسالت کے وہ جان نثار صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کے علاوہ اور کون تھے جو کفر اور باطل سے برسرِ پیکار رہے اور کفر کے ہاتھوں مصیبتیں اٹھائیں۔ کیا عہدِ رسالت کو ہم حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور اہلِ بیتؓ سے الگ کر کے اس کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟

فلمی دنیا تماش بینی اور تفریحی دنیا ہے۔ اس کے بنانے والے نقال جھوٹے اور سوانگ رچانے والے لوگ ہوتے ہیں۔ کیا حضور نبی کریم علیہ السلام کی ذاتِ پاک بھی اب بہروپیوں اور سوانگ بھرنے والوں کے دستِ ستم سے محفوظ نہ رہے گی۔ بیشک

اس سے بڑھ کر دین اور اقدارِ دین سے تلاعب اور تمسخر نہیں ہو سکتا۔ حضور نبی کریمؐ اور عہدِ صحابہ کرامؓ کو کھیل تماشہ بنانے والوں کے بارہ میں قرآن نے کہا تھا ولئن سالتھم لیقولن انما کنا نخوض ونلعب قل اباالله وآیاتہ ورسولہ کنتم تستھزؤن۔ کیا تم نے اب اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسولؐ کو بھی کھیل تماشے کی چیز بنالیا ہے؟

جس ذاتِ پاک کی عظمت و تقدیس کے ترانے قرآن نے گائے، جس ذاتِ قدسی صفات کی عظمت و ثنا خوانی کے زمزموں سے قرآن لبریز ہے اور جس ذاتِ پاکؐ نے اپنے رفقاء اور صحابہ کرامؓ کو نشانۂ تضحیک و تلاعب بنانے والوں کو سخت سے سخت وعیدیں سنائیں اور کہا کہ جس نے انہیں نشانہ (غرضاً) بنایا اور اذیت دی انہوں نے اللہ اور اس کے رسولؐ کو اذیت دی، جس ذات کے اہل بیتؓ کی تطہیر اور تقدیس قرآن نے فرمائی آج وہی ذات اور وہی جماعت ہماری عیش پرست طبیعتوں کے ہاتھوں فلمی پردوں کی "زینت" بنائی جا رہی ہے۔

محمدِ عربی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نام نہاد نام لیواؤ! آج تم نے چند خرد باختہ نام نہاد مسلمان ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی یہ حرکت ٹھنڈے پیٹ برداشت کر لی۔ جو کہ مسلمان نہیں بلکہ ملت کے اجماعی عقیدہ کی بناء پر قطعی مرتد اور واجب القتل ہیں۔ تو کیا کل صوفیہ لورین اور الزبتھ ٹیلر کے روپ میں اپنی مقدس ماؤں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما کے بہروپ کو برداشت نہیں کرو گے؟ اور کیا تم اب نبی عربی آقائے دو عالم علیہ السلام اور ان کے صحابہ ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم کے کردار اور پاکیزہ زندگی کو بھی ہالی وڈ کی غلاظتوں سے الگ رہ کر نہیں پا سکتے ہو؟ جو لوگ آج ایسی فلموں کی نمائش پر نہ صرف خاموش ہیں بلکہ اس کی وکالت بھی کر رہے ہیں اگر ان کے اخلاق اور غیرت کا جنازہ بالکل نہیں اٹھا اور آنکھوں میں کچھ بھی نمی باقی ہے تو خدارا وہ سوچ کر بتائیں کہ کیا انہیں اپنی ماؤں بہنوں اور اپنے باپ دادا کا ایسا کوئی سوانگ رچانا گوارا ہو سکتا ہے؟ اگر نہیں تو عالم انسانیت کی آبرو، کائنات کی جان،

مسلمانوں کے سب سے بڑھ کر رحیم وشفیق باپ حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور ان کے رفقاء کرام' اہل بیت کی تقدیس اس طرح پائمال ہونے پر وہ کیوں ٹس سے مس نہیں ہوتے ہیں۔

ہمیں موجودہ حکومت کے رویہ سے نہ صرف شکایت ہے بلکہ ہم شدید احتجاج بھی کرتے ہیں کہ جب قومی اسمبلی میں مسلمانوں کے معتمد علماء نے اس مسئلہ کو اٹھانا چاہا تو حکومت کی طرف سے انتہائی بے اعتنائی کے ساتھ اسے ٹالا گیا اور اس فلم کے بارہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب کی تحریکِ التواء کا سوال زیرِ بحث آنے پر محترم وزیرِ قانون نے تو یہاں تک نمک پاشی کی کہ اگر خواہش ہو تو یہ فلم ارکانِ اسمبلی کو بھی دکھائی جائے گی اور اگر انہیں اعتراض ہوا تو تب اس بارہ میں قدم اٹھایا جائے گا۔

کیا ایسی قطعی اور صریح غیر اسلامی باتوں پر بھی اسمبلی کی اکثریت سے استصواب کرایا جائے گا۔ یہ حالات اور قوم کی یہ بے حسی قیامتِ کبریٰ کی علامت تو ہے ہی مگر اس سے پہلے ہماری قومی زندگی کے لئے بھی بہت بڑی قیامت کی غمازی کرتی ہے۔ (جنوری ۱۹۷۶ء)

نبی کریم کے نام پر فلم

ہالی وڈ کی فلمساز کمپنی اب لیبیا کے تعاون سے محمد عربی علیہ السلام کی ذاتِ اقدس پر فلم بنا رہی ہے اور مسلمان بجا طور پر انسانی تاریخ کی اس سیاہ ترین شرک سازش پر تڑپ اٹھے ہیں۔ اس لئے کہ یہ محسنِ انسانیت کے خلاف انسانیت دشمن کافروں کی ایک بین الاقوامی گٹھ جوڑ ہے۔ ہم اس سلسلہ میں مغرب کے بے حس حکمرانوں بے حیا پریس اور بے مغز عوام سے شکوہ کریں بھی تو کس بنیاد پر کہ جن کے ہاتھوں اپنے انبیاء اور مقدسین کی عظمتِ عظمت سرِ بازار تار تار کی جا رہی ہے۔ جو اخلاق و دیانت مذہب و انسانیت کی

ہر چھوٹی بڑی قدر کی پائمالی کے علمبردار بن چکے ہیں۔ لیکن حیرت تو لیبیا کے مردِ آہن کرنل قذافی پر ہے۔ اگر ان کا انقلابی ضمیر مر نہیں چکا اور اسلامی غیرت و حمیت ختم نہیں ہوئی تو ہم اسے کم از کم اسلام کی روح اور مزاج سے ان کی بے خبری سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

تبلیغ کے نام پر اسلام سے مذاق لیبیا کے اس سادہ لوح قائد سے کون کہے کہ اسلام کے ہر شعبے کی طرح اس کی دعوت و تبلیغ کے بھی کچھ اصول اور آداب ہیں۔ تبلیغ کے نام پر اسلام کو بازیچۂ اطفال نہیں بنایا جا سکتا نہ وہ تھیٹروں، فحاشی کے اڈوں، اور سینما بازاروں کے ذریعہ مشرق و مغرب میں پھیلا ہے۔ ان سادہ لوحوں کو یہ بھی اندازہ نہیں کہ کیا اسلام کا درد اس وقت صرف امریکہ، اسرائیل، اٹلی اور بھارت کو کھائے جا رہا ہے جو اس فلم کی تکمیل میں پیش پیش ہیں۔ اگر ان حکومتوں کو اسلامی تبلیغ کا درد ہے تو اپنے گھروں سے اس کی ابتداء کیوں نہیں کرتے۔ مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ فاحشہ یہودی اور عیسائی عورتوں اور کافر کنجروں کے ذریعہ صحابہؓ و صحابیات کا کردار پیش کرنا اس امت کے زوال اور اس پر خدا کے عذاب کی آخری اتمام حجت ہو گی۔ ہمیں توقع ہے کہ لیبیا کے صدرِ محترم اور دیگر اسلامی ممالک نہ صرف اسے اپنی ریاستوں میں رکوائیں گے بلکہ اپنے وسائل سے اس لعنت کی بھرپور مزاحمت بھی کریں گے۔ رہ گیا یورپ۔ تو مسلمان اگر غیرتِ ملی سے اجتماعی طور پر کوئی فائدہ اٹھا سکتے تو یورپ کو وہ سبق دیا جا سکتا کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو ایسی حرکات سے باز رہنے کی تلقین کرتا۔ جہاں تک فلموں کے ذریعہ نبی کریمؐ کی حیاتِ طیبہ، صحابہ کرامؓ کی سیرت اور مشاہیر اسلام کے کارناموں کی تشہیر کا تعلق ہے اجماعِ امت اسے قطعی ناجائز ٹھہراتی ہے۔ مکہ معظمہ کے رابطۂ عالم اسلامی، مدینہ منورہ اور ازہر کے شیوخ، مصر کا مجمع البحوث اور دنیا بھر کی اسلامی تنظیمیں اپنے اجلاسِ مکہ مکرمہ میں اسے حرام قرار دے چکی ہیں۔ خود پاکستان کی وزارت امورِ مذہبی نے اسلامی احساسات سے ہم آہنگی کا اعلان کیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم اپنی حکومت کی اس دورنگہ پالیسی پر حیرت کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایک طرف وہ لیبیا سے اس فلم کے بارہ میں احتجاج کر رہی ہے اور دوسری طرف اسی ہفتہ خود اسلام کے ایک

عظیم جرنیل طارقؒ بن زیاد پر فلم بنانے کے لئے لیبیا کے ساتھ معاہدہ کر چکی ہے اسلام کے بارہ میں اس غیر یقینی دورنگی پالیسی کا آخر انجام کیا نکلے گا۔ آج طارقؒ بن زیاد کی باری ہے تو کل ان کھلے ہاتھوں کو حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت فاروقِ اعظمؓ کے بارہ میں کون روک سکے گا۔ ہم فلم "محمد الرسول اللہ" کے بارہ میں ایک طرف اپنی حکومت کے مذہبی ترجمان کے جذبات کی تائید کرتے ہیں تو دوسری طرف حضرت طارقؒ بن زیاد کے بارہ میں فلمی معاہدہ پر شدید احتجاج بھی کرتے ہیں۔

"فلم محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" رابطہ عالم اسلامی کی قرارداد ۱۱

نبیؑ کریم علیہ السلام، صحابہ کرامؓ اور شعائرِ اسلام کے بارہ میں دشمنانِ اسلام کی سازشوں سے فلموں کی جو وبا چل پڑی ہے۔ یہ پورے عالمِ اسلام کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ رابطہ عالم اسلامی مکہ کی مجلسِ تاسیسی نے اپنے اجلاس ۱۳۹۶ھ میں متفقہ طور پر اس بار بھی اسے حرام قرار دیا ہے۔ اور ایسی کوششوں کو مقام ومنصبِ نبوت کی توہین، عدوان اور ایذاء قرار دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ایسی حرکات شانِ نبوت کی اس توقیر و تعظیم کے سراسر منافی ہیں جس کا حکم خداوندکریم نے قرآن میں بار بار دیا ہے۔ اسی طرح صحابہؓ کی زندگی کو فلمانا بھی توہین وایذاء صحابہؓ ہے جسے حضور اقدسؐ نے خود اپنے لئے موجب اذیت کہا ہے۔

لا تؤذونی فی اصحابی ومن آذاھم فقد آذانی ۔ ومن آذانی فقد آذی اللہ (الحدیث) ارشادِ ربانی ہے۔ والذین یؤذون المومنون والمؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتاناً واثماً مبیناً۔

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ اللہ ورسولؐ، ازواجِ مطہرات، اہلبیتؓ اور صحابہ کرامؓ کی توہین وایذاء رسانی میں ایسے تمام لوگ شامل ہیں جو کسی نہ کسی حیثیت سے بھی اس فلم کی ترتیب وتالیف، ہدایات، نمائش کی اجازت، مالی وافرادی، تحسین وستائش یا اپنے ہاں کسی قسم کی سہولتیں مہیا کرنے میں شریک ہونگے۔

وانہ یعتبر مؤذیاً لرسول اللہ علیہ وسلم فی نفسہ وفی اھلہ وفی ازواجہ واصحابہ کل من شارک فی اخراج ھذا الفیلم بتالیفٍ وتمثیلٍ او اخراج او تمویل او ترویج او تحبیذ لہ او بتسھیل بالنفوذ او السلطۃ فی شیٔ من ذٰلک۔

باب ۳
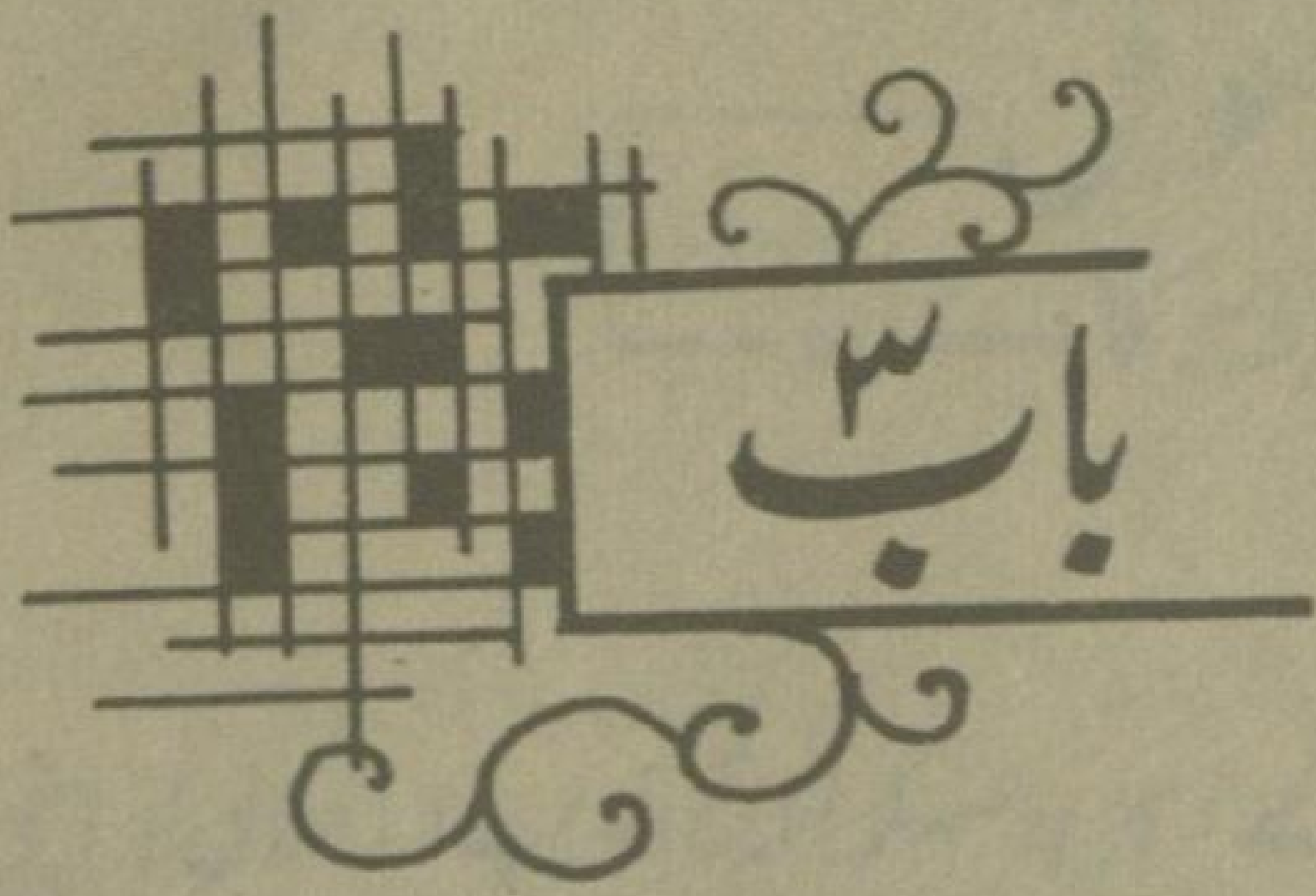
عورتوں کے حقوقِ آزادی
اور
بے پردگی کا مسئلہ
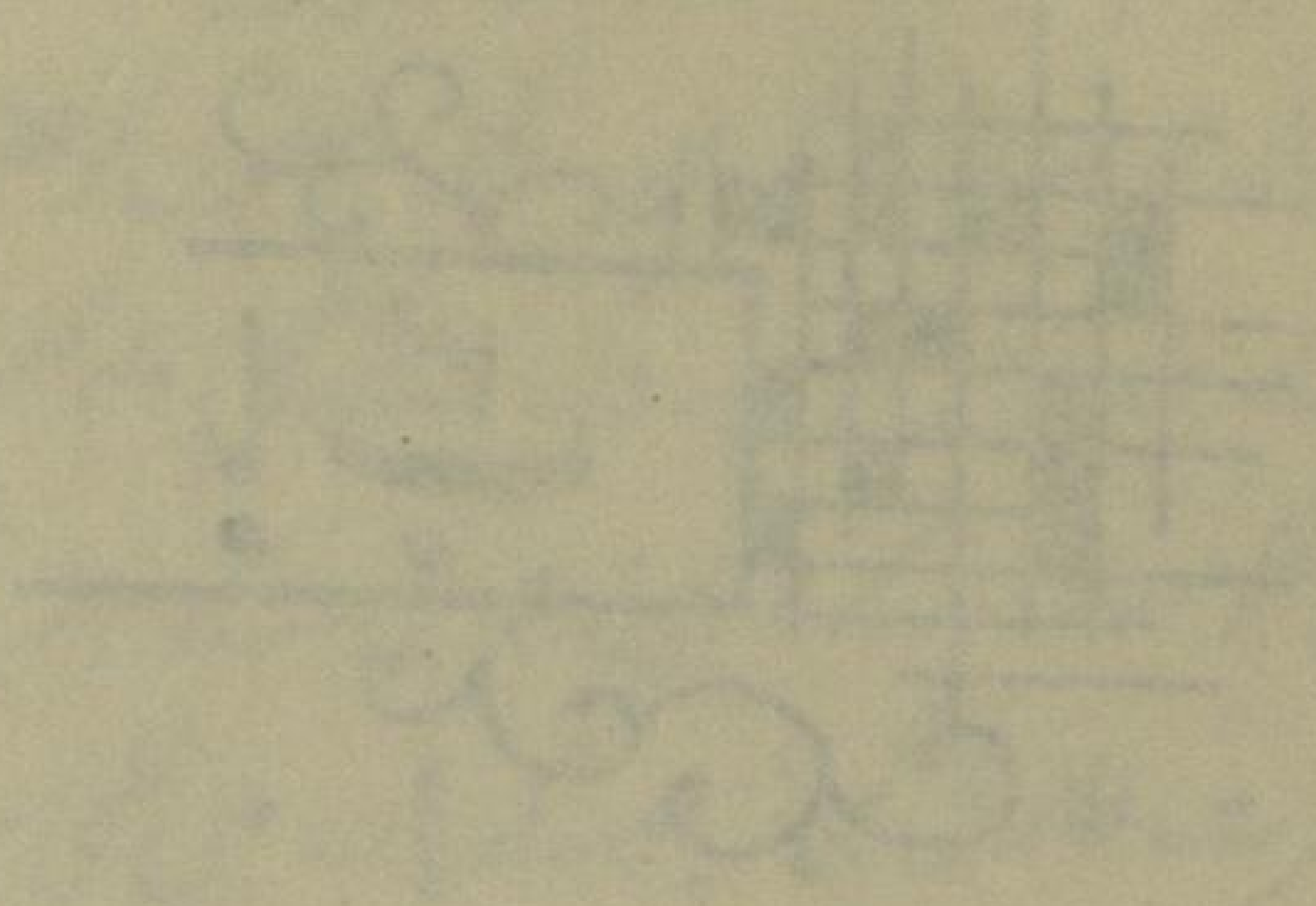
عورتوں کے حقوق

آزادی اور بے حجابی کا مسئلہ

یورپ کی غلامی میں آکر جب عالم اسلام کے ذہن وفکر اور تہذیب واخلاق کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور جن دینی علمی اور اخلاقی فتنوں نے اسلامی تہذیب ومعاشرت پر یلغار کی۔

مساواتِ مردوزن۔ تہذیبِ مغرب کا اہم فتنہ اس میں سرِفہرست ایک اہم فتنہ تحریک آزادیٔ نسواں اور مساواتِ مردوزن ثابت ہوا، اسلام کے نظامِ ستروحجاب اور عورتوں کے مقدس اور محترم مقام ومنزلت اور اس پر مبنی ایک پاکیزہ خاندانی نظام کو تہ وبالا کرنے کیلئے مستشرقینِ یورپ، غیرمسلم مصنفین اور ہمارے ہاں کی یورپی کو معیارِ حق وانصاف سمجھنے والے نام نہاد مصلحین اور ترقی پسندوں نے اس نظام کو نشانۂ تضحیک بنایا، مسلمانوں میں مغرب سے مرعوب اذہان نے مغرب کی لے میں لے ملائی کبھی تعددِ ازواج کی ہنسی اڑائی گئی، پردہ کو مشقِ تحقیق بنایا گیا اور کبھی مسلمان عورتوں کی مظلومیت اور قید وبند کا ماتم شروع کیا۔ اس طرح مسلمان عورت کی ایک نہایت بھیانک قابلِ رحم تصویر بنادی گئی، برِصغیر کے عہدِ غلامی سے طرح طرح کی آوازیں اٹھتی رہیں۔

بے حیائی کا عروج قیام پاکستان کے بعد عورتوں کی بے پردگی اور بے حجابی میں زبردست اضافہ ہوا، عورت کو اس کے مقامِ حیا وعفت سے ہٹانے کی مساعی ہوتی رہی۔ مگر ایک دعوت اور تحریک کی شکل میں یہ کام بھی پچھلے دو ایک سال سے بڑی تیزی سے بڑھنے لگا پچھلے سال کو خواتین کا عالمی سال کہا گیا۔ پاکستان بھی اس مہم میں یورپی اقوام سے پیچھے نہ رہا یہاں تک کہ پاکستان کی اعلیٰ خواتین کے ایک وفد نے میکسیکو کی ایک تقریبِ خواتین میں شرکت کی جس میں پیشہ ور عورتوں نے پیشہ کو قانونی حق دینے اور ایک عورت کو کئی مردوں سے شادی رچانے جیسے

مطالبے بھی کئے گئے۔ قومی اسمبلی میں خواتین کے عالمی سال کے متعلق ایک قرارداد پیش کی گئی اور سال بھر آزادیٔ نسواں اور حقوقِ نسواں کی تائید میں تقریریں ہوتی رہیں۔

وزیر اعظم بھٹو کی دعوتِ بے حجابی مگر اس مسئلہ کا نقطۂ عروج وہ تھا جب پاکستان کے محترم وزیر اعظم نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرتِ مقدسہ سے متعلق کانگریس کی آخری تقریب کراچی کے استقبالیہ میں دنیا بھر کے مفکرین کے سامنے پردہ کے بارہ میں اظہارِ خیال فرمایا اور یہ ہماری رائے میں اس کانگریس کا خاتمہ نہیں سوءِ خاتمہ تھا۔ جب آپ نے فرمایا کہ ہمیں اقتصادی مشکلات کی وجہ سے پردہ جیسے فرسودہ خیالات پر نظرِ ثانی کرنا ہوگی۔ پھر جناب وزیر اعظم نے ایک اور عملی قدم اٹھاتے ہوئے بلوچستان کی ایک تقریب میں عورتوں کو پردے سے باہر آجانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ یہ مساوات نہیں کہ عورتیں گھروں کی قید و قفس میں محصور رہیں، انہیں سیاسی اور اجتماعی میدانوں میں سامنے آنا چاہیئے اور یہ فرسودہ روایات ہیں۔ یہ صرف ایک رائے اور اظہارِ خیال نہ تھا، بلکہ ایک مسلم اور غیور و جسور قوم کو عملی دعوت تھی، اور یہ سطور لکھتے وقت اسلام آباد میں عورتوں کی حیثیت کے بارہ میں آر سی ڈی کے سیمنار میں صدرِ مملکت سمیت کئی اعیانِ سلطنت کے ایسے ہی خیالات اور پیغامات سامنے آرہے ہیں۔ پس جب قوم کھلے دل سے ایک اہم مسئلہ پر اپنے عمائدین کے ایسے خیالات سن رہی ہے تو اسی طرح خدا اور رسولؐ کی مسئولیت اور ذمہ داریوں کے پیشِ نظر ہمیں کچھ گذارشات پیش کرنے کا بھی حق ہے اور جب مسئلہ زیرِ بحث کا تعلق سیاسی نظریات اور سیاست سے نہیں، ملک کی اخلاقی، معاشرتی قدروں اور اسلام کے ایک مستقل نظامِ عصمت و عفت سے ہے تو ہر دردمند مسلمان کو قرآن و سنت کی روشنی میں اظہارِ خیال کا حق ملنا چاہیئے اور کھلے دل سے اسے سننا چاہیئے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق اصولی طور پر پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا واقعی اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق کے تعین کا مسئلہ مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور کیا واقعی اسلام نے عورت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا اور یہ کہ اس بارہ میں دشمنانِ اسلام کا پروپیگنڈہ واقعی صحیح ہے؟ اس بارہ میں ہمیں تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس بارہ میں کیا عرب کیا عجم اقوام و ادیانِ عالم کی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب العلم بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اسلام ہی وہ دینِ فطرت اور

دینِ رحمت تھا جس نے عورت کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔

ظہورِ اسلام سے قبل عورت کا مقام | ظہورِ اسلام سے قبل دنیا بھر کے اقوام و ملل اور انسانی رسوم و رواج میں عورت جس ظلم و ستم اور ابتذال و تحقیر کی حالت میں مبتلا تھی اسے قرآن نے ایک اعجازی لفظ جاہلیتِ اولیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ جاہلیت کیا تھی تاریخ شاہد ہے کہ اسے ایک بتذل چیز سمجھا جاتا تھا جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت عام بات تھی وہ کسی چیز کی مالک نہ سمجھی جاتی نہ وہ اپنے مال و متاع میں مردوں کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف کر سکتی تھی نہ وہ کسی کی وراثت کی حقدار تھی نہ اسے کسی قسم کی وصیت کرنے کا حق تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کی صورت میں دیت اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر نہ تھی۔ نکاح میں اس کی مرضی تو بڑی بات ہے مرد جب چاہتا اسے پیشہ کرانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔

عورت اور جاہل اقوام کے نظریات | عورت کے بارہ میں جاہل اقوام کے عجیب روح فرسا نظریات تھے، روم جیسے متمدن اقوام میں ایک عرصہ تک سرے سے یہ مسئلہ بھی محلِ نظر رہا کہ عورت انسان بھی ہے یا جانوروں کی طرح کوئی اور مخلوق۔ رومی ادوار میں اسے ایک نجس جانور قرار دے کر فیصلہ کیا گیا کہ اسے بات چیت کرنے کا بھی حق نہیں، باؤلے کتے یا اونٹ کی طرح اس کے منہ پر غلاف باندھا جائے گا۔ مغربی اقوام میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ عورت ذی روح ہی نہیں اس بارہ میں یہ بھی اختلاف تھا کہ عورت عبادت اور بندگی کی اہلیت بھی رکھتی ہے یا نہیں بعض اقوام میں شودروں کی طرح عورتوں کے پورے طبقہ کو مقدس مذہبی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی قانونی ممانعت تھی۔ اس طرح ادائیگی عبادات کی بھی، کئی قبائل اور اقوام بلکہ خود ساختہ ادیان میں والد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی بیٹیاں بیچ سکتا ہے یہاں تک کہ بعض عرب قبائل میں اسے بیٹی کو زندہ درگور کر دینے کا "سماجی حق" حاصل تھا۔ اور یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی۔

دوسری طرف اس جاہلی دور میں جسے جاہلیتِ اولیٰ اور تبرج جاہلیت میں اشارہ کیا گیا ہے، عورت کو محض ایک آلۂ تعیش اور ذریعۂ استلذاذ بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس کی حیثیت مردوں کی ایک شاملات ایک وقف اور ایک مشترکہ قومی ملکیت کی تھی کہ وہ مردوں کے مفادِ عامہ کی ایک مخلوق اور تفریح طبع کا ایک سامان ہے۔ اس کا فریضہ ہے کہ غلاموں کی مانند مردوں کے آرام و راحت

میں لگی رہے، اور نت نئی اداؤں، عشوہ طرازیوں اور نمود و نمائش کے نئے نئے طریقوں سے مردوں کو سامانِ تسکین فراہم کرتی رہے، کئی جاہلانہ رسومات میں عورت کئی مردوں کی مشترکہ متاعِ نشاط بن سکتی تھی۔ شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا عاشق بھی برابر کا حقدار سمجھا جاتا اور ایک مرد بلالحاظ عدل و انصاف اور بلالحاظ تعداد جتنی بھی چاہے عورتوں کو نکاح یا تمتع میں رکھ سکتا تھا۔

عورت پر اسلام کے احسانات | اب اسلام نے آکر ایک طرف تو اس ضعیف و ناتواں جسم سے ظلم و استبداد کی ساری بیڑیاں توڑ ڈالیں، اسے مقامِ انسانیت میں مردوں کے ہمسر قرار دیا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا، یا ایھا النّاس انا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثیٰ ۔ حضورؐ نے فرمایا عورتیں مردوں کا جزوِ اں نصف ہیں۔ پھر اسے نہ صرف خطاباتِ خداوندی کا مکلف اور مخاطب بنایا بلکہ یہ بھی کہ وہ عبادات کی اہلیت رکھتی ہے اور احکامِ دین کی تعمیل و امتثال میں اجر و ثواب اور قدر و منزلت کے اعتبار سے مردوں سے بھی سبقت لے جا سکتی ہے۔ و لیس الذکر کالانثیٰ ۔ قرآن کریم نے عبدیت و عبادات میں بلا تفریق اگر مردوں کو مسلمین، مومنین قانتین، صادقین، صابرین، خاشعین، متصدقین، صائمین، حافظین، ذاکرین کے خطابات دیئے تو اسی کے ساتھ عورتوں کو بھی مسلمات، مومنات، قانتات، صادقات، صابرات، خاشعات، متصدقات، صائمات، حافظات اور ذاکرات کے تمغوں سے نوازا اور بلا امتیاز ایسے دونوں طبقوں کو مغفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت دی۔ فوزِ عظیم جناتِ خلد اور رضوان و خوشنودی کی بشارت دیتے ہوئے دونوں فریقوں کو کہا گیا، وعد اللہ المؤمنین و المؤمنات جنّٰتٍ (الی قولہٖ) ذٰلک ھو الفوز العظیم۔

دینی، دنیوی، انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ | اسلام نے نہ صرف اس کا حقِ ملکیت تسلیم کیا بلکہ اپنے مال و دولت میں ہر طرح جائز عقد و تصرف، بیع شراء، عاریت، صدقہ اور ہبہ وغیرہ تصرفات کا اختیار دیا گیا اسے وصیت کرنے کا حق دیا میراث کا اسے مستحق قرار دیا۔ فرمایا: وللنساء نصیبٌ مما ترک الوالدان و الاقربون۔ عورتوں کا والدین اور رشتہ داروں کی وراثت میں حصہ ہے ـــــ دیت اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر ہے۔ انہیں قتل کرنا تو بڑی بات مارنا پیٹنا بھی ممنوع ہے۔ ان کی پاکدامنی اور عصمت پر غلط انگلی اٹھانے والے اور تہمت لگانے

والے دنیا اور آخرت میں لعنت کے سزاوار ہیں اور انہیں عذاب عظیم کی وعید ہے۔
ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولھم عذابٌ
عظیم ۔۔۔ (الآیۃ) اگر چاہے تو اپنے شوہر کے غلط بہتان پر اس سے لعان کر سکتی ہے اور
اس سے الگ ہو سکتی ہے شریعت نے پاک دامن خواتین کی بہتان تراشی کی سخت سزا
حد قذف مقرر کر دی ہے۔ الغرض وہ ہر طرح اپنے جائز حقوق کا دفاع کر سکتی ہے۔ اسلام
نے اس کی انفرادی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی ہر ناجائز بندش توڑ دی ہے۔ نکاح میں اسے
اپنی مرضی اور اختیار کا حق دیا گیا کہ جسے چاہے قبول کرے، چاہے مسترد کر دے۔ پھر اسلام
نے نکاح کی حدود بھی متعین کر دیں کہ وہ مالکیت اور مملوکیت کا رشتہ نہیں زوجین کے باہمی
تعلق اور ربط کا نام ہے اس عقد سے وہ مرد کی غلام نہیں بن جاتی، بلکہ یہ ایک ایسی تمدنی اور
معاشرتی ضرورت ہے جس کے مرد اور عورت دونوں محتاج ہیں۔ اور یہ دونوں کے فطری
تقاضوں کی تکمیل ہے۔ البتہ فریقین کی خلقی اور فطری ضرورتوں سے شوہر کو اس پر ایک گونہ برتری
حاصل ہے۔ وللرجال علیھن درجۃ ۔۔۔ اور ۔۔۔ الرجال قوامون علی النساء
کہ اس میں عورت ہی کا تحفظ اور بھلائی ہے۔ اور اس ادنیٰ برتری کے صلہ میں بھی مرد کو مہر کا پابند
بنا دیا گیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ اس کی تمام ضروریاتِ زندگی نان و نفقہ اور لباس و سکونت کا بھی
ذمہ دار مرد ہی ہے خواہ عورت کتنی بڑی مالدار اور ذی استطاعت کیوں نہ ہو مرد طرح طرح کی مشقتیں
اٹھا کر اس کی اور اس کی اولاد کی ضروریات کی کفالت کا پابند ہے۔ اس کے علاوہ بھی مرد کو
ہر قسم کے حسنِ سلوک کی تلقین کی گئی۔ فرمایا (عاشروھن بالمعروف۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیوی سے بہتر ہے۔

حقوق والدین کی وصیت کی گئی تو بار بار ماں کے بارہ میں زیادہ تاکید کی گئی فرمایا جنت ماں
کے قدموں کے نیچے ہے، فرمایا جو شخص لڑکیوں کی کفالت کرے گا دوزخ کی آگ اس پر
حرام ہوگی۔ فرمایا جو شخص دو بیٹیوں کی بلوغت تک نگہداشت کرے گا وہ جنت میں میرے
ساتھ اتنا قریب ہوگا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔ فرمایا ما اکرم
النساء الا کریمٌ ولا اھانھن الا لئیمٌ۔ عورتوں کی عزت و تکریم شریف کا اور ان کی

اہانت وتحقیر رذیلوں کا شیوہ ہے۔

اسی طرح تعدد ازدواج میں جاہلیت کی غیر محدود تعداد اور مردوں کی کھلی چھٹی کو چار تک محدود کر دیا گیا اور یہ بھی اس شرط سے کہ جب عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے۔ اب مرد استطاعتِ مالی کے باوجود بھی چاہے تو چار سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکے گا۔ اس طرح طلاق میں بے تحاشا اسراف اور دھاندلی کا سلسلہ تھا۔ اس اسراف اور ابتذال کو روکنے کے لئے مرد پر طرح طرح کے قدغن لگائے گئے۔ فرمایا: فان کرہتموھن فعسٰی ان تکرھوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔ ان کے ساتھ نیکی کی معاشرت کرو، اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تب بھی، تم کسی چیز کو ناپسند کرو گے اور خدا اس میں بہت بھلائی رکھ دے گا۔ پھر رجوع کی شکل میں اس مبغوض الی اللہ عمل کی تلافی کا موقعہ بھی مردوں کو دیا گیا۔ اسلام سے قبل بیواؤں کی حالت نہایت قابلِ رحم تھی اسلام نے نہ صرف عقدِ بیوگان کو جائز قرار دیا بلکہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے پہلے نکاح میں عملی نمونہ پیش فرمایا اور بیواؤں کی مشکل حل کر دی گئی۔ عورت کو یہ حق بھی اسلام نے بخش دیا کہ وہ نکاح کی شکل میں اس باہمی معاہدہ کو بامر مجبوری اور نامساعد حالات میں فریقین کی مرضی سے فسخ اور منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی دستور و نظام اور رسم و رواج ایسا نہیں جس نے عورت کو وہ مقام دیا ہو جو اسلام نے دیا۔

عورت کی عصمت و آبرو کا احترام اسی طرح عورت کی اُس بے کسی کا معاملہ ہے جسے قرآن نے جاہلیتِ اولیٰ سے تعبیر کیا ہے جس میں عورت ایک بازیچۂ اطفال اور کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس وجہ سے یہ صورتحال خانگی اور تمدنی زندگی کے درہم برہم ہو جانے اور معاشرہ کی تباہی کا باعث بن رہی تھی۔ اسلام نے ان حالات کو اس طرح ختم کر دیا کہ مرد کی دست درازیوں اور شیطان صفت انسان نما درندوں سے اس کی حفاظت کے تمام وہ طریقے اختیار فرمائے جو عورت کو اس کی حیثیت اور مقام سے ہٹانے والے تھے خواہ وہ عملی وجوہات تھے یا نظریاتی یا پھر تصوراتی ہی کیوں نہ تھے۔ اسلام نے اسے حفاظت کے قابل ایک بیش بہا خزانہ ایک قیمتی اور انمول موتی اور ایک نازک آبگینہ قرار دیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: ان المرأۃ عورۃ مستورۃ (فی روایۃ خدر مخدرۃ) فاذا خرجت استشرفھا الشیطان۔ "بلا شبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ اب کسی کو دام میں پھنساؤں گا۔"

مردوں کو انہیں بری نگاہ اٹھانے سے بھی روکتے ہوئے غض بصر کا حکم دیا گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: زنا العین النظر۔ نگاہ بازی آنکھ کا زنا ہے کہ جیسی نگاہ ہو ویسے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

آزادئ نسواں تبرج جاہلیت کا دوسرا نام مگر آج کا یہ دور آزادئ نسواں اور حقوق اور مساوات کے نام سے اس مقدس اور محترم صنفِ نازک کو دوبارہ اسی جاہلیتِ اولیٰ کی طرف لوٹانے کی سعئ مذموم کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شرافت مآب دولت اور قیمتی خزانہ پھر ایک بار گھر کی دہلیز سے نکل کر سرِ بازار تماشائے عالم بن جائے۔ رونقِ خانہ بننے کی بجائے شمعِ محفل ہو، آلات وصنائع اور حقیر سے حقیر مصنوعات کی تشہیر کا ذریعہ بن جائے۔ وہ سیرگاہوں، پارکوں، ہوٹلوں، کلبوں، جلسوں، جلوسوں، اسمبلیوں اور عدالتوں، کارخانوں اور فیکٹریوں، تھیٹروں اور سینماؤں، سرکسوں اور میلوں میں اور سیاست کی اسٹیج پر بھٹکتی ہوئی، رسوا ہوتی ہوئی، مشقتیں اور مصیبتیں اٹھاتی ہوئی مردوں کی نشاطِ طبع کا سامان بن جائے اور یہ وہی فاسقانہ تبرج، جاہلیتِ اولیٰ (جاہلیت کی نمود ونمائش) ہے جو اس آبگینۂ عصمت وحیا کو سرِ بازار پاش پاش کرنا چاہتی ہے۔

آزادی نہیں غلامی کی دعوت یہ دعوت وتحریک اسے مرد کا کھلونا اور لعبۃ لاعبین بنانے کی دعوت ہے۔ یہ دعوت درحقیقت عورت کی آزادی کی نہیں اسے پھر سے غلام اور بے بس بنا دینے کی دعوت ہے۔ اور جاہلیت کی وہی شکل ہے جسے اسلام نے تہ وبالا کر کے رکھ دیا تھا۔ اس صورتِ حال کا جاہلیتِ ماضی سے موازنہ کیجئے تب حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی قدر وقیمت معلوم ہو سکے گی، فرمایا اس عظیم مصلح اور مفکر اور سیاستدانِ اسلام نے:

انما تنقض عری الاسلام عروۃ عروۃ اذا نشأ فی الاسلام من لم یعرف الجاھلیۃ۔ جو شخص اسلام میں رہتے ہوئے جاہلیت کے طور طریقوں سے ناواقف ہے۔ اُس

سے خطرہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ایک کڑی کر کے توڑ بیٹھے۔

اسلام کا نظامِ عفت و عصمت | اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کیسے اس جاہلیتِ اولیٰ کی ظلمتوں سے نکال کر نور کے اجالا میں کھڑا کر دیا اسلام نے عورتوں کے حقوق کی رعایت و نگہداشت، عصمت و عفت کی حفاظت، تہذیب و تربیت کا ایک ایسا مستقل نظام پیش فرمایا جو اصول و جزئیات، جلی اور خفی، علمی اور نظری، عملی اور خیالی، تمام گوشوں پر ایسا حاوی ہے کہ اس نظامِ عصمت پر فحشاء اور فواحش کا سایہ تک بھی نہیں پڑ سکتا۔ دواعی اور اسبابِ فحاشی کو بھی فواحش کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خیال اور تصور کی لامحدود وسعتوں کو بھی عصمت و عفت کے دوائر میں محدود و محصور کر دیا گیا ہے۔ اس نظام میں حالات و مصالح، علل و بواعث اور جبلی اور فطری تقاضوں کی ہر طرح رعایت رکھی گئی ہے جس کے بغیر نہ سیاستِ مدنیہ درست ہو سکتی ہے نہ تہذیبِ اخلاق ممکن ہے نہ تدبیرِ منزل کارگر ہو سکتی ہے۔ اور جس کے بغیر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر، اخلاقی قدروں کی حفاظت، خاندانی نظام کا قیام و استحکام اور تہذیب و تمدن کا کوئی مثالی نمونہ قائم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ آئیے ہم اس سلسلہ میں قرآن و سنت پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ مرد و زن کا خالقِ حکیم خداوند کریم اور بنی نوعِ انسان کے رحمتِ مجسم نبی الرحمۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری رہنمائی کس طرح فرمائی ہے۔ اس کے بعد ایک انصاف پسند اور جویائے حق طبیعت خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ خدا اور رسولؐ کا منشاء کیا ہے؟

پردہ کے احکام | ارشادِ ربانی ہے:۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولیٰ۔	اور گھروں میں ٹھہری رہو اور پچھلی جاہلیت کی زینت اور نمائش ترک کر دو۔

چلتے پھرتے پابندی عائد کی کہ وہ ایسے لباس میں رہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ اور عضو نہ کھلے اور نہ مخفی محاسن کی نمائش ہو۔ فرمایا۔

وليضربن بخمرهن علی جيوبهن	اپنے سینوں اور گریبانوں پر دوپٹوں کا آنچل مارلیں۔

دوسری جگہ ازواجِ مطہرات، بناتِ اطہار اور تمام مسلمان خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

یدنین علیھن من جلابیبھن   وہ لمبی لمبی چادریں اپنے اوپر ڈھانک لیں۔

جلباب | مفسرین نے جلباب کی تفسیر میں لکھا ہے۔

ھو الرداء فوق الخمار۔ جلباب دوپٹہ کے اوپر اوڑھنے والی لمبی چادر کا نام ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں: تغطی ثغرۃ نحرھا بجلبابھا تدنیہ علیھا۔ وہ اپنے سینہ کو اوپر تک ڈھانپ لیتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: الذی یستر من فوق الی اسفل۔ وہ کپڑا جو اوپر سے نیچے تک ڈھانپ لے۔

اس آیت کا مفہوم صحابیاتؓ نے یہی سمجھ لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں انصاری عورتوں پر خدا رحم کرے کہ انہوں نے حکمِ حجاب سنا تو بڑی چادروں کو پھاڑ کر اپنے اوپر لپیٹ لیا۔۔۔ شققن مروطھن فاعتجرن منھا اب اگر دینی اور دنیوی ضرورت کی وجہ سے انہیں باہر نکلنا بھی پڑ جاتا تو بقول حافظ ابن حجرؒ۔ فقد کن یحجن ویطفن وھن مستترات الابدان حضورؐ کے وصال کے بعد ازواجِ مطہرات حج اور طواف بھی کرتیں تو اپنے جسموں کو ڈھانپے ہوئے ہوتیں۔ ایک اور موقعہ پر جسم کی عام زینتوں کو چھپائے رکھنے کے لئے مزید تاکیدی حکم دیا گیا۔ فرمایا۔

قل للمؤمنات یغضضن من	مومنات کو حکم دو کہ نگاہیں نیچی رکھیں
ابصارھن ویحفظن فروجھن	شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اپنے
ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر	بناؤ سنگھار کو نہ کھولیں مگر یہ کہ
منھا۔ (الآیۃ)	مجبوری اور بلا قصد خود ظاہر ہو

جائے۔ اس پر وہ اس میں گرفت نہیں۔

اس پردہ اور حجاب کا مزید واضح اور غیر مبہم حکم ان الفاظ میں دیا گیا۔

آیت حجاب | واذا سألتموھن متاعاً فسئلوھن من وراء حجاب۔ بغیر ضرورت کے پردہ کے پاس بھی مت آؤ۔ اگر مجبوری کوئی ضرورت پڑ جائے تو گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی بجائے پس پردہ مانگ لیا کرو۔ گویا گفتگو بھی پسِ پردہ ہوگی اور ضرورت بھی پڑے بڑے

معاملات تجارتی لین دین کی نہیں، دوکانوں اور سٹوروں میں ماڈل گرل بن کر تجارت کے سود مے چکانے کی نہیں، فٹ پاتھوں پر اور سرکسوں سے باہر ڈگڈگی بجا بجا کر لوگوں کو کھینچنے کی نہیں بلکہ صرف کوئی معمولی چھوٹی موٹی چیز جسے لفظ متاعاً میں اشارہ کر دیا۔

حامیانِ بے پردگی کی مغالطہ انگیزی اس آیتِ حجاب کا مقصد واضح ہے کہ اجنبیوں کیلئے نہ صرف عورت کا عام جسم بلکہ اس کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں بھی حجاب کے حکم میں شامل ہیں۔ بعض روایات میں آیت بالا کے استثناء الا ما ظہر منھا۔ کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اس جملہ سے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں مستثنیٰ کر دیئے گئے کہ عورت ان اعضاء کے چھپانے کی پابند نہیں، ایسی روایات کو مخالفینِ پردہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں بے پردگی کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے، حالانکہ یہ ناسمجھی ہے یا جان بوجھ کر دجل وتلبیس سے کام لیتے ہوئے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ ان تمام روایات ونصوص کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں ہاتھ پاؤں اور چہرہ کے ڈھانپنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔

ستر اور حجاب میں فرق حالانکہ درحقیقت دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں دونوں اپنے اپنے دائرہ میں واجب العمل ہیں۔ ایک کا دائرہ ستر اور دوسرے کا حجاب ہے۔ ایک ہے ستر عورت اور ایک ہے حجاب یعنی مردوں سے پردہ کرنا۔ ستر عورت مرد اور عورت دونوں پر یکساں فرض ہے۔ مرد کے جسم کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ یعنی وہ یہ حصہ جسم کا کسی کے سامنے نہیں کھولے گا۔ جسم کا اس کے علاوہ حصہ ستر سے خارج ہے۔ اور عورت کے جسم کا ستر والا حصہ اتنا نہیں بلکہ گردن سے لے کر سینہ، پیٹ، پیٹھ، رانیں، ٹانگیں بمعہ ٹخنوں اور گٹے تک چھپائے رکھنا فرض ہے۔ جس طرح مرد جسم کا حصہ ستر، نہ گھر میں کسی کے سامنے کھولے گا نہ باہر، خواہ اس کا والد بھائی، بیٹا کیوں نہ ہوں، اسی طرح عورت اپنے جسم کا مذکورہ سارا حصہ اپنے گھر میں محارم سے بھی چھپائے رکھے گی، البتہ چہرہ ہاتھ اور پاؤں کا چھپانا باپ بھائی بیٹے اور محارم سے چھپانا ضروری نہیں، اگر ان تین اعضاء کے علاوہ اکیلے میں بھی نماز کے دوران چوتھائی حصہ جسم کا کھل گیا یا مرد کے حصہ ستر کا ایک چوتھائی بھی کھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، یہ وہ حقیقی ستر ہے جو بذاتہ مردوں عورتوں پر یکساں لازم ہے، فرق ہے تو جسم کی حدود میں۔ اور جس طرح مرد اپنے ہم جنس

مردوں سے بھی حصۂ ستر چھپانے کا پابند ہے اسی طرح عورت اپنی ہی ہم صنف عورتوں سے بھی سوائے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے باقی سارا جسم چھپائے رکھے گی، یہاں تک کہ بلاضرورت تنہائی میں بھی مرد یا عورت کو ستر کے حصّے کھولنا مکروہ ہے۔ اور ایک ہے حجاب یعنی تمام اجنبی مردوں سے پردہ جو صرف عورتوں پر لازم ہے، مردوں پر نہیں۔ اس میں سر سے پاؤں تک بشمول چہرہ سارا حصہ ڈھانپنا ضروری ہے، حجاب اور ستر کے مختلف دائروں کو خلط ملط کر کے بے پردگی کا جواز نکالنے والے عموماً دھوکہ دیتے ہیں، اگر چہرہ اور ہاتھ پاؤں ستر نہ ہوتے تو پسِ پردہ گفتگو یعنی من وراء حجاب کے قید لگانے کی ضرورت نہ ہوتی نہ ادناءِ جلابیب یعنی سر سے پاؤں تک لمبی چادر اوڑھنے کی۔ پس اگر بعض روایات میں کچھ مستثنیات ہیں تو ستر کے متعلق ہیں نہ کہ حجاب میں، جیسے ہمارے ہاں عرفِ عام میں پردہ کہا جاتا ہے [۱]

بات چیت میں احتیاطی تدبیر اسی طرح آیت استیذان میں مردوں پر لازم کیا گیا کہ کسی بھی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اور اگر پسِ پردہ کبھی مجبوراً کسی نامحرم سے گفتگو کی نوبت آجائے تو ہدایت کی گئی کہ سُریلی آواز اور نرم و نازک لہجہ میں عورت گفتگو نہ کرے۔ بلکہ شائستگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے روکھے پھیکے طرز میں جواب دے دے۔ تاکہ کسی بدنیت اور خبیث الطبع شخص کے دل میں فتور نہ آجائے۔ فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرضٌ وقلن قولاً معروفا۔ (الآیۃ)

خاص حالت میں باہر نکلنے کی اجازت واویلا ہے کہ اس طرح تو عورت ایک قیدی کی طرح قفس میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس کے لئے گھر سے باہر قدم رکھنا بھی جرم ہے، حالانکہ آیات و نصوص اور روایاتِ ممانعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کسی دینی یا دنیوی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ وہ بلاشبہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہے۔ حج و زیارت کے لئے، عبادات کے لئے، تعزیت اور تیمارداری کیلئے

---

[۱] مضمون کے بعض فقہی اور حدیثی حصوں میں علامہ سید رشید رضا مصریؒ اور قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے موضوع سے متعلق مضامین کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

والدین اور قرابت داروں سے ملاقات کے لئے، علاج معالجہ کے لئے جا سکتی ہے۔ مگر اس کا یہ جانا کئی شرائط اور تقیدات کے ساتھ ہوگا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت بلا ضرورت باہر نہ نکلے اور اس لئے طرح طرح سے خروج کی حوصلہ شکنی کی گئی کہ یہ نقل و حرکت کم سے کم رہ جائے اور جب خروج کی نوبت آبھی جائے تو یہ چیز عریانی، بے پردگی، محاسن و نمائش کی تشہیر اور جذبات بھڑکانے کا ذریعہ نہ بنے اور اس کی چال میں، ڈھال میں، لباس اور گفتار میں فحاشی کا کوئی داعیہ اور عنصر شامل نہ ہو۔

خروج کے شرائط اور قیودات یہ خروج شرائط کے ایک دائرہ میں محصور ہے۔ مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی غض بصر کا حکم دیا گیا۔ اسے سفر کی ضرورت پڑے تو خواہ یہ سفر حج ہی کیوں نہ ہو جس کی ادائیگی ایک فریضہ ہے۔ وہ باپ، بیٹے، بھائی، شوہر اور محارم کے بغیر نہیں جا سکتی۔ جب عبادت کے سفر کا یہ حال ہے تو کیا عادت اور سیاحت کے اسفار میں اکیلے جانا جائز ہوگا؟ جو لوگ عورتوں کی قید کا رونا رو کر عورتوں کو دیس دیس کی سیاحت اور تنہا گھومنے پھرنے کا راستہ کھولنا چاہتے ہیں ان پر ایک اخبار کے مراسلاتی کالم میں ایک گمنام خاتون نے بہت سادہ الفاظ میں اس طرح طنز کی ہے کہ خدارا ہمیں ان فقیرنیوں کی طرح نہ بنائیں جو ننگے سر، ننگے پاؤں ننگے جسم کے ساتھ سامان سفر کا تھیلا پیٹھ پر لادے ہوئے، بھیک مانگتے ہوئے فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر گھوم پھر رہی ہیں۔

یہی خروج، تبرج جاہلیت نہیں تو اور کیا ہے۔ ٹیڈی باریک اور چست لباس پہن کر یا منی سکرٹ پہن کر سڑکوں پر آوارہ گردی کرنا، اس خروج کی اجازت اگر اسلام سے مطلوب ہے تو اسلام ایسی کاسیات عاریات (برائے نام لباس والی مگر درحقیقت ننگی) پر لعنت بھیجتا ہے اور انہیں عذابِ جہنم کی وعید سناتا ہے۔

یہی حال حج کے علاوہ نماز باجماعت کا ہے جو افضل ترین عبادات میں سے ہے۔ صحابیاتؓ کی خواہش ہوتی کہ جماعت میں شریک ہوں۔ مسجدِ نبوی کی نماز اور حضور اقدسؐ کی اقتداء میں باجماعت نماز، کہ ساری متاع کائنات اس کے سامنے ہیچ، اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے ـــــ نفسی اجازت تو دی گئی مگر یہاں بھی قیودات کے ساتھ کہ ماحول اور زمانہ فساد کا نہ ہو

عورت کی عزت اور عصمت خطرہ میں نہ ہو۔ اور خواتین سر سے پاؤں تک ڈھکی چھپی ہوں۔ جس کی طرف "متلفعات بمروطھن"، میں بھی اشارہ ہے۔ اور صفوں میں بھی ان کی صف سب سے آخر میں ہوں۔ کہ سب سے آخر میں آکر سب سے پہلے چلی جائیں، اس طرح مردوں اور عورتوں کی نگاہوں کے تصادم کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور بعض فقہا و آئمہ نے تو جماعت میں مرد و زن کے محاذات کو مفسد نماز قرار دیا۔ غرض طرح طرح کی رکاوٹیں اس معاملہ میں بھی ملحوظ رکھی گئیں۔

ایک صحابیہؓ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا گھر کی کوٹھڑی میں تمہارا نماز ادا کرنا اس نماز سے افضل ہے جو تم گھر کے دالان میں پڑھو۔ اور گھر کے برآمدہ میں نماز اس نماز سے افضل ہے جو تو گھر کے صحن میں ادا کرے۔ اور گھر کے صحن میں جو نماز پڑھے وہ مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ ادھر کی اس نماز کی یہ افضلیت اس مسجد کی نماز پر دی گئی جہاں کی ایک نماز دیگر مساجد کی نماز پر ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ اور پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتداء میں نماز کہ دنیا و آخرت کی ساری دولتیں اس کے سامنے بے وقعت ہیں۔ اور وہ اس عہدِ سعادت میں جب کہ عفت و تقویٰ کا چار سو دور دورہ تھا۔ اور تسلیم و انقیاد کی کیفیت خود عورتوں میں بھی ایسی تھی کہ آیتِ حجاب کے نازل ہونے پر جس خاتون نے راہ چلتے ہوئے اعلانِ حجاب سنا، اس کے وہیں قدم جم گئے۔ جو جہاں تھیں وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئیں اور دوسرا قدم تب اٹھایا کہ اپنے آپ کو چادروں میں چھپا لیا تھا۔ مسجد جانے کے ضمن میں اجازت بھی دی گئی تو ایک آیت میں اسے رات کی تاریکی سے مقید کر دیا گیا کہ جانا بھی چاہیں تو تاریکیٔ شب میں جانا بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ جب مسجد جانے کا قصد کرے تو خوشبو نہ لگائے بلکہ ممانعت بھی وارد ہوئی کہ جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ نمازِ عشاء میں شرکت نہ کرے۔ خوشبو کے علاوہ ایسا بناؤ سنگھار بھی منع ہے جو مسجد میں نمازیوں کے لئے فتنہ سامانی کا باعث بن جائے۔ فرمایا ولیخرجن تفلات۔ مسجد جانے کے لئے میلی کچیلی ہو کر نکلیں یعنی بناؤ سنگھار اور میک اپ کرکے نہ نکلیں پھر خوشبو کی یہ ممانعت مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں بھی گھر سے باہر

نکلے ایسی کوئی خوشبو لگانے سے احتراز کرے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنے، ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے زانیہ کہا گیا ہے۔ فھی کذا وکذا۔

باہر نکلنے کے دوران یہ قید بھی لگائی گئی ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن لمبی چادریں اپنے سینوں پر ڈھانپ دیں۔ عورت اگر بجنے والا زیور پہنے ہوئے ہے تو چلتے ہوئے اسے بجا بجا کر نہ چلے کہ لوگوں کو مخفی زیور کا علم ہو سکے یا اس کے بجنے کی آواز سے لوگوں کو اس طرف رغبت ہو۔ ولا یضربن بارجلھن۔ الآیۃ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتوں کو اجنبیوں پر سلام کرنا نہیں نہ اس پر اجنبی مردوں کے سلام کا جواب دینا ہے۔ تمدن و تہذیب کے نام سے عورتوں کو کلبوں اور مخلوط مجالس میں کھینچ کر لانے والوں کو اس میں سبق ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط کے مقامات میں سے ہے۔ اور ایسی تمدنی معاشرت اور سہولت صاحبِ شریعتؐ کو گوارا نہ تھی۔ عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔

صرف عملی، علمی نہیں بلکہ خیالی اور تصوراتی تحدیدات | اسی طرح عورت کی ایسے مناصب اور اسامیوں پر تقرری ممنوع کر دی گئی جن میں مردوں سے اختلاط اور رُوبرو ہونا یا خلوت کے مواقع کی فراہمی ناگزیر ہے۔ حکومت و ریاست ولایتِ عامہ قضاء اور عدالتوں کے کاموں سے انہیں روک دیا گیا۔ یہ تحدیدات صرف تمدنی، معاشرتی، عملی اور علمی حد تک نہ تھیں بلکہ خیالات اور تصورات تک میں حیاء و عفت کی نگہداشت کی گئی۔ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو کسی نے ناجائز اور کسی نے مکروہ تنزیہی کہا کہ کہیں خیالات کا سلسلہ وضوء سے گناہ تک نہ پہنچ جائے اور جو عمل تطہیرِ ذنوب و آثام کا ذریعہ تھا موجبِ آثام نہ بننے پائے۔ جنازہ میں امام عورت کے سینہ سے قدرے ہٹ کر کھڑا ہو گا گو اس پر ڈولی اور پردہ ہی کیوں نہ ہو کہ تصور محاسن مرأۃ کی طرف منتقل نہ ہونے پائے، امام جماعت مقتدیوں کے اقتداء کی نیت کرے گا۔ مگر خاص طور پر عورتوں کی نیت نہیں کرے۔ اسی طرح سلام پھیرتے وقت عورتوں کی نہیں کی جائے گی۔ کہ آغاز یا انجام نماز تصوراتِ بد کا ذریعہ اور ناجائز حظِ نفس کا موجب

نہ بن جائے۔

کیا پردہ حبس بے جا ہے؟ | آج کہا جا رہا ہے کہ عورتوں کا گھر میں بند رہنا گویا انہیں قفس میں قید رکھنا ہے۔ اور یہ حبس بے جا "مساواتی دور" میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اور اس طرح گھروں میں بیٹھے رہنے سے عورتوں کی صحت خراب ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ عورت کا اپنی مرضی اور طبعی و فطری تقاضوں سے گھروں میں بیٹھنا، جبکہ وہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے شرائط اور قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے نمائشِ زینت اور ذریعۂ فواحش بننے سے محترز رہتے ہوئے گھر سے باہر آ جا سکتی ہے۔ اور گھر کی چار دیواری اس کے لئے ہزارہا خطرات اور مصائب سے تحفظ کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ ہرگز قید یا اذیت نہیں بلکہ عین راحت اور نعمت ہے۔ اگر گھر میں اپنی مرضی سے بیٹھے رہنا قید ہے تو پھر تو مردوں کا بھی زیادہ تر وقت گھروں میں رہتا ہے۔ انہیں بھی جبراً نکال دیا جائے۔ پھر بلا ضرورت آوارہ گردی کرنا تو مردوں کے لئے بھی معیوب ہے۔

مرد اور عورت کا دائرہ کار | تو اصل معاملہ خلقی اور جبلتی تقاضوں کی وجہ سے تقسیمِ کار ہے۔ مرد باہر نکلتا ہے تو عورت اور اس کے بچوں کی خاطر ہزاروں پریشانیوں اور مصیبتوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، ورکشاپوں میں، فیکٹری اور کانوں میں پسینہ سے شرابور اپنا خون جلا رہا ہے۔ کہیں مزدوری اور کاشتکاری میں مقید و محصور ہے، کہیں دفتر کے ایک چھوٹے سے کونے میں صبح سے شام تک ساری زندگی ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح عورت کے ذمہ امورِ خانہ داری کی انجام دہی، بچوں کی تربیت و حفاظت، گھر کی نگہداشت کرنا ہے، وہ گھر کی اسیر نہیں، رونقِ خانہ اور نورِ منزل ہے۔ نئی تہذیب ظلم اور قید کے نام پر بظاہر جذباتِ ترحم ابھار کر اسے باہر کی ناقابلِ برداشت ذمہ داریوں اور صعوبتوں کی خاردار زندگی میں کھینچ کر اپنی فطری ذمہ داریوں کو اس کے سر منڈھنا چاہتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گلیوں، کوچوں میں بازاروں اور فیکٹریوں میں اپنے لئے ذریعہ تعیش پیدا کیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو قید کا یہ استدلال اور دوسری طرف اسی سانس میں کہہ دیا جاتا ہے کہ پاکستان کی زیادہ تر آبادی دیہات میں پردے کی پابند نہیں اور یہ اپنے خود ساختہ استدلال

کی نفی کر دی جاتی ہے۔

گھر میں بیٹھنا قید نہیں راحت و نعمت ہے اگر آرام و راحت اور جان و آبرو کے ایک گوشۂ راحت میں زندگی بسر کرنا قید ہے تو شہروں کے ان لاکھوں کروڑوں عوام کی زندگی کیا ہے جو ہزاروں مسائل کی چکی میں پستے ہوئے ایک ہی شہر میں حیاتِ مستعار ختم کر دیتے ہیں۔ ہر قسم کی آسائشوں سے محروم پانی کی قلت، خوراک کا فقدان، اور اب شہری فضاؤں کی آلودگی کی وجہ سے، ہوا جیسی عام نعمت کو بھی ترسنے لگے ہیں۔ اگر یہ سب قید ہے اور قید سے بھی بدتر، تو پھر تو ساری شہری آبادی کو جنگلوں کی طرف دھکیل دیا جائے کہ وہ آزاد فضاؤں اور جنگلوں میں آزاد ہو کر گھومتی پھرے۔ اور اگر یہ سب کچھ قید و حبس نہیں تو عورتوں کو اپنی اختیار و رغبت اور فطرت کی بنا پر گھروں میں رہنا بھی قید نہیں۔

پردہ نہیں بے پردگی خرابیٔ صحت کی باعث ہے پھر عورتوں کی خرابیٔ صحت کا رونا رویا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں خرابیٔ صحت کی شرح میں اضافہ کے اسباب وہی ہیں جو صرف عورتوں کے نہیں مردوں، بڑوں بوڑھوں اور بچوں سب کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔ ضروریاتِ زندگی سے اکثریت استحصالی ہتھکنڈوں کی وجہ سے محروم رہتی ہے۔ کوئی غذا خالص نہیں ملتی۔ نہ سر چھپانے کے لئے موزوں مکان، نہ سردی و گرمی سے بچنے کے لئے مناسب لباس، پانی اور ہوا تک جب خالص میسر نہ ہو سکے تو صحت کی شرح کیسے بہتر ہو سکتی ہے، چاہیئے یہ کہ حفظانِ صحت کے اصل اسباب تلاش کئے جائیں، اور لوٹ کھسوٹ کے اس کاروبار میں کمی کی جائے جس کی وجہ سے عوام مصائب اور فاقہ کشی کی دلدل میں پھنستے جا رہے ہیں طبی سہولتوں بالخصوص عورتوں کے علاج معالجہ کی طرف توجہ دی جائے اگر عورتوں کا گھروں میں بیٹھنا بربادیٔ صحت کا ذریعہ ہے۔ تو آیئے ان مخلوط اور بے حیا اور بے حجاب ملکوں کا حال بھی دیکھتے چلیں جہاں عورت اتنی آزاد ہے کہ ہفتوں اسے گھر کی دہلیز دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔ وہاں جب عورت باہر قدم رکھتی ہے تو ہزاروں پریشانیوں، اور خطرات سے جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، یورپ کے آئے دن کے ہزاروں نوع بنوع جنسی، اعصابی، نفسیاتی اور ذہنی و دماغی امراض اور

اموات کی شرح میں اضافہ کی رپورٹیں پڑھیئے۔ تفریح گاہوں اور کلبوں کی زندگی نے یورپی اقوام کی صحت کو سرطان لگا دیا ہے۔ ایسے جنسی امراض کا دور دورہ ہے جس کا نام و نشان بھی اس سے پہلے نہ تھا۔ ہزاروں لاکھوں عورتیں اسقاطِ حمل اور متعلقاتِ حمل کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ فیکٹری اور دفتر کی ملازمت نے اس کی صحت گرا دی ہے۔ وہ بچوں کی پرورش کے قابل نہیں رہی وہ والدین اور شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی۔ اس پر ہسٹیریا کے دورے پڑتے ہیں، وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔

نظر بازی، ذہنی انتشار اور فسادِ معاشرہ کا ذریعہ پھر عورت کا گھر سے یہ بے تحاشا صرف اس کی صحت کی تباہی کا موجب نہیں بنتا۔ بلکہ پورے معاشرہ کے سقم اور بیماری کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے۔ وہ جدھر سے گزرتی ہے بے شمار نگاہوں کا نشانہ بنتی ہے، ایک مرد راستہ میں چلتے ہوئے ایک سے ایک جاذبِ نظر چہرہ دیکھتا ہے۔ اسے دفتر میں کارخانوں میں بے حجابانہ اختلاط اور بات چیت کے مواقع ملتے ہیں، اور یہ نظر بازی اس کے اپنے گھریلو نظام کو ہلا دیتی ہے، ذہنی انتشار، فاسد خیالات کا ہیجان جنسی اور جذباتی تلاطم، محبت و عشق کی آفتیں۔ الغرض یہ سب کچھ اس کے ذہنی اختلال، قلبی پریشانی اور اعصاب کے کھچاؤ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پھر دل کی بیماری جنسی اور اخلاقی بیماریوں، ضعفِ بصارت، دماغی عدم توازن، بلڈ پریشر اور اعصابی امراض کی شرح کا کسی پردہ دار معاشرہ سے موازنہ کر کے خود فیصلہ کر لیجئے۔

تعلیم کے لئے بے پردگی پھر کہا جاتا ہے کہ عورت کو تعلیم کی ضرورت ہے، اور اقتصادی حالات جداگانہ تعلیم کے متحمل نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سی تعلیم تھی جسے عورت کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا تھا۔ عورت کے لئے اسلام کا تصورِ تعلیم قطعی وہ نہیں جو یورپ کی پیداوار ہے۔ وہ اس سے دفتر، کارخانہ اور فیکٹریوں کے فرائض نہیں وابستہ کرتا کہ اس کے لئے وہ عورت کو کلرک، انجنیئر یا مزدور بنائے اسلام کی تعلیم عورت کو ایک باسلیقہ، وفا شعار، مہذب اور باحیا ذات بنانے کے لئے ہے۔ وہ اس تعلیم کو اہمیت دیتا ہے جو عورت کو خدا اور رسولؐ، شوہر اور خاندان کے

حقوق اولاد کے حسن تربیت سے باخبر کر دے اور اس کی گود بچوں کی اوّلین تربیت گاہ ثابت ہو سکے۔ اس تعلیم کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ وہ مخلوط درس گاہوں اور بے حجابانہ ہاسٹلوں میں گوہرِ حیا کی نیلامی کرتی پھرے۔

الغرض وہ تعلیم جو بے پردگی کا باعث ہو، شریعت اور اسلام اس کا حکم نہیں دیتا۔ بے پردگی اگر اخلاق و معاشرت، صحتِ جسمانی و روحانی اور حسنِ سیرت کے لئے تباہ کن ہے۔ تو جس تعلیم کے ذریعہ بے پردگی پھیلے گی شریعت ہرگز اس کی روادار نہ ہوگی، پھر تعلیمِ نسواں کی تاریخ دیکھئے، جب ظہورِ اسلام کے بعد حجاب اور عفت و عصمت کا دور دورہ ہوا اور عورت پردہ نشین ہوگئی تو اسلامی تاریخ میں تعلیمِ دین اور علوم و فنون سے آراستہ وہ خواتین نکلیں جن کے علوم سے خانہ نشینی کے باوجود ایک دُنیا مستفید ہوتی رہی۔ پس اگر مفاسد اور موجباتِ فحشاء کے بغیر شرعی حدود پردہ میں رہ کر مسلمان خواتین علم و فضل میں ایک نمونہ پیش کر سکتی ہیں تو مغرب کے بے حیاء عہدِ جاہلیت میں جو عورتیں باہر نکل بھی آئیں تو اسلامی علوم و فنون اور تعلیم اخلاق و تربیت معاشرہ میں کوئی ایک نمونہ بھی اس عہدِ جاہلیت نے پیش کیا، علم حیاء سے حاصل ہوتا ہے۔ بے پردگی سے جب آنکھوں کا پانی اتر گیا تو علم تحقیقی اور علمی ذہنیت بھی فنا ہوگئی، نئے دور کے علم نے مردوں کو کیا دیا، سوائے چند انگریزی نظام کے پرزوں کے۔ ہم اس تعلیمِ جدید کے لئے خواتین کی عظمت و حرمت بھی قربان کر دیں۔

الغرض پردہ کا حکم نہ فرسودہ روایات (معاذ اللہ) میں سے ہے نہ کسی رسم و رواج کی پیداوار، اسلام عصمت و عفت کا محافظ ہے، وہ فحشاء اور منکرات کا ہرگز روادار نہیں۔ جہاں بھی فحشاء اور فواحش کے احتمالات زیادہ ہوں گے۔ پردہ کے احکام میں اتنی ہی شدت پیدا ہوگی۔ اور جہاں فحشاء کا احتمال نہ ہوگا۔ عصمت و عفت کے پہرے سخت ہوں گے۔ وہاں اس میں نرمی اور وسعت پیدا ہوگی۔

ماڈرن بننے کے شوقین | پس جو لوگ مصلح اور ماڈرن ریفارمر بننے کے شوق میں اسلام کے

ایک مضبوط نظام کو نشانہ بنانا چاہیں وہ ایسی "اصلاحات" کا انجام یورپی اقوام میں دیکھ لیں کہ وہ بے پردگی اور فحاشی کے ہاتھوں کس قعرِ مذلت میں پہنچ چکا ہے ــــــ پھر انہیں عالمِ اسلام کے اس قسم کے نام نہاد مصلحین سے سبق لینا چاہیئے جنہوں نے ترکی وغیرہ میں تقلیدِ یہود و نصاریٰ کی خاطر اسلام کے ایک مستحکم نظام کو متزلزل کرنا چاہا، اور ان کا یہ اقدام ایک طرف قوم کی معاشرتی، اخلاقی قدروں کی بربادی اور دوسری طرف "مصلحین" ابدی ذلت اور مسلمانوں کے قلوب کی نفرت و ملامت کے مستحق بنے۔ (مئی ۱۹۷۶ء)

جمہوریت اور سیاست کی دیوی کو

عصمت و غیرت کا نذرانہ

جمہوریت کے قیام اور جبر و استبداد کے خلاف اٹھی ہوئی حالیہ تحریک کتنی بھی قابلِ تعریف کیوں نہ ہو مگر اس ضمن میں توڑ پھوڑ، اپنوں پر دست درازی، قومی سرمایہ کا ضیاع، ہلڑ بازی اور نہ جانے کیا کیا چیزیں سامنے آئیں جس نے ہمارے روبہ انحطاط معاشرہ کی ایک بھیانک تصویر سامنے رکھ دی ہے۔ اصول و اخلاق کے دائرہ سے نکل کر بُروں کے ساتھ اچھوں کو بھی مشقِ ستم بنانا کسی باوقار قوم کا شیوہ نہیں، خواہ اس کا تعلق حزبِ اقتدار سے ہو یا حزبِ اختلاف سے، اس ضمن میں ہماری مسلمان خواتین نے بھی کوئی اچھی مثال نہیں قائم کی، جلسوں اور جلوسوں کی شکل میں نامحرم مردوں کے سامنے سڑکوں پر گشت کرنا، اچھلنا کودنا اور عام مجمعوں میں تقریریں کرنا پھر اخبارات میں اس کے فوٹو چھپوانا کسی لحاظ سے بھی قابلِ تحسین چیز نہیں ہو سکتی، سیاسی جد و جہد اور حقوق کی بحالی کے کام سے مردوں ہی کو نمٹنا چاہیئے تھا، سیاست کی دیوی پر قومی روایات ملی احساسات، عصمت و عفت اور غیرت و حمیت جیسی صفات کو نثار کر دینا صحت مند معاشرہ اور اخلاقی و دینی لحاظ سے کسی بہتر مستقبل کی نشاندہی نہیں کر رہا۔

| سیاسی اسٹیج پر عورتوں کی جلوہ طرازی | ہم برائی کا راستہ بند کرنا چاہتے ہیں، مگر دوسری طرف سے بے شمار برائیوں کے بند کھول کر۔ حالانکہ برائی کو ہر لحاظ سے اور ہر حیثیت سے برائی سمجھنا چاہیے، اسلام نے بعض انتہائی استثنائی حالات کو چھوڑ کر عورت کو رونقِ خانہ

بانا چاہا ہے ، وہ اسے کسی حالت میں شمع محفل بننے کی اجازت نہیں دیتا ، مگر افسوس کہ حالیہ ردِّعمل نے مالی اور جانی نقصان کے ساتھ ساتھ ہمارے بہت سے قیمتی اور عزیز معنوی اقدار اور نظریاتی سرحدات میں بھی شگاف ڈال دیئے ہیں۔ ہمیں اس ضمن میں پورے ملک بالخصوص شمال مغربی سرحدی علاقہ کے بعض سیاسی زعماء اور جماعتوں سے خاص طور پر شکوہ ہے جنہوں نے ہوا کے رخ پر چل کر پٹھان جیسی غیور وجسور قوم کی خواتین کو بازاروں اور اسٹیجوں پر جلوہ طرازی کا موقع دیا جس سے ہماری اسلامی اور علاقائی روایات غیرت وحمیت خاص طور سے مجروح ہوئیں پختون قوم کی تاریخ پر یہ ایک شرمناک داغ ایسے ہاتھوں سے لگایا گیا ہے۔ جو اس قوم کی انفرادی روایات کو محفوظ رکھنے کے نعروں میں پیش پیش ہیں۔

عورتوں کے جلوس

کسی پارٹی کی ناجائز مخالفت کرنا جسطرح جرم ہوگا اسی طرح کسی پارٹی کے ایسے کسی قول وعمل پر سکوت مجرمانہ بھی عند اللہ بہت بڑا جرم ثابت ہوگا جو مسلمانوں کے دینی وملی مزاج یا کتاب وسنت کے اصول سے متصادم ہو۔ اس وقت نیشنل عوامی پارٹی سرحد کے زیر اہتمام نکالے گئے ایک جلوس کی تصویریں ہمارے سامنے ہیں جو یکم جنوری کے بعد جناح پارک اور پشاور کے بازاروں سے گزرتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ یہ جلوس مردوں کا نہیں بلکہ خواتین کا ہے۔ مسلمان اور پشتون جیسی غیور اور جسور قوم کے سرکردہ قائدین کی خواتین کا ہے جو قومی وملی روایات پردہ نشینی کا آبگینہ بازار کے چوراہوں پر چور چور کرتا ہوا گزرتا جارہا ہے۔ سیاسی شعور اور جذبہ حریت لائق ستائش ہے۔ مگر ہر عمل کا ایک دائرہ ہوتا ہے۔ اور ابھی اس قوم پر ایسی نازک گھڑی نہیں آئی جسکی خاطر نفیر عام کی طرح حیادار خواتین بھی میدان سیاست میں کود پڑیں مسلمان عورت مجسّم عورت ہوتی ہے اسکی آواز اسکی جھلک اسکی پوری زندگی سراپا عصمت ہوتی ہے ، پھر ایک ایسی قوم جس نے ان روایات کو اب تک اور بھی چار چاند لگادئے ہوں ، ان کے ہاتھوں عورت کا مردوں کے شانہ بشانہ دوڑتے اچھلتے

کو دستے رہنا اور اسٹیج پہ داد خطابت دینا نہایت افسوسناک اور شرمناک بات ہے۔ ہم نیشنل پارٹی کے محترم قائدین سے خالص دینی اور قومی بلکہ علاقائی روایات کا بھی واسطہ دے کر اپیل کرتے ہیں کہ وہ آئندہ اس معاملہ میں محتاط رہیں ورنہ فتنہ کا دروازہ جب چوپٹ کھل جائے گا تو انہیں خود اپنے ہاتھوں اپنا سر پیٹنا پڑے گا۔ مگر تلافی کا وقت نکل چکا ہوگا۔ تکن فتنۃٌ فی الارض وفسادٌ کبیر۔

تجدّد پسند خواتین

شاہِ فیصل کا مومنانہ فیصلہ

مکہ ریڈیو کے حوالہ سے یہ اطلاع آئی ہے۔ کہ سعودی عرب کے شاہِ فیصل نے اپنے ملک میں ملکی یا غیر ملکی عورتوں کا نیم برہنہ لباس پہن کر بازاروں میں گھومنے پھرنے پر پابندی لگا دی ہے۔ کیونکہ اس سے اسلامی احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور ملک کی قدیم روایات کو دھچکا لگتا ہے۔ ہم اس مبارک فیصلہ پر شاہ فیصل کو مبارکباد دیتے ہوئے دست بدعا ہیں کہ خدا انہیں یہ فیصلہ نافذ کرنے کی توفیق دے یورپی تہذیب اور تمدّن جو سراسر بے حیائی ہے۔ ہر اسلامی ملک کے لئے کلنگ کا ٹیکہ ہے۔ بالخصوص سعودی عرب جو حرمین شریفین کی وجہ سے عالم اسلام کا دل ہے۔ اور دل میں فاسد مادہ کی سرایت سے ہر مسلمان کا پریشان اور متاثر ہونا لازمی ہے۔ ہمیں شاہ کے اس مومنانہ فیصلہ سے بے انتہا مسرت ہے۔ اور ہماری تمنا ہے کہ خدا انہیں مرکزِ اسلام کو ہر فکری و عملی گمراہی سے محفوظ رکھنے کی توفیق دے۔ آمین۔

افغانستان مغربیّت کی زد میں

دیگر اسلامی ممالک کیطرح افغانستان بھی خارجی اثرات کی وجہ سے بے حیائی، بے پردگی اور آزاد خیالی کی لپیٹ میں ہے۔ شہروں سے تو جبراً بے پردگی پھیلانے کی خبریں آرہی ہیں۔ اور

اب غیر مصدقہ اطلاع ہے کہ وہاں کے علماء کرام اپنی اپنی مسئولیت اور جذبۂ اصلاح حق و انکار منکر کی بناء پر اس برائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور بہت سے اپنے اسلاف کی سنت کے مطابق ظلم و ستم کا نشانہ بھی بن رہے ہیں۔ بھلائی اور برائی کی آویزش ہماری تاریخ کا ایک مسلسل اور مربوط باب ہے، مگر افسوس کہ کچھ تو وہاں کے شخصی نظام مملکت کی گرفت اور کچھ علماء کی سرد مہری اور سیاسی شعور اور احساس فریضہ کی کمی کی وجہ سے اب تک منکرات کا اتنا مقابلہ نہیں ہو سکا جتنا چاہیے تھا۔ ورنہ اس ملک میں بے حیائی کی ترویج اور روسی اثر و نفوذ کی نوبت یہاں تک نہ پہنچتی جہاں ایک تصویر ہی امان اللہ خان جیسے مقبول بادشاہ کی معزولی کا سبب بنی۔

آج افغانستان کی نوجوان پود ایک طرف مغرب کی سحر طرازیوں اور مادیت کی زد میں ہے، دوسری طرف روسی دہریت و الحاد کا عفریت اسے ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے جہاں علماء کرام کو منظم اور بھرپور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ وہاں ملک کے برسر اقتدار باوقار اور معزز گھرانے کو اپنے دیندار، غیرتمند اور حساس مسلمانوں کی دینی تمدنی روایات اور سنہری تہذیب کو بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔ ترقی کے نام سے جو راستہ مسلمان ممالک اور اقوام اپنا رہے ہیں اس کا انجام بہرحال تباہی اور بربادی ہے، جو ملک و قوم کے حق میں بہتر ہے نہ حکمران خاندان کے حق میں۔

عالم اسلام کی تین تصویریں

عالم اسلام کی دینی حالت کیا ہے؟ اس کا اندازہ دنیا بھر کے اکثر حکمران مسلمانوں کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے۔ سربراہ قوم کی مجموعی حالت کی تصویر ہوتا ہے۔ اس تصویر کے چوکھٹے میں دیکھئے تو کیسے کیسے داغ دھبے نمایاں نظر آئیں گے۔ میرے سامنے آٹھ نومبر ۱۹۷۵ء کی جنگ اخبار ہے۔ ایک تصویر میں امریکی صدر کی رہائش گاہ وہائٹ ہاؤس واشنگٹن میں آپ ایک مسلمان خاتون کو رقص کرتے دیکھیں گے۔ رقص کس کے ساتھ؟ کسی مسلمان کے ساتھ؟ نہیں بلکہ عالم اسلام کے

سب سے بڑے دشمن اور سامراجیت کے علمبردار ملک امریکہ کے سربراہ صدر فورڈ کے ساتھ کوئی عام خاتون بھی نہیں، غیور و جسور عربوں کے اہم ترین ملک مصر کے صدر سادات کی بیوی جہان، مصر کی خاتون اوّل اور صدر فورڈ کی باہوں میں منہ سے منہ ملائے ہوئے محو رقص ہے انا للہ وانا الیہ راجعون بے حمیتی اور بے غیرتی پر جتنا بھی سر پیٹ لیں تو کم ہے۔ مگر ٹھہریئے دوسرے گوشہ پر بھی نظر ڈالئے۔ خود مصر کے صدر سادات صدر فورڈ کی بیوی کو بھی نہیں بلکہ امریکہ کی ایک مغنیہ پرل بیلی سے ہم آغوش ہو کر ایک عرب خاتون اپنی بیوی کا بدلہ چکار رہے ہیں۔ یہ حالت عالم عرب کے سب سے فعال اور اہم ترین ملک مصر کی ہے جس کے سینہ پر صدر فورڈ کی قوم نے اسرائیل کا خنجر بھونک دیا ہے اور اب لبنان کی شکل میں دوسری ضرب کاری لگا سکتا ہے۔

پھر یہ حالت صرف عربوں کی تو نہیں، پچھلے سال ہمارے ملک کے قائد عوام بھی تو امریکہ گئے تھے اور یہاں کی خاتون اول بھی ساتھ تھیں۔ یہی کچھ انہیں بھی کرنا پڑا۔ برطانیہ کے ایک پاکستانی اخبار جنگ نے ۸، فروری جلد ۴ شمارہ ۲۷۵ میں اس تقریب کے فوٹو شائع کئے گئے، جس میں ضیافت کی تقریب میں صدر فورڈ کو بیگم نصرت بھٹو سے رقص کرتے دکھایا گیا۔ یہ تصویر ہمارے ملک میں بھی آئی تھی مگر یہاں اس کی اشاعت روک دی گئی۔ بیرون ملک مسلمان پاکستانیوں کی نگاہیں یہ تصویر دیکھ کر شرم سے نیچے ہو گئیں۔ اس اخبار کے تراشے یہاں آئے گویا مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور تہذیب یورپ کے ہاتھوں عالم اسلام، کیا عرب اور کیا عجم، اپنا جنازہ نکال چکا ہے۔ قوم کے اعمال کی تصویر عمال ہوتے ہیں اور عمال کے طور طریقوں کو اپنانے والی پوری قوم ہوتی ہے۔ جب دین اور اخلاق کے ساتھ غیرت و حمیت، شرافت حسب و نسب اور اقدار انسانیت کا بھی خاتمہ ہو جائے تو رونا پھر کس کس کی بات کا کیا جائے۔

ان تصاویر کے ساتھ ہی اب تصویر کا دوسرا رخ دکھانے والی ایک تصویر بھی ملاحظہ کیجئے جو ۱۲، اکتوبر کے جنگ کراچی میں نمایاں طور پر شائع ہوئی ہیں۔ سعودی عرب کے نائب وزیر اعظم شہزادہ فہد برطانیہ گئے تو گریڈ برٹن برطانیہ عظمیٰ کے وزیر اعظم ولسن تمام سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر نہ صرف خود ان کے استقبال کے لئے آئے بلکہ ان کے سامنے جھک جھک کر کورنش

بجالائے ۔ یہ تعظیم فہد یا کسی مسلمان اور پھر کسی عرب کی نہیں تھی، بلکہ اس لئے کہ مادہ پرست برطانیہ اور خود غرض انگریز کو شاہ فہد سے تیل کی بھیک مانگنی تھی اور سعودی عرب اس دولت سے، سونے سے اور زرمبادلہ سے مالا مال تھا۔ پہلی تصویریں مسلمانوں کی بے حمیتی اور ذلت کی منہ بولتی تصویریں ہیں تو یہ تصویر قدرت کی طرف سے مسلمانوں کو خاص طور پر نوازنے کا شاہد عدل ہے ۔ وہ ذلت ہے تو یہ عزت، وہ بے غیرتی ہے تو یہ وقار و عظمت، مسلمانوں نے قدرت کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کی نہ کی مگر استعمار و استبداد کے علمبردار اسلام دشمن یورپ کو جب پیغام حجازی کے سامنے جھکنا نصیب نہ ہو سکا تو اسی خدائے حجاز و تہامہ نے ان صلیبیوں کو حجاز کی فانی دولت تیل اور سونے کے سامنے جھکا دیا کہ جھکنا تو حجاز کے سامنے ان کے مقدر میں تھا مگر وہ خود حجازی پیغام پر جھک گئے۔ وہ اوج ثریا پر پہنچا دیئے گئے اور جنہوں نے انکار کیا وہ حجازی مال و متاع اور مادی و فانی چیزوں کے سامنے کورنش بجالا رہے ہیں کہ مادہ پرستوں کو مبلغ علم اور معدہ پرستوں کا منتہائے پرواز یہی حقیر دنیا ہے ۔

عائلی قوانین

رسوائے زمانہ عائلی قوانین کا آرڈی ننس دور ایوبی کا وہ سیاہ ترین دھبہ ہے جو اب تک ملت مسلمہ پاکستانیہ کے نورانی ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ اور ہم سب کے حمیت اسلامی اور غیرت ایمانی کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے۔ اس کی تجویز اور تنفیذ سے لے کر اب تک علماء حق اور غیور و جسور مسلمانوں نے متفق ہو کر اس پر احتجاج کیا۔ اس کے غیر شرعی اور غیر اخلاقی ہونے پر مدلل اور مفصل رائے ظاہر کی۔ چند حیا باختہ اور یورپ زدہ افراد کو چھوڑ کر عفیف اور پاکدامن عورتیں بھی اس کی قباحت پر متفق ہیں۔ پھر صوبائی اور قومی اسمبلیوں میں بھی اس پر ہمہ گیر نفرت کا اظہار اور اس کی تنسیخ کی سفارش کی گئی ہے ۔ ایوب کے اختلاع اور عزل کی تحریک کے دوران کوئی ایسا عوامی مظاہرہ نہیں ہوا جس میں ان قوانین پر نفرت و ملامت نہ کی گئی ہو۔ ان قوانین کی تمام دفعات تعدد ازدواج پر پابندی، نکاح کے لئے عمر کی تحدید، طلاق اور عدت کے مسائل میں رد و بدل، پوتے کی وراثت

وغیرہ میں کوئی ایسی دفعہ نہیں جو قرآن وسنت اور مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے فقہی نظام سے جوڑ کھا سکتی ہو جس کی بنا پر نئی حکومت کی معتدلانہ پالیسی اور عوام کے دینی جذبات کی رعایت کے پیش نظر مسلمانوں کو بجا طور پر توقع تھی کہ صدر یحییٰ خان کی حکومت ان قوانین کو پیش رو حکومت کی طرح نام نہاد ترمیمی کمیٹیوں کے سپرد کر کے ٹالتے رہنے کی بجائے اسے یک لخت منسوخ کرنے کا اُرڈیننس جاری کر دے گی مگر افسوس کہ اس بارہ میں مایوسی کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ حال ہی میں ان قوانین پر غور و فکر اور ترمیم کے لئے جس ایڈوائزری کونسل کے قیام کا اعلان کیا گیا ہے اس سے ان خدشات کو اور بھی سہارا مل جاتا ہے کہ نئی حکومت ان قوانین کے بارہ میں یا تو عوامی احساسات سے آگاہ نہیں یا پھر وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے کر اسے ٹالنا چاہتی ہے۔ تاہم اگر ایڈوائزری کونسل اب بھی ان قوانین کے بارہ میں صاف دل ہو کر ملک بھر کے تمام علماء اور عامۃ المسلمین کے مسلسل اور ہمہ گیر احتجاج، اختلافی نوٹس اور متبادل تجاویز کو سامنے رکھ کر ان قوانین پر غور کرے تو وہ بہت جلد اس کی تنسیخ کے دانشمندانہ فیصلہ تک پہنچ سکتی ہے۔ فیملی لاز پر مسلمانوں کا جو ردعمل اب تک ظاہر ہوتا چلا آرہا ہے۔ ایڈوائزری کونسل کو وہ پورا ریکارڈ مہیا کر کے اپنے سامنے رکھنا چاہیئے۔ اسلام نے عائلی اور ازدواجی زندگی کے لئے جو عادلانہ اور منصفانہ اصول مقرر کئے ہیں۔ اگر انہیں صحیح شکل میں نافذ کر دیا جائے تو گھریلو مسائل اور مرد و عورت کی باہمی زندگی کی تمام پیچیدگیاں خود بخود کافور ہو جاتی ہیں مگر اس کا مرحلہ موجودہ فیملی لاز کی تنسیخ کے بعد کا ہے۔ عائلی قوانین پر غور کرنے والی کمیٹی کو دو باتیں ملحوظ رکھنی چاہیئں، ایک تو یہ کہ موجودہ عائلی قوانین کا مجموعی حیثیت سے غیر شرعی ہونے پر قرآن وسنت پر عبور رکھنے والے علماء کے کسی گروہ میں بھی دو آراء نہیں پائی جاتیں اور نہایت منقح اور ہر طرف سے واضح طور پر دلائل کی روشنی میں موجودہ قوانین پر تنقیدیں سامنے آچکی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ موجودہ قوانین سے ملک کی باشعور اور حیادار خواتین کو بھی اتفاق نہیں۔ اس میدان میں اگر کچھ کہا جا رہا ہے تو وہ "اپوا" کے نام سے چند بازاری قسم کی عورتیں ہیں جن کی عادات و اطوار اور شبانہ روز مشاغل، اخلاق، عفت اور اسلام کے لئے ایک گالی بن کر رہ گئیں ہیں یا پھر ہماری محترم بیگم رعنا لیاقت علی خان ہیں جو کبھی ان خواتین کو اینگلو محمڈن لاء کا نعم البدل قرار دیتی ہیں اور کبھی یہ کھسیانی بلی اس طرح کھمبا نوچتی ہے کہ علماء اب تک ان قوانین کے بارہ میں کیوں

خاموش تھے۔؟ بیگم صاحبہ عمر کے آخری دور میں ہیں مگر طور طریقے جوانوں کے سے دکھلا رہی ہیں کاش! انہیں معلوم ہوتا کہ پاکستانی خواتین کے حقوق کے نام پر وہ ان کی عفت اور عظمتوں کا جنازہ نکال رہی ہیں اور دوسری طرف وہ آخر دم تک اپنے قابل احترام شوہر نامدار کی نیک نامی پر بھی چھینٹے ڈالتی رہی ہیں۔ ہمیں اس سلسلہ میں محترمہ بیگم آغا محمد یحییٰ صاحب (جنہیں چند ماہ قبل دارالعلوم حقانیہ آمد کے موقع پر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے عائلی قوانین کے غیر فطری اور غیر اسلامی ہونے پر تفصیل سے آگاہ کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر وہ ایسے امور میں بہترین اسلامی کردار ادا کر سکیں تو انہیں تاریخ میں زبیدہ مرحومہ بیگم ہارون الرشیدؒ جیسا مقام حاصل ہو سکتا ہے) سے بھی گزارش کرنی ہے کہ انہیں اس سلسلہ میں اپنے سلجھے ہوئے ذہن، پاکیزہ احساسات اور اہم حیثیت سے کام لے کر اس دینی فریضہ سے عہدہ برآ ہونا چاہیئے اور عورتوں کے حقوق کے نام پر "اپوا" کے نام سے جن غیر شرعی اور اخلاقی حرکات کا مظاہرہ ہو رہا ہے اس کا سدباب کرنا چاہیئے۔ وہ اور ان جیسی چند ذمہ دار خواتین اگر چاہیں تو اپنی مساعی سے خواتین کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے دیئے ہوئے حقوق اور صحیح مقام دلوا سکتی ہیں اور عورت کا صحیح مقام یہی ہے کہ وہ شمع محفل نہ ہو رونق خانہ ہو، متاع عیش و نشاط نہ ہو عفت اور عصمت کا آبگینہ ہو۔ بندگان ہوا و ہوس کے گلے کا طوق نہ ہو۔ ماں، بہن اور بیوی کی شکل میں مرد کی عظمتوں کا تاج ہو۔ ان گذارشات کے ساتھ ہم ایک بار پھر موجودہ حکومت سے مخلصانہ گذارش کرتے ہیں کہ وہ موجودہ عائلی قوانین کا معاملہ مشاورتی کونسلوں اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والی متوقع اسمبلیوں پر نہ چھوڑے بلکہ مومنانہ عزم اٹھا کر انہیں یکلخت منسوخ کر دے۔

تعدد ازدواج کی افادیت کا اعتراف

ایک دقیق اور سنجیدہ کتاب "علم جدید کا چیلنج" سے ایک اقتباس (ص ۲۶۵) تعدد ازدواج پر پابندی لگانے والوں کی خدمت میں بلا تبصرہ پیش ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اسلام میں ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کو بھی تہذیب جدید نے بڑے زور و شور کے ساتھ جہالت کا قانون قرار دیا ہے، مگر تجربے نے ظاہر کر دیا ہے کہ

اسلام کا یہ اصول انسانی فطرت کا عین تقاضا ہے کیونکہ چند زوجیت (تعدد ازدواج) کے قانون کو ختم کرنا در اصل درجنوں غیر قانونی زوجیت کا دروازہ کھولنا ہے۔

یہاں میں اقوام متحدہ کے ڈیمو گرافک سالنامہ ۱۹۵۹ء کا حوالہ دوں گا۔ اس میں اعداد و شمار کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ جدید دنیا میں جو صورت حال ہے وہ یہ کہ بچے "اندر سے کم اور باہر سے زیادہ" پیدا ہو رہے ہیں۔ ڈیمو گرافک سالنامہ کے مطابق ان بچوں میں حرامی بچوں کا تناسب ساٹھ فیصدی ہے اور بعض ممالک مثلاً پناما میں تو چار میں سے تین بچے پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں یعنی ۵۰ فیصد حرامی بچے لاطینی امریکہ میں اس قسم کے بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

متحدہ اقوام کے اس ڈیمو گرافک سالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ملکوں میں حرامی بچوں کی پیدائش کا تناسب نفی کے برابر ہے چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) میں ناجائز بچوں کا تناسب ایک فیصدی سے بھی کم ہے جبکہ متحدہ عرب جمہوریہ تمام مسلم ملکوں میں شاید سب سے زیادہ مغربی تہذیب سے متاثر ہوا ہے۔ مسلم ملک دور جدید کی اس عام وبا سے محفوظ کیوں ہیں۔ اس کا جواب متحدہ اقوام کا سالنامہ مرتب کرنے والے ایڈیٹروں نے یہ دیا ہے کہ چونکہ مسلم ممالک میں چند زوجیت (POLY GAMY) کا رواج ہے، اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے۔ چند زوجیت کے اصول نے مسلم ملکوں کو وقت کے اس طوفان سے بچا لیا ہے (MOVE OUT THANIM) مطبوعہ ہندوستان ٹائمز — ۱۲ ستمبر ۱۹۶۰ء

مسلمانوں کا پرسنل لاء اور سیکولر سٹیٹ

بھارتی مسلمان اپنے معاشرتی اور عائلی قوانین طلاق، نکاح، تعدد ازدواج وغیرہ میں حکومت کی دست اندازی کو اپنے پرسنل لاء میں مداخلت قرار دے رہے ہیں —— اور یہ کہ ایسا کرنا بھارت کے سیکولرازم کی توہین ہے —— دنیا کے کروڑوں مسلمان ان کے اس موقف کی تائید کریں گے، کیونکہ یہ صرف ایک بے بس ولاچار اکثریت کا معاملہ نہیں بلکہ اس پرسنل لاء کا سوال ہے

جسے آسمانی وحی، پیغمبر اسلام اور اجماع امت کی سند حاصل ہو چکی ہے۔ اس لحاظ سے اس قسم کی دخل اندازی خواہ کسی نام نہاد سیکولر اسٹیٹ کی طرف سے ہو یا کسی بھی اسلامی ریاست کی طرف سے ہو دین میں مداخلت صریح ظلم قرار پائے گی۔ بھارتی حکومت کو اس مسئلہ میں مٹھی بھر روشن خیال مسلمانوں کی تقلید کرنے کی بجائے دنیا بھر کے کروڑوں راسخ الایمان مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ اس مسئلہ میں بھارتی مسلمانوں کی ذمہ داری اور آزمائش کا بھی عجیب حال ہے انہیں اپنے دین اور معاشرت کی حفاظت خود ہی کرنا پڑے گی۔ وہ بے چارے نظر اٹھائیں بھی تو کس طرف؟ کہ جن ہاتھوں میں آج اسلامی ممالک کی زمام اقتدار ہے۔ یورپی تہذیب و تمدن، تجدد اور اباحیت کے حمام میں وہ پہلے سے ننگے ہو چکے ہیں۔ ان حالات میں بھارتی حکومت کی اس دھاندلی یا صریح ظلم اور مداخلت فی الدین پر کوئی آواز اٹھے بھی تو کہاں سے؟ بھارتی حکومت کے اس طنزیہ جواب کے سننے کی سکت کس میں ہو گی کہ چھلنی اٹھ کر کوزے کو اس کے سوراخ گنوائے ہماری دعا ہے کہ اس نازک مرحلہ میں بھارتی مسلمانوں کو استقامت اور کامیابی نصیب ہو۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی طرح پاکستانی عوام کو اپنے بھائیوں سے دلی ہمدردی ہے اور دعا و بس ــــ اور ان کے بس میں سوائے دعا کے اور رہ کیا گیا ہے ؎

ولو ان قومی انطقتنی رماحھم   نطقت ولکن الرماح اجرت

باب ۴
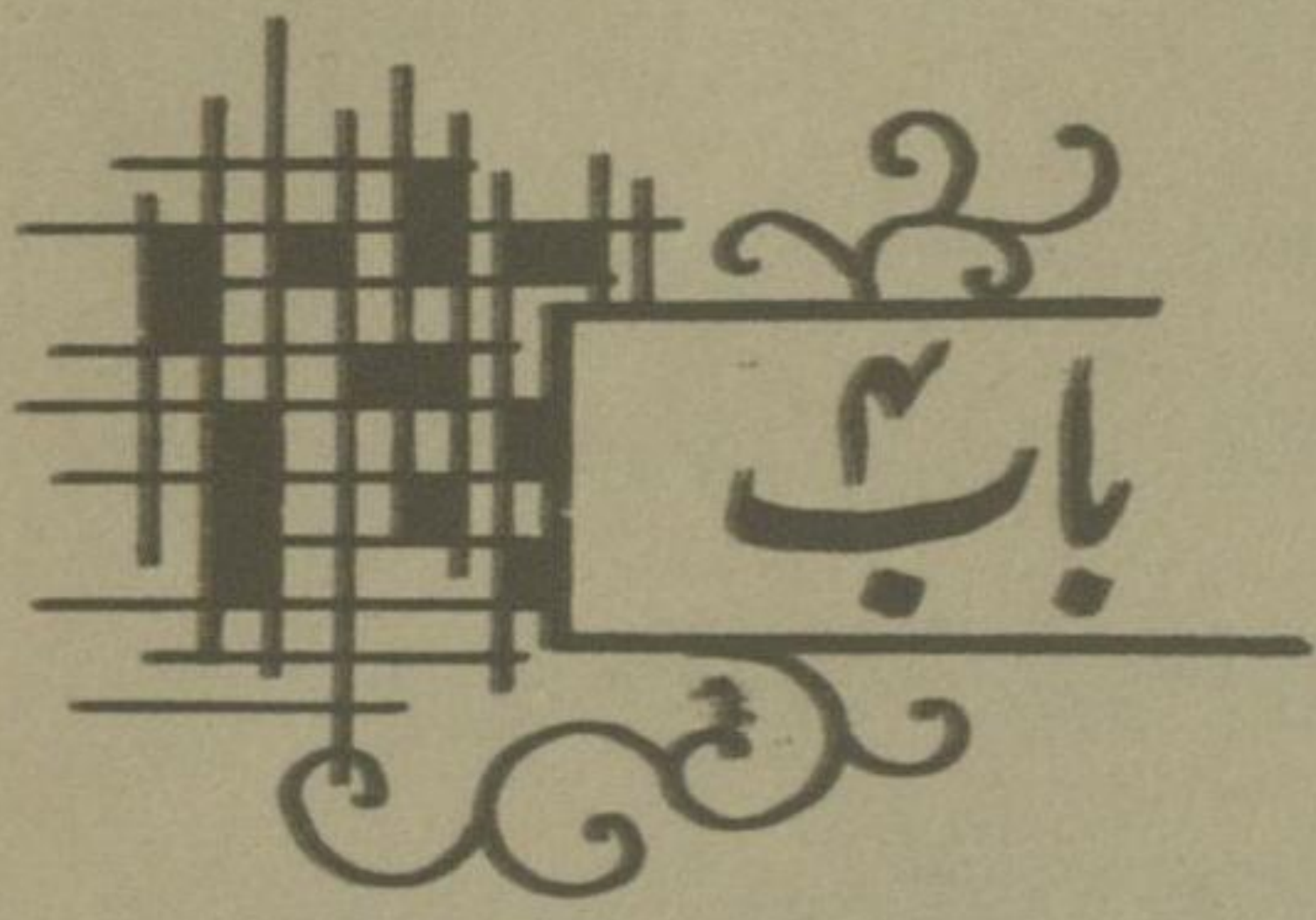
خاندانی منصوبہ بندی

اسباب ونتائج، اخلاقی شرعی اور سیاسی نقصانات

خاندانی منصوبہ بندی

خطرات و نتائج

ایک خبر ہے کہ کمشنر فیملی پلاننگ (خاندانی منصوبہ بندی) نے حیدر آباد میں اپنے ضلعی افسروں کے ایک اجلاس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی تحریک کو عوام میں پوری طرح مقبول کرائیں۔ ہم بقول ایک معاصر اس "بانگ بے ہنگام" پر خاموش نہیں رہ سکتے۔ ضبط ولادت کی تحریک پر ملک کے سنجیدہ علمی و دینی حلقے ابتدا ہی سے اظہار ناراضگی کر رہے ہیں اور برابر اس تحریک کی مضرتوں پر معاشی، اخلاقی، شرعی و عقلی ہر پہلو سے روشنی ڈالی جا چکی ہے اور اب تک ڈالی جا رہی ہے۔ طویل مشاہدات و تجربات کی روشنی میں مرتب کردہ اس تحریک کے عقلی و شرعی تجزیہ سے ہمیں کلی اتفاق ہے کہ اس مہم کا براہ راست اثر ہماری معاشرتی زندگی کی قدروں پر ہوگا لذت پرستی اور جنسی بے راہ روی کی ساری رکاوٹیں ختم ہو کر ایک اسلامی ملک میں اخلاقی انارکی فحاشی بے حیائی اور زناکاری کا ذخیرہ خلیفہ خوب پروان چڑھے گا۔ ضبط ولادت کی غیر فطری کوششوں سے عورت و مرد کی جسمانی اور نفسیاتی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ خانگی ذمہ داریوں اور اولاد کی تعلیم و تربیت سے سبکدوشی کے احساس سے نہ صرف شہوانی جذبات میں اضافہ ہوگا بلکہ پورا معاشرہ جو خاندان کے مضبوط و مستحکم رشتوں پر استوار ہوتا ہے بگڑ جائے گا۔ گھریلو فرائض جن کے نباہنے پر اولاد ہی ایک فرد کو مجبور کر سکتی ہے اس سے فرار بہت آسان ہو کر معاشرہ باہمی حقوق سے گریز طلاق اور ناچاقی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

قومی خودکشی

ان لازمی نتائج و خطرات کے علاوہ ایک ایسا منصوبہ جو ہمارے مسلم معاشرہ کے شرعی و معاشی اور اخلاقی اقدار کے کسی پہلو سے بھی جوڑ نہیں کھا رہا موجودہ سنگین حالات میں جو بھارت جیسے عیار سامراج کے مقابلہ کی شکل ہمارے سامنے ہے ضروری ہے کہ اس منصوبہ کے اس مہلک پہلو پر بھی توجہ کی جائے جس کا خمیازہ ساری قوم و ملت کو بھگتنے کا اندیشہ ہے۔ اس وقت جب کہ ظاہری اسباب میں ہماری کامیابی کا تمام تر دار و مدار اس ملک کی عددی قوت اور افرادی اضافہ پر ایسی سکیموں کو زیر بحث لانا بھی قومی خودکشی کے مترادف ہے جن سے تحدید نسل یا نسل کشی کی حوصلہ افزائی ہو۔

افرادی قوت اور یورپ یورپ نے جو اس لعنت کا اولین سرچشمہ اور داعی ہے انیسویں صدی کے آغاز سے اس تحریک کو اپنایا مگر بالآخر اس زوال پذیر تہذیب پر عیاں ہوا کہ قلت آبادی کی اس تحریک نے اگر ایک طرف اسے اخلاق و شرافت سے عاری بنا دیا تو دوسری طرف اس پر واضح ہوا کہ قلت آبادی کے یہی مساعی اس کی اجتماعی قوت کے اضمحلال اور سیاسی طاقت کے انحطاط کا باعث بن رہے ہیں۔ چنانچہ بعد از خرابی بسیار مغربی اقوام نے اپنا رویہ تبدیل کر لی فرانس کے مارشل پیٹن نے اسے اپنے ملک کے زوال کا بنیادی سبب قرار دیا۔ برطانیہ کے ایک مشہور مدبر اور ممبر اسمبلی رینڈ الف چرچل نے شرح پیدائش کے گرنے کے خطرات سے ملک کو آگاہ کیا۔ یہی حال یورپ کی دیگر اقوام کا ہے۔ فرانس، جرمنی اور اٹلی نے اسقاط حمل اور تحدید نسل کے تمام اقدامات کو سخت ترین جرم قرار دیا بلکہ ملک کی معاشی ترقیات کے متبادل انتظامات کے ساتھ ساتھ افزائش نسل کی سرپرستی کی اور کر رہے ہیں۔ چنانچہ سویڈن وغیرہ میں بچوں کی تعداد بڑھانے والوں پر ٹیکس کی شرح میں تخفیف کی گئی۔ اس وقت یہی پالیسی امریکہ اور یورپ کی تمام اقوام کی ہے۔ ان پر بالآخر یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس ایٹمی دور میں کسی ملک کے استحکام، سیاسی برتری اور بین الاقوامی اہمیت کے اسباب میں کثرت آبادی کا بھی کافی دخل ہے۔ کوریا کی جنگ میں چین نے اور جنگ عظیم نے جاپان میں محض اپنی عددی قوت سے دشمن کے منصوبوں کو بے اثر بنایا۔ آج ہمارے پڑوس میں چین

اور روس کو جو سیاسی اقتدار اور تفوق حاصل ہے بالخصوص چین جو اپنی عظیم قوم ہی کے بل بوتے پر مغربی استبداد کے غرور و گھمنڈ کو چیلنج کر رہا ہے۔ اس میں کثرت آبادی کا بھی بڑا دخل ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ممالک اگر ایک طرف ملکی معیشت کی خوشحالی کے لئے قدرت کے عطا کردہ تمام وسائل اور ذرائع کو کام میں لا رہے ہیں تو دوسری طرف آبادی کے لحاظ سے اپنی تفوق اور برتری کو بھی برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہی حال ہمارے عظیم مسلم ملک انڈونیشیا کا ہے۔

سیاسی اور دفاعی ضرورت

مغربی ممالک میں تکثیر آبادی کے مساعی کے باوجود مشرقی اقوام اور عالم اسلام کی شرح آبادی کی رفتار کی وجہ سے مغربی اقوام کو اپنی سیاسی قیادت خطرہ میں نظر آ رہی ہے اور مغرب کی کوشش ہے کہ اپنی بین الاقوامی پوزیشن برقرار رکھنے کے لئے اسلامی اور مشرقی ممالک کی شرح اضافہ آبادی کو روکا جا سکے اور ان ممالک میں تحدید نسل اور ضبط ولادت کی تحریک پروان چڑھا کر انہیں اپنی موت آپ مار دیا جائے۔ ادھر ہماری فریب خوردگی کا یہ عالم کہ ؎

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں دام کا۔
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

ان وجوہات سے تحدید نسل کا مسئلہ صرف اخلاقی اور معاشی یا مذہبی مسئلہ نہیں رہا بلکہ بین الاقوامی حالات نے اسے پاکستان اور عالم اسلام کے لئے سیاسی اور خالصتہً ایک دفاعی مسئلہ بنا دیا ہے پھر ہمارا ملک جغرافیائی لحاظ سے ایسی پوزیشن میں ہے کہ ہماری چاروں طرف کی آبادی ہم سے تین گنا بلکہ آٹھ گنا تک زیادہ ہے۔ خود بھارت جس کے سامراجی عزائم کو جب تک خاک میں نہ ملا دیا جائے ہم خطرہ سے اطمینان سے نہیں بیٹھ سکتے وہاں کی آبادی ساڑھے چار گنا زیادہ ہے۔

ایسے حالات میں عواقب و نتائج سے بے پرواہ ہو کر اس تحریک کے ڈھنڈورے پیٹنا ربوبیت عامہ اور شان رزاقیت کے لئے چیلنج اور قومی و ملی موت کے مترادف ہے اور اسلامی و قومی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر اس تحریک کی سرپرستی اور اسے قوم میں مقبول بنانے کی دعوت دینا قومی نا عاقبت اندیشی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

تعمیر و ترقی کا صحیح راستہ

ہماری دلی خواہش ہے کہ ملک کے حقیقی مفادات کی بنا پر آئندہ

ہر اس تحریک، منصوبہ اور تکمیل سے اجتناب کیا جائے جو ہمارے ملی اور قومی مزاج اور تقاضوں سے جوڑ نہ کھائے اور اگر مغربی تہذیب و تمدن کی تقلید میں ہم سے کچھ غلطیاں سرزد ہوئی ہوں تو حالیہ واقعات سے سبق لے کر انہیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اور ہر اس علمی و عملی اقدام کو سختی سے روک دیا جائے جو ملت مسلمہ کے لئے دینی اور اخلاقی فتنوں کا سامان مہیا کرے جو اسلامی جمہوریہ اور اس کے غیور مسلمانوں کو دینی اقدار اور مجاہدانہ کردار سے دور ہٹائے اور جس سے اس عظیم قوم کی مومنانہ اور مجاہدانہ روح مجروح ہو۔ خواہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک ہو یا عائلی قوانین کی پر فریب شکل یا تجدد، ترقی اور فیشن کے فکر انگیز نام اور یا اسلامی ریسرچ و تحقیق کے نام پر تحریف دین کی تحریکیں —— ہمارے خیال میں یہی وہ طرز عمل ہے جو ہمارے مستقبل کی تعمیر اور خوشحالی اور ملک کی بقا و سلامتی کا ضامن ہو سکتا ہے اور یہی وہ طرز حیات ہے جسے حالیہ واقعات کے نتیجہ میں ہمارے لائق اور قابل احترام صدر مملکت محمد ایوب خان نے حسب ذیل الفاظ میں اشارہ فرمایا کہ:-

> یہ تجربات گہرے اور ہمہ گیر ہیں کسی عارضی جوش و خروش کا نتیجہ نہیں اور نہ وقتی اور نہ گزرنے والی باتیں ہیں۔ ان واقعات نے ہمیں زندگی کے ہر میدان کے لئے ایک مستقل طریق عمل بخشا ہے اور یہی دراصل اسلام کا ضابطہ حیات ہے۔ انشاء اللہ اب یہی طریق عمل ہمارے آئندہ طرز فکر و عمل کے لئے مشعل راہ ہوگا۔ (نومبر ۶۵ء)

منصوبہ بندی کا اخلاقی اور سماجی پہلو

تحریک خاندانی منصوبہ بندی (ضبط ولادت) کی ترویج میں ہمارے ملک کی پوری مشینری مصروف عمل ہے۔ اقتصادی فوائد کے علاوہ اس کی اخلاقی اور سماجی خوبیوں کا پرچار بھی ہو رہا ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ نئے اسلام کی تخلیق کرنے والی ایک "فیکٹری" ادارہ تحقیقات اسلامیہ" اور اس کے نام نہاد محققین کی ایک پوری کھیپ بھی قتل اولاد کی اس انسانیت کش

تحریک کے ڈانڈے قرآن وسنت اور فقہاء اسلام کے اقوال سے ملانے میں مصروف ہے۔ اخبارات کے پورے ایڈیشن اور ضمیمے اس نسخہ شفاء کے پرچار کے لئے نکل رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نقارخانہ میں اہل حق کی صدائے عزبت پر کوئی توجہ دے بھی تو کیسے ؟ پھر بھی اہل حق علماء اپنے فریضہ احتساب کی بنا پر علماء بلا خوف وخشیتہ اس تحریک کے روحانی، سماجی اور سیاسی عواقب اور تباہ کن نتائج سے قوم کو آگاہ کررہے ہیں۔ وہ قوم جو بلا جھجک یورپ کی بہیمانہ بھٹی میں کودتی چلی جارہی ہے۔ آج کی فرصت میں ہم اس ماہ کی دو ایک خبریں اخلاقی زوال اور تحریک نسل کشی کے پرچار کرنے والوں کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔ اس تحریک کے طبی پہلو پر اس خبر سے روشنی پڑتی ہے۔

"لندن کے ایک فزیشن نے کہا ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی اور برتھ کنٹرول کے لئے جو انسدادی گولیاں استعمال کی جاتی ہیں ہوسکتا ہے کہ وہ بعد ازاں مرد کی صحت پر اثر انداز ہوں اور مثانے کی بیماری پیدا ہوجائے۔ ایسے کئی واقعات ہوئے ہیں

(روزنامہ جنگ راولپنڈی ۷، اکتوبر ۱۹۶۶ء)

"عورتوں کیلئے اس عمل کے بے شمار بیماریوں کا باعث ہونے کی خبریں بھی روزمرہ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ برتھ کنٹرول کے سیاسی مضرات کا اندازہ اس خبر سے ہوتا ہے کہ اس ماہ رومانیہ (ایک اشتراکی ملک) میں اسقاط حمل کو ممنوع قرار دینے کے لئے قانون نافذ کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں نافذ کئے جانے والے قانون کے تحت صرف شدید طبی ضرورت کے علاوہ اسقاط حمل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ (روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۵ر اکتوبر ۱۹۶۶ء)

اس سے قبل افرادی قلت اور قومی خودکشی کا تلخ تجربہ فرانس، اور کئی دیگر ممالک کو ہوچکا ہے اور اس حماقت نے ان ممالک کی عظمت کو خاک میں ملا کے رکھ دیا ہے۔ رہا اس تحریک کا اخلاقی اور سماجی پہلو تو اس کا اندازہ آج یورپ کے ہر اس ملک سے لگایا جاسکتا ہے جہاں اخلاق وشرافت کے تمام بندھن لوٹ گئے ہیں اور جنسی ہیجان کے طوفان میں انسان محض ایک "انسان نما بھیڑیا" بن کر رہ گیا ہے۔ ذیل کے چند تازہ اعداد وشمار سے اس حیوانیت کا اندازہ

لگائیے اور اس آئینہ میں اپنے ملک اور معاشرہ کے سیاہ مستقبل کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔ امریکہ میں صرف پچھلے ایک سال میں ۲ لاکھ ۵۰ ہزار طالبات کا اسقاط حمل کرایا گیا۔ (مجلۃ العربی نمبر کویت)

خاندانی منصوبہ بندی کے آلات و ادویات نے جن لوگوں کو اس دھندہ سے چھٹکارہ دیا ہو گا۔ اس کا اندازہ آپ خود لگائیے۔ پھر مذکورہ تعداد بھی صرف طالبات کی ہے۔ انگلستان میں پچھلے ایک سال کے اندر ایک لاکھ ۲۶ ہزار ناجائز (حرامی) بچے پیدا ہوئے (العربی کویت) اور اس طرح حرامیوں کے اس لشکر نے "حلال پیداوار" کا کوٹہ پورا کر دیا ——— اب ایک ایسے ملک کا حال سنئے جو یورپ کا نہیں مشرق وسطیٰ کا ملک ہے اور جہاں کی تقریباً نصف آبادی مسلمانوں کی ہے۔ کویت کا مشہور رسالہ "العربی" رقمطراز ہے :-

بیروت میں ۸۰ فیصد طالبات شادی سے پہلے ہی جنسی تعلقات قائم کر لیتی ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں ہمارے ہاں کے سرکاری حلقوں میں بھی اس تحریک کے ناجائز استعمال پر تشویش ظاہر کی گئی ہے جس کی خبریں اخبارات میں آ چکی ہیں۔ انسان کے حقیقی رشد و ہدایت کی سچی اور لاجواب کتاب قرآن مجید نے بہت پہلے "قتل اولاد" سے منع کرنے کے فوراً بعد زنا اور اس کے محرکات روک کر اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے کہ قتل اولاد کی ہر شکل اور زنا و فحاشی میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے باہمی تعاون سے عیاں ہے کہ پہلا جرم "قتل اولاد" دوسرے جرم (زنا اور فحاشی) کا محرک ہے ——— پڑھیئے اور قربان جایئے اس لافانی کتاب کے اعجاز سے ارشاد ربانی ہے۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطأً کبیراً۔
بنی اسرائیل ۳۱

اور مت کرو قتل اپنی اولا کو مفلسی کے خوف سے۔ ہم ان کو بھی روزی دیں گے اور تم کو بھی دیتے ہیں۔ بیشک اولاد کو قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے

اس آیت کے فوراً بعد ارشاد ہے۔

ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃً ط

اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو کیونکہ زنا بڑی بے حیائی کی بات ہے

نہ صرف اس مقام پر بلکہ دوسری جگہ انعام میں بھی قتل اولاد سے منع کرنے کے معاً بعد فحاشی اور بے حیائی کی نمایاں اور خفیہ تمام صورتوں سے روک دیا۔ اس انداز بیان سے بھی صاف نمایاں ہے کہ دوسرا جرم (بے حیائی اور فحاشی) پہلے جرم (قتل اولاد) برتھ کنٹرول کا لازمی اور طبعی ردعمل ہے۔ ارشاد ہے :-

ولا تقتلوا اولادکم من املاق	اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو غربت
نحن نرزقکم وایاھم ولا تقربوا	کے سبب۔ ہم تم کو بھی رزق دیتے
الفواحش ما ظھر منھا	ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی
وما بطن ج	باتوں کے قریب بھی نہ جاؤ۔ خواہ وہ
آیت ۱۵۱ - انعام	اعلانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

(نومبر ۱۹۶۶ء)

بے حیائی کی دعوت

ملک وملت کے اخلاق و کردار اور تمدن ومعاشرت کو ڈائنامیٹ کرنے کے لئے خاندانی منصوبہ بندی کے نام سے جو بارودی سرنگیں بچھائی جا رہی ہیں۔ اس کے چند ایک تازہ نمونے ملاحظہ ہوں۔

"کمشنر برتھ کنٹرول مسٹر انور عادل نے کہا ہے کہ ضبط تولید کے ذرائع کا استعمال چوری چھپے کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں میں اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں میں اس تحریک کے متعلق شرم وحیا کا پردہ چاک کرنے کے لئے موثر اقدامات کئے جائیں شرم وحیا وعفت وعصمت کا پردہ چاک کرنے کی یہ دعوت نتھیا گلی میں والدین کی بین الاقوامی کانفرنس میں دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ عوام کو اس سلسلہ میں ہر قسم کی آسانیاں اور مانع حمل اشیاء فراہم کی جائیں۔ (ماخوذ جنگ کراچی ۱۰ اپریل ۱۹۶۷ء)

امریکہ کی ایک خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی امداد سے پاکستان میں اسقاط حمل کی گولیاں
یار کرنے کا کارخانہ قائم کیا جائے گا۔ (نوائے وقت ۱۲ مئی ۱۹۶۷ء) ——— اور
جس مقصد کے لئے قوم و ملت کا دامن حیاء و عصمت تار تار کیا جا رہا ہے۔ اس کی کچھ تازہ جھلکیاں
بھی ملاحظہ ہوں۔ ہمبرگ کی ایک خبر کہ مانع حمل کی گولیوں کے استعمال سے عورتوں کی جنسی خواہشات
میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ معاشی اور سیاسی میدان میں مساوی حقوق کے حصول کے بعد اب
عورتیں اخلاقی روایات کو پس پشت ڈال کر جنسی معاملات میں بھی مرد جیسا کردار انجام دینا چاہتی
ہیں۔ یہ مسئلہ آج کل مغربی جرمنی کے ڈاکٹروں، سائنسدانوں اور ماہرین نفسیات و جنسیات کے
لئے موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ امریکن سوسائٹی آف فیملی پلاننگ کے سائنسدان، جرمن
ماہرین نفسیات و جنسیات و پیدائش سب اس نتیجہ پر متفق ہیں۔ ہمبرگ کے ڈاکٹر ہرٹا اسٹول
نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کہ جدید دور کی عورت کے لئے وہ دن دور نہیں جب عشق و
محبت اور شہوت رانی کے میدان میں عورتیں مردوں سے بہت آگے نکل جائیں ———

(ماخوذ از جنگ کراچی ۱۹۶۷ء)

ادھر ایک ٹرسٹ اخبار رقمطراز ہے کہ نیوزی لینڈ خاندانی منصوبہ بندی ایسوسی ایشن کے
صدر ڈاکٹر لبش نے انکشاف کیا ہے کہ ان کے ملک کی بہت سی لڑکیاں خاندانی منصوبہ بندی
سے بغاوت کر کے حاملہ ہو گئی ہیں۔ وہ والدین کے پنجوں سے نکل بھاگنا چاہتی ہیں۔ ڈاکٹر لبش
نے کہا کہ یہ اس لئے کہ وہ خود کو اب اس برائی سے محفوظ نہیں رکھ سکتیں فاعتبروا یا
اولی الابصار اندازہ لگائیے کہ دلدادگان تہذیب فرنگ اور کشتگان اباحیت نے یہ
سارا ڈھونگ کن مقاصد کے لئے رچایا اور اس زہر کو تریاق دکھانے کے لئے اس پر معاشی
تکفل، منصوبہ اور قومی ترقی کے کیا کیا لیبل لگائے گئے۔ (جون ۶۷ء)

حلال کی ممانعت مگر حرام کی کفالت

مغربی پاکستان کے بچوں کی بہبود کونسل کی چیئرمین وقار النسا نون نے بتایا ہے کہ کونسل
عنقریب "بن باپ" بچوں کو پالنے کے لئے ایک پرورش گاہ قائم کرے گی۔ انہوں نے

مزید بتایا کہ ہسپتال میں کام کی کثرت کی وجہ سے ان کی پرورش کی طرف مناسب توجہ نہیں دی جا سکتی۔ جو بچے ہسپتالوں میں پیدا نہیں ہوتے ان کی لاشیں سڑکوں پر رکھی پائی جاتی ہیں۔ مجوزہ پرورش گاہ بن باپ کے ایسے بچوں کے مسائل حل کرنے میں پوری مدد دے گی اور آئندہ یہ بچے پاکستان کے شریف شہری ثابت ہو سکیں گے۔ (۱۶ مارچ ۶۶ء کے اخبارات)

کتنی اچھی خبر ہے۔ آخر جب شہر شہر گلی گلی خاندانی منصوبہ بندی کے سینٹر کام میں مشغول ہوں گے صحافت و ثقافت کے تمام وسائل اس "صلائے عام" کے لئے وقف ہوں گے۔ ادب اور سیاست کی سٹیج پر اس موضوع کے مذاکرات اور مباحثوں کا بازار گرم رہے گا اور قوم کا بدقسمت طبقہ اس پرجوش دعوت کی لذت آفرینیوں میں ڈوب جائے گا تو یقیناً اس کا ظہور اس ناجائز "برآمد" کی صورت میں ہونے لگے گا۔ اب لازماً ایک ایسی پرورش گاہ بھی چاہیئے جس میں ملک بھر کی یہ "حرام پیداوار" ٹھکانے لگ سکے تاکہ انہیں آگے چل کر مستقبل کے شریف پاکستانی شہریوں کے سانچہ میں ڈھالا جا سکے۔ یہ سینٹر اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ جو ماں باپ اس ناجائز کھیپ کی درآمد کے ذمہ دار ہیں ان کے ذریعہ وہ تربیت اور معاشرتی ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش ہوں کہ دوبارہ پوری یکسوئی سے فیملی پلاننگ کے مراکز کی رونق برقرار رکھ سکیں۔ اگر کونسل ایسی پرورش گاہ کی افادیت محسوس کرتی ہے تو چند اک مراکز سے کام نہیں چلے گا۔ ضرورت ہے کہ اس شارع عام اور آبادی میں ایسی پرورش گاہ قائم کی جائے جہاں خاندانی منصوبہ بندی کا سینٹر قائم ہو چکا ہو۔ اس طرح ایک سے دوسرے کی رونق دوبالا ہوتی رہے گی اور پہلو بہ پہلو وہ کمرتھ کنٹرول کا کاروبار بھی خوب چمک اٹھے گا۔ سبحان اللہ! تاریخ پاکستان کا بدترین المیہ اور شرمناک باب۔ حلال پیداوار کو تو آنے سے پہلے روک دو اور حرام پیداوار کی کفالت و تربیت کے لئے پرورش گاہیں اور مراکز قائم کرو۔ (مئی ۶۶ء)

مذاہب عالم کا اجماع

خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں تحریف و تاویل کی ہزار کوششوں کے باوجود اسلام کا عادلانہ نقطہ نظر کسی باخبر مسلمان سے مخفی نہیں رہا مگر پچھلے دنوں اس تحریک کے بارہ

میں یورپ کے کلیسا کی ناراضگی عیسائیوں کے مذہبی ہائی کمان کی شدید خفگی اور پھر حال ہی میں ہندوؤں کے ایک ممتاز مذہبی رہنما شنکر اچاریہ کا احتجاجی بیان اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام تو اسلام (جو ہر لحاظ سے مکمل اور فطری مذہب ہے) دنیا کا کوئی محرف یا مسخ شدہ مذہب بھی اس غیر حکیمانہ فعل کی تائید نہیں کرتا۔ گو اس تحریک کی غیر معقولیت پر مذاہب عالم کا اجماع ہو چکا ہے (نومبر [illegible])

اسلام سے لاتعلقی

مرکزی وزیر تعلیم قاضی انوار الحق صاحب نے قومی اسمبلی کے ایک سوال کے جواب میں ایک عجیب شان "بے نیازانہ" میں فرمایا کہ حکومت خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں ہرگز علماء یا مشاورتی کونسل کی رائے معلوم نہیں کرے گی اس مسئلہ کا تعلق صحت سے ہے علماء اور اسلام سے نہیں۔ قاضی صاحب وزیر تعلیم ہیں اور پھر "قاضی" بھی اسی "شاہانہ" ترنگ میں یہ بھی فرما سکتے ہیں کہ تجارتی اور صنعتی بینکنگ، سود، تقاوی، بیمہ وغیرہ مسائل کا تعلق تجارت اور صنعت سے ہے۔ معاشرتی امور، طلاق، نکاح، عدت کا تعلق معاشرہ سے ہے۔ حکومت، وزارت اور قیادت کا تعلق سیاست سے ہے۔ علماء اور اسلام سے نہیں اور ہم اس بارہ میں علماء سے استصواب نہیں کر سکتے۔ کسی کی مجال ہے کہ لب کشائی کر کے پوچھ سکے کہ اس نقطہ نگاہ سے اسلام اور پاپائیت یا عیسائیت میں فرق کیا رہ جائے گا؟ جہاں مذہب کو ملک اور معاشرہ کے ہر شعبہ سے نکال کر چند فرسودہ اور خود ساختہ اعتقادات تک محدود کر دیا گیا ہے۔ قاضی صاحب کی اس دلیل سے برتھ کنٹرول تو کیا شراب اور سؤر کو بھی صحت کے لئے مفید قرار دیا جا سکتا ہے کہ مذہب کا صحت اور بیماری سے کیا تعلق، مگر یاد رکھئے جب سوال ملک کی حفاظت اور مدافعت کا پیدا ہو تو پھر علماء کو ہرگز مت بھولئے کہ وہ اٹھ کر مسلمانوں میں جذبہ جہاد بیدار کریں اور "اسلامی مملکت" کو تباہی سے بچانے کے لئے ہر منبر اور ہر محراب کو محاذ جنگ اور سرحد اسلام بنا دیں کہ پاکستان میں مولویوں کا مقام صرف ضرورت کے وقت مسئلہ جہاد کا بیان کرنا رہ گیا ہے یا پھر وہ اطاعت و تسلیم کی تلقین کر کے "باعزت" زندگی گزار سکتا ہے۔ (جولائی ۷۶ء)

اسبابِ حیات و ممات میں تلبیس

خاندانی منصوبہ بندی کے حق میں ایک استدلال ملاحظہ ہو جو عرصہ سے ملک کی سب سے اونچی سٹیج سے دہرایا جا رہا ہے۔

"برتھ کنٹرول کے مخالفین شرحِ پیدائش پر کنٹرول کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے خدائی قانون سے لڑنے کے مترادف قرار دیتے ہیں تو کیا مختلف امراض کے لئے ڈاکٹروں کے پاس جانا خدائی قانون سے لڑنے کے مترادف نہیں ہو سکتا؟"

بظاہر یہ دلیل وزنی معلوم ہوتی ہے مگر جب اس کا تجزیہ کیا جائے تو ایک عجیب شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام نے ان اسباب و تدابیر کے استعمال کا حق دیا ہے جو انسانی آرام و راحت اور فلاح و بہبود کے کام آسکیں۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ بنی نوعِ انسان کی تکالیف اور بیماریوں کا ازالہ کریں۔ اسے ٹریفک کے حادثات سے بچانے کے لئے ٹریفک کنٹرول کے ذرائع استعمال میں لائیں۔ وبائی امراض کا انسداد کریں۔ قحط اور گرانی ختم کرنیکے اسباب سوچیں اور برتیں۔ مگر کیا اسباب کے نام سے ہم وہ امور بھی اختیار کر سکتے ہیں جو انسان کے اجتماعی یا انفرادی مفادات پر اثر انداز ہوں یا جو ہمارے ملی و قومی کردار کو مجروح کریں۔ کیا ہم ایک شخص کو صرف اس بنا پر قتل یا دنیا میں آنے سے روک سکتے ہیں کہ ہمیں اس کو وبا اور دیگر مہلک امراض، دریا میں ڈوبنے، آگ میں جلنے سے بچانے کی سعی کا حق حاصل تھا —— ظاہر ہے کہ جو اسباب نوعِ انسانی کے حق میں محفوظ ہیں (اس کو موثر حقیقی نہ جانتے ہوئے) اس کے استعمال کا حکم تھا۔ مگر جو اسباب نوعِ انسانی کے کسی فرد یا طبقہ کے قومی، سیاسی اور اخلاقی مفادات کے لئے ضرر رساں ہوں گے۔ ہمیں اس کی اجازت ہرگز نہیں اور نصوص و شواہد اور قطعی تجربات سے یہ بات ثابت ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی کی موجودہ ہمہ گیر تحریکی شکل کسی قوم کے اخلاقی دیوالیہ اور ملی خودکشی کا سبب بن سکتی ہے جبکہ کثرتِ نسل اجتماعی، فوجی اور اقتصادی لحاظ

سے ملت مسلمہ کے لئے قوت کا باعث ہے۔ ہمیں اس "ملی موت" اور قومی خودکشی کا حق اس وجہ سے نہیں پہنچ سکتا کہ ہم افراد کی شرح اموات گھٹانے کے مجاز ہیں۔ اس دلیل کے منطقی تجزیہ کے بعد یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں تحدید نسل اور قومی خودکشی کا اس وجہ سے حق حاصل ہے کہ ہم انسان کو مرنے سے بچانے کی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں یا ہم قومی پیمانہ پر شرح اموات بڑھا سکتے ہیں، کیونکہ ہمیں افراد کی شرح اموات گھٹانے کی اجازت ہے۔ اس صورت میں یہ استدلال کتنا مضحکہ خیز ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (فروری ۶۷ء)

ارزاق کا کفیل

آپ نے اس خبر کو پڑھ کر کچھ سوچا بھی؟ کہ ضلع سلہٹ میں ایک شادی شدہ خاتون کے ہاں نو جڑواں بچے پیدا ہوئے ——— ضبط ولادت کے اس ہاؤ ہو میں جبکہ اس کی کامیابی پر تیس کروڑ روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔ قدرت کی طرف سے یہ واقعہ ایک طمانچہ ہے۔ ان لوگوں کے منہ پر جو خلق و معاش کی کنجیاں اس کائنات کے خالق سے چھین کر اس پر اپنا قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔ خدا کے لئے اس واقعہ سے سبق لو۔ کیا تمہیں اس وقت ہوش آئے گا۔ کہ پہاڑوں، ٹیلوں اور غاروں سے غول کے غول بچے برآمد ہونے لگیں یا آسمان سے بچوں کی ایسی بارش ہو کہ تم ان کا گلا گھونٹ کر بھی ختم نہ کر سکو۔ یقین رکھو کہ جس ذات کے ہاں پیدائشی قوتوں کی اتنی فراوانی ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے ارزاق کا بھی کفیل ہے۔ کیا وہ عالم خاکی کے تمام جانداروں کو تم سے زیادہ اور اچھا رزق نہیں دیتا؟ پھر کیا تم نے حضرت سلیمان کا وہ واقعہ نہیں پڑھا کہ انہوں نے ایک بار تمام مخلوق کو ایک وقت کھانا کھلانے کی دعوت دینی چاہی اور بہ ہزار منت و سماجت خداوند کریم کو راضی کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سبق دینے کے لئے یہ دعوت سلیمانی قبول فرمائی۔ پھر وقت مقررہ سے کافی عرصہ قبل حضرت سلیمانؑ کی نہ صرف تمام فوج بلکہ مسخر شدہ جنات بھی اشیائے خوردنی کی فراہمی میں لگ گئے۔ میلوں تک (دستر خوان) سجایا گیا۔ حضرت سلیمانؑ کی طرف سے صلائے عام ہوئی۔ ابتدا بحری مخلوق کی ایک ناتواں مچھلی سے ہوئی اور مچھلی مہینوں کی مہیا کی ہوئی یہ ساری خوراک چند لحظوں میں چٹ کر گئی اور دستر خوان

صاف کرتے ہوئے دوسرے سرے نکل گئی۔ پھر بھی ھل من مزید پکارنے لگی کہ سلیمان علیہ السلام مجھے کچھ کھلائیے کہ بھوک کے مارے میرا حال برا ہو رہا ہے۔ ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام حیران و ششدر کہ سب کچھ تو ختم کر گئی، اب اور لوگوں کو کیا کھلاؤں گا۔ سلیمان علیہ السلام نے مچھلی کو کوسا کہ تو نے سب کچھ کھایا اور کیا مانگ رہی ہے۔ مچھلی نے جواب میں کہا اے سلیمانؑ میرا رب مجھے ہر روز دن میں کئی بار اتنا کچھ کھلاتا ہے۔ آج تم نے میرا وظیفہ خزانہ غیب سے بھی بند کرایا اور مجھے سیر بھی نہ کر سکے۔ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام یہ سن کر سجدہ میں گر گئے۔ آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں اور اللہ کی عظمت کا ترانہ زبان پر جاری ہوا "کہ پاک ہے وہ ذات جو اپنے خلائق کو غیب کے خزانوں سے رزق پہنچاتا ہے۔

سبحان المتکفل بارزاق الخلائق من حیث لا یعلمون۔ (اگست ۶۶ء)

عذاب کی شکل میں قدرتی منصوبہ بندی

مشرقی ترکی میں زلزلہ آیا اور کتنی ہولناک تباہی و بربادی ساتھ لیتے آیا۔ بیس لاکھ افراد بے گھر ہوئے۔ سینکڑوں بستیاں پیوند خاک ہوئیں صرف ایک شہر وار تو میں دو ہزار لاشیں تادم تحریر ملبے سے نکالی جا چکی ہیں اور مزید لاشیں مل رہی ہیں۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ زمین جگہ جگہ سے دھنس گئی۔ مواصلات اور امدادی کام کا نظام درہم برہم ہوا اور آخری خبروں تک زلزلے کے جھٹکے آرہے ہیں —— یہ داستان عبرت نہ تو قوم عاد و ثمود کی ہے اور نہ لوط و سدوم کی بستیوں کی بربادی کا ذکر کیا ہے بلکہ اس ہفتہ کے اندر ایک اسلامی ملک کا جہاں سارے مسلمان ہی مسلمان بستے ہیں اور اس سے پہلے پاکستان اور بھارت میں زلزلہ آیا۔ یوگوسلاویہ اور جاپان بھی لرز اٹھے۔ تاشقند کی زمین تو ایسی لرز اٹھی ہے کہ سکون کا نام ہی نہیں لیتی۔ یہ حال تو قدرت کے تازیانے (زلزلے) کا ہے ورنہ ہلاکت آفرینیوں کا ایک تانتا ہے جس نے سارے کرۂ ارضی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ کا منظر عیاں ہے مگر ہائے ہماری غفلت کیشی کا یہ حال کہ جوں تک نہیں۔ قدرت کے قانون مکافات عمل سے جتنی بے پرواہی اس "حیوانی دور" میں برتی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے کی سرکشی اور طاغی قوموں میں شاید اس کی مثال نہ

ملے۔ ہم اپنی بربادیوں کے رشتے اسباب وعلل سے جوڑتے ہیں مگر مسبب الاسباب پر نظر نہیں پڑتی حالانکہ اس تمام خانماں بربادی کا سرچشمہ ہم خود ہی تو ہیں۔ یہ ہمارے اعمال بد کا ظہور ہی تو ہے۔ "وہ" جن کے لئے اسلام نے ایک فرد کی موت کو بھی سب سے بڑا واعظ قرار دیا تھا ان کے سامنے قوموں کی قومیں صفحہ ہستی سے مٹ رہی ہیں مگر عین عذاب کے وقت بھی مسجد کی طرف نہیں بلکہ سینماؤں کی طرف دوڑتے ہیں۔ ترکی میں صبح کے بعد شام کو پھر زلزلہ آیا مگر اس وقت بھی سینما ہال بھرے ہوئے تھے اور صرف ایک ہال میں دو سو افراد زلزلہ سے تباہ ہوئے۔ کیا صبح کا تازیانہ بھی انہیں جھنجھوڑ نہ سکا۔؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شقاوت اور بدبختی کے تسلط کا اگر یہی عالم رہا تو شاید اسرافیل کی سیٹیاں بھی ہمیں خواب غفلت سے بیدار نہ کر سکیں اور یہ زلزلے اور طوفان تو خود مخبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی کے مطابق قیامت کے الارم ہیں۔ قدرت کی تلوار جیب نیام سے باہر آجائے (والعیاذ باللہ) تو دنیا بھر کے ہلال وصلیب کی سوسائٹیاں اور امدادی ادارے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تلوار چلانے والے کے دامن میں پناہ لو ورنہ بالآخر تمہارا نام ونشان تک اس عالم خاکی سے مٹا دیا جائے گا۔ جابر اور قاہر قومیں تم سے پہلے یہاں آباد تھیں مگر اب ان کی بھنک بھی کانوں میں نہیں پڑتی۔

وکم اهلكنا قبلهم من قرنٍ هل تُحِسُّ منهم من احدٍ او تسمعُ لهم رکزا۔	ہم نے ان سے پہلے کئی جماعتیں ہلاک کیں۔ تم ان میں سے کسی کی آہٹ پاتے ہو، یا سنتے ہو ان کی بھنک

سنا ہے انہیں دنوں ترکی کا ایک وفد پاکستان کا دورہ اس غرض سے کر رہا ہے کہ یہاں "خاندانی منصوبہ بندی" کے کام کا جائزہ لے کر اسے اپنے ہاں اپنائے مگر قدرت کی طرف سے اس عذاب کی شکل میں منصوبہ بندی ہوئی —— کاش! اس قدرتی پلاننگ سے ہماری آنکھیں کھل جائیں اور وفد جن لوگوں سے سبق سیکھنے آیا ہے سبق دینے والوں کو خود اس حادثہ "فاجعہ" سے سبق مل جائے کہ قانون "پاداش عمل" سب سے بڑی منصوبہ بندی ہے —— اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم کرے

(ستمبر ۱۹۶۶ء)

باب ۵
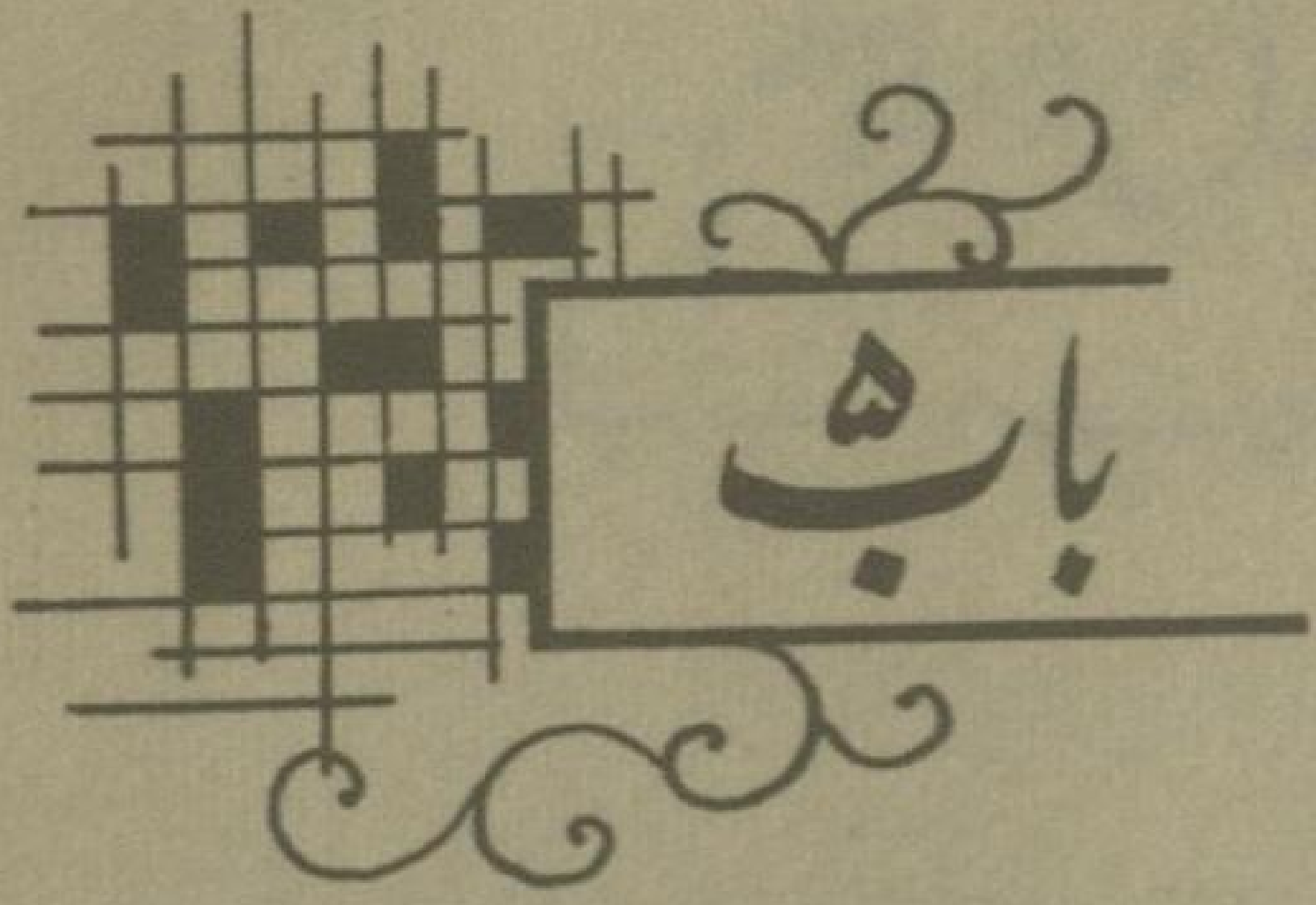
عالمِ اسلام میں تجدّد (ماڈرن ازم) کی تحریک

ریسرچ و تحقیق اور فتنۂ استشراق

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید

مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

(اقبال)

اکبر دی گریٹ کا ماڈرن اسلام

اکبریت کا نیا روپ

الحمدللہ کہ قافلہ اسلام منزل بہ منزل کو بہ کو عہد سعادتِ نبوت سے لیکر اب تک رواں دواں ہے۔ اسلام کی وہ نعمت جو حضور سرور کائنات صلوات اللہ علیہ نے اپنی امت کے سپرد کی۔ اسلاف نے اس امانت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر اسے سینے سے لگائے رکھا اور ہم تک پہنچایا۔ ہدایت و فلاح کا یہ کبریت احمر آج بھی اپنے اصلی خدوخال میں موجود ہے۔ اسلاف کی اس امانت کی حفاظت کے لئے کیا کچھ کرنا پڑا؟ یہ داستان کچھ عجیب و غریب ہے۔ ہماری تاریخ جو دعوت و عزیمت اور جہاد و قربانی کی ایک داستان مسلسل ہے، اس سے بھری پڑی ہے۔ ارباب اخلاص و وفا کو کبھی اس راہ میں آگ اور خون سے گزرنا پڑا تو کبھی صرصر و سموم کی تند و تیز لہروں کا سامنا کرنا پڑا، جو اللہ تعالیٰ کی اس روشنی کو بجھانے کے لئے اٹھتے رہے۔ بارہا الحاد و زندقہ کی تاریکیوں نے دین متین کے رخ زیبا کو چھپانے کی سعی کی۔ کفر اور گمراہی کے ظالم ہاتھوں نے خدا کی اس رسّی کو کاٹنا چاہا۔ مگر یہ اسلام کی سخت جانی تھی اور وعدہ خداوندی حفاظت دین کا ظہور کہ ان ہی ظلمتوں سے روشنی کی کرن نمودار ہو جاتی۔ ظلمت اور اندھیرے چھٹ جاتے۔ اسلام کا آفتاب منیر آج بھی دمک رہا ہے۔ نجات کا راستہ اب بھی ایسا ہی صاف اور کھلا ہے

؎ سابق صدر ایوب کی سرپرستی میں تجدّد اور الحاد کا فتنہ تحقیق و ریسرچ کے نام پر بڑے زور و شور سے چل رہا تھا۔ اس مضمون میں "اکبر" کے نام سے "اکبریت" کے اس نئے روپ اور ماڈرن ازم کے خدوخال کو نمایاں کرنا مقصود تھا۔ "س"

جیسا کہ اوّلین عہد سعادت میں رہا۔ المسحة البیضاء لیلھا کنہارہ۔

دین کی غربت کا عبرتناک زمانہ

اس سرزمین (برصغیر پاک و ہند) میں اسلام اور مسلمانوں پر نازک سے نازک گھڑی دسویں صدی ہجری کے مغل تاجدار سلطان جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے عہد میں ہوئی۔ یہ پچاس سالہ "اکبر عہد" دین کی غربت اہل دین کی بے کسی اور شعائر اسلام کی تباہی اور بربادی کا عبرتناک زمانہ ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اگر عہد اکبری کی اس داستان سرائی میں دین اور دینی اقدار کو مٹانے والوں کے لئے کچھ سبق ہے تو رجال دین کے لئے نصیحت اور تسلی کا سامان بھی کہ رحمت خداوندی کا ظہور مایوسیوں کے حد کمال تک پہنچنے میں ہوتا ہے اور یہ کہ دین متین کو دبایا نہیں جا سکتا۔ نہ اس کی حفاظت توپ و تفنگ ہمہ گیر تحریکات منظم پروگرام اور جماعتوں کی رہین منت ہے —— آج کی فرصت میں ہم اکبر کے "دین الٰہی" کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے اکبر کے خدوخال پر کچھ روشنی پڑ سکے

بے دینوں کے بے دین ترجمان

اور اسلام کے بارہ میں ان لوگوں کے عزائم باطنی کا بھی اندازہ لگایا جا سکے جو اس وقت مغل امپائر کے اس "طاغوت اکبر" کا نام بطور آئیڈیل پیش کرتے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ:

"اکبر بادشاہ اور اس کے عہد کے علماء کے درمیان مناقشات رونما ہونے کی بنیادی وجہ مذہبی جذبات کی بنا پر علماء کا اپنے آپ کو طاقتور بنانا تھا، جو مذہب کی آڑ لے کر ہر معاملے میں اس لئے دخل دینا چاہتے تھے کہ ان کا رسوخ بڑھ سکے۔ حکومت ان سے مرعوب ہو اور وہ حقیقی معنوں میں پشت پناہ تخت بن جائیں۔ علماء کے اس "ہوس اقتدار" کی تائید میں خود اکبر کا یہ قول بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ علماء می خواہند کہ فرمانروائی و کارگزاری شریک بادشاہی باشد (علماء چاہتے ہیں کہ فرمانروائی اور حکومت میں ہمارے شریک ہو جائیں —— " (فکر و نظر ص ۶۲۳ ج ۴ اسلام آباد)

گویا کھلے بندوں اکبر کو حق بجانب قرار دے کر اہل حق کی ان سرفروشیوں اور قربانیوں

کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، جس کا مظاہرہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ اور ان کے ہمنوا علماء حق نے احیائے دین اور اسلام کے نشاۃ ثانیہ کے لئے کیا۔ عہد اکبری کی اس سیاہ تصویر سے ان لوگوں کے نظریات و عزائم کا بھانڈا بھی پھوٹ جائے گا کہ یہ لوگ کبھی اکبر اور کبھی مصطفےٰ کمال کا نام لے کر یہاں کس قسم کے اسلام کو زندہ کرنے کے آرزومند ہیں۔ وہ کیا حالات تھے جس نے علماء حق اور اہل حق کو تڑپا کر انہیں اکبر اور اس کے لادینی نظریات کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا۔ ؟ کیا دعوت و عزیمت تجدید و احیائے دین کے میدان میں ان کی سرفروشی اور جان نثاری اللہ تعالیٰ کی "سنت ماضیہ" اور "عادت جاریہ" کا ظہور تھا یا اقتدار کی ہوس عہد اکبری کے یہ سیاہ تصویر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ہم نے اپنے مضمون میں عہد اکبری کے ایک نہایت ثقہ دیندار عالم بے لاگ اور مستند مورخ ملا عبدالقادر بدایوانی (م ۱۰۱۰ھ) کی ان چشم دید معلومات کو بنیاد بنایا ہے۔ جو انہوں نے "حلفیہ شہادت" کے بعد اپنی کتاب "منتخب التواریخ" میں جمع کر دیئے ہیں جسے ہمارے زمانہ کے ایک مایہ ناز محقق عالم مولانا مناظر احسن گیلانی مرحومؒ نے مذکورہ کتاب کے چار سو صفحات سے تلاش کر کے اپنے مقالہ "الف ثانی" کا تجدیدی کارنامہ" میں سمیٹ دیا ہے۔ منتخب التواریخ کے حوالوں کے بارہ میں ہمارا اعتماد مولانا مرحومؒ کے مضمون پر ہے منتخب کے علاوہ عہد اکبری کے یہ سیاہ نقوش، دبستان مذاہب اور خود اکبر کے فرزند جہانگیر کی تزک جہانگیری میں بھی پائے جاتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے معتمد ثقہ، امین امام جلیل کے مکتوبات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔

آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا کہ ایک سوچے سمجھے پروگرام اور تدریجی رفتار سے اکبری دین کو اس کے مقام ارتقا تک پہنچایا گیا اور اجتہاد، امامت و تشریح اور قانون سازی کے مناصب سے گزرتے ہوئے بالآخر اکبر اس مقام تک پہنچا جہاں سے امامت و نبوت تو کیا معاذ اللہ الوہیت تک رسائی ہو جاتی ہے۔

منصب اجتہاد سب سے پہلے اکبر نے منصب اجتہاد کو سرفرازی بخشی۔ ملا مبارک ناگوری اور ان کے دونوں بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے ایک محضر نامہ مرتب کیا جس میں اکبر کو اجتہاد اور دینی مسائل میں بنی آدم کی معاشی اور دنیوی سہولتوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح اور

اور دوسرے کو ساقط کرنے کا حق دیا گیا اور یہ کہ عوام پر ان "فیصلوں" اور "احکام" کی پابندی لازمی اور اس کی مخالفت دنیوی اور دینی بربادی کا موجب ہوگی۔ اس محضر نامہ میں بادشاہ کو گویا "مرکزِ ملت" قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ خدا کے نزدیک سلطان کا درجہ مجتہد کے درجہ سے زیادہ ہے۔ (ملاحظہ ہو پورا محضر نامہ۔ منتخب التواریخ ص ۲۷۲)

سلفؒ کی بے حرمتی اکبرؒ کے منصب اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد ائمہ سلف اور مجتہدین امت کی برسرِ عام توہین و تحقیر کی جانے لگی۔ ان پر "فقیہ کور"، "خشک ملا اور رفتارِ زمانہ سے آنکھیں بند کرنے والے جامد اور متعصب ہونے کی پھبتیاں کسی جانے لگیں۔ دربارِ اکبری کا مایہ ناز "محقق" ابوالفضل فقہاء کرام اور مجتہدین امت کے فیصلے یہ کہہ کر ٹھکرا دیتا کہ فلاں حلوائی کفش دوز اور فلاں چمڑہ فروش کی باتیں کیسے مانوں۔ (منتخب ص ۲۰۰)

صحابہ کی بے وقعتی سلف کی بے حرمتی اور گستاخیوں کی اس جرأت نے بڑھتے بڑھتے سب سے افضل اور مقدس ترین جماعت صحابہ کرام (جن پر سارے دین کی عمارت کھڑی ہے) کو بھی آگھیرا۔ ان کی عظمت و حرمت دلوں سے نکالی جانے لگی۔ خاص طور سے خلفاء ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) کی شان میں ایسی ایسی باتیں نکلنے لگیں جن کو زبان پر نہیں لایا جاسکتا (منتخب)

شانِ رسالت پر دست درازی اب خاکم بدہن شانِ رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی باری تھی۔ حریم قدس نبوت پر دست اندازی سے پہلے ضروری تھا کہ حضورؐ کے لائے ہوئے احکام و تعلیمات اور اسلام کے اساسی ارکان کو عبادات تک کو رفتارِ زمانہ سے بے جوڑ، نامناسب اور فرسودہ قرار دیا جائے اور اس طرح بالواسطہ "اسلامی تعلیمات و شعائر" سے کٹ کر امت مسلمہ کا جوڑ اس کے لانے والے پیغمبر سے بھی کٹ جائے۔

چنانچہ صحابہ کرام، آئمہ دین اور سلف صالحین کی اتباع اور تقلید کو روایت پرستی، شخصیت پروری اور قدامت پسندی قرار دینے کے بعد اسلام کے سارے اثاثہ پر یہ کہہ کر ہاتھ صاف کرایا گیا کہ العیاذ باللہ ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث اور نامعقول ہے۔ اس کے بنانے والے چند مفلس بدو تھے جو معاذ اللہ سب کے سب مفسد، ڈاکو، لٹ مار تھے۔ ارکان اسلام کا یہ حال کہ روزہ، حج، زکوٰۃ، جبراً ساقط کئے گئے ص ۲۵۱۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ اکبر کے دربار میں علانیہ نماز پڑھ سکے ص ۲۱۵

اس طرح دین اور دین کے تمام شعائر کو تقلیدات | **روشن خیالی کے نام پر دین سے مذاق**

"تقلیدات" کہا جانے لگا ص۲۱۶ یعنی غیر معقول باتیں "روایت پسندی" اور "دقیانوسیت" ایک شور برپا کیا گیا کہ مدار دین عقل پر ہے نہ کہ نقل پر ص۲۱۱ اگر کسی مسئلہ میں اس کی دینی اور شرعی حیثیت پیش کر دی جاتی تو الف ثانی کا یہ "محرف اعظم" یہ کہہ کر جھڑک دیتا کہ —— یہ ملاؤں کی باتیں ہیں۔ مجھ سے تو ان چیزوں کا دریافت کرو جن کا تعلق عقل و حکمت سے ہو ص۲۰۸

تمام دینی سرمایہ اور اسلامی اثاثہ کے بارہ میں مجموعی طور پر بداعتمادی اور بدظنی پیدا کرنے کے بعد ایک ایک کر کے اسلام کے ان تمام اصول و فروع پر "تیشۂ تحقیق" چلایا جانے لگا جس پر خدائی دین "اسلام" کی ساری عمارت استوار تھی۔ بقول ملا عبدالقادر بدایوانیؒ —— ارکان دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت مسئلہ کلام، رویت باری تعالیٰ، انسان کا مکلف ہونا، تکوین عالم حشر و نشر وغیرہ کے تمسخر اور استہزاء ہونے لگا۔ ص۳۰۷ —— پورے دربار میں اسلامی معتقدات کو مشق سخن بنا کر ایک ایک مسئلہ اور شعار کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے۔ دوسرے مذاہب کا ہر وہ رکن جس سے اسلام کا توڑ ہوتا اسے نص قاطع، قطعی دلیل اور اسلام کی تمام باتوں کو مہمل نامعقول، نوپیدا عرب کے مفلسوں کی گھڑی چیز بے خیال کیا جاتا ص۲۵۹

مصدر شریعت اور سرچشمہ اسلام نبوت کبریٰ علی | **نبوت اور اخبار غیب سے انکار**

صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور وقار کو مجروح کرنے کی یہ مذموم کوششیں بڑھتی رہیں اور بالآخر اجتہاد و امامت کا یہ دعویدار صاحب نبوت کی غلامی اور اس کی تشریعی حیثیت ماننے سے بھی منکر ہوا اور بادشاہ نے وحی کے محال ہونے پر اصرار شروع کیا۔ غیب اور عالم غیب کے بارے میں حضور رسالتمآب علیہ السلام کے اخبار کو جھٹلا کر جن، فرشتے، معجزات، تواتر، قرآن اور اس کے کلام خداوندی ہونے، بعث بعد الموت، حساب کتاب، ثواب و عذاب کا کھلے بندوں انکار کرنے لگا۔ ص۲۶۳ ——

معجزات نبوت سے نہ صرف انکار بلکہ بادشاہ کی جہالت اور | **معجزات سے استہزاء**

شوریدہ سری کی انتہا تھی کہ بھرے دربار میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر معراج رسولؐ کی ہنسی اڑاتے

لگتا اور کہتا کہ جب میں دوسری ٹانگ اٹھا کر کھڑا نہیں ہوسکتا تو راتوں رات ایک شخص کیسے آسمانوں سے اوپر پہنچ گیا، خدا سے باتیں کیں اور جب واپس ہوا تب بھی اُن کا بستر گرم تھا —— ہنسی مذاق کا یہی حال شق القمر اور دیگر معجزات کے بارہ میں بھی تھا ص۳۱۷

شان رسالت میں بے حمیتی | اس گستاخ نے اس پر اکتفا نہ کیا، بلکہ مسلمانوں کا تعلق ان کے مرکز حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توڑنے کی خاطر اس نے درباریوں کے وہ نام تک بدل ڈالے جس میں احمد اور مصطفیٰ شامل ہوتا۔ بدایوانی لکھتے ہیں کہ یہ نام ان پر شاق گزرنے لگے تھے ص۳۱۵ ج ۲ —— یہاں تک کہ غیرت و حمیت سے عاری اس "مغل اعظم" کے دربار میں عیسائی مشنری کے پادریوں نے سرعام شان رسالتؐ میں وہ بیہودہ کلمات استعمال کئے جن کے سننے پر جگر شق ہوجائے۔ مگر اکبر نے ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی، اعزاز و اکرام سے نوازا اور اپنے ایک شہزادہ کو حکم دیا کہ تبرکاً ان سے چند سبق پڑھ لو ص۲۶۹

اکبر منصب رسالت پر (معاذ اللہ) | اپنے زعم باطل میں دین محمدی کی تخریب، شعائر اسلامی کے اضمحلال اور رسالت وعہد رسالت سے مسلمانوں کا تعلق کمزور کرنے کے بعد اکبر کے لئے ضروری تھا کہ تشریع اور قانون سازی کا منصب اب خود سنبھال لے اور "پرانے دین کے اس ملبہ" پر جو اس کے خیال میں اپنی عمر کے ہزار سال پورے کرچکا تھا ایک نئے دین، جدید ملت اور ترقی یافتہ نظام کی عمارت اٹھائے کہ تخریب کے بعد تعمیر کے راستے کھلے تھے۔ امامت تو کیا نبوت اور الوہیت تک (معاذ اللہ) اس کی رسائی ہوچکی تھی اور کون تھا جو اسے روک سکے۔ بقول مؤرخین اس خیال سے اُس نے اپنے دین کو "الٰہی مذہب" کا نام دیا اور دعویٰ نبوت نہ کرتے ہوئے بھی منصب رسالت تشریع وتبدیل، نسخ احکام وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا —— اب پورے طور پر وہ "دین الٰہی" کی تدوین اپنے خود ساختہ قوانین کی ترویج اور اسلامی احکام وشعائر کی بربادی وبیخ کنی میں لگ گیا۔ اعمال وفروع تو کیا عقائد واصول تک نئے رائج کردیئے اور اسطرح باقاعدہ ایک جدید ملت اور سائنٹفک مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر دین الٰہی کی "تدوین وتنقیح" کا کام اکیلے اکبر کے بس میں کہاں تھا کہ وہ بیچارہ تھا۔ بہرحال ایک ان پڑھ اور جاہل دین کے مبادی تک سے بے خبر زمانہ کے روشن خیال "محققین" نے اسے بام پر چڑھایا اور اقتدار ونخوت کے پندار میں اکبر اس مقام "انا ولاغیری" پر براجمان ہوئے

اسلامی مشاورتی کونسل اور تحقیقاتی ادارے | عقائد و احکام فروع و اصول اور دین کے ہر ہر شعبہ میں نئے نئے اجتہادات و تحقیقات کے لئے باقاعدہ ادارے کھولے۔ تحقیقی مجالس قائم کیں اور بیسویں صدی کی اصطلاح اسلامی تحقیق، اسلام کا آزاد مطالعہ سائنٹیفک ریسرچ کے لئے قانون ساز اداروں کی تشکیل کی گئی۔ باہمی بحث و تمحیص کے لئے کونسلیں قائم ہوئیں۔ دیگر مذاہب کے ثقافتی لٹریچر کے ترجمہ کے لئے دفتر کھولا گیا۔ ملا مبارک اور اس کے شہرہ آفاق بیٹے ابوالفضل اور فیضی ان تحقیقاتی امور کے ڈائریکٹر اور خود "اکبر دی گریٹ" کی ذات اس تشریع و تجدید کی آخری اتھارٹی اور قوت نافذہ تھی۔۔۔ اکبری دربار کے اس ثقہ اور چشم دید راوی ملا عبدالقادر بدایونی نے تو اکبر کی اس "اسلامک ایڈوائزری کونسل" کے ارکان کی تعداد تک لکھ دی ہے۔

(بادشاہ) حکم کردند کہ از مقربان چہل کس	بادشاہ نے حکم دیا کہ مقربین میں سے
بعدد چہل تن بہ تشستید و ہر کس ہر چہ	چالیس آدمی یکجا بیٹھا کریں اور ہر شخص جو کچھ جانتا ہو
داند بگوید و ہر چہ خواہد بپرسد ص۳۰۸	اس کا اظہار کرے اور ہر قسم کے سوالات کرنا چاہے کرے

اس کمیٹی میں اسلامی عقائد اور مسلمات کے متعلق عقل (سائنس) کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا۔ طرح طرح کے شبہات، ہنسی مذاق کی شکل میں کیا جاتا اور اگر کوئی ممبر اختلافی نوٹ پیش کرتا تو اسے روک دیا جاتا ص۳۰۷ اس تحقیقاتی ٹکسال میں ابوالفضل کے کئی شاگرد اور سکالر بھی تجدید دین کے کام میں شریک تھے اور بقول منتخب التواریخ صرف ایک شاگرد نے اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور مسخرگی کے پیرایہ میں کئی رسالے تصنیف کئے اور جس نے شاہی بارگاہ میں بڑی مقبولیت پائی ص۲۵۱

تاریخ کی تطہیر | ان روشن خیال اور آزاد ریسرچ کے شہسواروں کے ایک گروہ کو حکم دیا گیا کہ "تاریخ الفی" کے نام سے اسلام کے ہزار سالہ دور کی ایک تاریخ مرتب کی جائے جو دوسری تمام تواریخ کی ناسخ ہو اور جس میں سن ہجری کی بجائے سن رحلت کو آغاز بنایا گیا ہو ص۳۰۶

اس کا مقصد بظاہر آج کل کی اصطلاح میں یہ تھا کہ اسلامی تاریخ پر عجمی اثرات، دینی تعصب و تصلب اور فقہی جمود کے جو بادل چھا گئے ہیں۔ ان آمیزشوں سے اسلامی تاریخ صاف ہو جائے کہ صرف تاریخ پر کیا منحصر پورا اسلامی نظام اور دینی سرمایہ ان کے نزدیک تحریف و تلبیس کا شکار ہو کر ناقابل اعتماد ٹھہر گیا تھا۔ ابوالفضل اور فیضی کے والد ملا مبارک ناگوری بادشاہ کے سامنے ہندوؤں کو

---

۱ منکرین حدیث کے سرخیل غلام احمد پرویز اور نام نہاد دانشور اور تجدد زدہ طبقہ یہی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔

کہتا پھرتا کہ تمہارے دین کی طرح ہمارے دین میں بھی تحریف ہوئی ص ۲۱۱ گویا عجمی سازش قدامت، اور توہم پرستی نے اس پورے اثاثہ کو ناقابل عمل اور غیر معتمد بنا دیا ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب اور بے ہودہ رسوم روایات کی جن جن طریقوں سے حوصلہ افزائی کی گئی ان سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ تمام رواداری اور وسیع الخیالی صرف ان نظریات، مذاہب اور خیالات سے بھتی جن سے اسلام کے کسی حکم کا توڑ ہوتا۔ ص ۲۵۶

اکبر کی رواداری کا نتیجہ | بخلاف اسلامی ملت کے کہ اکبر کے خیال میں اس "غریب دین" کی ساری باتیں مہمل، نامعقول، نو پیدا اور عرب مفلسوں کی گھڑی ہوئی تھیں۔ یہ "روادار اکبر" جس کو بھی اپنے اعتقاد اور معیار پر پورا نہ پاتا وہ واجب القتل اور راندہ درگاہ ہو جاتا اور اسے فقیہ (ملاّ) کا نام رکھ دیا جاتا ص ۲۲۹ . اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب سے "رواداری" (جو ہمیشہ سے الحاد اور گمراہی کا مبداء اور سرچشمہ ہوتا ہے "مساوات ادیان اور آزادی رائے کا یہ ثمرہ نکلا کہ اکبر نے فرنگیوں کی عیسائی مشنریوں کو حکم دیا کہ بھرے دربار میں انجیل اور عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور نصرانیت کو مدلل بیان کریں اور ابو الفضل کو حکم دیا گیا کہ ان پادریوں کی مدد سے انجیل کا ترجمہ کر دیا جائے ص ۳۰۹

فرنگی ثقافت اور کلچر | فرنگیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کئے ص ۲۱۲ اور یہ بھی عقل و دانش اور رواداری کے نام سے یورپ سے درآمد شدہ لعنت کی پہلی کھیپ جس کے نتیجہ میں مملکت کو صدیوں غلام رہنا پڑا۔ یہی "دانش افرنگ" ہے جو آج مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا اور نازک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے —— جشن نوروز میں فرنگی بھی شریک ہوتے جو پیانو اور ہارمونیم بجا بجا کر اپنے ثقافت اور کلچر کا مظاہرہ کرتے اور اکبری داد و ستد کے مستحق ہوتے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ مجدد رح)

اس رواداری کے مظاہرے دنیا کے دیگر فرسودہ مذاہب سے بھی کیے گئے —— آتش پرستوں نے آکر زردشتی دین کی حقیقت بیان کی ص ۳۰۸ —— پھر کیا دیر لگتی اس وسیع الظرف روشن خیال بادشاہ نے ان کی دلجوئی کے لئے شاہی محلات میں دن رات آگ روشن رکھنے کا حکم دیا۔ ص ۳۰۸

سیاست یا الحاد | ہندوؤں اور ان کے مذاہب اور غیر فطری رسم و رواج کے ساتھ اکبر

ہئے جس رواداری کا معاملہ کیا وہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ آخر گردن سے اسلام کا "ربقہ" اتارنے کا یہ سارا ڈھونگ جب ان کی دلجوئی کی خاطر رچایا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ وہ ہندومت کے ساتھ اکبر کی فراخ حوصلگیوں کا کیا عالم ہوگا ؟

ہندوؤں کے تہوار پر قشقہ لگانا، برہمنوں کے ہاتھ تبرک کا "ڈوری بندھوانا، بھجن پڑھنا اور پڑھوانا، یہاں تک کہ اپنی والدہ کی وفات پر سارا سوگ ہندوؤں کی رسم "کریا" پر منایا گیا۔ سر، داڑھی مونچھیں منڈوا کر ماتمی لباس پہنا اور بادشاہ کی تقلید میں ہزاروں لوگ ان رسومات میں شریک ہوئے (شاندار ماضی صـ ۸۹/۱ بحوالہ تزک جہانگیری۔ از مولانا محمد میاںؒ) غیروں سے یہ دریادلی اکبر کے لئے ایک عام بات تھی، خواہ اسے آپ اکبر کی الحادی ذہنیت کا نتیجہ قرار دیں یا سیاست و مصلحت کا خوشنما نام دیں۔

ملت جدیدہ یا ماڈرن اسلام | غرض اکبر کی یہ "رواداریاں" اور اسلام و دیگر مذاہب کا آزاد سائنٹیفک مطالعہ اور روشن خیالوں کی شبانہ روز بے رحم اور بے لاگ ریسرچ کے نتیجہ میں سرزمین ہند پر ایک نئے ماڈرن اسلام اور "ملت جدیدہ" کا ظہور ہوا جس نے عقائد و اخلاق، سیاست و معاشرت، تہذیب و تمدن، احکام و مسائل غرض قدیم "اسلام" کے ایک ایک شعبہ جزئی سے جزئی مسئلہ اور حکم میں وہ وہ جدت طرازیاں کیں کہ الامان والحفیظ ہندوستان کے اس "فتنۂ کبریٰ" نے بزعم خود ملت مسلمہ کی چولیں ہلا ڈالیں اور جس کی ترویج کے لئے قوت و سطوت، دولت اور خزانوں کے تمام دروازے چوپٹ کھول دیئے گئے تھے۔

حلف وفاداری | اس دین میں داخل ہوتے وقت جو کلمہ شہادت پڑھا جاتا مورخین کی زبانی وہ "لاالٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" ہوتا اور نہ صرف مریدوں کو بلکہ عام رعایا کو بھی اس "ایمان و شہادۃ" کا مکلف ٹھہرایا جاتا صـ ۲۷۳۔ یہ نو مذہب ان الفاظ سے حلف وفاداری اٹھاتے "میں دلی شوق سے روایتی دین اور باپ دادوں کے تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر اکبر شاہی دین میں داخل ہوتا ہوں صـ ۱۱

تمغے | اور اس طرح یہ روشن خیال یا ابن الوقت "فرسودہ روایات" کے خول کو توڑ آزاد فضا اور نئی روشنی میں آجاتے اور دین ملت کی متاع عزیز اکبرؔ کے قدموں پر نثار کرکے

دربار ہمایوں سے "شجرہ" کے نام سے ایک تمغہ حاصل کر لیتے ع

دیں بے فروختند وچہ ارزاں فروختند

یہ تمغہ مقبولیت بھی بقول مولانا گیلانیؒ حامیان تجدد کیلئے باعثِ رشک ہے۔ بادشاہ کی ایک تصویر ان وفا شعاروں کو دے دی جاتی ہے وہ ایک مرصع بجواہر نگار غلاف میں رکھ کر اپنی دستاروں پر لگائے رکھتے ص ۳۰۱ (کیا مغرب کی تصویر پرست تہذیب کو بیسویں صدی میں بھی یہ جدت سوجھی ہے۔ ابھی بات تصویر کی نقاب کشائی اور مجسموں تک محدود ہے)——

بادشاہ سلامت ہر صبح ایک جھروکہ سے درشن کراتے۔ پردہ سے نکلتے ہی ہزاروں لوگ اپنے اس "معبود" اور "اللہ اکبر" کے سامنے سربسجود ہو جاتے ص ۲۲۶۔ اس تہذیب جدید میں باہمی ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کی بجائے "اللہ اکبر" اور "جل جلالہ" کا تبادلہ ہوتا ص ۲۶۵

اکبر کی افتاد طبیعت اور اکبر کے "دین الٰہی" پر اس طائرانہ اور اصولی نگاہ ڈالنے کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ "دین اکبری" کے بعض معتقدات، معاشرتی اور اخلاقی میدان میں اس کی روشن خیالیوں اور شرعی احکام وفروع میں اس کی دست اندازیوں کی ایک ہلکی سی جھلک بھی پیش کر دیں۔ شاید دین کے اضمحلال واندراس کے اس آئینہ میں جھانک کر تاریخ سے عبرت لینے والے کچھ عبرت حاصل کر سکیں ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید کہ بیشک اس میں ایک نصیحت ہے۔ سننے اور سمجھنے والوں کے لئے ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اکبری عقائد و عبادات | اکبر کی نگاہ میں الوہیت اور نبوت کا جو مقام تھا اس کا اندازہ تو لگ چکا وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو خدائی منصب اور مقام نبوت پر فائز سمجھنے لگا بلکہ اپنی عبادات کروانے کے ساتھ ساتھ تمام مظاہر فطرت آگ، پانی، درخت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجنے لگا ص ۲۶۱۔ آفتاب کی عبادت لازمی طور پر دن میں چار مرتبہ کرتا ص ۱۱ آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں کا وظیفہ پڑھتا ص ۲۲۲ طلوع آفتاب کے وقت نقارہ بجایا جاتا ص ۱۱ اور یہ فرمان جاری کیا کہ آفتاب کا ذکر آنے پر جلت قدرتہ (اس کی قدرت بہت بڑی ہے) کہا جائے۔ نہ صرف یہ کہ آفتاب کی عبادت ہونے لگی بلکہ کائنات کی ربوبیت میں بھی اسے شریک ٹھہرایا گیا ص ۲۶۰ کواکب پرستی بھی

کی جانے لگی اور یہاں تک کہ (معاذ اللہ) سورج تک کو خدا کا مظہر قرار دیا گیا کہ وہ اس میں حلول ہو چکا ہے
ص۲۶۱ معاد، حشر نشر، بعث بعد الموت سے انکار کر کے ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ پر ایمان لایا ص۲۵۸
اپنے مقربین پر لازم قرار دیا کہ شمع اور چراغ روشن ہونے کے وقت کھڑے ہو کر تعظیم بجا لایا کریں۔
ص۲۱۲ آتش پرستی کے لئے ایک الگ آتش کدہ تازہ رہتا۔ آگ کو خدا کی نشانی اور نور قرار دیا ص۲۱۱

یہ اس مذہب کے اعتقادات اور اس تحقیقی علم الکلام والعقائد کے چند "شہ پارے" ہیں جنہیں "برعکس نہند نام زنگی کافور" توحید الٰہی" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ اجتہاد اور روشن خیالی کے اس کھیل سے اخلاق و کردار، معاشرہ اور تمدن کے میدان میں وہ گل کھلے کہ عقل و دانش اور دیانت و شرافت کی دنیا سر پیٹ کر رہ گئی۔ "مشتے نمونہ از خروارے" جس کی چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

ریس کورس اور تقاوی سود کی حلت | سود اور جوا حلال قرار دیا گیا۔ شاہی خزانہ سے سودی قرضہ دیا جانے لگا۔ قمار کھیلنے شاہی دربار میں ایک الگ جوا گھر (ریس کورس) قائم کیا گیا ص۲۴۷

شراب حلال ہے | دربار اکبری سے فتویٰ جاری کیا گیا کہ طبی طور پر بدن کی اصلاح و تقویت کے لئے شراب حلال ہے۔ البتہ پی کر سڑکوں پر غل غپاڑہ کرنا اور دنگا فساد ممنوع ہے ص۲۴۷

محکمہ آبکاری | ایک عورت کی نگرانی میں شراب فروشی کی ایک دکان دربار کے سایہ میں قائم کی گئی۔ نرخ وغیرہ خود حکومت مقرر کرتی ص

جام صحت | تقریبات اور مجالس میں جام پر جام لنڈھائے جاتے، شراب سے ایک دوسرے کے جام صحت تجویز ہوتے۔ دربار اکبری میں تجدد اور روشن خیالی کے ایک ممتاز لیڈر فیضی ایک جام "ملاؤں" کے تعصب اور جمود کے نام پر تجویز کرتے۔

شیو | اس ترقی یافتہ مذہب میں شراب کے بعد زیادہ زور داڑھی منڈھوانے پر دیا جاتا اور شیو کے بارہ میں عقلی و نقلی دلائل کا طومار باندھا جاتا۔

غسل جنابت منسوخ | دین جدید کا ایک مسئلہ یہ تھا کہ جنابت واجب نہیں کہ منی سے نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہم بستری سے پہلے غسل کیا جائے (تذکرہ مجدد الف ثانی ص۲۷ مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

عائلی قوانین کی اصلاح | نکاح و طلاق کے متعلق بھی مسلمانوں کے پرسنل لاء میں رد و بدل

کیا گیا۔ نئے "عائلی قوانین" کی بعض دفعات یہ تھیں۔

۱۔ چچازاد اور ماموں زاد بہن سے نکاح حرام، کہ میل کم شود (یہ اجنبی تہذیب ہندوؤں کا اثر تھا کہ بیگانوں کو اعتراض کا موقع نہ ملے۔ ۲۔ سولہ سال سے پہلے لڑکوں اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا اور وجہ یہ تھی کہ فرزند ضعیف مے شود۔ گویا جو چیز بعد میں "ساردا ایکٹ" کے نام سے مشہور ہوئی۔ وہ دراصل مغل اعظم ایکٹ کہلانے کی مستحق تھی۔ ۳۔ یہ کہہ کر "خدا یکے و زن یکے" ایک سے زائد شادیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ گویا اسلامی دنیا میں مسئلہ تعدد ازدواج کا جو غلغلہ ہے اس کا کریڈٹ بھی "اکبر اعظم" ہی کو حاصل ہے ——— عائلی آرڈی ننس کی مزید بعض دفعات یہ تھیں۔

۴۔ آئسہ عورت (جس کی ماہواری بند ہو) نکاح نہیں کر سکے گی۔ ۵۔ مرد سے بارہ سال بڑی عورت سے ہم بستری ممنوع ہو گی۔ ۶۔ شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی کو گاؤں کے کوتوال کے سامنے پیش ہونا ضروری تھا کہ وہ عمر وغیرہ کی تصدیق کر کے باقاعدہ اجازت نامہ دے اور رجسٹریشن ہو سکے۔ ۷۔ کوئی ہندو عورت اگر مسلمان ہو کر کسی مسلمان سے شادی کرے تو اسے جبراً گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ (منتخب التواریخ)

آزادیٔ نسواں | پردہ ممنوع قرار دیا گیا۔ فرمان شاہی تھا کہ باہر نکلتے وقت عورتیں چہرہ کھلا رکھیں اور اگر برقعہ ہو تو چہرہ کھول دیا کریں ص ۲۹۱

مخلوط کلب، زنا اور فحاشی کی ترویج | ایک طرف دوسری شادی پر پابندی عائد کی گئی دوسری طرف بغیر نکاح کے زنا کی کھلم کھلا اجازت دی گئی۔ "متعہ" رائج کر دیا گیا اور بقول منتخب التواریخ شہر سے باہر "شیطان پورہ" کے نام سے ایک مستقل آبادی بنائی گئی جہاں باقاعدہ محافظ، پولیس اور داروغہ ہوتا۔ جس کا جی چاہتا اگر باہمی رضا و رغبت سے جو چاہتا کرتا اور جسے چاہتا ساتھ لے جاتا۔ ص ۲۹۱

گویا یہ زنا بالرضا کا ایک "مخلوط کلب" ہوتا جہاں سے داشتائیں دستیاب ہوتیں۔ گرل فرینڈز کی ایک دنیا آباد ہوتی ——— نئی تہذیب کی تاریکیاں جنہیں اپنی جدت پر ناز ہے ——— کیا صدیوں کی جمی ہوئی یہ تاریکی پھر بھی روشنی کہلانے کی مستحق ہے؟ تاریکی بہرحال تاریکی ہے۔ بیسویں صدی کی ہو یا عہد اکبری کی۔ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ

دیگر اصلاحات | میت کے گلے سے خام غلہ یا پکی اینٹیں بندھوا کر اسے پانی میں بہا دیا

جاتا پانی نہ ہوتا تو جلا دیا جاتا یا پھر کسی درخت سے اسے باندھ دیا جاتا ص۳۶۲ اگر تدفین ہوتی تو حکم تھا قبر ایسی بنائی جائے کہ مردہ کے پاؤں مغرب کی جانب اور سر مشرق کی جانب ہو ص۳۶۵ یہ دیدہ و دانستہ قبلہ کی توہین اور مسلمانوں کے دلوں سے کعبہ حجاز کی عظمت نکالنے کی ایک صورت تھی۔ چنانچہ اس نے خود اپنی خوابگاہ بھی اسی طرح بنائی تھی۔

ختنہ پر پابندی بارہ سال سے پہلے ختنہ کرانے پر پابندی لگائی گئی ص۳۶۲ اور پختگی عمر کے بعد بمشکل کوئی اس سنت پر عمل کرنے پر آمادہ ہو سکتا۔

سونا اور ریشم حلال مردوں کے لئے سونے اور ریشم کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ تقریباً واجب قرار دیا گیا۔

سور اور کتوں سے دلچسپی بزعم اسلام سور اور کتے کی نجاست کو منسوخ قرار دے کر اپنے محل میں ان کی سکونت کا انتظام کرایا۔ یہاں تک کہ صبح سویرے ان کا دیکھنا عبادت سمجھا جاتا ص۳۵۷ ــــ بادشاہ تو بادشاہ روشن خیال فیضی کا حال یہ تھا کہ سفر میں بھی چند کتے ساتھ رکھتا تھا اور ان ہی کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا۔ بعض شاعر تو کتوں کی زبان تک اپنے منہ میں لے لیتے ص۳۵۷

سگ پرست تہذیب آج مغربی تہذیب نے کتوں سے شیفتگی اور والہانہ محبت کو فیشن قرار دیا ہے۔ کتوں کے نام جائیدادیں وقف ہو رہی ہیں۔ گویا اس "سگ پرست" تہذیب کی داغ بیل بھی انگریزوں سے پہلے "دین الٰہی" کے ہاتھوں ڈالی گئی۔

ذبیحہ گائے پر پابندی کتوں سے اختلاط اور تعلق کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر گائے، بیل، بھینس کا گوشت حرام قرار دیا گیا تھا۔ اگر کوئی شخص قصائی کے ساتھ کھانا کھا لیتا خواہ اس کی بیوی کیوں نہ ہوتی، حکم تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

علماء حق اور مدارس دینیہ پر دست اندازی یہ سب کچھ ان بلند بانگ دعووں کے باوجود کہ کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہ ہو گی مگر ان واقعات نے ثابت کیا کہ سارا ڈھونگ صرف غریب اسلام کے لئے رچایا گیا تھا۔ ورنہ اکبر نے مسلمانوں کی تمام تہذیبی اقدار اور تمدنی اعضا کو ایک ایک کر کے مسخ کرنے کی کوشش کی۔ اکبر کی الحاد پسند طبیعت نے صرف اس پر قناعت نہ کی بلکہ ارادہ کیا کہ ہمیشہ کے لئے اسلام اور اسلامی ورثہ سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹ دیا جائے۔

اس مقصد کے لئے اکبر نے دین و رجال دین کو نشانہ بنایا۔ ان دینی معاہد اور اسلامی مدارس پر دست اندازی کی جو قرآن و سنت اور تعلیمات ربانی کے سرچشمہ تھے۔ ان خانقاہوں پر ہاتھ ڈالا جہاں سے مسلمانوں کی دینی تربیت اور تزکیہ کا کام وابستہ تھا۔ عربی زبان اسلامی علوم جو اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی کا ایک مضبوط ذریعہ تھا۔ اکبر نے رفتہ رفتہ ان سب چیزوں پر اپنی گرفت سخت کر دی۔ عربی زبان اور عربی ثقافت کے ساتھ اس کا معاملہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ پچھلے دنوں ترکی کے مصطفیٰ اکمال کا رہا —— اکبری دور میں عربی زبان کے اضمحلال اسلامی علوم اور رجال دین کی عزت اور بے کسی، دینی معاہد کی زبوں حالی اور شعائر اسلامی کی بربادی اور تباہی پر بھی ایک نگاہ حسرت و عبرت ڈالنی چاہیئے —— قرآنی زبان کو ملک بدر کرنے کی خاطر عربی پڑھنا اور پڑھانا عیب قرار دیا گیا (صد ۳۲۰)

عربی زبان سے دشمنی دوسرا حکم یہ تھا کہ ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص تھے مثلاً ث، ح، ع، ص، ض، ط، ظ ان کو مقامی بول چال سے بادشاہ نے باہر کر دیا صد ۳۰۷ عبداللہ کو ابداللہ اور احدی کو اہدی کہنا۔ عربی ناموں کی ترکیب ہندی سے بدل دی گئی (تذکرہ مجددؒ مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

اسلامی علوم کی کسمپرسی اسلامیات اور دینیات سے سرکاری سرپرستی اٹھوائی گئی۔ فقہ و تفسیر اور حدیث پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے۔ صد ۲۲ کہ شاید اکبر کے خیال میں ایسے لوگ بے کار، قوم پر بار اور معاشی میدان اور مادی کارخانہ کے بے کار اعضاء تھے اور اکبر کی اصلاحات اور تجدیدات کی تحسین کرنے کی بجائے اسکی مخالفت کرتے رہتے اور آجکل کی زبان میں انکا کام ہی مخالفت اور فساد و انتشار رہ گیا تھا یہ لوگ اکبر کے "ترقیاتی پروگرام" میں روڑے اٹکاتے تھے اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کر کے ہزار سال پہلے کی باتیں کرتے تھے —— اسلامی علوم کی جگہ مدارس میں اس وقت کے ترقی یافتہ علوم اور سائنسی فنون، نجوم، طب، حکمت حساب شعر و تاریخ افسانہ رائج و معروض رائج کئے گئے۔ ایک شاہی سرکلر جاری کیا گیا کہ ہر قوم عربی علوم کو چھوڑ کر علوم نادرہ غریبہ نجوم حساب طب فلسفہ پڑھا کرے صد ۲۶۳ نصاب تعلیم کے اس تطہیر و اصلاح کے ساتھ ساتھ ایجابی کام یہ بھی کیا گیا کہ ہندی تہذیب و تمدن اور ہندوؤں کے روحانی بزرگوں کے کتابی ذخائر فارسی میں ترجمہ کئے جانے لگے ان کتابوں کی اشاعت و ترویج کے لئے باقاعدہ دفتر قائم کئے گئے۔ صد ۳۲۰

دینی اداروں پر پابندیاں علم دین اور اہل علم کو سرکاری عملداریوں سے نکال پھینکنے کے بعد اب ضروری تھا کہ ملک کے دیگر شعبوں کی بھی ان سے تطہیر ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا معاشی ناطقہ بھی ہر طرف سے بند کر دیا جائے۔

محکمہ قضا کا خاتمہ بقول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ اسلامی شعائر میں سے اسلامی آبادیوں کا قاضی مقرر کرنا ہے جو قرن اکبری میں مٹا دیا گیا۔ (مکتوبات ج ۱ ص ۱۹۵) قضاء اور حکومت تو بڑی بات جمعہ، عیدین اور اسلامی تقریبات کا کام بھی اکبر نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

رویت ہلال کمیٹی عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا۔ شرعی ثبوت سے پہلے اکبر عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیتا۔ (تذکرہ حضرت مجدد ص ۹۴) ایسے ہی ایک موقع پر ابو الفضل، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مجدد روزے سے تھے ابو الفضل نے روزہ نہ کھولنے کی وجہ پوچھی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سرہندی نے فرمایا: بادشاہ بے دین ست اعتبارے ندارد"

اوقاف سرکاری تحویل میں علماء و مشائخ آئمہ اور خطباء کے نام جو جاگیریں صدیوں سے وقف چلی آ رہی تھیں ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ (تذکرہ ص ۸۲) اسلامی علوم اور اہل علم کے اس مقتل کا نتیجہ ملا بدایوانی کے الفاظ میں یہی ظاہر ہونا تھا کہ "مدارس اور مساجد ویران اور اکثر علماء جلا وطن کر دیئے گئے۔ (منتخب التواریخ ص ۲۷۴)

حضرت مجددؒ کی شکل میں رحمت حق کا ظہور دین اور شعائرِ دین کی یہ عزت اور بے کسی تھی کہ یکایک رحمت حق جوش میں آئی۔ ان حالات نے سیدنا الامام ناصر سنت قامع بدعت آبروئے مجدد دین دین اللہ کا روشن چراغ، اللہ کے دشمنوں پر سیفِ مسلول امام عارف بدر الدین ابو البرکات مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد فاروقی سرہندی کی پاکیزہ اور حساس کو تڑپا دیا۔ دعوت و عزیمت کے وہ جلیل القدر امام جن کی ساری زندگی درد و اضطراب، سوز و ساز، جہاد و ستیز، تڑپ اور ولولہ، دعوت و اصلاح کے روشن احوال اور کارناموں سے لبریز ہے۔ یہ بظاہر فقیر بے نوا مگر اقلیم دعوت و عزیمت کا تاجدار اٹھا اور اس شان سے اٹھا کہ ؎

جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

اہل حق اور علماء ربانی کے مرید سرخیل دین ابراہیمی اور ملت محمدی کی اس بیکسی پر قلبنا رد سکتے تھے۔ روئے یہاں تک کہ ان کے جگر پاش نالہ و شیون سے زمین لرز اٹھی، آسمان تھرا گئے خوابیدہ ضمیر جاگ اٹھے۔

دین کی بیکسی کا ماتم

مجددی جہاد و دعوت کے یہ تابناک نقوش ان کے مکتوبات کے ایک ایک صفحہ پر نقش ہیں وہ چیختے ہیں ——— کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے اور ملت مصطفوی کی رونق کو ان نوایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔ (مکتوب ۲۶۱ دفتر اول ص ۲۰۲) اکبری دور میں دین کی بیکسی کا کتنا بھیانک نقشہ پیش فرماتے ہیں۔

غربت اسلام نزدیک بہ یک قرن بنہجے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد اجرائے احکام کفر بر ملا در بلاد اسلام راضی نمے شوند مے خواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گروند و اثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نشود، کار تا بآں سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانے از شعائر اسلام اظہار نماید بہ قتل مے رسد۔

ایک قرن میں اسلام کی غربت اس درجہ کو پہنچی کہ اہل کفر صرف اس پر راضی نہیں ہیں کہ محض کفر کے احکام کا اعلانیہ اسلامی بلاد میں اجرا ہو جائے۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دیئے جائیں اور اسلام و مسلمان کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ بات یہاں تک پہنچائی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچایا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کا تبصرہ

ملت اسلامیہ کے ایک دوسرے فرزند جلیل شاہ ولی اللہ کے الفاظ ہیں "اکبر نے زندیقیت اختیار کی اور جہالت و گمراہی کے پھریرے اڑنے لگے۔ ہر طرف سے مختلف ملتوں اور باطل مذاہب کے لوگ دوڑ پڑے اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے (شرح رسالہ دالرفقۃ از تذکرہ مجدد ص ۳۰۰)

یہ تھا اس روشن خیال، صلح کل وسیع المشرب "رند باصفا" اور "ملت جدیدہ" کے بانی دولت مغلیہ کے تاجدار "اکبر دی گریٹ" کے دین و مذہب کا ایک اجمالی خاکہ اور مادر پدر آزاد اکبری تہذیب کی حقیقت جس کے ڈھنڈورے الحاد اور اباحیت کے ایوانوں میں زور و شور سے پیٹے گئے کہ آسائش غیر متناہی خلق دراں بود۔

اکبر کا آئیڈیل پیش کرنیوالے

اور آج بھی نام نہاد روشن خیال حلقے اکبر کا آئیڈیل پیش کر کے

الحاد اور تحریف دین کی تحسین کر رہے ہیں ——

یہ ہے مغل ایمپائر کے ایک مطلق العنان حاکم اور عصر حاضر کے لادینی حلقوں کے مایہ نازُ ہیرو" کی ایک ہلکی سی تصویر جسے "روشن خیال اور ترقی پسند" سمجھ کر دین اور اہل دین کے استحصال اور بیخ کنی کے سلسلہ میں اس کے سارے کارناموں کی تائید و تصویب کی جا رہی ہے اور اصلاح و خیر خواہی کرنے والے علماء حق کو خود غرض، حریص اقتدار، مجرم اور واجب القتل قرار دیا جا رہا ہے قبل اس کے کہ ان باتوں کی حقیقت احکم الحاکمین کے دربار میں کھل جاتی۔ تاریخ نے یہاں بھی اپنا فیصلہ حق کے حق میں محفوظ رکھا۔ قدرت نے اکبر کے تخت پر جہانگیر اور پھر محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کو بٹھا دیا اور بہت جلد اکبر کی الحادی سلطنت پر حق و اہل حق کا پھریرا لہرانے لگا —— آج اکبر کے "الٰہی مذہب" کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے اور حق قائم و دائم ہے ——

والحق یعلوا ولا یعلیٰ ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القیٰ السمع وھو شھید۔

ماڈرن علمی تحقیقاتی اداروں

کا

اسلاف کے علمی کارناموں سے موازنہ

قومی اسمبلی کے ایک وقفہ سوالات کے دوران ایک سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ اسلامی مشاورتی کونسل کو قائم ہوئے پانچ سال گذر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں کونسل کے پچپن اجلاس ہوئے اور ممبروں کی تنخواہوں الاؤنسوں اور سفر خرچ وغیرہ پر پانچ لاکھ ۲۲ ہزار نو سو تیرہ روپے خرچ ہوئے۔ (نوائے وقت ۴ مئی ۷۷ء)
مگر سوال یہ ہے کہ ان خطیر اخراجات کے نتیجہ میں کتنے دینی و علمی مسائل منقح ہوئے؟ کتنے مسائل تھے جن کا کوئی شرعی حل اور تحقیقی جواب اسلامی و فقہی ذخائر میں موجود نہ تھا مگر کونسل نے اس کی شرعی حیثیت کو واضح کیا؟ اور پھر بڑی بات یہ کہ کونسل کی کتنی سفارشات تھیں جنہیں عملی جامہ پہنایا گیا۔ کونسل نے اگر دو ایک فقہی حوادث و نوازل از قسم بنکنگ نظام، انشورنس یا بیمہ وغیرہ پر قرآن و سنت کی روشنی میں دیانتدارانہ رائے اور متبادل اسلامی صورتیں پیش کی ہوتیں تو بھی یہ سرکاری "دار الافتاء" اپنی کچھ اہمیت منوا لیتا مگر یہاں تو کسی مسئلہ کے ابہام و اغلاق رفع کرنے اور حرام و مشتبہ حیثیت واضح کرنے کی بجائے انہیں اسلامیانے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور سود و شراب جیسے قطعی مسائل اب تک کونسل کے لئے مشق تحقیق بنے ہوئے ہیں۔ دراصل اسلام کے تمام تحقیقی اور علمی امور اپنے تکمیل و نتائج میں سراسر اخلاص و دیانت، خوف و للہیت، علمی تبحّر و بصیرت، دینی تصلّب و تفقہ، اصابت رائے، صحت عقائد، احتساب علی اللہ، تقویٰ اور خشیت، احترام و سلف اور پورے اسلامی ورثہ کے تقدس و عظمت پر مبنی رہے نہ کہ فکری زیغ علمی بے بضاعتی، غیروں کی ذہنی غلامی اور تقلید افرنگ طمع و لالچ، بھاری بھر سرکاری بجٹ اور امراء و حکام کی سرپرستیوں پر۔

بے سروسامان اسلاف کے محیر العقول علمی کارنامے | اپنی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالئے

ملت محمدیہ (جس کا وصف خصوصی اور شانِ اعجازی علم و معرفت ہی ہے) کے کتنے قابلِ فخر امام اور فرد فرید فرزند ہیں جو تنہا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے اور جو اپنے پیچھے علم و تحقیق، تصنیف و تالیف اور اجتہادات اور استنباطات کی ایک دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر ان کے یہ نادرہ روزگار کارنامے نہ تو کسی انجمن اور اکیڈمی کی رہین منت تھے اور نہ کسی ہسٹاریکل سوسائٹی اور ایجوکیشنل کانفرنس کے۔ ان کی پشت پر نہ تو کوئی عظیم و خطیر شاہی دولت ہوتی تھی۔ نہ علوم و فنون سے معمور لائبریریاں اور تحقیقاتی ادارے بلکہ یہ ان مذکورہ اوصاف عالیہ ہی کی کرشمہ سازیاں تھیں کہ ان علماء اور مصنفین میں سے کئی ایک نے وہ وہ علمی کارنامے صحیفہ عالم پر ثبت کئے کہ اپنی وسعت اور گہرائی کے لحاظ سے اکیلی جان پر پوری امت کہلانے کے مستحق بنے جن کے علمی و استنباطی نقوش سے آج بھی زمانہ کی ستم کاریوں کے باوجود عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے خزانے معمور ہیں۔ امت محمدیہ کے ایک فرد فرید صاحبؒ ہدایہ کے استاد نے ایک ہزار سے زائد جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ ابن عربی نے قرآن کریم کی تفسیر لکھنی شروع کی تو صرف سورہ کہف تک اسی جلد مکمل ہوئے۔ اگر اجل موعود نے تکمیل کا موقع دیا ہوتا تو شاید ایک سو ساٹھ جلد بن جاتے اور اس میں تعجب کیا جبکہ ان ہی شناورانِ بحرِ قرآنی کے ایک مایۂ ناز فرد امام فخر الدین رازی کا قول ہے کہ صرف سورۃ فاتحہ سے ایک ہزار مسائل نکالے جا سکتے ہیں۔ ان دلق پوش فقراء میں سے ایک امام محمد سرخسیؒ ہیں جو اقتدار کی تمام نوازشوں سے نہ صرف محروم بلکہ معتوب تھے۔ جنہوں نے زندان کے "چاہ سیاہ" میں بیٹھ کر اوپر سے لکھنے والے شاگردوں کو ۳۰ جلدوں پر مشتمل ہزارہا صفحات کی دقیع علمی، قانونی اور فقہی کتاب مبسوط املاء کرائی جو کسی بڑی سوسائٹی اور اکیڈمی کے بس میں نہیں۔ ابن جریر طبری نے قلم برداشتہ اسی جلدوں میں قرآن کریم کی تفسیر لکھی۔ یعقوب بن ابی شیبہؒ نے اپنی مسند کے لئے دو سو جلدوں کا تخمینہ لگایا اور امتِ محمدیہ کے فرزند جلیل کی تصنیف کے لئے چالیس کاتب متعین ہوئے۔ یہ ان لوگوں کی کسی ایک تصنیف کی مجلدات کی تعداد ہے۔ پھر ان میں سے کتنے ہیں کہ جن کی ضخیم تصانیف کی تعداد دہائیوں اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں سے متجاوز ہو چکی ہیں۔ یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ ہیں اور یہ ہمارے قریبی عہد کے حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ جن کی بلند پایہ علمی تالیفات کی تعداد سینکڑوں بلکہ ہزار کے لگ بھگ ہے۔

نبی امّی کے شانِ اعجازی کرشمے

پھر علم وفن کی یہ فتوحات صرف علوم دین وشریعت اور ان کے سینکڑوں شعبوں تک محدود نہ تھیں بلکہ دنیا بھر کے علوم از قسم طبیعات، الٰہیات، تاریخ، ریاضی، جغرافیہ، طبقات الارض، معاشیات معاشرت، جبر وحساب، حکمت وطب، کیمیا، ہندسہ وہیئت، سیاست، عمرانیات، تجارت و حرفت، تعمیرات وانجنیئرنگ، سائنس وفلسفہ وغیرہ کے مرتب ومدون بلکہ اکثر کے موجد بنے۔ یہ سب نبی امّی (علیہ السلام) مگر علم الاولین والآخرین کے شان اعجازی کے کرشمے تھے۔ انہی کے فیض انہی کا پرتو، مگر جب غور وفکر کے رشتے اس سرچشمۂ علوم اور منبع معرفت سے کاٹ دیئے گئے ذہن اوروں کے غلام ہو گئے اور نگاہیں غیروں پر جم گئیں تو علم وحکمت کے وہ سوتے خدا نے خشک کر دیئے۔ روح القدس نے اپنی مدد کھینچ لی اور اب ہمارے سکالر، محقق اور فلاسفر صرف غیروں کے نقال وترجمان بن کر رہ گئے۔ ان بے جان لاشوں کا مصرف یورپ کی صدا وگونج کو دہراتا ہے

اولٰئک کالانعام بل ھم اضل — عمد الناس میتؐ واھل العلم احیاء —

سیاست وسطوت کے ساتھ حکمت ومعرفت اور اقتدار وحکمت کے ساتھ علم اور دین کی دولت بھی چھن گئی۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون ؎

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا — کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

طے شدہ مسائل کو مشقِ تحقیق بنانے کے مخفی مقاصد

گلوکسیم اور کانفرنسوں کی حقیقت

اخبارات میں خبریں آرہی ہیں کہ عنقریب حکومت ملائیشیا کے زیر اہتمام بڑے پیمانے پر اسلامی ممالک کی ایک کانفرنس ہو رہی ہے جس میں پاکستان کے علاوہ اکثر مسلم ممالک کے مندوبین بھی شریک ہوں گے۔ اس کانفرنس کے ایجنڈے پر بہت سی چیزوں کے علاوہ کئی ایسے امور بھی شامل ہیں جن نے راسخ العقیدہ مسلمانوں اور اسلام کی ابدیت پر یقین رکھنے والے اہل علم کو بجا طور پر چونکا کر دیا ہے — عید الفطر، عید الاضحیٰ اور رمضان المبارک کی ابتدائی اور آخری تاریخوں کا

تعین زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی وصولی کا طریقہ کار اور مصارف کا تعین، سود اور بنکاری، تجارت اور کاروبار، عائلی قوانین، شادی اور طلاق، خاندانی منصوبہ بندی، قانون وراثت اور وصیت، اسلامی نقطہ نظر سے بیت المقدس کا جائزہ اور کئی دیگر مذہبی موضوعات ـــ پاکستان کے وزیر خارجہ نے اسمبلی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ ایجنڈے کے ان امور کے پیش نظر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کانفرنس کے پس پشت کسی غیر ملکی طاقت کا ہاتھ بھی ہے۔ مگر ہمارے لئے ایجنڈے کے یہی موضوعات ہی تو استعمار و تجدد اور لادینیت کے خاطر اشتراک کے اسلام دشمن عزائم کی غمازی کر رہے ہیں۔ عالم اسلام کے ذلت و ادبار کے محرک بیشمار مسائل اور مغربی تہذیب کی پیداوار بیشمار قبائح، بے پردگی، مخلوط تعلیم، سینما، فحاشی، دینی اقدار سے بغاوت، اسلامی علوم سے گریز اور اس قسم کے لاتعداد قابل توجہ امور کو چھوڑ کر صرف انہی امور اور مسائل کو زیر بحث لانا جو عرصہ سے مستشرقین یورپ اور ان سے متاثر نام نہاد اسلامی سکالروں اور محققین نے ایک خاص نقطہ نگاہ سے مشق تحقیق بنائے ہوئے ہیں۔ کیا یہ چیز اس امر کی نشاندہی نہیں کر رہی کہ ملائشیا کی اسلامی کانفرنس کی اسٹیج پر یہ تازہ ڈرامہ کسی خاص مقصد کا آئینہ دار ہے۔ اسلام ان تمام امور کی شرعی اور قطعی حیثیت کے بارہ میں واضح اور دو ٹوک فیصلہ کر چکا ہے۔ ان میں سے نہ تو عائلی اور معاشرتی قوانین قابل تبدل ہیں اور نہ زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف تغیر پذیر ہیں اور نہ نماز روزہ کو اپنی شرعی حیثیت سے گھٹایا یا بڑھایا جا سکتا ہے نہ تو سود اور سودی بنکاری شریعت کی نگاہ میں قابل برداشت ہو سکتی ہے اور نہ اسلام، زکوٰۃ اور وراثت جیسے طے شدہ امور میں کسی کو کمی و بیشی کی اجازت دے سکتا ہے بحث ہونی چاہیئے تو یہ کہ تجارت، معاشرت اور تمدن پر مسلط غیر اسلامی طریق کار سے گلوخلاصی کی صورت اور اس کا متبادل حل کیا ہے۔ اسلام کے قانون وراثت کی پوری رعایت اور نگہداشت کیسے کی جا سکتی ہے؟ نہ یہ کہ ہم عصری تقاضوں سے اسلام کو ہم آہنگ کرنے کے لئے ان مسلمہ اصول اور مسائل پر ہاتھ صاف کرنے لگیں۔ مغربی اقوام اور ان کے اہل علم، علمی ادارے فاؤنڈیشن، ریسرچ انسٹی ٹیوشن اور مستشرقین کی شکل میں ایک بہت بڑی مضبوط اور منظم طاقت ابتدا سے اس کوشش میں مصروف ہے کہ علمی تحقیق، نظریاتی غور و فکر اور تحقیق و ریسرچ کے نام سے

اسلامی اقدار اور دینی روح سے مسلمانوں کا رشتہ کسی طرح کاٹ دیا جائے۔ اس کا اندازہ یورپ کے اونچے پایہ کے مستشرقین گولڈ تسیہر، اسمتھ، شاخت اور مارگولیتھ کی "تحقیقات" اور اسلام کے بارہ میں "انکشافات" سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ان کے طرزِ فکر پر سوچنے والے ہمارے ہی ان لوگوں کے پروردہ تلامذہ کے اب تک کے کارنامے اس کے مزید شاہدِ عدل ہیں۔

اسلامی تحقیقات اور اسلامی فاؤنڈیشن

ان لوگوں کو ہمارے ہاں کام کے آدمی اگر مل سکتے ہیں تو فضل الرحمان قسم کے لوگ اور قابلِ امداد معلوم ہوتے ہیں تو "اسلامی تحقیقات" قسم کے ادارے جنہیں اسمبلی کی ایک رپورٹ کے مطابق لاکھوں روپیہ یورپ کے ایک فاؤنڈیشن نے امداد کے طور پر دیا۔ یہ فاؤنڈیشن* امریکہ کے رسوائے زمانہ شعبۂ جاسوسی سی آئی اے کے زیرِ نگرانی کام کر رہا ہے۔ اسلامی ممالک میں تجدد اور لادینیت کی راہ ہموار کرنے اور وہاں کے مسلمانوں کے دینی تصلب کا اندازہ لگانے کے لئے مختلف وقفوں سے اس قسم کے کلوکیم اور کانفرنس منعقد کرائے جاتے ہیں جس کا ایک نمونہ ہمارے ہاں چند سال قبل لاہور کے اسلامی کلوکیم اور پچھلے سال راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس کی شکل میں سامنے آچکا ہے۔ ایسی کانفرنسوں کے غور و فکر کا محور صرف ایک ہی رخ ہوتا ہے۔ اگر کانفرنس کی عام فضا ان کے لادینی عزائم سے ہم آہنگ ہو جائے تو اس کے مباحثات اور مذاکرات کو خوب اچھالا جاتا ہے اور اگر دو چار متصلب، پختہ علم اور راسخ العقیدہ علماءِ حق کی وجہ سے منتظمین اپنی اغراضِ خبیثہ میں شکست کھا جائیں تو ایسی مجالس کے تمام زیرِ بحث امور اور فیصلوں کو پردۂ خفاء اور گوشۂ گمنامی میں ڈال دیا جاتا ہے۔ راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس اس کی واضح مثال ہے جس کی اسٹینڈنگ کمیٹیوں کی اصل حقیقت اور اس کے اصل محرکات تو تب ظاہر ہوں گے جبکہ اس کے فیصلوں اور بحث و مباحثہ کے پس منظر میں اس میں شرکت کرنے والوں کی علمی اور دینی حیثیت سامنے آجائے۔ ملائشیا کی موجودہ سیاسی حیثیت پھر پچھلے دنوں بعض سیاسی امور کے بارہ میں اس کی پارلیمنٹ اور عدالتوں کے غیر اسلامی اندازِ فکر اور عالمی پیمانہ پر زیرِ بحث مسائل پر ایک ہی انداز میں غور و فکر کی بنا پر ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں یہ کانفرنس بھی اسلام کو لادینی مغرب کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرانے کی سعی نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ اس قسم کی ہر سعی بالآخر بے کار اور لاحاصل ہی ثابت ہوگی کہ اس قسم کی ہر سعی بالآخر لاحاصل ہی ثابت

ہو گی کہ اس قسم کی کانفرسیں خواہ کتنی ہی "عظیم اور لامثال" کیوں نہ ہوں اسلام کی ابدیت اور قطعیت پر ہرگز ہرگز اثر انداز نہیں ہو سکتیں بلکہ اسلام کی حفاظت کے لئے خداوند کریم کی غیبی امداد کی بنا پر ایک گونہ اطمینان ہے کہ مصر کی مجمع البحوث اور راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس کی طرح یہ کانفرنس بھی متجددین اور ملحدین کی شکست اور اسلام کی سچائی اور ابدیت کے اعلان کا ذریعہ بن جائے گی کہ جس ذات نے اسلام کی حفاظت کا بیڑہ اٹھایا ہے وہ ہر دور میں "فتنہ اور شر" کے ایسے ہی مواقع سے "خیر" کا پہلو ظاہر کرتا چلا آیا ہے۔

(ج ۴ ش ۶ مارچ ۶۹ء ذی الحجہ ۸۸ھ)

تجدّد و اصلاح کے نعروں کی اصل حقیقت

• راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس • ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ اور ڈاکٹر فضل الرحمن

پچھلے ہفتہ راولپنڈی میں ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ کے زیرِاہتمام ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس کی بعض تقریبات دیکھنے کا راقم کو بھی اتفاق ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک کے علماء اور دانشوروں کے علاوہ پاکستان کے دو چار علماءِ حق کو بھی اس میں شرکت کا موقع دیا گیا تھا۔ عالمِ اسلام کے مختلف حصوں کے علماء اور قدیم و جدید طبقات کا باہمی تبادلۂ خیال اور عالمِ اسلام کو درپیش مسائل پر غور و بحث، مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اتفاق کی ضرورت کا احساس ایسے امور ہیں جن کے لحاظ سے اس کانفرنس کا اہتمام قابلِ تحسین قرار پاتا ہے مگر تصویر کا دوسرا رُخ وہ ہے جسے ادارۂ تحقیقات اور اس کے کارپردازوں کی ذہنی ساخت نظریات اور تحقیقی "شاہکاروں" کے پس منظر میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ افتتاحی اجلاس میں منتظمین نے اس کانفرنس کے انعقاد سے اپنی جن توقعات کے وابستہ ہونے کا اظہار کیا اس سے بھی یہ حقیقت ایک بار پھر کھل کر سامنے آگئی۔ جس کا اظہار دین کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنے اور حالات کے مطابق بنانے، وغیرہ الفاظ سے بار بار کیا جا رہا ہے۔

عالمِ اسلام میں قدیم و جدید کا معرکہ | اس وقت تقریباً تمام مسلمان ممالک ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ جن کو ہم اسلامی افکار و اقدار اور مغربی تہذیب و اقدار کے معرکہ کا نام دے سکتے ہیں۔ جو طبقہ تجدد اور مغربی افکار کا حامل ہے۔ اگر اس کی اس تمام غوغا آرائی اور کاوش کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ مغربی تہذیب کی اخلاقی اور روحانی خرابیوں سے پہلو بچاتے ہوئے قرآن و سنت اور اسلامی اقدار کو مضبوطی سے تھام کر موجودہ عصری علوم، اور سائنسی ترقیات سے استفادہ کیا جائے۔ اور عصرِ حاضر کے درپیش مسائل کی شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں شرعی حیثیت واضح کی جائے۔ اگر وہ مسائل اور نظریاتِ اسلام کی

اساس سے متصادم نہ ہوں انہیں اپنا لیا جائے۔

مغرب کے بارہ میں معتدلانہ راستہ اور نئی تہذیب کی جو باتیں شریعتِ اسلامیہ سے میل نہ کھائیں انہیں بلاتامل یکسر خیر باد کہہ دیا جائے۔ تو اس مقصد کی خوبی میں کسی عالم اور متصلب مسلمان کی دو رائے نہیں ہو سکتی تھیں۔ کیونکہ اسلام نے ہر دور اور ہر زمانہ کی اچھی باتوں کو اپنانے کا تمام مذاہب سے زیادہ اہتمام کیا ہے۔ وہ انسان کو اللہ کا خلیفہ اور بر و بحر کا مالک قرار دیتا ہے۔ اس نے انسان کو کائنات اور عناصر کی تمام جوہری قوتوں کی تسخیر کی دولت سے نوازا ہے۔ اسلام جائز حدود کے اندر انسان کی ضروریات کی تکمیل اور قومی، ملکی اور ملی مفادات کی حفاظت و دفاع کے لئے ترقیاتِ زمانہ سے استفادہ اور حصولِ علوم وفنون کے لئے دوسری اقوام کے شانہ بشانہ چلنے سے ہرگز نہیں روکتا۔ جو طبقہ اسلامی علوم وفنون اور اسلامی اقدار کا علمبردار ہے اس کی طرف سے بارہا یہ چیلنج دیا جا چکا ہے۔ کہ اسلام کے اور نظریہ یا علماءِ حق کے کسی گروہ کی تعلیمات میں عصری اور تجرباتی علوم میں ترقی اور اضافہ سے منع کرنے کی کوئی مثال اگر موجود ہو تو اسے پیش کر دیا جائے۔

تجدد و اصلاح کے علمبرداروں کے اصل عزائم الغرض تجدد و اصلاحِ مذہب کے نعرے بلند کرنے والوں کے عزائم اور مقاصد اگر صرف یہی ہوتے تو اختلاف کی کوئی صورت پیدا نہ ہوتی۔ مگر اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کو نئے تقاضوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں ان کی ذہنی ساخت تعلیم و تربیت، ذاتی وسیاسی مصالح مغربی تہذیب و تمدن میں سرتاپا استغراق اور جن سرچشموں سے ان کے نظریات کی آبیاری ہو رہی ہے اور اسلام پر تحقیق و ریسرچ کے جو نت نئے نمونے مسلمانوں کے سامنے آرہے ہیں۔ ان سب چیزوں سے یہ حقیقت مسلمہ کھل کر سامنے آچکی ہے۔ کہ دراصل ان لوگوں کا مقصد پورے اسلامی معاشرہ کو مغربی تہذیب و تمدن اور لادینی افکار و خیالات میں ڈھالنا اور اسلامی ممالک کو مغربی ممالک کے نقشِ قدم پر چلانا ہے۔ اس راہ میں جو بھی دینی تصورات اور ضوابط، قوانین اور دینی اقدار و روایات حائل ہو سکتے ہوں ان میں ترمیم و تنسیخ کی جائے یا اسے کھینچ تان کر اسلام کے دائرہ میں لایا جائے۔

آوازۂ تجدید یا تقلیدِ فرنگ اور مختصراً یہ کہ اس طرح حقیقی خدوخال سے محروم ہو کر ملک و معاشرہ کو "مغربیت" کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے رکاوٹ نہ بنے۔ یہی وہ المناک صورتِ حال ہے جس سے تجدد اور اصلاح کے خوشنما نام سے اسلام اور راسخ العقیدہ مسلمان دوچار ہیں۔ تجدید کے نام پر مغربی تہذیب و افکار کی یہی وہ اندھی تقلید ہے جس کا رونا علامہ اقبالؒ رو چکے ہیں ؎

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

علماء اور مسلمانوں کی تشویش اور یہی وہ تشویشناک صورتِ حال ہے جس نے دینی اقدار و افکار پر مر مٹنے والے علماء اور غیور مسلمانوں کو شدید اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے۔ اور وہ کسی حال میں بھی اسلام کو یورپ کی اخلاقی اور روحانی اقدار سے عاری نظام کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ اور اس راہ میں وہ بے خطر ہر میدان میں سنگِ گراں ثابت ہو جاتے ہیں۔ جس کا کچھ مظاہرہ راولپنڈی کانفرنس میں لادینی نظریات پیش ہونے پر حاضرین کے سوادِ اعظم کا شدید نفرت اور بیزاری ظاہر کرنے کی شکل میں ہوا۔

اہلِ تجدد اور مغرب زدہ طبقہ کے ہاں نئے تقاضوں اور حالات کا ساتھ دینے اور مذہب کے ترقی پذیر ہونے کا مطلب کھلے الفاظ میں یہ ہے کہ مذہب کو حالات کا تابع بنا دیا جائے نہ کہ حالات اور زمانہ کو مذہب کے مطابق بنایا جائے۔

عصرِ حاضر کے تقاضے اور اسلام جہاں تک عہدِ جدید کا تعلق ہے، ہم حیران ہیں کہ آخر وہ کون سے تقاضے ہیں جن کا مذہب کو سامنا کرنا پڑا ہے اور اسلام اپنی موجودہ شکل میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اگر انسان پیدل چلنے اور بیل گاڑی کے بجائے جیٹ طیارہ اور خلائی جہازوں میں اڑنے لگا۔ ہاتھ کا پنکھا چلانے کی بجائے ایئر کنڈیشنر استعمال کرنے لگا۔ دستکاری کی جگہ بھاری بھرکم مشینوں اور کارخانوں نے سنبھال لی۔ وہ دال روٹی کی بجائے کیک، ٹوسٹ، اور سینڈوچ کھانے لگا۔ برف اور ٹھنڈے پانی کی بجائے کولر، کولڈ سٹوریج اور ریفریجریٹر کے مشروبات استعمال ہونے لگے۔ کچے مکانات کی بجائے فلک بوس عمارتوں میں رہائش ہونے لگی۔ لوگ سیڑھیوں کی بجائے لفٹ

سے چڑھنے لگا۔ انسان تیروسنان کی بجائے توپ و تفنگ اور بندوق وریوالور کی بجائے ایٹم ومیزائل پر قادر ہوا۔ تو آخر مذہب کا وہ کون سا اصول ہے جو ان تبدیلیوں اور تغیرات سے جوڑ نہیں کھاتا؟ بیشک کھانے پینے، رہنے سہنے اور مال وجان کی حفاظت کی شکل میں انسان کو جو بنیادی ضروریات تھیں عصرِ حاضر نے ترقی یافتہ شکل میں انہیں پورا کر دیا جو امتدادِ زمانہ کا طبعی نتیجہ تھا۔ مذہب نے پہلے بھی چند ضابطوں اور تقاضوں سے مشروط کر کے ان ضروریات کی تحصیل وتکمیل کی اجازت دی۔ اور آج بھی مذہب مسلمانوں کو ان تقاضوں کے اندر رکھ کر ان مادی ضروریات کے حصول اور استفادہ کی پوری اجازت دیتا ہے۔

مغربی برائیوں کو عصرِ حاضر کا تقاضا نہیں کہا جا سکتا ہاں اگر نئے تقاضوں اور عصری ضروریات سے صرف سائنسی ترقیات اور تجرباتی علوم وفنون مراد نہیں بلکہ وہ پوری تہذیب ہے جس میں آج یورپ مبتلا ہے اور جو ایک زہریلے سرطان اور مہلک جذام کی شکل میں پوری انسانیت کا جسم کھائے جا رہی ہے۔ اور آپ اسلام کا جوڑ اس مغربی طرزِ معاشرت سے لگانا چاہتے ہیں۔ جس کا مطلب جنسی بے راہ روی، اخلاقی انارکی، مرد اور عورت کا آزادانہ میل ملاپ، کلبوں کی زندگی، کاک ٹیل پارٹیاں، سود، شراب، جوا، نمائشِ حسن، سیول میرج، گرل اور بوائے فرینڈز، الغرض تمام اخلاقی اور دینی حدود واصول سے بغاوت ہے۔

اسلام کا جمود وتصلب تو یقین جانئے کہ اسلام اس بارہ میں قطعی جامد اور متعصب ہے اس میں ہرگز عصرِ حاضر کے ان قبیح تقاضوں کے ساتھ چلنے کی سکت نہیں اور وہ ایک پل کے لئے ایسے "ترقی یافتہ" اور "مہذب" لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اسلام کا یہ جمود اور تصلب خود تجدد پسندوں پر ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے اسلام کو اپنی خواہشات کے تابع بنانے اور اس کا صرف لیبل اپنے ساتھ ہر حال میں چپکائے رکھنے کی بجائے جراٰت مندانہ بات تو یہ ہے کہ اسے خیرباد کہہ دیجئے۔ آپ بے شک ان نئے تقاضوں کو اپنائیے مگر اسلام بے چارے کو مشقِ ستم نہ بنائیے۔ یہ خدا کی آخری نعمت ہے۔ رہتی دنیا تک انسانیت کے حقیقی فلاح وبہبود کا اسی نسخۂ شفا پر انحصار ہے۔ اگر عصرِ حاضر کی فطرت

مسخ ہو چکی ہے اور اس کا مزاج اسلام سے جوڑ نہیں کھاتا۔ تو آنے والی نسلوں کو اس نسخۂ ہدایت سے کیوں محروم رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اپنی نفس پرستی، شکم پروری اور خواہشات کی پرستش کے لئے اتنی بڑی نعمت کے ساتھ یہ تلاعب اور استہزاء اور یہ تعصب و عناد ایک ایسی بدترین ناشکری ہوگی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں مشکل سے مل سکے گی۔

تحقیق و ریسرچ کا اصل ہدف اگر آپ دل سے چاہتے ہیں کہ اسلام کی فوقیت ہر زمانہ پر رہے۔ اور آپ کا واقعی عقیدہ ہے کہ قرآن اور اسلام میں ہر زمانہ کے حوادث و نوازل کا حل موجود ہے۔ اور مغربی تہذیب نے جو ناجائز معاشرتی اور معاشی مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اسلام ان سب کا متبادل حل پیش کر سکتا ہے۔ تو آپ کی تحقیق اور ریسرچ کا ہدف یہ نہ ہونا چاہیئے کہ یورپ کے حرام طور طریقوں کو جائز ثابت کرانے کے لئے اسلام کے محرمات کو حلال قرار دیں۔ بلکہ اپنی تحقیق کا محور یہ بنائیے کہ یورپ کی ان غلط اور حرام چیزوں کی بجائے کن جائز اور حلال صورتوں سے نئے زمانہ کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ بینکنگ نظام اور سود پر بحث کیجئے مگر اس کو حلال ثابت کرانے کے لئے نہیں بلکہ اس کے متبادل حلال صورتوں مضاربت و مشارکت وغیرہ کو زیرِ بحث لائیے، اور انہیں آزمائیے۔ شراب بے پردگی، اور مخلوط معاشرت کو کھینچ تان کرا سے اسلام میں داخل کرانے کی بجائے معاشرہ کو عصری ترقیات سے ہمکنار کرتے ہوئے ان خرابیوں سے بچنے کی تدابیر سوچئے، معاشرتی حقوق کی پائمالی، حق تلفی اور ظلم و تعدی سے بچانے کے لئے اسلامی معاشرہ برپا کرنے اور ظلم کے اسباب کے تدارک پر غور کریں۔ نہ کہ آپ تعدادِ ازواج پر پابندی لگائیں یا دیگر معاشرتی مسائل طلاق، عدت وغیرہ میں توڑ موڑ شروع کر دیں۔ معاشی تفاوت، غیر منصفانہ تقسیمِ دولت اور طبقاتی کشمکش ختم کرنے کے لئے آپ اسلام کے نظامِ اقتصاد و اعتدال کو سامنے لا کر آزمائیں نہ کہ اسلام کا رشتہ اور جوڑ سوشلزم، مارکسزم یا سرمایہ دارانہ نظام سے جوڑ دیں۔ نئے حوادث اور مسائل کی قرآن و سنت اور آثارِ صحابہؓ اور فتوے سلف کی روشنی میں مخصوص شرائط اور حدود میں رہتے ہوئے حل نکالئے نہ کہ آپ عقل کو شریعت پر ترجیح دے کر عقل کے کردار کو کھلی چھوٹ دے دیں کہ وہ پوری شریعت اور منصوصاتِ شریعت کو

بھی "ویٹو" کرسکے۔ عقل کو شریعت کے دائرہ میں رہنے کا ذریعہ بنائیے نہ کہ شریعت سے فرار کا۔ آپ سائنس اور ٹیکنالوجی میں بے شک ترقی کریں۔ مادی آسائش کی راہیں تلاش کریں۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا۔ کہ دیگر مادی اقوام کی طرح ان چیزوں کو ہی علم و حکمت سمجھ بیٹھیں۔ تسخیر کائنات بالفاظِ دیگر "شکم پروری کی تدبیروں" کو ہی قرآنی تعلیمات کا خلاصہ، پیغمبرؐ کی تعلیمات کا نچوڑ، تخلیقِ انسانی کا مقصد اور قرآن کے دعوتِ تفکر و تدبر کا محور سمجھ بیٹھیں۔ اور تعلیماتِ قرآنی کے حقیقی مقصد عبدیتِ خداوندی، حصول و مرضیاتِ الٰہی اور فلاحِ آخرت کو ثانوی حیثیت دے دیں۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو آپ اسلام کو محض ایک مادی نظام، اور شکم پرور مذہب کی شکل دینا چاہتے ہیں۔ جس کا مقصد سرمایہ داری یا کمیونزم کی طرح صرف جسم اور پیٹ کی پرورش رہ جائے اور تمام اخلاقی اور روحانی قدریں پائمال ہوجائیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ اس طرح آپ مذہب کا نام بھی لے سکیں گے۔ اور اس کے تمام مطالبات سے بھی بچ جائیں گے۔ مذاہبِ عالم کی تاریخ میں مذہب کے ساتھ اس عیاری، تمسخر اور استہزاء کی مثال بمشکل مل سکے گی۔

ہمارے خدشات کی تائید ہم نے مذہب کے تجدد و اصلاح کی ان کوششوں کے بارہ میں جن خدشات کا اظہار کیا۔ اہلِ تجدد یقیناً اسے سوءِ ظن، ہماری تنگ نظری اور رجعت پسندی قرار دیں گے۔ جیسا کہ ان الزامات کو پچھلے دنوں ادارۂ تحقیقات اور اس کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمان کے تعارف پر مشتمل بعض اخباری مضامین میں بار بار دہرایا گیا! ادارۂ تحقیقات اور اس کے فاضل ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کا وجود اس ملک میں تحریک تجدد اور مغربیت کا سب سے واضح نشان ہے۔ اس لئے ہم ڈاکٹر صاحب موصوف کے "تحقیقی شاہکار" بطور نمونہ اپنے قارئین کے سامنے رکھ کر فیصلہ انہی پر چھوڑتے۔ کہ ہم ان خدشات اور بے چینی و اضطراب میں کہاں تک حق بجانب ہیں اور نئے تقاضوں کے سانچہ میں ڈھال کر کون سا اسلام تصنیف کیا جارہا ہے یہ تمام "جواہر پارے" ادارۂ تحقیقات کے ترجمان مجلہ فکر و نظر میں ان کے مضامین یا پھر ان کی تازہ ترین "تصنیف" "اسلام" (مطبوعہ ویڈنفیلڈ اینڈ نکلسن لندن ۱۹۶۶) سے ماخوذ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ:۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے بعض ملحدانہ خیالات

۱۔ قرآن کریم کے احکام ابدی نہیں بلکہ اس کے علل اور مقاصد ابدی ہیں (یعنی نماز روزہ، حج، زکوٰۃ بجائے خود لازمی نہیں بلکہ ان کے مقاصد ابدی ہیں خواہ وہ جس شکل میں بھی ظاہر ہوں) اب تک اس تحقیق کی دو مثالیں بھی سامنے آچکی ہیں۔ آگے نماز روزہ حج میں بھی اسی اصول سے ترمیم و تبدیلی کی راہ کھلی ہے۔

الف۔ زکوٰۃ عبادت نہیں ٹیکس ہے۔ اور اگر مروجہ نصاب سے مقصد حاصل نہ ہو سکے تو حکومت اس میں کمی بیشی کر سکتی ہے۔

ب۔ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر تھی۔ اسوقت عورتیں تعلیم یافتہ ہیں اور ایک عورت کی شہادت بھی مرد کے برابر ہے۔

۲۔ شریعت اسلامیہ غیر متبدل، ہمہ گیر اور ابدی نہیں۔

۳۔ وہی وحی مقبول ہے جو عقل و بصیرت کے معیار پر پوری اترے۔

۴۔ وحی الٰہی اور رسول دونوں حالات اور زمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

۵۔ قرآن کریم کے فیصلے اور حضورؐ کی احادیث قطعی قوانین نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک اسوۂ نمونہ اور مثال ہیں۔

۶۔ قرآن و سنت کے اکثر احکام خاص حالات سے وابستہ تھے۔ اور وقتی اور ہنگامی حیثیت رکھتے ہیں۔

۷۔ اجتہاد کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ اور قرآنی احکام بھی اجتہاد کے زیر اثر ہیں۔ ایک جن میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

۸۔ وحی ایک وارداتِ قلبی اور نبیؐ کے شعور کی آواز ہے۔

۹۔ جبرائیل علیہ السلام کا کوئی خارجی وجود نہ تھا۔ یہ سب خیالات دوسری تیسری صدی کی پیداوار ہیں۔

۱۰- حضورؐ کی حیثیت صرف ایک اخلاقی مصلح کی تھی۔

۱۱- پیغمبر ایک عرب قوم کی تشکیل میں مصروف رہے اور قوانین بنانے کے لئے انہیں فرصت نہ مل سکی۔

۱۲- معراج ایک افسانہ ہے جو زمانہ مابعد میں تراشا اور عقیدہ رفع مسیح سے مستعار لیا گیا۔

۱۳- قرآنی قصص محض بے بنیاد کہانیاں ہیں۔

۱۴- حدیث کا بیشتر ذخیرہ خود ساختہ اور موضوعی ہے۔

۱۵- اسلامی قانون میں حدیث کو حجت نہیں بنایا جا سکتا۔

۱۶- حضورؐ نے پنجگانہ نمازوں اور ان کے احکام کی کوئی واضح تعلیم نہیں دی پنجوقتہ نماز حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ تک رائج نہ تھی، اور بعد کی اختراع ہے۔

۱۷- سنتِ نبویؐ کا اکثر حصہ قبل از اسلام کی رسومات پر مشتمل ہے۔ اور فقہاء نے روم، ایران اور یہود کی روایات لے کر سنت میں داخل کر دی ہیں۔

(ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سنت ان تمام فقہی قوانین سے عبارت ہے جو ان کے زعم میں مذکورہ اقوام اور ان کے قوانین سے مستعار ہیں)

۱۸- عہدِ جاہلیت میں جو سود رائج تھا وہ حرام ہے مطلق سود حرام نہیں۔

۱۹- صرف انگور سے تیار کی گئی شراب حرام ہے اس کے علاوہ بیئر وغیرہ تمام اقسام حلال ہیں۔

۲۰- نزولِ عیسیٰ کا عقیدہ عیسائیوں سے مستعار ہے۔

۲۱- یہی حال شفاعت اور خروجِ مہدی کے عقیدہ کا ہے۔

۲۲- اسلام کا خلاء مغرب کی رہنمائی ہی سے پُر ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے نظریات کے یہ چند نمونے ہیں جن کا تانا بانا مستشرقینِ یورپ کی تحقیقات سے تیار ہوتا ہے۔ اور پھر وہ مسلمانوں کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

اور یہ ہے وہ اسلام جس کا ہیولیٰ سر سید احمد خان کے نیچریت، سید امیر علی اور طٰہٰ حسین کے اظہارِ معذرت جوزف شاخت اور گولڈ تسہیر کی تشکیک و تلبیس اور ولفریڈ اسمتھ (یہودی) کے نقشے کے مطابق اسلام کی منصوبہ جیسے عناصر سے تشکیل پا کر مسلمانوں کے سامنے تجدد و اصلاح کے دعوؤں کے ساتھ پیش ہو رہا ہے۔ اور اگر اہلِ حق علماء کی طرف سے کوئی آواز اٹھتی ہے۔ تو وہ تنگ نظر، انتشار پسند، متعصب اور گردن زدنی قرار پاتے ہیں۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون فیا للاسلام ولغیبۃ المسلمین۔ اللھم انا نسئلک الثبات والاستقامۃ والتوفیق والسداد والعافیۃ۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

قصرِ اسلام میں شگاف کی سعی[1]

کیا زکوٰۃ ٹیکس ہے؟

وہ ملک جو ایک طویل اور پیہم جدوجہد اور انمٹ قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا جس کی خاطر لاکھوں مسلمانوں کو آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا۔ ہزاروں عصمتوں کے چراغ بجھے اور لاکھوں مظلوم زندگیاں اغیار کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ غرض مسلمان زندگی کی ہر متاع اور عمر بھر کی پونجی اس کی راہ میں لٹا کر بھی مسرور و شاداں تھے کہ ؎

حاصل عمر نثارِ رہ یارے کردم
شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم

اب اگر کوئی بدبخت اور ناعاقبت اندیش اٹھے اور اس کی بنیادوں کو ہی ڈائنامیٹ کرے، اس کی دیواروں میں شگاف ڈالے تو کیا اس کے ایسے غدارانہ حرکات کو لمحہ بھر برداشت کیا جائے گا۔ کیا ایسا شخص قومی غدار کہلانے کا مستحق نہ ہو گا جو اس مضبوط حصار میں نقب لگا کر قومی قتل کا مجرم بنے؟

ملت حنیفیہ کی حفاظت کیلئے حضورؐ اور صحابہؓ کی قربانیاں

امت مسلمہ کا وہ مضبوط اور آہنی حصار جس کے استحکام پر نہ صرف ہماری بلکہ رہتی دنیا تک سسکتی ہوئی انسانیت کا مدار ہے اور جسے ہم اسلام اور ملت حنیفیہ کے پیارے نام سے تعبیر کرتے ہیں، کی خشت اوّل

---

[1] ڈاکٹر فضل الرحمان ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات نے بھی بعض سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے علماء مدارس دینیہ اور اہل دین کے خلاف مہم شروع کی تھی۔ اس ضمن میں آئے دن زکوٰۃ کو ٹیکس قرار دینے کے بیانات بھی آرہے تھے۔ اس مضمون میں اس نظریہ اور متجددین کا تعاقب کیا گیا۔ س

معمار اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں رکھی گئی اور تکمیل نوامیس فطرت کے سب سے بڑے علمبردار اور کامل واکمل ہستی نبی آخر الزماں صلیّ اللہ علیہ وسلّم کے ہاتھوں ہوئی۔ آپ نے دن کا سکھ اور رات کا چین اس راہ میں قربان کر دیا۔ اس گھر کی تکمیل میں وہ مصیبتیں جھیلیں جو مخلوق میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ سہیں۔ اوذیت فی اللہ مالم یوذاحداوکما قال ان کے معصوم اور پاکیزہ دل کی ہر دھڑکن اور ہر آرزو اس حصار کے استحکام اور مضبوطی سے وابستہ رہی کہ اب قیامت تک آنے والی مخلوق کی حقیقی فلاح و بقا اس "خدائی قلعہ" کی مضبوطی سے وابستہ تھی۔ حضور صلیّ اللہ علیہ وسلّم نے اپنے مقدس صحابہ سمیت اپنی زندگی، مال و جان، عزت و آبرو، گھر بار، ملک و وطن، غرض سب کچھ اسی اسلام کی حفاظت و اشاعت اور مدافعت میں قربان کر دیا اور جس وقت وہ ذات قدسی صفات اس عالم خاکی سے روپوش ہوئی تو دین کا یہ "قصر" ایک حسین و جمیل کامل و مکمل مرقع کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ اس میں ذرہ بھر خامی نہ تھی جس کی تکمیل و تعبیر کے لئے کسی دوسرے معمار کی ضرورت پڑے

ارکانِ خمسہ

ہر عمارت ستونوں، چھتوں اور در و دیوار سے عبارت اور اپنی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی عظیم الشان عمارت بھی ان بنیادوں اور ستونوں پر قائم ہے جسے ہم ارکان خمسہ (شہادتین، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں اور جسے حضور اقدس ؐ نے دعائم الاسلام (اسلام کے ستون) سے تعبیر کیا۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جلد ا ص ۱۴۱ بحوالہ مصنف عبدالرزاق) اگر ان بنیادی ستونوں میں سے ایک کو ہٹا دیا جائے یا ذرا ٹیڑھا کر دیا جائے تو پوری عمارت دھڑام سے گر جائے گی جو بالآخر اس کے تمام مکینوں کی تباہی اور ہلاکت پر منتج ہو گی۔ اگر کوئی خود باختہ شخص اس عمارت کی بنیادوں پر ضرب لگاتا اور اسے اپنی جگہ سے ہلاتا ہے تو عاقبت اندیشی یہی ہے کہ اس عمارت کے تمام باشندے اٹھ کر ان ہاتھوں کو توڑ دیں جو پوری ملت کے نقصان اور تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ تمام ہاتھ بھی شل کر دیئے

جو لپس پردہ اس مل جوڑ کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ یہ ایک بڑی اور سچی حقیقت ہے جو اسلام اور دین محمدی کی اہمیت، اس کی عظمت اور نزاکت کے بارہ میں خود حضور اقدس ؐ نے ایک سیدھی سادھی مثال سے ذہن نشین کرا دی اور بار بار فرمایا جسے بے شمار صحابہ نے مختلف طرق سے نقل کیا۔

بنی الاسلام علی خمس	اسلام کا یہ عظیم الشان کارخانہ پانچ
شھادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمداً	ستونوں پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ
رسول اللّٰہ واقام الصلوٰۃ	کی وحدانیت اور رسالت محمدیؐ کا
وایتاء الزکوٰۃ والحج	اقرار نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا
وصوم رمضان۔	اور رمضان کے روزے رکھنا۔

[عن عبد اللّٰہ بن عمر۔ بخاری۔
مسلم۔ ترمذی۔ نسائی]

کہیں ان ارکان کو دعائم الاسلام کہا گیا اور کہیں عماد کے لفظ سے ان کی اساسی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی۔ خود قرآن مجید کے اکثر مضامین، احکام اور اوامر و نواحی قصص و آداب امثال و مواعظ کا مرکزی نقطہ بھی یہی ارکان پنجگانہ ہیں کہ ان ہی پر دین و آخرت اور غیب کا سارا عالم استوار ہے

ارکان کا باہمی ربط و تعلق

پھر نہ صرف یہ کہ اس قصر دین کی بقا ان ارکان کی مجموعی حیثیت پر موقوف ہے بلکہ یہ سارے ارکان آپس میں ایسے مربوط اور وابستہ ہیں کہ اگر ان میں ایک نہ ہو تو باقی تمام ارکان میں اضمحلال رونما ہو اور پوری عمارت کا توازن برقرار نہ رہ سکے۔ اگر ان میں سے ایک کی ضرورت و اہمیت بھی محسوس نہ ہو یا اسے فالتو سمجھ لیا جائے یا اس کی ہیئت اساسی میں تبدیلی کی سعی کی جائے خواہ وہ ایمان باللہ ہو یا نماز زکوٰۃ ہو یا حج اور روزہ تو ایسا شخص اس پوری عمارت کا دشمن ہے کیونکہ اس قصر متین کا ہر جزو دیگر اجزاء و ارکان کو سنبھالے ہوئے ہے، جس معمارؐ نے ہدایات ربانی کی روشنی میں یہ عمارت تیار کی اور اس کا نقشہ بنایا۔ اس نے ان ارکان کا یہ باہمی ربط و تعلق اور اس کی اہمیت بھی ان الفاظ میں جتلا دی کہ:۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم	(ایمان لانے کے بعد) چار چیزیں ہیں جنہیں
اربع فرضھن اللّٰہ فی الاسلام	اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا

فمن جاء بثلاث	ہے۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور بیت
لم یغنین عنہ	اللہ کا حج جو شخص ان میں سے تین بھی
شیئاً حتی یأتی بھن	ادا کرے (اور کسی ایک کی فرضیت کا
جمیعاً الصلوٰۃ والزکوٰۃ	بھی منکر ہو) تو وہ اس کے کام نہیں
وصیامُ رمضان وحج البیت	آسکتیں جب تک سب کے سب
(ترجمان السنۃ بحوالہ احمد و طبرانی)	نہ کرے (یعنی سب پر ایمان و یقین نہ ہو)

ان چاروں ارکان میں زکوٰۃ بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ نماز (اور اس وجہ سے قرآن نے ہر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے بعد وآتوا الزکوٰۃ کا حکم دیا۔) روزہ بھی ایسا ہی فرض ہے اور بنیادی عبادت ہے جیسا کہ حج۔

کسی ایک رکن سے انکار یا تبدیلی کرنا بھی کفر ہے

اگر کوئی شخص ایمان کا مدعی ہے۔ مگر نماز یا زکوٰۃ سے انکار کرتا ہے یا اس خاکہ میں تبدیلی و ترمیم کی ناروا جسارت کرتا ہے جو اس کے معمار اوّل نے ان عبادات کے لئے تیار فرمایا تو اسے اس قصر محمدی میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور نہ اس کا دعوےٰ ایمانی قابل اعتنا ہے خواہ وہ ہزار بار اس کے استحکام و تعمیر کی رٹ لگاتا رہے اور ہمارے اس دعوے کا ماخذ خود قرآن کریم، سنّت رسولؐ اور صحابہ کرامؓ و خلفاءؓ راشدین کا طرز عمل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم	ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔ پس
فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ	اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور
فخلوا سبیلھم (توبہ)	زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک لوگ توحید اور رسالت کا اقرار اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کریں تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان سے جنگ کرتا رہوں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تب وہ اپنے مال و آبرو کو مجھ سے محفوظ کر سکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

پھر ان ارکان کے باہمی ارتباط کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب بنو ثقیف کے ایک

وفد نے طائف سے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر اس شرط پر کہ اسلام کے ایک اہم رکن نماز سے ہمیں معاف رکھا جائے تو حضورؐ نے بڑی سختی اور حقارت سے ان کی یہ درخواست ٹھکرادی اور فرمایا کہ :۔

لاخیر فی دین لاصلوٰۃ فیہ	بھلا وہ دین ہی کیا کہ جس میں نماز ہی نہ ہو

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا :۔

من لم یزکّ فلاصلوٰۃ لہٗ	جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں

(ترجمان السنۃ ص۵۸۴)

خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ کے بھرے مجمع میں اعلان فرمایا کہ :

واللہ لاقاتلنّ من فرّق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔	خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا۔ (ان میں سے ایک کی تعبدی حیثیت سے انکار کرے گا) تو میں اس سے قتال کروں گا۔

منکرین زکوٰۃ اور فراست صدیقی — عہد رسالت کے فوراً بعد جب بعض غیر راسخ الایمان قبائل، عبس و ذبیان، بنو کنانہ، غطفان اور بنو فزارہ نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو خلیفۃ المومنین سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی ایمانی فراست کی بنا پر اس باغیانہ اور کافرانہ جسارت کے مہلک اثرات اور نتائج کو فوراً بھانپ لیا کہ اگر اس وقت قصر محمدی کی بنیادوں پر یہ پہلی کاری ضرب برداشت کر لی گئی تو آگے چل کر بدباطن منافقین، زائغین اور محرفین کے ہاتھوں یہ پوری عمارت پیوند خاک ہو کر رہ جائے گی (ولا نفعل اللہ کذلک الی یوم القیامۃ) حضرت صدیق اکبرؓ نے جرأت ایمانی سے کام لے کر تلوار نیام سے نکالی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس فتنہ کو تہ خاک کر دیا — جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین۔

حضرت صدیق کو زکوٰۃ یا اس کے تعبدی حیثیت سے کام کرنے والوں کے اقدام کے کفروارتداد ہونے میں ذرا بھر تردد نہ ہوا اور یہ اس لیے کہ بقول امام العصر حضرت علامہ

انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمتہ:۔

ان الایمان اسمٌ لالتزامِ کل الدین فمن فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ فکانہ لم یومن بالکل ومن لم یومن بالکل فھو کافرٌ قطعاً۔ (فیض الباری ص۱۰۸)	بنابریں کہ ایمان نام ہے پورے دین کے التزام کا۔پس اگر کوئی نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے۔گویا وہ پورے دین پر ایمان نہ لایا اور جو پورے دین پر ایمان نہ لایا وہ شخص قطعی کافر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کی جسارت محض حکومت سے سرکشی یا بغاوت نہیں بلکہ سرے سے دین کے ایک اہم رکن کا انکار یا اس میں تحریف اور غلط تاویل کرنا ہے جس کے تباہ کن اثرات پورے دین پر پڑ سکتے ہیں تو اس کا سینہ بھی اس بارہ میں کھل گیا اور نہ صرف حضرت فاروق اعظمؓ بلکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیقؓ کا قولاً وعملاً ساتھ دیا اور اس طرح ایک رکن اسلام (زکوٰۃ) کی قطعیت میں صحابہ کا اجماع منعقد ہوا۔ اور ایسا اجماع جس کے نفاذ میں مخالفین کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

مانعین زکوٰۃ بھی زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھ رہے تھے

مانعین زکوٰۃ کے اس اقدام کے اسباب وعوامل کی تلاش میں ہمیں یہ بات بھی مل جاتی ہے کہ منکرین زکوٰۃ نہ صرف سیدنا صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے مخالف تھے بلکہ اپنی ایک من گھڑت رائے اور نظریہ کی بنا پر زکوٰۃ کو صرف ایک ٹیکس سمجھنے لگے تھے اور اس طرح اس کی عبادتی حیثیت سے انکار کر رہے تھے۔ محدث جلیل علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

وانما زعموا ان الزکوٰۃ جبایۃ مالٍ کما یجبی السلطان من الرعایا جبایات من جہات فکانت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عہدہٖ واذا ولینا	منکرین زکوٰۃ کا گمان تھا کہ زکوٰۃ ایک مالی ٹیکس ہے۔ جیسا کہ بادشاہ اپنی رعایا سے کئی طرح کے ٹیکس وصول کرتا ہے۔ پس حضورؐ کے زمانہ میں تو اس ٹیکس کی وصولی حضورؐ کا حق تھا

نحن ولاۃ منا سقطت
وبقیت کسائر الجبایات
علی رائی الوالی۔
(فیض الباری ص ۱۰۹/۱۲۰)

اور جب ہم نے اپنوں میں سے والی اور
حاکم چن لئے تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہوئی
اور دیگر ٹیکسوں کی طرح اب زکوٰۃ کا
معاملہ بھی حاکم کی رائے پر ہے۔

ٹھیک چودہ سو سال بعد قرنِ اوّل کے مانعین زکوٰۃ کا یہی استدلال اور ارکان اسلام سے بغاوت کا اعادہ ہے جو آج اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس کی لادینی ریسرچ و تحقیق کی صورت میں ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔

زکوٰۃ کے مقادیر اور مصارف میں قطع برید جائز نہیں

ڈاکٹر فضل الرحمان فرماتے ہیں۔"معاشرہ کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ کی موجودہ شرح کافی نہیں۔ حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۴ء) پی پی اے کے نمائندہ کو اپنے انٹرویو میں بتایا۔ قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے اور وہ زکوٰۃ ہے۔ یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہوئے مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات سول سروس ٹرانسپورٹ اور بیرونی قرضے وغیرہ پر بھی لگایا جائے۔ الخ

کیا خوب فرمایا ڈاکٹر صاحب نے خدا نے تو قرآن میں زکوٰۃ کے خرچ کے لئے مصارف ہشتگانہ مخصوص فرمائے۔ رسولؐ نے اس کے نصاب اور مقادیر متعین کئے اور اس کے تقسیم و خرچ میں اتنا اہتمام برتا کہ ایک بار جب ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔" اے شخص اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو بلکہ خود پیغمبر تک کو خود اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس کے آٹھ مصارف بیان کر دیئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں داخل ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں ——— (ورنہ نہیں) (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

اسلامی ریاست کے مدات آمدنی

پھر یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ ملکی ضروریات کے لئے کوئی اور آمدنی مقرر نہیں کی گئی۔ آخر ڈاکٹر ایسے "محقق"

کے بارہ میں یہ بات نادانی پر محمول کی جائے گی یا تجاہل عارفانہ پر۔ اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے مصارف اور ضروریات کے لئے بے شمار ذرائع متعین فرمائے ہیں۔ آمدنی کا ایک ذریعہ خراج ہے جو غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیا جائے گا جس پر مقابلہ یا صلح کے بعد مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہو اور جو زمین کی پیداوار، زرخیزی اور وسائل آبپاشی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر پیمائش یا بٹوارے کے طریقے پر لگایا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے الفاظ میں اس کی وصولی کے لئے وہ افسر مقرر ہوں گے جو فقیہ، عالم، پاکباز، منصف مزاج، متدین اور خود رائی سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

ایک ذریعہ جزیہ ہے جو غیر مسلم اہل ذمہ سے وصول ہوگا اور اسلامی ریاست ان کے شہری حقوق اور مال و جان کی محافظ ہوگی۔ اس طرح غنیمت کا مخصوص حصہ جو غیر مسلموں سے جنگ کے دوران قیدیوں اور مال و دولت کی صورت میں حاصل ہوگا۔ فے جو دشمن سے بغیر جنگ و جدال کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا معادن اور رکازہ۔ مدفون خزانہ یا معدن کا پانچواں حصہ بھی بیت المال میں داخل ہوگا اس طرح لگان، اجارہ یا ٹھیکہ کی آمدنی کہ زمین کا کوئی قطعہ کسی کاروبار کے لئے کسی شخص کو اس شرط پر دے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے منافع میں سے ایک مخصوص قسط بیت المال میں داخل کرے گا۔ اس کے علاوہ عشر کی شکل میں زمین پر محصول یعنی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ یا دوسری قسم اراضی پر نصف العشر یعنی ۱/۲۰ حصہ جس میں کمی یا زیادتی کا اختیار نہیں اور جس کے مصارف اور مقدار بھی مقدر اور معین ہیں۔ ان کے علاوہ غیر ملکی درآمد پر محصول (امپورٹ ڈیوٹی) جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لگایا گیا جبکہ دوسرے ممالک مسلمان تاجروں کے اموال پر اس قسم کی ڈیوٹی لگانے لگے۔ اگر ایک اسلامی حکومت واقعی اسلامی بنیادوں اور حقوق پر قائم ہو۔ اسلامی نظام کا احیاء اور نفاذ کرتی ہو اور محاصل و مصارف میں قرآن و سنت کی ہدایات کی سختی سے پیروی کرتی ہو تو ایسی حکومت مذکورہ اشیاء کے علاوہ دوسرے محاصل اور ٹیکس بھی لگا سکتی ہے۔ فقہائے اسلام نے تصریح کر دی ہے کہ ملکی دفاع، فوجی قوت کے استحکام، پولیس کے اخراجات یا رفاہی امور نہروں کی کھدائی، پلوں کی تعمیر، قیدیوں کی رہائی وغیرہ کے لئے مقررہ اور ہنگامی دونوں قسم کے محاصل وصول کئے جا سکتے ہیں۔ (ہدایہ کتاب الکفالۃ اور دیگر کتب فقہ) نہ یہ کہ زکوٰۃ کی ہیئت سالمہ کو بدل کر ٹیکس بنا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے مقدر و معین مصارف کے علاوہ اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے۔

جاہلی نظریات کی جدید تعبیر عہد حاضر کے ان نام نہاد محققین نے آج ان تمام جاہلی نظریات کو دجل و تلبیس اور تحریف و تاویل کے حربوں سے مسلح ہو کر اسلام کی جدید تعبیر کے روپ میں دوبارہ پیش کر دیا ہے جن کو اسلام نے سختی سے غلط ٹھہرایا اور جسے اس کے پیغمبر اعظم ؐ نے قدموں کے نیچے پامال کیا۔ جاہلیت اولیٰ کے منحوس دیو کی وہی روح بد ہے جو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غلام احمد پرویز کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمان اور ان جیسے محققین اور مغرب زدہ دانشوروں میں جلوہ گر ہو جاتی ہے اور پھر تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اسلام کے ایک ایک رکن اور ایک ایک اساس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اپنے وقت کے شیطنی ذرائع اور وسائل اس کی پشت پر ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا وار رسالت محمدی کی بنیاد "ختم نبوت" پر ہوتا ہے تو کبھی آپؐ کی سنّت کی تشریعی حیثیت اور منصب رسالت پر۔ کبھی تجدد اور نئی روشنی کے نام پر مسلمانوں کے "پرسنل لاء" کو مسخ کیا جاتا ہے تو کبھی ظاہری ترقی اور مغربیت کی چمک دمک سے اسلام کے پورے معاشرتی نظام، طلاق، نکاح، عدۃ، میراث وغیرہ میں دست درازیاں کی جاتی ہیں اس صدی میں اس طاغوتی روح نے مسلمانوں کے پورے اقتصادی ڈھانچہ، تجارت اور صنعت کو اسی جاہلی نظام، سود، قمار، حرام کاروبار، معاشی دستبرد اور ظلم و تعدی کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے اور سارے عالم اسلام کی ہیئت حاکمہ اور قوت نافذہ کو اپنے ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ اس کا منحوس سایہ مسلمانوں کے پورے نظام اخلاق و کردار، تمدن اور طرز معاشرت پر پڑ چکا ہے اور اس کی جگہ مغربی خودغرضی، نفس پروری، مادہ پرستی جنسی ہیجان اور اباحیت نے قدم جما لئے ہیں اور بدأ الاسلام غریبا و سیعود غریبا کا منظر سامنے ہے۔

غفلت یا مداہنت کے ہولناک نتائج ان حالات میں اگر ملت مسلمہ لمحہ بھر بھی غفلت اور مداہنت یا رواداری سے کام لے اور اسلام کی ایک ایک بنیاد اور اصول پر شیطنت کا یہ وار سہتی رہے تو ظاہر ہے کہ اس کے نتائج کتنے مہلک اور کتنے تلخ ہوں گے؟ پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ آخر کہاں جا کر ختم ہو گا۔ اگر آج زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو غتر بود کیا گیا کہ زکوٰۃ کی موجودہ شرح حکومت کے مصارف کے لئے کافی نہیں تو کل نمازوں کی تعداد اور مقدار میں بھی یہ کہہ کر قطع و برید کی جائے گی کہ آج کل کی مصروف زندگی میں اس پنج وقتہ ضیاع وقت (نارش بدہن) کی فرصت کہاں؟ اور یہ کہاں کی

دانشمندی ہے کہ اس صنعتی اور مشینی دور میں مہینہ کے پورے تیس دن روزے رکھ کر ملک کی مادی حیثیت کو نقصان پہنچایا جائے؟ اور "حج و زیارت" کے نام پر ہزاروں میل کا سفر کر کے ملک اور قوم کا وقت اور ریاست کا "زرمبادلہ" ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ والعیاذ باللہ العظیم۔
اگر آج سود کے حلال ٹھہرائے جانے کو گوارا کر لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ کل زنا اور خمر کو حلال نہ کہنا پڑے اور اگر آج مسلمانوں کے معاشرتی معاملات میں تحریف و تبدیل پر صبر کر لیا جائے تو کونسی ضمانت ہے کہ کل عبادات اور اعتقادات تک سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں؟

نفاق زدہ لوگوں کی مضحکہ خیز حالت

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے دیگر ارکان کے علاوہ زکوٰۃ کی بنیادی اور تعبدی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمان اور اس قماش کے دیگر ثقافتی اور ریسرچی "ارباب فکر و نظر" کے تحقیقات کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔

دراصل جو قلوب اسلام کے بارہ میں سوء ظن، سطحیت یا حسد و عناد کے شکار ہیں اور اسلام کی موجودہ "عہد جاہلیت" کے لئے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ بعض سیاسی اور مادی اغراض کی وجہ سے نہ تو کھل کر اسلام کے "دین ابدی" اور ضابطہ حیات ہونے کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ اندرونی نفاق کی وجہ سے اسلام کی جامعیت اور دین حنیفی کی سچائیوں کا اقرار۔ اس گومگو حالت نے انہیں تضاد، تعارض اور تذبذب و نفاق کے ایک عجیب مضحکہ خیز مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔
کبھی وہ سرمایہ دارانہ نظام پر اسلام کا ٹھپہ لگائیں گے تو کبھی کمیونزم اور مارکیسٹ کو دنیا کا کامیاب مذہب قرار دیں گے۔ کبھی کہیں گے کہ سائنس و حکمت اور دین و مذہب کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہو سکتا کبھی کہیں گے کہ اسلام کا مقصد ہی صرف سائنسی ترقی اور مادی عروج وارتقاء ہے۔ کبھی سرے سے سنت رسول ؐ کے حجت ہونے سے انکار کر بیٹھتے ہیں تو کبھی ہر زمانہ کے ماؤف یا استشراق زدہ دل و دماغ کے اجتہادات کو بھی سنت جاریہ کا نام و مقام دیں گے۔ گویا ان کی کیفیت ٹھیک اس ارشاد خداوندی کی مصداق ہے:

فکانما خر من السماء	گویا وہ آسمان سے گر پڑا۔ پھر اسے
فتخطفه الطير او تهوى به	پرندے اچک لیتے ہیں یا اسے ہوا

الریح فی مکان سحیق (حج پ ۱۷ ع ۱۱) اڑا کر کسی دور جگہ میں پھینک دیتی ہے

پھر یہ لوگ اپنی نت نئی "اختراعات" اور تحریفات کے اثبات کے لئے جو دلائل و براہین پیش کرتے ہیں کوئی عقل سلیم اور قلب مومن تو اسے کیا قبول کرے گا خود ان کا ضمیر بھی ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا اس تحریف و تلبیس پر سر پیٹنے لگتی ہے مگر تحقیق و ریسرچ کے یہ دعویدار پوری ڈھٹائی سے اپنے تبحر و تعمق کا شور مچاتے رہیں گے اور ہر طرح دین کو بازیچۂ اطفال بناتے رہیں گے

ملت مسلمہ کا فریضہ | اگر ملت مسلمہ کو اسلام کے "شجرہ طوبیٰ" کے سایہ عاطفت اور قصر محمدی کی پناہ میں رہنا ہے اور اس کی ہر دیوار اور بنیاد کو اعداد و اغیار کی نقب سے بچانا ہے تو ضرورت ہے کہ اس ملت کا ہر نام لیوا خواہ عامی ہو یا عالم، جاہل ہو یا مقتدار اپنے تمام اغراض اور مصلحتوں سے دست بردار ہو کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی کی فراست اور فاروق اعظم رضی کی جرأت سے کام لے کر میدان میں کود پڑے اور جو زبان و قلم اور جو ہاتھ بھی اس قصر محمدی میں شگاف پیدا کرنے کی سعی کرے۔ اسے ہمیشہ کے لئے خاموش اور مفلوج کر دیا جائے کہ بقول کسے یہ وقت "بدر و حنین کا ہے جمل و صفین کا نہیں۔ واللہ فی عونکم مادمتم فی عون الاسلام

دل آزار کتاب اور حکومت کا تجاہل عارفانہ

قومی اسمبلی میں مولوی فرید احمد صاحب کے ضمنی سوال کے جواب پر ڈاکٹر فضل الرحمان کی کتاب "اسلام" اور اس کی نہایت دل آزار مباحث زیر بحث آئے۔ مولوی فرید احمد نے استفسار کیا کہ کیا حکومت اس بات سے آگاہ ہے کہ اس کتاب نے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے اور لوگوں میں وسیع پیمانے پر برہمی پائی جاتی ہے۔ اس پر وزیر قانون نے کہا کہ ہم اس سے آگاہ نہیں ہیں لیکن ہم اس بارہ میں یقیناً غور کریں گے، مگر اس کے فوراً بعد وزیر قانون نے اس سوال کی توثیق کی کہ اس کتاب کے یہی حصے ماہنامہ "فکر و نظر" کے بعض شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ وزیر صاحب کا یہ تجاہل عارفانہ اور عوام کے جذبات سے لاعلمی کا اظہار نہایت قابل افسوس ہے۔ پھر ادارہ تحقیقات کی اس رسوائے زمانہ کتاب کی ذمہ داری سے حکومت کیسے سبکدوش

ہو سکتی ہے ؟ جبکہ ؏

بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

جہاں تک ڈائریکٹر صاحب کے "نظریات" کا تعلق ہے مسلمانوں کو اس بارہ میں زیادہ دیر تک مغالطہ میں نہیں رکھا جا سکتا۔ جب معاملہ دین اور اس کے اساسی معتقدات کا ہو تو اس کی حفاظت کا مسئلہ ہر شخصی، معاشرتی اور قومی و ملکی مفاد سے مقدم ہو جاتا ہے اور بحمد اللہ مسلمان دین کے تحفظ کے بارہ میں ابھی تک حساس ہیں جس کی مثال اسی کتاب "اسلام" کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ الحق نے اپنے ایک شمارہ (مارچ ۶۸ء) کے ادارتی نوٹ میں مذکورہ کتاب اور دیگر مضامین سے ڈاکٹر صاحب کے بعض لادینی نظریات کی ایک جھلکی پیش کی تھی خدا نے الحق کی یہ حقیر آواز دور دور تک پہنچا دی۔ ملک کے ہر طبقے نے ان نظریات پر نہایت حیرت اور افسوس کا اظہار کیا۔ بالخصوص مشرقی پاکستان میں تو اس کا ردعمل اور بھی شدید ہے۔ وہاں کے آئے ہوئے بعض خطوط اور اطلاعات کے مطابق اب تک لاکھوں افراد کے اجتماعات میں اس کتاب اور ادارہ تحقیقات کے خلاف احتجاج اور پورے صوبہ میں غم و غصہ کا اظہار ہو رہا ہے۔ وزیر قانون کا حکومت کو اگر اس وسیع پیمانے کی برہمی کا علم نہیں تو کم از کم راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس میں ایمانی جذبات کی روح پرور مناظر تو ان کے سامنے ہیں۔ پھر کیا وزیر قانون صاحب اس کانفرنس کی بعض خاص مجالس کو بھی اتنا جلد فراموش کر بیٹھے جس میں ان کے سامنے بعض جید علماء نے ڈاکٹر صاحب اور ادارہ تحقیقات کے نظریات کو کھول کر رکھ دیا تھا۔

(جولائی ۶۸ء ربیع الثانی ۸۸ھ)

شاگرد کو استادوں کی شاباش

ایک ثقہ معاصر راوی ہے کہ برطانیہ کے شہرہ آفاق علمی و استشراقی ششماہی مجلہ بلیٹن آف دی سکول آف اورنٹیل اینڈ افریکن اسٹڈیز کے ج ۲۹ (۱۹۶۶ء حصہ دوم) کے صفحہ ۳۹۵، ۳۹۴ پر ادارۂ تحقیقات اسلامیہ پاکستان کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمن کی انگریزی کتاب (ISLAMIC METHODOLOGY IN HISTORY) پر ایک تبصرہ شائع ہوا ہے اور یہ تبصرہ کولمبیا یونیورسٹی کے نامور پروفیسر شاخت (SCHAUGHT) کے قلم سے ہے۔

کتاب میں اجتہاد و سنت اور اجماع ایسے مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے اور یہی وہ مسائل ہیں جن پر ہمارے استشراق زدہ ماڈرن محققین اپنی ساری عمارت اٹھانا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب میں شریعت اسلامی کے ماخذ کی ارتقائی تاریخ بیان کرتے ہوئے کوشش کی ہے کہ قدیم اسلام کی مطابقت جدید حالات سے پیدا کی جائے اور قدیم اور راسخ العقیدہ طبقہ سے اپنی جدید تحقیقات کسی حد تک تو تسلیم کرائے جائیں۔ یہاں ہمیں ان مسائل و نظریات سے بحث نہیں۔ اس کا کچھ نہ کچھ ذکر الحق کے صفحات پر آتا رہتا ہے قابل توجہ و قابل تحسین و آفرین ہے، جو کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک غیر مسلم، ایک متعصب اور غالباً ایک یہودی پروفیسر نے مؤلف کتاب کی بارگاہ میں پیش کی ہے۔ اسلام کے مایہ ناز متدین مخلص محقق علماء، محدث، داعی اور خدا ترس راسخ العقیدہ مسلمان چیخیں چلائیں۔ ڈاکٹر صاحب اور ان کے حواریین کو اس سے کیا؟ کہ یہ تو راسخ العقیدہ گروہ اور حالات سے آنکھیں بند کرنے والوں کا ایک انبوہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے لئے تو یہی خوشی کافی ہے کہ ان کی داد و ستائش کے پرچے میکگل یونیورسٹی اور کولمبیا کے پروفیسروں میں ہو رہے ہیں۔ وہ پروفیسر جو بقول ڈاکٹر صاحب سائنٹفک طریقہ تحقیق اور جدید تجزیاتی و تنقیدی انداز فکر میں ان کے امام ہیں جس کے بغیر تعمیری اسلامی تحقیق کا کام ہو ہی نہیں سکتا۔ پروفیسر شاخت کی اس مدح سرائی کا حال سن کر قرآن کریم کی اس آیت پر ہمارا ایمان اور بھی مضبوط ہو گیا ہے جس میں خداوند تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:-

ولن ترضى عنك اليهود ولا النصارى حتى تتبع ملتهم۔	اور یہ یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ پوری طرح ان کی ملت کے پیرو نہ بن جائیں۔

اہل تجدّد کے لادینی جھٹکے

ان دنوں علمی اور دینی حلقوں میں بلا تکبیر و تسمیہ مشینی ذبیحہ کے بارہ میں ادارۂ تحقیقات اسلامیہ کا فتویٰ زیر بحث ہے۔ سود اور قمار کے جواز، حمر و میسر کی حلت بر تھ کنٹرول کو مستحسن اور زکوٰۃ کو ٹیکس اور نصوص شریعت کی بجائے صرف علل کو ابدی قرار دینے کے بعد اب "جھٹکے" کی حلت اور متروک التسمیہ ذبیحہ کی اباحت کا مسئلہ لہٰذا اللہ، مگر سوال صرف کسی ایک حرام کو حلال ٹھہرانے کا ہوتا تو بحث و تحقیق کے ذریعہ اس کا احتساب کیا جاتا۔ اب تو یہ معمول بن چکا ہے کہ ہفتہ عشرہ میں اس ٹکسال سے ضرور کوئی ایسا فتویٰ برآمد ہوتا ہے جس سے پاکستان کی پرسکون فضاء انتشار و افتراق کا شکار ہو اور بالآخر پاکستان کی غیور و متصلب اکثریت کے دینی احساسات اور لادینی جھٹکوں کے سامنے مجبور و بے بس اور نیم مردہ ہو کر رہ جائیں۔ جب سوال پورے دین کا مسئلہ بنانے اور تمام محظورات شرعیہ کو حلال ٹھہرانے کا ہو تو پھر ادارہ تحقیقات کو کسی مسئلہ میں ائمہ دین اور فقہا کے باہمی اختلافات یا قریبی دور کے کسی معاصر، غیر معاصر محقق عالم کی علمی رائے کا سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے، جس طرح جی چاہے فتویٰ داغ سکتی ہے۔ کون ہے جو اس کی آڑ آئے؟ رہے علماء حق اور دین و شریعت سے باخبر لوگ تو ان کا مصرف یہ رہ گیا ہے کہ کسی ڈیری فارم کا انتظام سنبھال لیں یا کوئی مرغی خانہ کھولیں یا شہد کی مکھیاں پال کر اور اسکواش بنا کر پیٹ پالنے کی فکر کریں تا کہ قوم کا کروڑوں روپیہ بچایا جا سکے۔ فتویٰ دینی تعلیم و تربیت اور حلال و حرام کی تمیز کرانے کا کام اب ادارۂ عالیہ کے سپرد ہے۔ پھر علماء کو کیا حق ہے کہ بقول ایک ممتاز اور ذمہ دار افسر کے ادارۂ تحقیقات کے ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمان کو "یتیم" سمجھ کر اس کے پیچھے پڑ جائیں اور بد تمیزی کی رو میں بہہ کر اسے قربانی کا بکرا بنا لیں۔ آہ! یہ دین بیچارہ کتنا مظلوم اور یتیم ہے کہ اسے قربانی کا بکرا بنانے کی تو کھلی چھوٹ ہو۔ اس غریب الدیار کو جھٹکا کرنے کی مہم تو عین مصلحت اور حالات کا تقاضا ہو مگر زبان پر دینی مسئولیت کی بنا پر کسی کا حرف شکایت لانا بد تمیزی اور انتشار پسندی ہو۔ رہا نفس مسئلہ تو ظاہر ہے کہ قرآن و سنت کی رو سے اس قسم کا ذبیحہ حرام ہے۔ (ج ۳ ش ۲ نومبر ۶۷، رجب ۸۷ ھ)

قربانی کی بجائے قیمت

ہمارے ملک اور بعض اسلامی ممالک میں دین کی روح سے نابلد ایسے روشن خیال اور تجدد زدہ افراد کی کمی نہیں جو آئے دن اپنی تحقیق و اجتہاد کی چھری اسلامی شعائر اور قطعی و متواتر احکام و عبادات پر چلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی عید الاضحیٰ کے موقعہ پر ایسے شوشے شوشے چھوڑ دیئے جاتے ہیں کہ قربانی کرنا جانوروں کی ضیاع ہے۔ اس سے قومی سرمایہ ضائع ہوتا ہے۔ اور بجائے قربانی کے اس کی قیمت کو رفاہی کاموں میں لگانا چاہیئے۔ علماء اسلام نے تفصیل سے ایسے شبہات اور وسوسہ اندازیوں کے معقول جوابات دیئے ہیں۔ اس دفعہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے اجلاس ۱۳۹۶ھ کے نوٹس میں الجزائری اخبار الشعب مجریہ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ میں شائع شدہ ایک الجزائری فتویٰ لایا گیا ہے، جس میں حج کے موقعہ پر قربانی کی بجائے اس کی نقد قیمت تقسیم کرنے کا کہا گیا تھا۔ رابطہ کی مجلس تاسیسی نے تفصیلی دلائل کے ساتھ ایک فتویٰ میں اس نظریہ کو غیر اسلامی قرار دیا کہ قرآن و سنت کے واضح نصوص نبی کریم علیہ السلام کے عمل، قولی و فعلی ہدایات اور عہدِ نبوت سے لے کر اب تک صحابہ کرامؓ اور امتِ مسلمہ کے تعامل سے ثابت شدہ مسائل و عبادات میں کسی رائے زنی کی گنجائش نہیں، تقرب الی اللہ خود ساختہ طریقوں سے لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کرنے سے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتلائے ہوئے طریقوں پر چلنے میں ہے کسی کام کے اقتصادی اور معاشی مصالح کے پہلو تب تلاش کئے جاسکتے ہیں جہاں امت کے اجماعی فیصلوں اور نصوص قطعی پر زد نہ پڑے اس لئے استبدال ذبائح بالثمن جیسے لایعنی مباحث کا دروازہ کھولنا ابتداع اور مداخلت فی الدین کے سوا کچھ بھی نہیں۔

مذکورہ ہر سہ قرار دادوں میں اسلامی نقطۂ نظر اور جمہور اہلسنت کے عقائد کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے اس لئے ایسی قرار دادیں عالم اسلام کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کے اطمینانِ قلب و زیادتِ ایمان کا باعث ہیں۔ دوسری طرف مغرب سے متاثر خام اذہان کو بھی تنبیہ ہو جاتی ہے۔ کہ ایسے مسائل میں عالمِ اسلام کی اکثریت کسی بھی ملحدانہ خیالات کی روادار نہیں۔

مشاورتی کونسل اور قانونِ وراثت وارتداد

اسلامی مشاورتی کونسل نے حکومت سے سفارش کی ہے کہ ملک میں موجودہ قانونِ وراثت کی بجائے اسلامی قانونِ وراثت نافذ کیا جائے اور مرتد ہونے والے مسلمانوں کو آبائی جائداد سے محروم کر دیا جائے اور اسلامی احکام کے مطابق انہیں موت کی سزا دی جائے۔ کونسل نے یہ بھی سفارش کی ہے کہ ملک میں ایسے منظم افراد یا اداروں کا فوری محاسبہ کر کے انہیں سخت ترین سزائیں دی جائیں جو مسلمانوں کو مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعہ مرتد بنانے میں مصروف ہیں۔ کونسل نے اپنی سفارشات میں جو صدر مملکت کو پیش کر دی گئی ہیں اس امر پر اظہار تشویش کیا ہے کہ ملک میں منظم طور پر مسلمانوں کو غیر مسلم بنانے کا کام جاری ہے جس کا محاسبہ نہیں کیا جا رہا، حالانکہ اسلام میں مرتد بنانے والے بھی قابل تعزیر ہیں۔ کونسل نے یہ بھی کہا کہ ایک اسلامی اسٹیٹ میں مسلمانوں کے درمیان اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔ جہاں تک سفارشات کا تعلق ہے تمام اسلام پسند حلقے اس کی تحسین و تائید کریں گے۔ خدا کرے حکومت ان سفارشات کو عملی جامہ بھی پہنا سکے کہ اب تک اس قسم کے مشورے "سفارشات" سے زیادہ مقام نہیں پا سکے۔ اگر اس ضمن میں کونسل نے ارتداد کے واضح مفہوم اور دوٹوک حقیقت پر بھی روشنی ڈالی ہوتی تو اچھا ہوتا کہ اب تک مرتد کو مرتد نہ مانا جائے اسے سزا کب دی جا سکتی ہے:۔ اس میں شک نہیں کہ ملک میں وسیع پیمانے پر ارتداد کا کام جاری ہے۔ ہماری افرادی قوت عیسائیت اور قادیانیت کی گود میں جا رہی ہے۔ کونسل جیسے ذمہ دار ادارہ کو ایسے تمام منظم اور غیر منظم افراد اور اداروں سے بھی پردہ اٹھانا چاہیئے تھا کہ مسلمانوں کو تنبیہ ہو جاتی اور "سفارشات" کا کوئی ثمرہ تو نکل آتا۔ کونسل کی "سفارشات" کا کوئی ثمرہ تو نکل آتا۔ کونسل کی سفارشات میں اسلامی قانونِ وراثت رائج کرنے کا بھی ذکر ہے۔ اس ضمن میں وضاحت طلب امر یہ ہے کہ کونسل کی مراد ان قوانین سے امت مسلمہ کے متوارث اور قطعی قوانین ہیں یا وہ "اصلاح یافتہ" قوانین جن میں پوتے کی وراثت جیسی دفعات بھی شامل ہیں جن کے لئے پوری اسلامی تاریخ میں کوئی سند اور نظیر نہیں ملتی۔ اگر معاملہ دوسرا ہے تو جس طرح رائج الوقت قانون بقول کونسل کے قرآن و سنت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا اسی طرح اسلامی قوانین کے ترمیم شدہ ایڈیشن سے بھی خرابی دور نہ ہوگی۔ معاملہ سلجھے گا نہیں بگڑتا چلا جائے گا کہ انسانی حالات اور تقاضوں کا سب سے زیادہ جاننے والا اس کا خالق ہی ہے۔

تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون

دیگراں رانصیحت خود را فضیحت

سابق مرکزی وزیر قانون و پارلیمانی امور مسٹر الیس ایم ظفر نے ہیری بنجمن اور آر ای ایل ماسٹرز کی لکھی ہوئی کتاب "دی پراسٹیچیوٹ ان سوسائٹی" کی اشاعت کے خلاف احتجاج کیا ہے، جس میں سرور کونین کے بارہ میں قابل اعتراض مواد موجود ہے۔ مرکزی وزارت داخلہ کے نام ایک خط میں انہوں نے ایسی کتاب پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے جس میں آنحضور کی ذات گرامی پر بدترین حملے کئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ شرانگیز اور ہتک آمیز کتاب سخت ترین مذمت کی مستحق ہے۔ غیر مسلم اقوام کی ایسی ذلیل اور شرمناک جسارتوں پر جتنی بھی لعنت بھیجی جائے کم ہے۔ یورپ ایک مدت سے بعض اغراض کی خاطر یہ رسواکن کھیل کھیل رہا ہے مگر اصل علاج چند روزہ غوغہ آرائی نہیں، مسلم قوم تمام انبیاء اور پیشوایان مذاہب کی عظمت و احترام پر مجبور ہے اور یورپ اس مجبوری سے غلط فائدہ اٹھا رہا ہے اگر مسلمان قوم بھی یورپی اقوام کی طرح مذہب و اخلاق کے بندھنوں اور شرافت کے تقاضوں سے آزاد ہوتی تو اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جاتا لیکن مسلمان تو ہر حال میں نہ صرف اپنے آقا خاتم النبیین علیہ السلام بلکہ سیدنا عیسیٰ مسیحؑ، سیدنا موسیٰؑ اور دیگر تمام انبیاء کی پاکیزہ اور معصوم شان کی ناخلف امتوں کی دست درازیوں سے حفاظت و برأت کا ذمہ لیا تو وہ برائی کا جواب بدی سے کب دے سکتی ہے۔ ہاں اس کا جواب اگر ہے تو یہی کہ کاش! مسلمانوں کے دست و بازو اتنے مضبوط اور عزم و ایمان اتنا راسخ ہوتا کہ ایسی گستاخ زبان کو گدی سے نکال سکتا۔ اور خیرہ چشمی پر ان کی آنکھیں پھوڑ سکتا ۔۔۔۔ سابق وزیر قانون کے احتجاجی بیان کی حرف بحرف تائید کرتے ہوئے ہم اپنی اس حیرت کو نہیں چھپا سکتے جو موصوف کے اس تازہ اور کچھ عرصہ قبل کے طرز عمل کو دیکھ کر ہمیں لاحق ہوئی۔ موصوف کے وزارت کے زمانہ میں ڈاکٹر فضل الرحمان نے بھی ایسی ہی ایک رسوائے زمانہ کتاب لکھی تھی اور اپنی جرأت رندانہ سے پوری ملت کو شدید اذیت پہنچائی تھی۔ نبی کریم کی شان اقدس میں کیا کچھ نہیں تھا جو اس بیہودہ شخص نے نہیں لکھا تھا۔ ہم نے اسلامی کانفرنس کے دوران انٹرکانٹی نینٹل کے ایک بند کمرہ میں وزیر موصوف

کی زبان سے بھی ڈاکٹر صاحب کے بارہ میں نہایت غلیظ ریمارکس سے بھتے مگر چند دن بعد اخبارات کے صفحات پر اچانک وزیر صاحب موصوف ڈاکٹر صاحب کے وکیل صفائی بن کر ظاہر ہوئے اور ڈاکٹر صاحب کی مدافعت اور براءت میں پورا زورِ وکالت صرف کیا تھا۔ اس تضاد کی توجیہہ یہی ہو سکتی ہے کہ موصوف کا وہ جذبۂ ایمانی اور حمیت اسلامی اب پابند قید اقتدار نہیں رہا جس کی گرفت میں آ کر لبا اوقات انسان کی "ایمانی حس" مصلحت پرستی اور حب جاہ اور خوف و لالچ کے دبیز پردوں میں دب کر رہ جاتی ہے مگر مقام عزیمت تو یہی ہے کہ قعر دریا میں رہ کر بھی انسان اپنے دامن کو تردامنی سے بچائے رکھے۔ (ج ۵ ش ۵ فروری ۷۰ء ذی الحجہ ۸۹ھ)

شانِ رسالت اور مستشرقین کی غیر شریفانہ جسارت

حال ہی میں ہندوستان میں حضور نبی کریم فخر کائنات رحمت العالمین کی اعلیٰ وارفع شان میں مشہور مورخ ٹوائن بی کی گستاخانہ حرکت پر مظاہرے ہوئے۔ بلا شبہ ناموسِ رسالت پر مرمٹنے والوں کا جان و مال سے بے نیاز ہو کر میدان میں کود پڑنا تقاضائے دین و ایمان ہے اور کوئی مسلمان ذلیل یورپ کی آئے دن کی ایسی کمینہ حرکات پر خاموش نہیں رہ سکتا۔ ٹوائن بی اسلام کے حق میں مغربی علماء میں وسیع الظرف، حقیقت پسند اور صاف گو مشہور تھے مگر بالآخر اس کی اسلام دشمنی اور بدطینتی سے بھی مصنوعی پردہ سرک گیا اور حقیقت ظاہر ہو گئی کہ یورپ کا کوئی سکالر اور بڑے سے بڑا مورخ بھی اسلام اور نبی کریمؐ کے بارہ میں مخلص اور بلند حوصلہ نہیں ہو سکتا خواہ اس کا علم و تحقیق اسے اعتراف حق اور حق شناسی پر اسے بارہا مجبور کیوں نہ کر چکا ہو ٹوائن بی کی اس غیر شریفانہ جسارت نے اس کی علمی ساکھ کو جو دھکا لگایا ہے اب وہ عمر بھر اس کی تلافی نہیں کر سکے گا۔ ٹوائن بی کے اس قابل مضمون کو ہندوستان کے ایک ہندو اخبار نے شائع کیا کہ اسے تو اپنے لیڈر گاندھی کی شخصیت اچھالنے کا ایک موقع ہاتھ آیا تھا لیکن کیا ہمارے بعض سرکاری حلقوں کو زیب دیتا ہے کہ وہ اس واقعہ کو سیاسی سٹنٹ کے طور پر استعمال کریں۔ ایسی باتوں کا وزن، عمل اور کردار کی کسوٹی پر معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ اس معیار پر ہم خود کیسے

اترتے ہیں؟ خود ہمارے ہاں حضور سرورِ کائنات علیہ السلام کی عظمت و تقدیس کتنی محفوظ ہے ہمارے قلوب میں کیا ان کی ذات، ان کی نبوت، ان کی سیرت اور ان کی سنت کی اعلیٰ وارفع اور تشریعی حیثیت پر دست اندازی کرنے والوں کا ہم خود کچھ محاسبہ کر رہے ہیں؟ یا انہیں مختلف طریقوں سرکلر، پریس نوٹ اور سرکاری نوٹسوں کے ذریعہ تحفظ دے رہے ہیں؟ کیا ہم حضور نبی اولین و آخرینؐ کی قبائے افتخار، ختمِ نبوت کی عصمت و حرمت کو مجروح کرنے والوں کو کلیدی مناصب سے نہیں نواز رہے؟ کیا ہمارے ہاں نبوت کے لوازم حیات، وحی، اس کی عصمت اور کلام اللہ کی اعجازی حیثیت پر ریسرچ اور تحقیق کے نام سے ہاتھ نہیں چلایا جا رہا؟ کیا فضل الرحمان، غلام احمد پرویز اور بیسویں صدی کے مرزائی دجال سے بڑھ کر توہینِ رسولؐ کا مرتکب بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ عیسائی یا کوئی دوسرا غیر مسلم اگر گستاخی کرے تو اسے شرک اور کفر کی وجہ سے اس کے عناد پر حمل کیا جائے گا، مگر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر علم و تحقیق اور الہام و مکاشفہ کی کمین گاہ میں بیٹھنے والے ڈاکوؤں سے ہمارا سلوک کیسا ہے۔ اگر کسی مسلم قوم اور کسی "اسلامی مملکت" میں حضورؐ کی عظمت اسلام کی حرمت اور اس کے بنیادی تقاضے محفوظ نہیں ہیں تو اسے کب زیب دیتا ہے کہ "ایسی غیر مسلم حرکات" پر چیخ و پکار کر کے اپنی سیاست کا الو سیدھا کرنا چاہیے جبکہ خود اپنے ہاں ایسی بے باکانہ جرأتوں کو نہ صرف یہ کہ بے لگام چھوڑ دیا گیا ہو بلکہ سرکاری سطح تک ایسے لوگوں کی صفائی کی جاتی ہو۔ ہاں اگر ہمارے قلوب عظمتِ نبوت اور مقامِ رسالت کے اعتراف سے معمور ہیں تو احتجاج تو کیا اگر ہماری جان و مال اور پوری متاعِ حیات بھی ناموسِ نبوت کی حفاظت پر قربان ہو جائے تو اس سے اہم فریضہ اور اس سے بڑھ کر سرمایہ سرخروئی اور کیا ہو سکے گا؟

برطانیہ کا اسلامی ثقافتی جشن

خبر گرم ہے کہ ۱۰ اپریل سے برطانیہ میں ایک عالمی اسلامی ثقافتی میلہ ؟ یا ورلڈ آف اسلام فیسٹول کا انعقاد ہو رہا ہے جو اگست تک جاری رہے گا اور اس میں عالم اسلام کی تہذیب و ثقافت، آرٹ و کلچر خطاطی، نوادرات، قدیم و جدید مطبوعات کی نمائش کی جائے گی اور اسلام کے مختلف پہلوؤں پر بحث و مذاکرہ بھی ہوگا۔ کچھ لوگ اسے مغربی دنیا میں اسلام کے بہترین ہمہ گیر تعارف کا ذریعہ کہتے ہیں۔ اور کوئی اسے اسلامی اور مغربی دنیا کے باہمی ارتباط اور قرب کا موجب سمجھتا ہے۔ ہمیں اس عظیم اور وسیع کثیر المصارف منصوبہ کے پس پردہ محرکات، عوامل اور رجال کار کا تفصیلی علم ابھی تک نہیں ہوا اور نہ ہم قبل از وقت کسی اچھے یا برے خیالات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کرے یہ مہرجان اسلامی یورپ میں اسلام کے صحیح تعارف کا ذریعہ بن جائے۔ مگر ہم اسلام کے بارہ میں مغرب کے معاندانہ رویہ، مستشرقینِ یورپ کی طویل سازشوں اور علمی کاموں میں درپردہ اسلام دشمن منصوبوں اور عزائم کو دیکھتے ہوئے اس فیسٹول کے بارہ میں چوکنا ہوئے بغیر بھی نہیں رہ سکتے۔ بیرونی خبروں سے پتہ چلتا ہے کہ اس عظیم منصوبہ کا محرک اور منتظم تیس ۳۰ سالہ پال کیلر نامی ایک غیر مسلم ہے جو آرٹ اور کلچر کا دلدادہ ہے۔ برطانیہ کے بڑے بڑے اخبارات بھی اس جشن کے تعارف میں پیش پیش ہیں۔ لندن ٹائمز اور فنانشل ٹائمز تو تفصیلات پر مبنی رنگین ضمیمے بھی شائع کر رہے ہیں۔ اس مہرجان علمی کا افتتاح ملکہ الزبتھ کر رہی ہیں۔ منتظمین کی طرف سے مطبوعہ اصل پروگرام ہمارے سامنے ہے۔ اس میں علم و ادب کے ساتھ ساتھ موسیقی، رقص و سرود، مصوری اور تصویر سازی پر مبنی کئی پروگرام بھی شریک ایجنڈا ہیں۔ اسلامی دنیا میں پائی جانے والی موسیقی کو پہلی دفعہ مکمل شکل میں کئی ہالوں میں پیش کرنے کے آئٹم ہیں۔ مغل شہنشاہوں کے دور کی عریاں تصاویر اور تجریدی آرٹ متعارف کرانے کا پروگرام ہے۔

یہ اور ایسی کئی باتیں ہیں جو اس پروگرام کے بارے میں خدشات کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ ہمیں اتنا خوش فہم بھی نہیں ہونا چاہیئے کہ گویا راتوں رات اسلام کے بدترین دشمن مغرب اور برطانیہ کو اسلام کی تبلیغ و تعارف کا شوق لگ گیا یا اس نے اسلام کی صداقتوں کے سامنے گردن نہاد ہو کر یورپ کے دروازے اسلام کے خیرخواہوں کے لئے چوپٹ کھول دیئے نہ ہم اسلام کو ایک ایسا معجون مرکب سمجھتے ہیں جس کے خمیر کا قوام نام نہاد آرٹ و کلچر، رقص و موسیقی اور تصویر و تصویر سازی سے اٹھایا گیا ہے۔ اسلامی دنیا کے جو اہلِ خیر اور ارباب علم و فضل اپنی نیک نیتی سے اس پروگرام کے نظم و نسق میں حصہ لے رہے ہیں، ان کی ذمہ داری بڑی نازک ہے، دنیا کے کروڑوں مسلمان اہل علم اور اسلامی ادارے اس "میلہ" پر گہری اور عمیق نگاہ رکھیں کہ مبادا کہیں یہ عیار اور مکار یورپ کی شاطرانہ چالوں میں سے ایک چال نہ ہو، یہودیت اور استشراق حالات اور انقلابات کے ساتھ سانپ کی مانند اپنی کینچلی بدلتی رہتی ہے۔ اور ایسی خبریں آبھی چکی ہیں۔

مستشرقین کے نئے حربے

پچھلے سال مؤتمر استشراق نے اپنی انیسویں کانفرنس میں فیصلہ کیا کہ آئندہ کانگریس کو ایشیا اور شمالی افریقہ کی انسانی علوم کی کانگریس سے پکارا جائے گا۔ یعنی جو مقاصد اب تک استشراق کے نام سے حاصل کئے جاتے تھے اب اسے اور ناموں سے پورا کیا جائے گا۔ فرانسیسی جریدہ لی موند نے اس اعلان کو استشراق کی موت سے تعبیر کیا ہے۔ ایک مستشرق جیک بیرک نے کہا کہ اس طرح استشراق کا دور ختم ہوگیا۔ مگر یہ درحقیقت دام زرین کو نیا رنگ دینے اور سانپ کا لباس بدلنے والا معاملہ ہے۔ اور ایک ایسا ہی اعلان ہے جیسا کہ سنہ ۱۹۳۴ء میں مسیحی مبلّغ ڈاکٹر زویمر نے مشنری سرگرمیوں کو ختم کر دینے کے بارہ میں کیا تھا مگر ساتھ ہی آگے چل کر اس کی تشریح اس طرح کی کہ اب ہمارا مقصد مسلمانوں کو عیسائی بنانا نہیں۔ البتہ ہمارا ہدف یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے نکال دیا جائے۔ اور اب یہ کام ثقافت و کلچر اور صحافت کے ذریعہ ہونے لگا ہے۔ گویا یہ تبشیر و ارتداد کی سرگرمیوں کی ایک مرحلہ کی تکمیل اور دوسرے مرحلہ کا آغاز تھا۔ یہی انداز استشراق و

استعمار کا ابتدا ہی سے اسلام کے بارہ میں رہا ہے۔ ان کا طریق کار نہایت گہرا، طویل المیعاد اور دور رس نتائج پر مبنی رہا ہے۔ بے شک مسلمانوں کو علمی اور ثقافتی کاموں میں تنگ دل اور متعصب نہیں ہونا چاہیئے مگر دشمن کے عزائم، طرزِ عمل اور چالبازیوں سے یکسر آنکھیں بند کر دینا بھی مسلمانوں کا شیوہ نہیں نہ مسلمان کو اتنا وسیع الظرف اور وسیع المشرب ہونا چاہیئے کہ آزاد خیالی کی لگن میں وہ اپنی ثقافت اپنا ورثہ اور اپنا اسلامی تشخص بھی ہاتھ سے دھو بیٹھے۔ نئے دور میں اسلام اور صلیبیت کی محاذ آرائی توپ و تفنگ کے دائروں سے نکل کر قلم و قرطاس اور علم و فن کے مورچوں میں داخل ہو چکی ہے۔ اور اب اسلام کو فولاد و ایٹم سے نہیں علم و تحقیق کے اسلحہ سے نیست و نابود کر دینے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ ہمیں جنگ کے ان نئے طور طریقوں میں بھی محتاط رہنا چاہیئے۔ اور پہلے کی طرح اس محاذ پر بھی دشمنانِ اسلام پر اسلام کی ابدی صداقت و حقانیت کی ابدی مہر لگا دینی چاہیئے۔

ماڈرن ازم

یا

باطنیت کا نیا روپ

اسلام کو ماڈرن بنانے اور اسے زمانہ اور انسانی خواہشات کے ساتھ چلانے کے لئے اس میں تحریف و ترمیم کرنے والوں کی ایک خاص تکنیک یہ بھی ہے کہ قرآن و سنت کے الفاظ و اصطلاحات کے جو معانی اور مفہوم خود شارع ؑ نے متعین کئے ہیں اور جن کے حقائق عصراً بعد عصرِ ملتِ مسلمہ میں تو اتر اور تسلسل سے چلے آرہے ہیں۔ ان قطعی اور ابدی معانی کا اپنے الفاظ و اصطلاحات سے تعلق اور رشتہ کاٹ دیا جائے۔ اور پھر نبوت و رسالت، سنت و اجتہاد۔ اجماع و قیاس۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ۔ وغیرہ شرعی اصطلاحات کی جو من مانی تشریح دل میں آئے وہ اختیار کی جائے اور ان میں اتنی توسیع (EXTENTION) کر دی جائے، کہ یورپ کی دجالی تہذیب و تمدن کے تمام مسائل و مفاسد، سودی بنکاری، قمار بازی رقص و سرود، ثقافت و کلچر، زناکاری، شراب نوشی، بے پردگی، مخلوط تعلیم اور مساواتِ مرد و زن وغیرہ پر اسلام کا ٹھپہ لگایا جا سکے۔ اسلام کے فکری و عملی نظام کو تہ و بالا کرنے کے لئے عصرِ حاضر کے نام نہاد متجددین اور محققین یہی حربہ آزما رہے ہیں۔ اب تک جو نمونے اس تلبیس و تحریف کے سامنے آچکے ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں:۔

(۱) قرآن کی صرف علل غایات ابدی ہیں۔ احکام میں بدلے ہوئے حالات کے تحت تصرف کیا جا سکتا ہے۔

(۲) سنت کا معنی کسی بھی فرد یا جماعت کی شخصی رائے ہے اور اس کا قبولِ عام حاصل کرنا اجماع ہے۔

(۳) زکوٰۃ سے مراد اسلامی حکومت کی ٹیکس ہے اور حکومت زکوٰۃ کے منصوص مقادیر اور مصارف میں ردّوبدل کر سکتی ہے۔

(۴) قرآنی ربٰو موجودہ تجارتی سود اور منافع کو شامل نہیں۔

(۵) خمر کا لفظ شراب کی موجودہ کئی قسموں کو شامل نہیں (ملاحظہ ہو ادارہ تحقیقات اسلامیہ کے مختلف رسائل "فکر و نظر")

قرآنی اصطلاحات کی نئی لغت | انہی حضرات کے یارانِ تیز گام منکرینِ حدیث اور ان کے سرخیل مسٹر پرویز تو اس قرآنی تحریف و تلبیس کو پہلے سے امّتِ مسلمہ کا نسخہ شفا قرار دے چکے ہیں، مسٹر پرویز لکھتے ہیں:۔

"ہمارے ہاں قرآن کے الفاظ کا جو مفہوم مروّج ہے وہ بیشتر غیر قرآنی ہے[۱]۔ مزید ارشاد ہے کہ قرآن کے یہ متعیّن معانی و مفاہیم چند تصورات و رسومات کی لاشیں ہیں جنہیں مسلمانوں نے سینے سے لگا رکھا ہے[۲]، مسلمانوں کو ان لاشوں سے الگ کرنے کا علاج اس امام الضالین کے نزدیک یہ ہے کہ قرآن کے تمام مصطلح الفاظ کی ایک نئی لغت مرتب کی جائے جس کی خصوصیت یہ ہو کہ "قرآن کا جو مفہوم اس لغت کی روشنی میں متعیّن کیا جائے گا وہ ہر آنے والے زمانے کی علمی سطح کے ساتھ ساتھ (IMPROVE) ہوتا، بدلتا یا بڑھتا جائے گا"[۳]

ان کی بدقسمتی کہ اس سائنٹیفک ریسرچ کا سہرا بھی ان کے سر نہیں بلکہ یہ لوگ تحقیقات میں اپنے ان اساتذہ یہودی مستشرقین شاخت وغیرہ کے دریوزہ گر ہیں۔

باطنیت کی تجدید | جن کی اسلام دشمنی کو قرآنِ کریم بارہا صریح الفاظ میں واضح کر چکا ہے اور دجل و تلبیس جن کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے (من الذین ھادوا یحرفون الکلم عن مواضعہ)

۱؎ قرآنی فیصلے ص ۲۶۰

۲؎ اسباب زوالِ امت ص ۱۷

۳؎ قرآنی فیصلے ص ۲۶۶

متجددین اور مستشرقین کا یہی فتنہ تیسری صدی ہجری میں باطنیت کے روپ میں ظاہر ہوا جس نے دین و شریعت کی تمام اصطلاحات کے نئے معانی اور مفہوم متعین کئے۔ دین کے بنیادی اصولوں تک کو بدل ڈالا۔ اس فرقہ کو مصر میں صدیوں تک عبیدی سلطنت (فاطمیین سنہ ۲۹۶ تا سنہ ۵۶۷ھ) کی شکل میں اقتدار و عروج حاصل رہا اور اقتدار کے سایہ میں مسلسل اسلامی عقائد و اعمالِ شریعت و سنت سے تمسخر و تلاعب ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ قانونِ میراث میں ترمیم کی گئی۔ تراویح اور صلوٰۃ الضحیٰ (چاشت) پڑھنے پر لوگوں کو تعزیر دی جانے لگی۔ اسی سلطنت کے ایک فرمانروا الظاہر الدین اللہ نے شراب کی عام اجازت دی۔ اہلِ حق مقہور و مظلوم اور اہلِ ہوا غالب و حاوی رہے۔ یہاں تک کہ حفاظتِ دین کے لئے سنتِ خداوندی کا ظہور سلطان صلاح الدین ایوبی علیہ الرحمۃ کی شکل میں ہوا جنہوں نے اس فتنے کی سرکوبی کی[۱]۔

یہ امر تعجب سے خالی نہ ہوگا کہ اس فرقہ میں بھی یہودیت کی روح کارفرما تھی۔ کیونکہ محققین انساب کے نزدیک بالاتفاق ان لوگوں کا مورثِ اعلیٰ عبید مجوسی یا یہودی تھا۔

قاہرہ سے متجددین کے منہ پر طمانچہ

مجمع البحوث الاسلامیہ (قاہرہ) کی دوسری اسلامی کانفرنس میں شرکت کے بعد حضرت مولانا مفتی محمود صاحب (قائد جمعیۃ العلماء اسلام) نے اپنے بیان میں یہ ایمان پرور انکشاف کیا کہ چالیس ممالک کی اس کانفرنس کے ایک سو مندوبین نے اسلام کے منافی رجحانات اور تحریفات کی بیخ کنی کے سلسلے میں متعدد اہم قرار دادیں منظور کیں۔ ان تمام علماء نے متفقہ طور پر اس حقیقت کی وضاحت کی کہ زکوٰۃ محض ایک عبادت ہے۔ اسے ٹیکس قرار دینا اس کی شرح میں ترمیم کرنا اسلام کے قطعاً منافی ہے۔ بنک کا سود کم ہو (مفرد) یا مرکب (سود در سود) دونوں حالتوں میں حرام ہے۔ کانفرنس نے ازروئے اسلام ایک سے زائد بیویاں رکھنے (تعددِ ازدواج) کو

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب الخطط والآثار للمقریزیؒ اور الصواعق المرسلۃ لابن قیمؒ

بھی جائز قرار دیا۔ اور یہ کہ کوئی حکومت اس شرعی اجازت کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے پرسنل لاء میں دخیل نہیں ہو سکتی"۔

گو یہ تمام امور از روئے قرآن و سنت پہلے سے طے شدہ ہیں۔ مگر عالم اسلام کے ممتاز علماء کے ان توثیقی اور اجماعی قرار دادوں سے ان تجدد پسندوں کی حوصلہ شکنی اور مایوسی ضرور ہوگی جو اپنے ملحدانہ عزائم کی بناء پر اسلام کو مشقِ تحریف و تلبیس بنانا چاہتے ہیں۔ اور ان ذلیل مقاصد کے لئے خلقِ اسلام[1] کے نئے نئے فتنے کھڑے کر رہے ہیں۔ ان فیصلوں سے یہ خوش آئند نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ بحمد اللہ عالم اسلام کے تمام علماء حق (زمین کے جس حصہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں) دین کے بارہ میں زمانہ اور حالات سے متاثر نہیں ہوئے۔ ان کے نزدیک اسلامی اقدار اٹل ہیں۔ حالات کو بدلنا چاہیئے اسلام کو نہیں۔

مغرب زدہ طبقہ کا غلط سہارا ان قرار دادوں کا دوسرا مفید رُخ یہ ہے کہ ہمارے ہاں مغرب زدہ حلقے بسا اوقات اپنے غلط نظریات و تحریفات کے لئے علماء مصر و ازہر کے اقوال کا غلط سہارا لیتے ہیں۔ ان قرار دادوں نے ان کا یہ غلط سہارا بھی چھین لیا ہے کہ ایسے غلط اقوال اور فتوے بعض ٹیڑھے اذہان اور گمراہ قلوب کی پیداوار ہوتے ہیں۔ متبحر اور جمہور علماء کے نہیں۔ اور غلط بات کے لئے جہاں سے بھی استدلال ہو اسے غلط ہی کہا جائے گا۔ مجمع البحوث کی ان ان مومنانہ قرار دادوں کی منظوری پر ہم تمام مندوبین کو عموماً اور پاکستانی وفد کے ارکان کو خاص طور سے مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ ان کے مساعی کا ان قرار دادوں میں خاص حصہ ہے۔

---

[1] "فتنہ خلق قرآن" کو تلمیح ہے۔

باب ۶
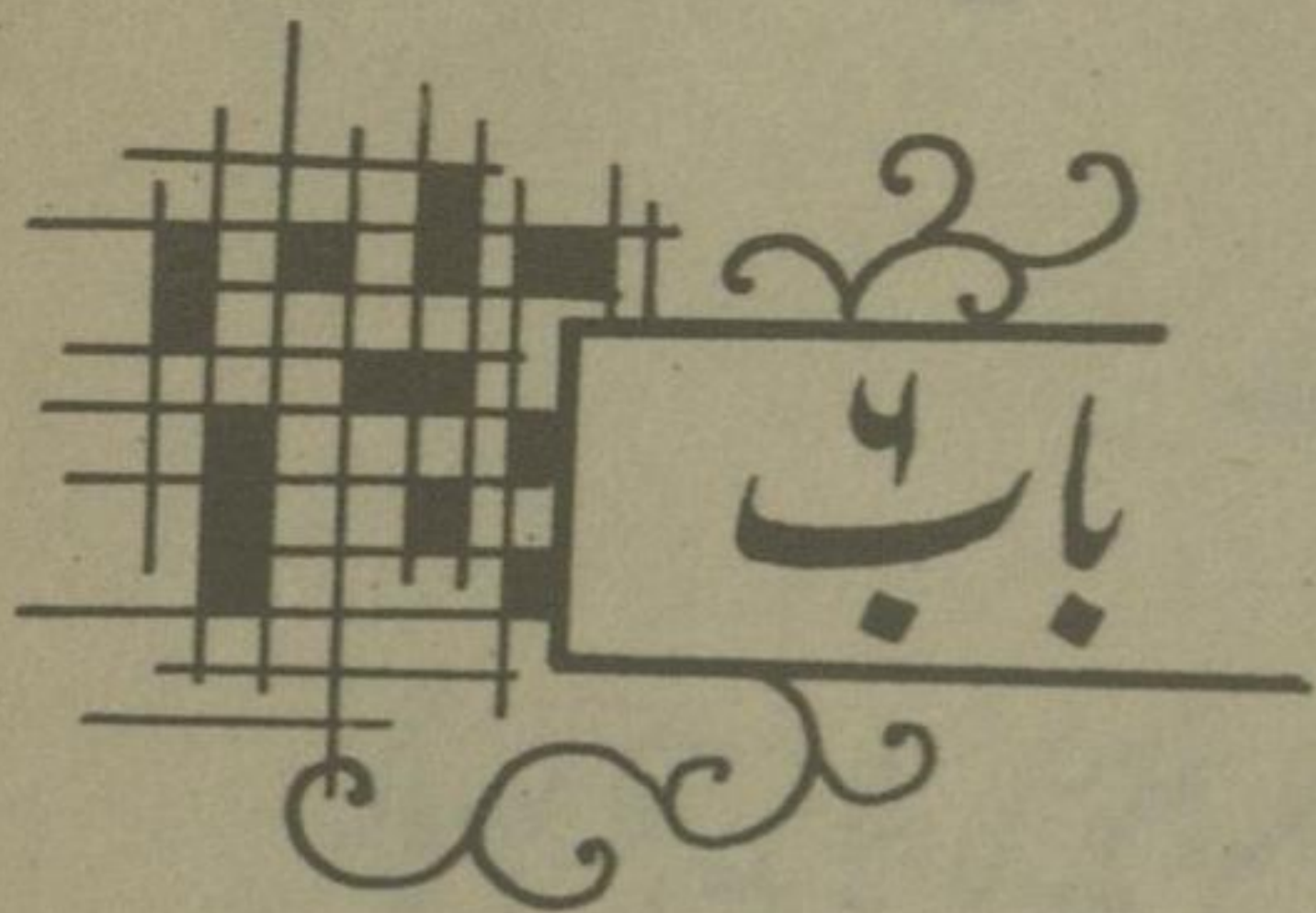
اسلام اور سائنس

عصرِ حاضر کے خلائی اور تسخیری کارنامے

"سَنُرِیْهِمْ اٰیَاتِنَا فِیْ الْاٰفَاقِ
وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ
اَنَّهُ الْحَقّ"

اسلام اور عہدِ حاضر کے

سائنسی کارنامے

پچھلے دنوں روسی سائنسدانوں کے اس اعلان نے علم وتحقیق کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا کہ روس کے محکمہ "خلائی تحقیقات" نے لونا بم "کو سطح چاند پہ اتار دیا۔ اور وہاں سے معلوماتی اطلاعات فراہم کیں۔ پھر چند دن بعد زہرہ سیارہ پہ بھی کمند ڈالنے کی خبروں نے دنیا کو مزید حیرت میں ڈال دیا۔ جبکہ چاند کی مسافت کا اندازہ سائنسدانوں کے نزدیک اڑھائی لاکھ میل کے قریب ہے۔ اور نظامِ شمسی کے اس دوسرے سیارہ زہرہ کی مسافت (بقول سائنسدانوں کے) اس وقت ہم سے ساڑھے سترہ کروڑ میل دور ہے۔

انکشافات کا عہد موجودہ دور جو اپنے طبعی تحقیقات، علمی وفنی ایجادات اور انکشافات کے لحاظ سے بجا طور پہ تاریخ کا اہم ترین دور ہے اور مستحق ہے کہ اسے انکشافات و ایجادات کے عہد سے یاد کیا جائے۔ روس کے اس محیر العقول کارنامہ سے جو بلاشبہ سائنس اور انکشافات کی دنیا میں ایک عظیم اور قابلِ فخر کارنامہ ہے جہاں علم اور سائنس کی دنیا میں ایک غلغلہ بلند ہوا ہے، وہاں بعض حلقوں میں اس پہ حیرت اور تعجب کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مذہب کا عمیق مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض سطحی اذہان شکوک وشبہات کے شکار ہوئے۔ کہ سائنس کے ان نت نئے انکشافات اور محسوسات کے اس مشاہدہ اور تجربوں میں اسلام کہاں تک ساتھ دیتا ہے۔ اور کیا تسخیر کائنات کی یہ لامتناہی کامیابیاں اور یہ برق رفتار پیش قدمیاں اسلام کے کسی اصول سے ٹکراتی تو نہیں۔؟ اور اس عالم کائنات وبادیات کے بارہ میں اسلام کا کوئی ایسا متوارث نظریہ یا عقیدہ تو نہیں جو انکشاف اور تسخیر کے کسی کارنامہ سے جوڑ نہ کھاتا ہو۔؟ —— آج کی فرصت میں ہم اس نقطۂ نگاہ سے تسخیرِ

کائنات اور سائنس کے دیگر کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں. تاکہ ایک طرف ان شکوک و شبہات کا ازالہ ہوسکے جو اذہان کی ناپختگی کی وجہ سے اسلام کے بارہ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اس احساس کہتری کا ازالہ بھی ہو جن کے شکار بعض حضرات ان کارناموں کی پُرفریب چمک دمک کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ اور بالآخر یہ احساس ان اسلامی اذہان و قلوب کو اپنے مذہب کے بارہ میں مایوسی اور افلاس، غیروں کی ذہنی غلامی، اور فکری مرعوبیت میں مبتلا کر کے رکھ دیتا ہے۔

مذہب اور سائنس کے حدود کار جہاں تک مذہب اور سائنس کے باہمی ٹکراؤ اور تصادم کے خدشات اور وساوس کا تعلق ہے۔ عقل و فہم کی اس کج روی اور فہم و نظر کی اس گمراہی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان اذہان میں مذہب اور سائنس کے دائرۂ کار اور حدود و رفتار کا تعین نہیں ہوسکا۔ حالانکہ مذہب اور سائنس کی راہیں بنیادی طور پر جدا جدا اور دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں۔ سائنس و تحقیق اور علم و انکشافات کا سروکار اس عالم محسوسات و مادیات سے ہے۔ جو کسی طرح بھی ہمارے حواس و مشاہدات میں آسکتے ہیں۔ اور مذہب کی ساری جولانی غیب کی اس دنیا میں ہے جو ہمارے محسوسات سے وراء الوراء ہے، وہ ہمیں اس دنیا کی حقیقتوں کی خبر دیتا ہے۔ جہاں تک ہمارے عقل و ادراک اور احساس و شعور کی رسائی قطعی ناممکن ہے۔

فطری تجسس مذہب ہمارے ان سوالات اور گتھیوں کا حل پیش کرتا ہے۔ جس کے سلجھانے سے سائنس اور فلسفہ، علم و شعور کی طاقتیں واماندہ اور درماندہ ہو جاتی ہیں عالم کی حقیقت کیا ہے۔؟ اس کارخانۂ ہست و بود کی یہ ہنگامہ آرائیاں کہاں جاکر ختم ہوں گی۔؟ اس عالم آب و گل کی تخلیق کیونکر اور کس مقصد کے لئے ہے۔؟ پھر اس کائنات کی وہ جوہری ہستی "جسے ہم "انسان" کے نام سے پکارتے ہیں. جسم و مادہ کے اس کارخانہ اور قدرت کے ان لامتناہی خزانوں پر کیونکر قابض و حاوی ہے۔؟ اور بالآخر تسخیر و غلبہ کی یہ قوت و طاقت جسم و خون سے بنے ہوئے اس "عالم اصغر" (چھوٹے عالم) انسان کے ہاتھوں میں کیوں اور کس مقصد کیلئے ودیعت کی گئی ہے۔؟ عقل و فکر ان سوالات کے

جواب دینے سے قاصر ہے۔

سائینس کی درماندگی اور سائینسدانوں کا اعتراف

سائینس و تحقیق کا عالم انسانی جبلت کے ان فطری مطالبات کا جواب نہیں دے سکتا۔ اسے خود اپنی عجز و درماندگی کا اعتراف ہے۔ اور انکشاف و انکشاف کی اس دنیا کا بڑے سے بڑا فلسفی اور موجد، اسباب و مسببات کے معمے حل کرنے والا بڑے سے بڑا محقق بھی بانگ دہل اپنے قصور اور لاعلمی کا اعلان کر رہا ہے کہ:

"کائنات کے آغاز و انجام تک مشاہدے کی رسائی نہیں ہے، اس لئے ہمارا دائرہ کار ان دونوں سے الگ الگ ہے۔" (فرانس کا مشہور ماہر سائینس پروفیسر لیتر)

اس دنیا کا ایک دوسرا شہسوار جے ڈبلیو این سلیون کتنی صفائی سے اقرار کرتا ہے کہ زندگی جو انسان کی سب سے زیادہ قریب حقیقت ہے، سائینس اسکی کیفیت و نوعیت اور ماہیت و آغاز کے ادراک سے قاصر ہے:

"اور انسان کے گہرے مسائل سائینس کی سرحد سے باہر واقع ہیں۔ سائینس تو محض ایک ابتدائی کوشش ہے، اور اسکی تمام 'سچائیاں' مشروط ہیں۔" (برہان $\frac{1}{9}$)

"بہت سے سائینسدانوں نے زندگی کے آغاز کا پتہ لگانے کی کوشش کی ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اب تک اس کے متعلق کوئی قطعی علم حاصل نہ ہو سکا۔"

ٹھامس ہنری ہکسلے مزید وضاحت سے عقل و سائینس کے اس بے دست و پا ہونے پر روشنی ڈالتا ہے:۔

"جب ہم پچھلے زمانہ کی طرف مڑکر دیکھتے ہیں تو ہمیں زندگی کے آغاز کا کوئی ریکارڈ دستیاب نہیں ہوتا اور ہم اس ظہور کی کیفیت پر قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے۔"

انہی کے ہم نام جولین ہکسلے کو اقرار ہے کہ:

"ہم صرف مظاہر تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور جہاں تک سائینٹفک تحقیقات کا تعلق ہے، ہمارا علم صرف مظاہر کی تشریح اور ترجمانی کرتا ہے۔

سائنس کی حقیقت آزادانہ تحقیقات اور تجربات میں مضمر ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے اصول ومبادی غیر متغیر ہیں۔ اس میں حذف واضافہ وترمیم کا ہر وقت امکان ہے۔ (برہان ص۲۴ ج ۶ ش ۱)

ہکسلے کے اس قول کے خط کشیدہ الفاظ خاص طور سے اس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں کہ استدلال وفلسفہ کی بنیاد پر کھڑے کئے گئے اصول ومبادی کتنے کمزور اور بے تمکین ہوتے ہیں، پھر زندگی کے فطری سوالات اور حقائق کی رہنمائی ان تغیر پذیر نظریات ومبادی سے کسطرح ممکن ہے۔؟

کائنات کی حقیقت اور سائینسدانوں کا اعترافِ عجز

سائنسی اصول ونظریات کی یہی بے ثباتی اور کمزوری ہے کہ جب بھی سائنس کی دنیا میں کائنات کی حقیقت اور ماہیت کے بارہ میں سوچا گیا تو اس کی بنیادوں میں تزلزل پیدا ہوا، جہل اور لاعلمی کی آندھیاں اٹھنے لگیں اور اعلان کیا گیا کہ:

"ہمارے دماغ کی فطری ساخت ہی اشیاء کی ماہیت اور کیفیت کے ادراک سے عاجز ہے ہم صرف کمیت کا ادراک کر سکتے ہیں۔ کیفیت کا نہیں

(پروفیسر کیلیہ برہان ج ۶ ش ۱)

پروفیسر ٹنڈل نے سمجھانے کے لئے گھڑی کی مثال دیکر سائنس کے حدود اختیارات کا تعین کیا اور کہا کہ:

"بجنسہٖ یہی حال واقعات وحوادثِ فطری کا ہے۔ عالم کی اس مشین کے اندر بھی ایک مخفی مشین کارفرما ہے۔ اور ایک خزانہ' قوت ہے، جو اس مشین اور ذخیرۂ قوت سے پردہ ہٹا کر یہ بتاتا ہے کہ واقعات وحوادث انہی دنوں کے باہمی تعلق کا نتیجہ ہیں۔ لیکن کارخانہ عالم کی یہ اندرونی مشین خود کیا ہے۔؟ یہ کیسے بنی؟ اور اس گھڑی کو کس نے کوکا ——؟ اور اسکی چلانے والی قوت کہاں سے آئی۔؟ یہ وہ سوالات ہیں، جن کا جواب سائنس کے بس سے باہر ہے۔"

(از مولانا مناظر احسن گیلانی ص۲۸)

لاریب کہ عالم سائنس کے یہی شہباز آج خلا کو مسخر اور نظامِ شمسی کے بڑے سے بڑے اجرام کو زیر کر رہے ہیں، مگر زندگی کے وہ فطری حقائق جن کے سمجھنے اور پانے سے خدا و آخرت پر ایمان لانے والا کوئی شخص بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ نہ ہر وہ شخص جس کے سر میں انسانی دماغ ہے، گوبر نہیں۔ اس کے تسلی بخش حل سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ سائنس، اختراع اور ایجاد کی دنیا اس بارہ میں کوئی رہنمائی نہیں کر سکی۔ اور پکار پکار کر کہا جا رہا ہے کہ:

"سائنس کسی چیز کی بھی کامل توجیہہ نہیں کر سکتی نہ اس کے اسباب اول تا آخر بتائے جا سکتے ہیں، کیونکہ انسان کا اعلیٰ سے اعلیٰ علم بھی تاویل و توجیہہ میں آغاز اشیاء کی طرف چند قدم آگے نہیں بڑھ سکا۔" (ہکسلے)

اسی ہکسلے نے عالمِ سائنس کے بنیادی اصول و مباحث، سلسلۂ علت و معلول انرجی الیکٹرون سالمات (اجزاء لاتتجزٰی) وقت اور زمانہ کی گتھیاں سلجھانے میں ایک زندگی کھپا دی۔ مگر بالآخر اسباب و مسببات کے درمیان زمین و آسمان کے قلابے ملانے اور عقل نارسا کے گھوڑے دوڑانے کے بعد اسے برملا اپنی کتاب "اصول و نتائج" میں اعتراف کرنا پڑا کہ:

"وجود کی علتِ اولیٰ کا مسئلہ میرے حقیر قوٰی کی دسترس سے باہر ہے۔ اس باب میں جتنی لایعنی ہرزہ سرائیاں پڑھنے کا موقعہ مجھے ملا ان میں سب سے بدتر ان لوگوں کے دلائل ہوتے ہیں۔ جو آغازِ عالم کے متعلق موشگافیاں کرتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کے مہملات ان سے بھی زیادہ بڑھ جاتے ہیں، جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی خدا نہیں ہے۔" (الدین القیم)

یہ صرف چند نمونے اور اقتباسات ہیں جن سے غیب اور غیر محسوس عالم کے بارہ میں سائنس کی درماندگی اور زندگی کے فطری تقاضوں اور سوالات سے اس کے فرار و گریز پر روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مذہب اور سائنس کے دائرے قطعی جدا جدا ہیں، ان میں تعارض و تصادم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا خوب فرمایا ایک بالغ نظر فلسفی اور صاحبِ دل عالم نے کہ: "اگر خشکی کی ٹرین سمندر کے جہاز سے ٹکرا سکتی ہے۔ تو

سائنس بھی مذہب سے ٹکرا سکتی ہے۔

غرض آج جن لوگوں کو سائنسی کارناموں سے مذہب کی بنیادیں گرتی اور لرزتی معلوم ہو رہی ہیں۔ یہ ان کی اپنی نظر کی کوتاہی اور عقل کے فتور کی دلیل ہے ؎

بر چہرۂ حقیقت اگر ماند پردہ
جرم نگاہ دیدۂ صورت پرست ماست

اقلیم مذہب کی حدود اور وسعتیں | مشاہدات ومحسوسات کی وہ آخری سرحد جہاں سائنس ہمیں بے یار و مددگار ظلمتٌ بعضھا فوقَ بعض۔ (تہ بہ تہ اندھیرے) کے عالم جہل و بے خبری میں چھوڑ کر الگ ہو جاتی ہے۔ ٹھیک وہاں سے اقلیم مذہب کی حدود کا آغاز ہوتا ہے، جسکی پنہائیاں لامحدود ہیں، اور جسکی وسعتیں علم و ہدایت، فکر و فہم، عقل و خرد کے تمام خزانوں کو سمیٹی ہوئی ہیں، جہاں ظلم و جہل نام کی کوئی شے موجود نہیں، نور ہی نور ہے۔ علم حقیقی کی ضیا پاشیاں اور قدرت وفطرت کے اٹل اصول اور لازوال مبادی کی فرمانروائیاں ہیں۔ فطرتَ اللّٰہ التّی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذٰلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔ جس سرحد پر محسوسات ومشاہدات کا علم ہمیں حیران و سرگردان چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ وہاں سے مذہب آکر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اور انسانی فطرت کے سوالات کے جوابات دیتا ہے۔ ہمیں تخلیقِ کائنات اور انسانی پیدائش کے مقاصد سے روشناس کراتا اور شکوک وشبہات کی تمام گتھیاں سلجھا کر انسانی قلوب واذہان کو سکون و اطمینان کی نعمت سے مالامال کر دیتا ہے۔

تسخیرِ کائنات میں مذہب کی رہنمائی | زندگی کی حقیقت اور عالم کے آغاز و انجام کے بارہ میں انسانی رہبری کے بعد مذہب ہمیں سکھاتا ہے کہ یہ زندگی کن خطوط پر بسر ہونی چاہئے، اور قدرت نے تسخیر وغلبہ کی جو استعداد انسان کو دی ہے، اسے کن مقاصد میں لگانا چاہئے۔؟ مذہب کہتا ہے کہ مشاہدات ومحسوسات کی یہ ساری کائنات اُن اعلیٰ مقاصد کے حصول کا وسیلہ ہے، جس کی بنا پر عالم کے اس جرمِ صغیر "انسان" کو پوری کائنات پر سبقتِ دی گئی اسے اشرف المخلوقات یہاں تک کہ اسے "خلافتِ ربانی" کے آخری

مقام عروج پر فائز کیا گیا، مذہب کہتا ہے کہ اس زندگی کو جس کے ادراک سے تمہاری سائنس و عقل قاصر تھی، آخرت اور ایک ابدی زندگی کا ذریعہ بناؤ اور اس طرح بقائے دوام اور لافانی ہونے کی وہ فطری خواہشیں حقیقی معنوں میں پوری کر دو جس کا ولولہ اور تڑپ تمہارے خمیر میں شامل ہے۔ مذہب ہمیں ہرگز ان تسخیری قوتوں کو کام میں لانے سے نہیں روکتا جو ہماری سرشت میں قدرت کے دستِ فیاض نے رکھیں، وہ کہتا ہے کہ تم ستاروں کو گن سکتے ہو آفتاب و قمر کو زیر کر سکتے ہو، پہاڑوں کو چیر سکتے ہو۔ ہواؤں اور سمندروں کو مغلوب کر سکتے ہو زمین و آسمان کی وسعتیں سمیٹ کر اپنی مٹھی میں لا سکتے ہو۔ تیز رفتار اور دیوہیکل بے جان اجسام کو خلائی سیّارہ، جہاز، ریل اور بحری بیڑے کی شکل میں دوڑا سکتے ہو کائنات کے عناصر اربعہ کی حقیقتیں اور ماہیتیں بدل سکتے ہو۔ یہاں تک کہ ان کائنات سے ایٹمی توانائیوں کی صورت میں قوت اور طاقت کی لامحدود دولت حاصل کر سکتے ہو۔ تمہارے لئے آسان ہے کہ پہاڑوں کے جگر شق کر دو اور خلا کی پنہائیاں چیر ڈالو اور ممکن ہے کہ تم زمین کے علاوہ زہرہ و ماہتاب اور نظامِ شمسی کے دیگر سیّاروں کو بھی اپنا مسکن اور جولانگاہ بنا دو کہ یہ سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا —— اور یہ بھی ممکن ہے کہ دجالی تہذیب کے کامل ارتقاء و عروج کے زمانہ میں تمہاری یہ تخلیقی قوت اور اختراعی صفت درجۂ کمال تک پہنچ جائے۔ تم بادل برساؤ اور مصنوعی صورتوں سے احیاء اموات پر بھی قادر ہو جاؤ۔

بہت سے دعووں کی تائید و توثیق

مذہب اس دن کے انتظار میں ہے۔ کہ تم یہ سب کچھ کر سکو کہ اس کے بہت سے دعوؤں کی مزید توثیق و تصدیق تمہارے ان سائنسی کارناموں پر موقوف ہے۔ اس طرح اخبارِ غیب اور رجالِ غیب کے وہ سارے دعوے اور حقیقتیں تم پر عیاں ہو سکتی ہیں، جسے تم اپنے ماؤف دل و دماغ اور مفلوج ذہن کی بنا پر ناممکن اور محال سمجھتے تھے۔ وہ حقیقتیں اور خوارق عادات جس کا مظاہرہ اس کائنات کے خالق نے غیبی اسرار کی منادّ شخصیتوں انبیاء و رسل کے ہاتھوں کرایا تھا۔ تم آج سائنس اور صنعت، راکٹ اور میزائل کے سہارے خلاؤں کے میدان میں اتر رہے ہو۔ ہم نے مان لیا کہ صدیوں کی کد و کاوش کے بعد آج تمہاری رسائی خلاء سے پار کی دنیا تک ہو رہی ہے۔

رسولِ کریمؐ اور عروج و پرواز کی منزلیں مگر کیا آج سے چودہ سو سال قبل مخلوقات میں خلافتِ الٰہیہ کے سب سے عظیم مظہر انسان نے "محمد عربی فداہ ابی وامی" کی شکل میں عروج و پرواز کی یہ ساری منزلیں پلک جھپکنے میں طے نہیں کی تھیں۔؟ ولقد رای من آیات ربہ الکبریٰ۔

وہ جو خود انسانی ارتقاء و عروج کا آخری نقطۂ معراج تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ جو چاند اور ستارے تو کیا آسمانوں اور ملکوتی کائنات کی ساری بلندیوں سے بھی پرے پہنچ گیا۔ جہاں دنیا کی سب سے بڑی محرم راز اور طاقتور ہستی جبریلؑ امین کی رسائی بھی ناممکن تھی۔ ملأ اعلیٰ کے اس اسراء و معراج میں نہ تو انہیں کسی جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت پیش آئی۔ اور نہ اس عالمِ مادیات و مشاہدات کی کسی مادی قوت نے ان کی دستگیری کی۔ پھر یہ اسلام اور مذہب ہی تو تھا جس نے انسانی عروج و استیلاء اور معراج و ارتقاء کی ایسی جیتی جاگتی تصویر محمدؐ عربی کے معراج کی شکل میں صدیوں قبل دنیا کے سامنے رکھ دی۔ تسخیرِ کائنات کا اتنا قدیم تصور اور اس کے دائرۂ امکان میں ہونے کی تعلیم کسی دوسرے مذہب، نظریہ اور تھیوری نے اس سے پہلے نہیں دی تھی۔ یہ غلامانِ تجربہ و سائینس اور بندگانِ عقل تو اب تک اس کا مذاق اڑاتے رہے، اور زندگی کی تمام حقیقتوں اور آغاز و انجام کے خدائی تقاضوں اور حکمتوں کی طرح اسکی بھی تکذیب کی۔ بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمہ۔

تسخیرِ مخلوقات معرفتِ خالق کا ذریعہ الغرض قدرت نے ہمیں پوری فیاضی سے اس کائنات سے فائدہ اٹھانے کا اختیار دیا۔ کہ زندگی کے فطری سفر میں جو بھی رکاوٹ تمہارے سامنے آئے اسے زیر و زبر کر دو ـــــ مگر ہاں! زندگی کے کسی لحظہ اور کسی ثانیہ میں اس حقیقت سے غافل مت ہو کہ تمہاری یہ تمام قوتیں اور توانائیاں کسی "غیر" کی کرم نوازیوں کا نتیجہ ہیں۔ ایک وراء الوراء ہستی ہے جس نے تمہیں عقل و خرد کی نعمت سے نوازا اور تسخیر و تصرف کے یہ راستے سجھائے اس نے اپنی بے مثال فضل و کرم سے تمہیں عقل کی دولت دی، استنباط و استخراج کی نعمت سے نوازا جس کے ذریعہ تم کائنات کو اپنی جولانی اور تصرف کی آماجگاہ بنائے ہوئے ہو۔ عقلِ انسانی اور شعور و ادراک کا یہ "جوہر"

اُسی کا عطا کردہ ہے، جس کے ذریعہ تم عناصر اربعہ کی باہمی تحلیل و ترکیب کر کے طاقت کے لازوال خزانوں پر قابض ہو گئے ہو۔ اگر اس کے فیض و کرم کی کرشمہ سازیاں نہ ہوتیں اور اس نے اس قیمتی جوہر "عقل و فہم" سے تمہیں نہ نوازا ہوتا تو تم اس کائنات کی سب سے حقیر و ناتواں مخلوق ہوتے کہ اس کائنات میں عقل و خرد سے عاری مخلوق ہاتھی اور بیل وغیرہ جسم و ضخامت کے لحاظ سے تم سے بدرجہا بڑھ کر ہیں۔ پھر وہی رب ہی تو ہے جس نے عقل و خرد اور خلافت ربانی کی نعمتوں سے تمہیں نواز کر اس کائنات کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔

ولقد کرمنا بنی اٰدم وحملناھم	اور البتہ ہم نے بنی آدم کو فضیلت
فی البر والبحر ورزقناھم من	دی اور خشکی و تری دونوں کی قوتیں
الطیبٰت وفضلنٰھم علیٰ کثیر	اسکی تابع کردیں کہ اسے اٹھائے پھرتی
ممن خلقنا تفضیلا۔	ہیں اور اچھی چیزیں اسکی روزی کے

لئے پیدا کردیں نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے ان میں سے اکثر پر اس کو برتری دی۔

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض	اللہ وہی ذات ہے جس نے زمین
جمیعا۔	کے بیچ ہر چیز کو تمہارے لئے پیدا کیا۔

تسخیر واکتشاف اور قرآن غیب کی راہیں سجھانے والا یہ آخری صحیفۂ غیب کہتا ہے۔ کہ یہ تو خدا ہی ہے جس نے انسان کو تمام مخلوقات کی حاکمیت عطا فرمائی اور سفلیات تو کیا عالم بالا کے شمس و قمر تک بھی تمہارے زیر کر دئے۔

اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض	اللہ وہ ہے جس نے بنایا آسمان و زمین
وانزل من السماء ماءً فاخرج	اور اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے
بہ من الثمرات رزقا لکم و	نکالی روزی تمہاری میوے۔ اور
سخر لکم الفلک تجری فی البحر	مسخر کیا تمہارے لئے کشتی کو کہ اس
بامرہ وسخر لکم الانھر وسخر	کے حکم سے دریا میں چلے اور کام میں
لکم الشمس والقمر دائبین	لگایا تمہارے لئے ندیوں کو سورج کو
وسخر لکم اللیل والنھار وآتاکم	اور چاند کو ایک خاص دستور و نظام

من کل ماسألتموہ وان تعدّوا
نعمۃ اللہ لاتحصوھا ان الانسان
لظلومٌ کفّار۔

کے مطابق اور کام میں لگا دیا تمہارے
لئے رات اور دن کو اور دیا تم کو ہر
چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو
اللہ کے احسانات نہ پورے کر سکو بیشک آدمی بڑا بے انصاف ہے ناشکرا۔ (ترجمہ شیخ الہند)

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ساری مخلوقات سے زیادہ محتاج بنا کر بھی کائنات کی ہر چیز کو خواہ سفلی ہو یا علوی تمہاری بیگار میں لگا دیا۔

الم تروا انّ اللہ سخر لکم ما
فی السمٰوٰت[1] والارض واسبغ
علیکم نعمۃ ظاہرۃً وباطنۃً
(پ۲۱ آیت ۲۰)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں
میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب
کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے کام پر لگا
رکھا ہے۔ اور تم پر اپنی ظاہری اور
باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں۔ (ترجمہ: مولانا احمد علی لاہوری)

والانعام خلقھا لکم فیھا دفٌ
ومنافع ومنھا تاکلون ولکم
فیھا جمال حین تریحون و
حین تسرحون وتحمل

اور اس نے تمہارے لئے چارپائے
پیدا کئے جن میں تمہارے لئے گرم
کرنے والی پوشاک اور طرح طرح
کے فائدے ہیں۔ اور ان میں سے

---

[1] نیز ملاحظہ ہو ــــ وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجلٍ مسمّٰی پ۲۳۔
وسخّر الشمس والقمر لیقولُنّ اللہ پ۲۱۔ آیت ۶۱۔ الم تران اللہ سخّر لکم مافی الارض
والفلک تجری بامرہٖ پ۱۷ ع۶۵ وسخّر لکم الانھار۔ پ۱۳۔ وسخر لکم اللیل والنھار والشمس
والقمر والنّجوم مسخّراتٌ بامرہٖ ان فی ذٰلک لاٰیٰتٍ لقومٍ یعقلون پ۱۴ آیۃ ۱۴۔
وھو الذی سخّر البحر (الی قولہ) لعلّکم تشکرون پ۱۴ آیت ۱۴۔ وسخّر الشمس والقمر
کلّ یجری الی اجلٍ مسمّٰی وان اللہ بما تعملون خبیرٌ۔ پ۲۱۔

اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیہ	بعض کو تم کھاتے ہو اور ان میں تمہاری
الا بشق الانفس ان ربکم	نگاہوں کیلئے جمال و زینت بھی ہے
لرؤف رحیم (الی قولہ)	جب تم انہیں صبح و شام گھومنے
ویخلق مالا تعلمون ۔	پھرنے چھوڑتے ہو۔ اور یہی جانور

تمہارا بوجھ ایک شہر سے دوسرے تک لے جاتے ہیں کہ تمہارے بس میں وہاں پہنچنا تھا، مگر بڑی مشقت کے ساتھ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا شفقت اور رحم والا ہے ۔ الخ پھر وہ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جنکی تمہیں خبر نہیں۔

کیا آیت بالا کا آخری ٹکڑا ویخلق مالا تعلمون ۔ انکشافات حاضرہ اور موجودہ دور کی نت نئی اختراعات کیطرف اشارہ نہیں کرتا ۔؟

نعمت تسخیر کا حق اور تقاضا ان آیات بینات سے یہ حقیقت بخوبی عیاں ہوتی ہے ۔ کہ انسان کے یہ تسخیری کارنامے منشاء قدرت کے خلاف نہیں ہیں ۔ اور نہ اسلام تمہیں اس سے روکتا ہے ۔ بلکہ جگہ جگہ تفکر اور تدبر و تفہم کی خاطر ہمیں اس کائنات کی وسعتوں میں غور و فکر اور سیر فی الارض کی دعوت دیتا ہے ، اور چاہتا ہے کہ ہم اس عالم مشاہدات کے انفسی اور آفاقی آیات کو اس کے خالق کی پہچان اور ان قوتوں کو اسکی مرضیات کے حصول کا ذریعہ بنائیں ۔ تمہاری یہ " خلانوردیاں " اسکی عظمت و قدرت کی پہچان کا ذریعہ بننی چاہئیں ۔ اور ہر نئے انکشاف و اختراع اور ایجاد و ادراک کے وقت تمہارا رُواں رُواں اسکی کبریائی میں ڈوب جانا چاہیئے ۔ کہ اس نے تمہارے آرام و آسائش کی خاطر نعمتوں کی ایک دنیا بسا دی ۔ اب تمہارا فرض ہے کہ اس کی حمد و ستائش کے گیت گاتے ہوئے اسکی نعمتوں کو ٹھکانے لگا دو ۔ یہ چاند اور سورج تو اس کے انعامات و اکرامات کا ایک ذرہ ہے ۔ اور اس طرح اس عالم کا ہر ذرہ انسانیت کے ابدی فلاح ، دائمی امن اور بقاء کا وسیلہ بننا چاہیئے نہ کہ تمہاری یہ سائنس و تحقیق اس کی عظمتوں سے غفلت و انکار ، اور اسکی نافرمانی و سرتابی ، اس دنیا کی مخلوقات پر ظلم و تعدی کا ذریعہ بن جائے ، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ایجادات تمہاری بہیمی و حیوانی جبلت کی وجہ سے عالم کی تباہی و بربادی اور مخلوق کی ویرانی اور بربادی کا سبب بن جائیں

- بلکہ :

ثم تذکروا نعمۃ ربکم اذا	پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے
استویتم علیہ وتقولوا	تو اپنے رب کا احسان یاد کرو۔ اور
سبحان الذی سخر لنا ھذا	کہو کہ پاک ذات ہے وہ جس نے
وما کنا لہ مقرنین وانا الی	اس کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم
ربنا لمنقلبون ۔	ہرگز اسکو اپنے قابو میں نہ لا سکتے

تھے۔ (اگر اسکی رہنمائی و مددگیری نہ ہوتی۔) بالآخر ہم سب کو اسکی طرف لوٹنا ہے۔

کذلک سخرناھا لکم لعلکم	اللہ نے انہیں تمہارے لیے ایسا
تشکرون ۔	مسخر کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔
کذلک سخرھا لکم لتکبروا	اس طرح انہیں تمہارے تابع کر دیا تاکہ
علی ما ھدا کم ۔	تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے

تمہیں ہدایت کی ـــــ (ترجمہ: حضرت مولانا لاہوریؒ)

چاند تک رسائی اور اسلام کا موقف الغرض سائنسی کارناموں یا چاند اور سورج کی تسخیر کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں کوئی ایسی تصریح نہیں پائی جاتی جس سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو، سورج اور چاند کا کسی خاص آسمان میں ہونا یا دیگر سیارات کیلئے آسمانوں سے اوپر یا پانچویں یا چھٹے آسمان کے تعین کے جو اقوال مشہور ہیں وہ فلسفۂ یونان یا بطلیموسی علم ہئیت، یا اسرائیلی روایات پر مبنی ہیں۔ البتہ قرآن وسنت سے آسمانوں کا وجود ان کا ذی جرم ہونا ان میں دروازوں، گذرگاہوں کا پایا جانا، ان کا مختلف منازل وبروج پر تقسیم ہونا ثابت ہے۔ اکابرین اسلام میں حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے۔ کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس وقمر سمیت قنادیل معلقہ (لٹکے ہوئے فانوسوں) کی مانند آسمانوں کے نیچے موجود ہیں[1]۔ اور آسمانوں کا مقام ان تمام سیاروں سے اوپر ہے۔

طبعیاتی علوم اور امام غزالیؒ کی اصولی بات باقی ان علوم کے بارہ میں اصولی بات

---

[1] النجوم قنادیل معلقۃ بین السماء والارض بسلاسل من نور بایدی الملائکۃ۔
(روح المعانی ج ۱۳ ص ۵۱)

وہی ہے جو امام غزالیؒ نے اپنی خود نوشت واردات وتاثرات المنقذ من الضلال میں ارشاد فرمائی کہ ریاضیات، منطقیات، طبعیات وغیرہ کا مذہب سے نفیاً واثباتاً کچھ بھی تعلق نہیں۔ اور نہ مذہب کے اثبات کے لئے ان کے انکار کی ضرورت ہے۔ ان طبعیاتی علوم کے بارے میں (جس میں عالمِ سماوات وکواکب، عناصرِ اربعہ اور اجسامِ مرکبہ ومفردہ سے بحث ہوتی ہے۔) ہمیں یہ اصولی بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ طبعیت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ خود مختار نہیں جو لوگ ان علوم کی باریکیوں سے مرعوب ہو کر یہ خیال کرتے ہیں کہ علومِ غیب و حقائق میں بھی ان لوگوں کی مہارت کا یہی حال ہوگا وہ غلطی پہ ہیں۔

امام غزالیؒ ایک طرف علماء طبعیات کے ان کارناموں سے مرعوب اذہان اور ان کی تقلید میں دین کے انکار اور استخفاف کرنے والوں پہ سخت گرفت کرتے ہیں۔ تو دوسری طرف ان سطحی اذہان پہ بھی تنقید کرتے ہیں۔ جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

الآفة الثانية نشأت من صديق للاسلام جاهل ظن ان الدين ينبغي ان ينصر بانكار كلّ علم منسوب اليهم فانكر جميع علومهم وادعى جهلهم فيها حتى انكر قولهم في الكسوف والخسوف وزعم انّ ما قالوا خلاف الشرع فلما قرع ذلك بسمع من عرف ذلك بالبرهان القاطع لم يشك في برهانه ولكن اعتقد انّ الاسلام مبني على الجهل وانكار البرهان

طبعیات سے مرعوب ہونے کی طرح یہ بھی ایک بڑی آفت ہے کہ اسلام کے بعض نادان دوست فلاسفہ اور علماء طبعیات کی ہر نئی دریافت اور نظریہ اور ان کے ہر دعویٰ کی تردید اپنا فرض اور اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ طبعیات کے سلسلہ میں سورج گرہن چاند گرہن تک کے بارے میں انکی باتوں کو خلافِ شرع اور مذہب سے متصادم سمجھ کر ٹکرا دیتے ہیں اسکا مضر پہلو یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان نظریات و انکشافات کی صداقت کے قائل ہوتے

القاطع فيزداد للفلسفة حبًّا و للاسلام بغضًا ولقد عظم على الدين جنايةً من ظن ان الاسلام ينصر بانكار هذه العلوم وليس فی الشرع تعرض لهذه العلوم بالنفی والاثبات ولا فی هذه الامور تعرضٌ للامور الدينية۔

ہیں۔ اور مضبوط دلائل سے ان کے ہاں یہ چیزیں مسلّم ہو چکی ہوتی ہیں۔ ان کا اعتقاد خود اسلام کے بارہ میں متزلزل ہو جاتا ہے۔ (اور معاذ اللہ) وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد جہل اور مشاہدات سے انکار پر ہے۔ پھر بجائے طبعیات کے انکار کرنے کے اسلام سے ان کی بدگمانی بڑھ جاتی ہے۔ ان لوگوں کی اسلام کے بارے میں یہ بڑی جسارت ہے جن کا گمان ہے کہ اسلام ان علوم کے انکار کی حوصلہ افزائی کرتا ہے حالانکہ شریعت کو نہ تو ان اشیاء کا ثبوت مطلوب ہے اور نہ انکار مقصود اور نہ ان علوم وتحقیقات میں دینی اصول کو تعرض ہو سکتا ہے۔ (المنقذ من الضلال للغزالیؒ ص۱)

حسن وقبح کا دار و مدار مقاصد اور استعمال پر ہے۔ | یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے بخوبی واضح ہوا کہ سائنس کے کسی بڑے سے بڑے کارنامے کا مذہب کے کسی پہلو پر زد نہیں پڑتی۔ پھر اسلام جیسا دینِ فطرت —— ! جو اپنے بنیادی اصول وارکان روح اور مزاج اور مقاصد میں ذرہ بھر ترمیم وتبدیلی کا روادار نہیں۔ اس کے مبادی اور اغراض لافانی اور اس کے احکام وقوانین اٹل ہیں۔ ناممکن ہے کہ یہی ملّتِ حنیفیہ سائنس وعلم اور نظریات کے کسی چیلنج کو قبول نہ کر سکے وہ ان مادی ترقیات کی مخالفت نہیں کرتا بشرطیکہ اس فانی کائنات میں تمہارا یہ تگ وتاز مقاصد ومبادی اور انجام سے بے فکری کا باعث نہ بنے اور تم وسائل وذرائع کو زندگی کا مقصد نہ ٹھہرالو۔ یہ چیزیں بذاتِ خود نہ خیر ہیں نہ شر۔ اگر تمہاری یہ تسخیری قوتیں عالم کی فلاح انسانیت کی باہمی خیر خواہی وہمدردی، حقیقتِ انسانی کی پہچان کا ذریعہ اور حصولِ آخرت کا وسیلہ بنتی ہیں تو ان کی خوبی کے کیا کہنے۔ اور اگر تمہارے یہ ایجادی واختراعی کارنامے دنیا کے مختلف ممالک کی تباہی اور بربادی عالم کی تخریب کاری اور انسانیت کی پریشان حالی، ایک دوسرے کو مغلوب ومقہور کرنے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے کا باعث بنتے ہیں —— اور جیسا کہ

دو عالمی لڑائیوں سے لیکر اب تک ان اشیاء کے استعمال سے ثابت ہو رہا ہے۔ تو تمہاری یہ سائنس و تحقیق اور یہ شبانہ روز کوشش صرف اس جذبۂ حیوانیت اور درندگی کی تسکین اور اس وحشت و بربریت کا ظہور ہے جو خدا اور نوامیسِ فطرت سے غفلت و انکار مادیت کو منتہائے حیات بنانے کے بعد ان انسان نما جسموں کو وحشی درندوں اور چوپائیوں سے بھی ذلیل و خوار بنا دیتا ہے۔ اولٰئک کالانعام بل ھم اضلّ ۔ اگر تمہارا مقصد ان خلائی فتوحات سے زمین کے رہے سہے چین و سکون کو تباہ کر کے اپنے سامراجی اور حیوانی ارادوں کو پورا کرنا ہے۔ تو کائنات کی ملکوتی طاقتیں تمہاری ان کامیابیوں پر لعنتیں بھیجتیں ہیں۔ اور پکار پکار کر کہہ رہی ہیں ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی　　　که بر آسماں بال و پر واختی

پھر خدا کے نزدیک اس خلائی اور ایٹمی دور کے روشن خیال اور آدم نما "درندہ" سے قرونِ اولیٰ کا وہ "غیر مہذب" انسان ہزار درجہ بہتر ہے جو غاروں میں رہتا۔ مگر اس کا دل انسانیت کے احترام و فلاح اور خدائی اقدار کی عظمت و تقدیس سے معمور تھا۔

ایجاد و اختراع اور بربادیٔ عالم | ہیروشیما کی دلدوز داستانیں کسے بھولی ہونگی صرف ایک دن (۶ر اگست ۱۹۴۵ء) کو صرف ایک بم سے جاپان کا یہ عظیم الشان شہر پیوندِ خاک ہو کر رہ گیا صدر میونسپلٹی کی رپورٹ کے مطابق اس ایک بم سے دو لاکھ چالیس ہزار افراد ہلاک ہوئے سینکڑوں میل تک فضا تابکاری ذرات سے زہر آلود ہوئی اور جس کی تاثیر سے بچے ہوئے لوگوں کا خون تحلیل ہوا۔ ان کے بال گرتے رہے اعضاء سکڑ گئے اور رفتہ رفتہ موت کے گڑھے میں جا گرے (ترجمہ ماخذ خسر العالم) پچھلے ہفتہ فرانس کے مشہور رسالے — "پیرس مارچ" — میں اس تباہی کی ہلاکت آفرینی کی مفصل رپورٹ شائع ہوئی جس کا ترجمہ جنگ ۲۳ مارچ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس رپورٹ کا کہنا ہے کہ "دس لاکھ برسوں کی انسانی ترقی پر چند لمحوں میں پانی پھیر دیا گیا۔"

یہی حال دوسرے شہر ناگاساکی کا ہوا۔ یہ تو اس وقت کے ایٹم بم کا حال تھا۔ آج کے بیس میگاٹن کا ایک بم ان بموں سے ہزار گنا طاقتور ہے اور اگر یہ بم ایسے شہر پہ گرایا جائے

جس کا رقبہ بیس میل میں پھیلا ہو تو چشم زدن میں یہ ساری آبادی نیست و نابود ہو جائیگی۔ برطانوی سائنسدانوں کے اندازے کے مطابق لندن یا نیو یارک جیسی گنجان آبادی پر یہ ایک بم دو کروڑ انسانوں کو موت کی نیند سلا سکتا ہے۔ امریکی حکام اپنی ایسی دور مار میزائلوں کا دعویٰ کر رہے ہیں، جس سے براہِ راست چین اور روس کو تباہ کیا جا سکتا ہے۔ حکومتِ روس اعلان کر رہی ہے کہ اس کے پاس ایک سو میگا ٹن ہائیڈروجن بم تیار ہو چکا ہے جو روس سے ہزاروں میل دور دشمن کے علاقوں کے ہر صنعتی، اقتصادی اور فوجی مرکز کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتا ہے۔ اور اس کے مہلک تابکاری اثرات لاکھوں مربع میل کے ہر جاندار کو مفلوج کر کے رکھ دیں گے۔

تہذیبِ جدید کی سائنسی فتنہ سامانیاں

تہذیبِ جدید کی ان سائنسی فتنہ سامانیوں کی تعبیر حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کی ؎

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی   موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

یہ حال تو ان چیزوں کے اختیاری اور ارادی استعمال کا ہے، غیر ارادی اور تکوینی طور پر ان چیزوں کی ہلاکت آفرینی کا حال کیا ہے۔؟ پچھلے ایک ماہ میں دنیا کی صرف ایک حکومت کے ایک دار الخلافہ ٹوکیو میں پے در پے ہوائی حادثوں سے تین سو افراد ہلاک ہوئے، دنیا کے مختلف حصوں میں آٹھ دس ہوائی جہاز گر کر تباہ ہوئے۔ امریکہ کا ایٹمی اسلحہ سے لیس ہوائی جہاز بحیرہ سپین میں گرا اور ایک دنیا کو ہلاکت اور تباہی کے خطرے میں ڈال دیا گیا۔ اس طرح اس درندگی و بہیمیت کو بھی نگاہ میں رکھیے جس کا مظاہرہ ویٹ نام کی نہتی انسانیت پر کیا جا رہا ہے۔

ایسے ہولناک نتائج کو دیکھ کر ڈاکٹر الفریڈ ایون نے جنگِ عظیم کے بعد کہا تھا کہ "جنگِ عظیم کے بعد سائنسی انکشافات کے بارہ میں میری اچھی توقعات کا خاتمہ ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہی علوم و فنون اور انجنیری کی ساری حکمتیں جس سے انسان کی خدمت کی جا سکتی تھی الٹی اس کے حق میں دشمن بن گئیں اور اسکی وحشت و سنگدلی شقاوت اور بہیمیت میں ان آلات سے بدرجہا اضافہ ہو گیا۔ تخریب و بربادی کے عظیم الشان انجن ہم جانوروں

ے ہاتھ آ گئے ۔" ان "ترقیات" کی نظر فریب حقیقت دوسرے سائنسدان پروفیسر جوڈ نے ان الفاظ میں ظاہر کی ۔ کہ "تم ہوائی جہاز کو فضائے انسانی پر اڑتے دیکھ کر اس کے موجد کے عزم وہمت پہ عش عش کرنے لگتے ہو مگر ذرا ان مقاصد کا جائزہ لو جن کے ماتحت یہ ہوائی جہاز استعمال ہو رہے ہیں ۔ وہ مقاصد کیا ہیں ۔؟ فضائے آسمانی سے نہتے انسانوں پر بمباری انسانوں کے جسموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا، زندوں کا گلا گھوٹنا، انسانی جسموں کو جلا دینا ۔ زہریلی گیسوں کا پھینکنا یہ مقاصد یا تو احمقوں کے ہو سکتے ہیں ۔ یا شیطانوں کے ۔

انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا و تزھق انفسھم وھم کفرون ۔ الآیۃ

ھل یجزون الا ما کانوا یعملون صدق اللہ خالق الکل مولانا الکریم ۔

چاند اور ستاروں کی تسخیر

سائنس کی دنیا میں پچھلے چند سالوں سے خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، امریکی خلائی جہاز اپالو دہم
ے حالیہ تجربہ اور ۲۰ جولائی ۶۹ء کو چاند پر انسان اتارنے کے پروگرام سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے
ہماری اس وسیع کائنات کا حسین ترین سیارہ چاند انسانی قدموں کے زیر ہوا چاہتا ہے۔ مذہب
ر سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی طبعیاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم علمی
وجہ سے ان خلائی کارناموں نے بہت سے مسلمانوں کو احساس کمتری، مرعوبیت اور شکوک و
بہات میں ڈال دیا ہے۔ آج کی فرصت میں اسلامی نقطہ نظر سے اس مسئلہ پر کچھ اصولی
شنی ڈالی جاتی ہے۔

فطرت انسانی کے تجسس کا قابل تسلیم جواب

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ پورا کارخانہ عالم اپنی تخلیق و
بقا اور اپنا تسلسل قائم رکھنے میں کسی بے جان مادہ، انرجی،
علوم الیکٹرون یا سلسلۂ علت و معلول کا منت پذیر نہیں بلکہ یہ نہایت منظم اور پر حکمت کائنات ایک
و قیوم اور حکیم و علیم صانع کی کرشمہ سازی ہے۔ انسانی فطرت کی اس بارہ میں جو تجسس اور بے چینی
ہے۔ اس بے چینی کا یہی ایک سیدھا سادا اور قابل تسلیم جواب ہے۔ اس ازلی اور ابدی حقیقت کو چھوڑ
عقلاء اور فلاسفۂ قدیم یا عصر حاضر کے ماہرین طبعیات اور سائنسدانوں نے جو بھی راستہ اختیار کیا
ایک ایسی سرحد پر ختم ہو کر رہا جہاں انہیں حیرت و اضطراب، فکری انتشار، تضاد بیانی اور بالآخر
ز و درماندگی کے اعتراف کے سوا اور کچھ نہ مل سکا۔

لامحدود کائنات اور سائنسی اعترافات

پھر یہ کائنات صرف وہی نہیں جواب تک ہمارے

علم وادراک اور مشاہدات کی گرفت میں آچکی ہے بلکہ خداوند قدوس کی خدائی کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ موجودہ سائنس کو اپنی تحقیق اور تجربات کی رو سے اعتراف ہے کہ علویات اور سفلیات کا جتنا حصہ ہمارے علم ومشاہدہ میں آچکا ہے۔ وہ اس لامحدود کائنات کا کھرواں حصہ بھی نہیں جو اب تک ہماری نگاہ درماندہ سے مستور ہے۔ مذہب نے اپنے آخری ترجمان رسول اکرمؐ کی زبانی کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کا اعلان کیا تو بندگان عقل اور غلامان مشاہدہ کو تردد ہوا مگر آج کے سائنس دانوں نے خالق کائنات کی تخلیقی عظمتوں پر اپنے اس قسم کے اعترافات سے منکر سے منکر انسان کا بھی سر تسلیم خم کرادیا اور مذہب کی تائید وتصدیق کا یہی وہ کام ہے جو خداوند کریم آج سائنس سے لے رہا ہے۔ اس کائنات کی وسعتوں کا کیا حال ہے؟ اس کے جواب میں بطور مثال ہم صرف چند چیزیں پیش کرتے ہیں۔ کائنات کی وسعت کے بارہ میں یہ بھی صرف چند قیاسی اور ظنی تخمینے ہیں ورنہ حقیقت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ صرف ستاروں کو لیجئے جو اس وسیع کائنات کا صرف ایک جزو اور ایک حصہ ہے۔ ورلڈ اٹیلس کی تحقیق کے مطابق اگر رات کو مطلع صاف ہو تو ۵ ہزار تارے نظر آتے ہیں۔ ہلکی دوربین سے کئی ہزار قوی دوربینوں سے کروڑوں اور امریکہ کے بڑے رصد گاہ ماؤنٹ پالومر سے اربوں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹنڈل نے جغرافیہ عالم میں خوردبینوں سے نظر آنے والے ان تاروں کی تعداد سات ارب بتلائی ہے مگر بعض علماء فلکیات کا خیال ہے کہ ان ستاروں کی تعداد دنیا بھر کے سمندروں کے کنارے ریت کے ذرات سے بھی بڑھ کر ہے۔ پھر ان میں سے بعض تارے تو حجم میں اتنے بڑے ہیں کہ بعض میں لاکھوں اور بعض میں اربوں زمینیں سما سکتی ہیں۔ پھر ان ستاروں کی درمیانی مسافت اور کرہ ارض سے فاصلہ کا کیا عالم ہے۔ انہی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ چاند ہماری زمین سے اڑھائی لاکھ میل سورج ساڑھے نو کروڑ اور زہرہ ساڑھے تیرہ کروڑ میل دور ہے۔ ان سیاروں میں بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے جو ساڑھے سات ارب میل کے دائرہ میں چکر لگا رہا ہے۔ پھر یہ کائنات ستاروں کی لاتعداد کہکشانوں کی صورت میں حرکت کر رہی ہے اور ہمارے شمسی نظام کا قریب ترین کہکشاں اپنے محور پر گردش کرتے ہوئے ایک دور بیس کروڑ سال میں پورا کرتی ہے۔ پوری کائنات کی پیمائش کے لئے بعض سائنسدانوں کے خیال میں ۸۶ ارب سال اور بعض کی رائے میں ایک ارب سال کا عرصہ درکار ہے جبکہ اس عرصہ میں ہماری تحقیق وانکشاف کی رفتار ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ رہے۔ اس پر بس نہیں بلکہ ہر لمحہ اس کائنات میں چاروں طرف اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس

پھیلنے کی رفتار آئن سٹائن کے خیال میں اتنی تیز ہے کہ ہر ۱۲۰۰ کروڑ سال بعد کائنات کی مقدار دگنی ہوجاتی ہے اور یہ جو روشنی ستاروں سے پھوٹ پھوٹ کر ہماری نگاہوں کو خیرہ کرتی رہتی ہے۔ وہ ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آرہی ہے مگر بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی اس تیزی اور سرعت کے باوجود ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک ہماری زمین تک پہنچ بھی نہیں سکی۔ یہی وہ چیز ہے جو اس کائنات کی وسعت کی صحیح تعبیر اس کی بے حساب حکمتوں اور اس کے صحیح اندازہ کے بارہ میں انسان کو مجبور و بے بس بنا کر اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور کر دیتی ہے جسے خداوند کائنات نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا:۔

ولو ان ما فی الارض من	اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور موجودہ
شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ	سمندروں کے ساتھ سات اور ایسے سمندر بھی
من بعدہ سبعۃ ابحر	سیاہی بن جائیں جب بھی خدا کی تخلیقی
ما نفدت کلمات اللہ۔	کارفرمائیوں اور حکمتوں کی باتیں ختم نہ ہوسکیں گی۔

اور یہی وہ صداقت ہے جسے قرآن نے وما یعلم جنود ربک الا ھو (اور نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہی) اور وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (اور نہیں دیا گیا تمہیں مگر تھوڑا سا علم) سے اشارہ فرمایا ہے۔

عالم غیب یہ حالت تو صرف اس عالم کی ہے جسے ہم مادیات اور عناصر و محسوسات کی دنیا سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک اور عالم بھی ہے جو نگاہوں کی دسترس سے بالا اور عقل و خرد کی ترک تازیوں سے وراء الوراء ہے جسے "عالم غیب" سے موسوم کرتے ہیں اور جس کے لئے یہ ساری ظاہری کائنات ایک وسیلہ اور خادم ہے۔ اس کی وسعتوں اور گہرائیوں کے سامنے تو یہ پوری مادی کائنات بھی ایک ذرہ بے مقدار کی حیثیت رکھتی ہے جس کے حصول اور جس کی تعمیر و آرائش کے لئے انبیاء کرام آتے رہے اور ان ابدی حقیقتوں کی تلقین کرتے رہے جن پر ہماری دائمی کامیابی اور حیات جاودانی کا دارومدار ہے۔

تخلیق کائنات کا مقصد اور تسخیر کائنات کے خدائی تقاضے دوسری اہم بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اس پورے عالم آب و گل کو اس کے خالق نے بے مقصد اور سعی لاحاصل قرار

نہیں دیا بلکہ زمین میں اپنے خلیفہ "حضرت انسان" کو اول روز سے علمی قوتوں سے مالامال کیا۔ (وعلم آدم الاسماء کلھا) اور بار بار اس کائنات میں غور و فکر اور تدبر کرنے، اس کی حکمتوں کو سمجھنے، اس کے لامحدود خزانوں سے فائدہ اٹھا کر اسے عالم آخرت کے لئے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانے کی مسلسل دعوت دیتا چلا آرہا ہے اور بار بار اعلان کرتا ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک سب کچھ تمہارے لئے پیدا کیا گیا کہ تم اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اس کے ذرہ ذرہ کو خالق کائنات کی پہچان اور اس کی عظمتوں کے اعتراف کا ذریعہ بنا دو۔ اس کے چپہ چپہ میں تمہارے لئے عبرت و نصیحت کے دفتر پنہاں ہیں۔ اس کا ذرہ ذرہ تمہارے لئے راحت اور سامان تعیش کا ایک گنج گرانمایہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ یہ شمس و قمر یہ بحر و بر سب کچھ تمہارے لئے ہے اور یہ اس رب کریم کی نہایت کرم نوازی ہے کہ تمہارے اوپر ظاہری و باطنی نعمتوں کی اتنی بارش برساتا ہے جسے تم قیامت تک حساب بھی نہ کر سکو۔ یہی نہیں بلکہ خلق و قدر تخلیق اور ایجاد کے اس عمل میں ہر لحظہ ترقی، تسلسل اور اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے ویخلق مالا تعلمون اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تم اس کی دی ہوئی نعمتوں سے خوب خوب فائدہ اٹھا کر اس کی عظمتوں میں ڈوب جاؤ۔ سراپا عبدیت اور بندگی بن جاؤ اور تمہارا رواں رواں اس کائنات میں تمہارے اشرف المخلوقات ہونے کی ایک واضح نشانی بن جائے۔

ثم تذکروا نعمتہ ربکم	پھر جب اس پر تمہارا تسلط ہو جائے
اذا استویتم علیہ وتقولوا	تو اپنے رب کا احسان یاد کرو اور کہدو
سبحان الذی سخر لنا ھذا	کہ پاک ذات ہے وہ جس نے اس کو
وما کنالہ مقرنین وانا الی	ہمارے بس میں کر دیا۔ بیشک ہمیں اپنے
ربنا لمنقلبون۔	رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس مقصد کے لئے قرآن کریم مادیات کی تسخیر کے ساتھ ساتھ کہیں لعلکم تشکرون (تاکہ تم شکر کرو) کا اور کہیں لتکبروا اللہ علی ما ھداکم (تاکہ تم اللہ کی بزرگی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ان چیزوں کی ہدایت دی) جیسے کلمات ذکر کرتا ہے۔

مذہب اور سائنس کے سرحدات اور سرچشمے: اس وسیع کائنات کا صرف انسان

کے لئے بنایا جانا اور اس میں تسخیر اور غلبہ کی لامحدود قوتیں ودیعت فرمانا اور اول تا آخر غور و تدبر کی دعوت دینا خود بخود اس حقیقت کی غمازی کر رہا ہے کہ موجودہ سائنس کا مقصد اگر عناصر اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصر علوی و سفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا کر انسان کے لئے اس سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے — تو ایک سچے اور صحیح مذہب کے کسی گوشہ اور پہلو پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گتھیاں سلجھاتا اور ہدایت و اصلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتاتا ہے۔ مذہب کی حدود فرمانروائی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سائنس اور فلسفہ کی مملکت ختم اور اس کی قوت پرواز جواب دے دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں سائنس اور طبیعات کا تعلق صرف عالم آب و گل اور کثیف عناصر سے ہے۔ خواہ اس کا ظہور کرۂ ارضی کی شکل میں ہو یا چاند اور سورج کی شکل میں، مگر مذہب کا دائرہ کار اور تعلق روحانیات اور الٰہیات ہیں۔ وہ ہمیں انسان کے گہرے مسائل، فطری حقائق نوامیس خداوندی، آخرت، حساب و کتاب اور قانون مکافات عمل، زندگی کے انجام اور توحید و رسالت جیسے لطیف اور باقی و پائیدار امور سے واقف کراتا ہے۔ اول الذکر کے اصول و مبادی ہر وقت تغیر پذیر ہیں۔ اس کی تحقیق و انکشاف پر مبنی نتائج میں ہر لحظہ ترمیم و تبدیلی ہو سکتی ہے جبکہ مذہب کے اصول و مبادی اٹل اس کی سچائیاں ابدی اور اس کے علوم و نظریات کی صداقت لافانی اور ہر زمانہ اور ہر دور کے لئے ایک چیلنج ہوتی ہے۔ ایک کا سرچشمہ خدائے حی و قیوم کی دی ہوئی روشنی وحی و نبوت ہے۔ دوسرے کا مبلغ علم، عقل خام اور فہم ناقص ہے ع فاین الثریا واین الثریٰ۔

سائنس اور مذہب میں کوئی تصادم نہیں

پس زمین پر چلنے والے چوپایوں کا ہوا میں اڑنے والے پرندوں سے اور کسی ریل گاڑی کا سمندری جہاز سے تصادم اتنا تعجب خیز نہیں جتنی کہ یہ رائے قائم کر لینا کہ مذہب اور سائنس میں تصادم ہو سکتا ہے۔ اگر سائنس کی کوئی بات معاہدہ صحیح اور عقل سلیم پر مبنی ہے تو ناممکن ہے کہ مذہب کے کسی اصول سے اس کا ٹکراؤ ہو۔ اگر ایسی صورت حال کہیں پیدا ہو جائے تو وہ درحقیقت عقل کی ٹھوکر کا نتیجہ ہو گا۔

حقائق اشیاء کے ادراک میں ہمارے علم وفہم سے لغزش ہوئی ہوگی یا پھر ایک ایسی بات کا رشتہ ہم نے مذہب سے ملا دیا ہوگا جو نہ تو کسی صحیح سند اور مضبوط استدلال اور نقل صحیح پر مبنی ہوگا اور نہ اس کا رشتہ درحقیقت مذہب کی اوّلین تعلیمات سے ملا ہوگا ــــــ اور یہ اس لئے کہ جس طرح ایک سچا مشاہدہ اور علمی دریافت قابل تسلیم ہے تو کسی قطعی اور متواتر دلیل پر مبنی مذہب کا کوئی اصول اس سے ہزار درجہ نا قابل تردید اور واجب التسلیم ہے۔ دونوں میں تعارض ناممکن ہے۔ دونوں کا کا دائرہ کار الگ الگ اور دونوں کی حدود اختیار جدا جدا ہیں۔

خدائی تعلیمات کا اصل موضوع

تیسری قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ انبیاء کرام کی بعثت اور آسمانی تعلیمات وحی و رسالت کا اوّلین مقصد صرف اور صرف انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی ہوتی ہے۔ نبی کی تعلیمات کا محور سچائی کی تلقین، بھلائی کی ہدایت، خلق کا خالق سے رشتہ ملانا، خدا کی دی ہوئی زندگی اور اس کائنات کا صحیح مصرف اور محل میں استعمال کرانا اور اس زندگی کو حیات جاودانی کا ذریعہ بنانا ہوتا ہے۔ وہ اگر آیات آفاقی و انفسی سے بحث کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ اسے ذات وحدہ لاشریک کی پہچان کا ذریعہ بنایا جائے۔ وہ عالم آخرت و حیات بعد الموت کا ذکر چھیڑتا ہے تو سائنٹی استدلال اور منطقی مقدمات سے اسے ثابت نہیں کراتا بلکہ روزمرہ مشاہدہ میں آنے والے تکوینی امور و حقائق کی طرف توجہ دلا کر پوچھنا چاہتا ہے کہ اگر یہ سب کچھ ممکن ہے تو مرنے کے بعد دوسری زندگی اور نبوت کی دیگر تعلیمات ماننے میں کیا استبعاد ہے؟ یا پھر صرف اس حد تک انہیں بیان کرتا ہے کہ کسی شرعی مسئلہ اور بندگی کے کسی طور طریقہ اور اس کے وقت اور مقدار سے اس کا تعلق ہو اصلاً یہ تعلیمات تعلیمات ہدایت ہو۔ حقائق اشیاء اور عناصر کی کنہ و ماہیت سے بحث کرنا اس کا موضوع نہیں ہوتا۔ چاند کے بارہ میں بار بار پوچھا گیا تو صرف یہی کہا گیا کہ قل ھی مواقیت للناس والحج کہ یہ تو حج اور دیگر امور کے اوقات کی نشاندہی کرتا ہے۔ آگے اس کی ماہیت اور حقیقت زمین سے اس کی مسافت اور اس کے قابل تسخیر ہونے یا نہ ہونے سے سکوت کیا گیا کہ وہ تو ہدایت کی کتاب تھی۔ کیمیا نجوم، رمل اور ریاضی کی نہیں

الغرض جن مسائل کا تعلق عالم غیب سے نہ تھا انہیں انسانی علم وفہم پر چھوڑ دیا گیا کہ یہ چیز بھی خدا کی دی ہوئی تھی اور یہ اس لئے کہ نہ تو ایسے مسائل پر مذہب کا اثبات موقوف تھا اور نہ مذہب ان مسائل سے انکار پر مجبور کرتا تھا۔

راہ اعتدال | پس اگر آج کوئی شخص علماء طبعیات کے کسی کارنامے سے مرعوب ہو کر دین سے انکار یا اس کا استخفاف کرتا ہے تو وہ اتنا ہی قابل مذمت ہے جتنا کہ وہ شخص جو ہر نئی دریافت اور مادی انکشاف کو اسلام سے متصادم سمجھ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے۔ دونوں راہیں غلط اور عقلی بے مائیگی کی علامت ہیں۔

چاند کی تسخیر میں اسلام کا موقف

اس تفصیل کی روشنی میں چاند اور ستاروں کی تسخیر کا مسئلہ لیجئے۔ بلاشبہ قرآن وحدیث نے اس کے وقوع پذیر ہونے کی صاف، صریح اور محکم الفاظ میں نشاندہی نہیں کی کہ نہ تو یہ چیز اس کے موضوع میں داخل تھی اور نہ چودہ سو سال بعد تحقیق اور مشاہدہ پر مبنی کسی دریافت کی تمام تفصیلات اس وقت کے اذہان کے لئے قابل فہم تھیں[1]۔ مگر کیا اسلام نے ان فتوحات کے متحقق اور وقوع ہونے کی نفی بھی کی ہے؟ اسلامی تعلیمات اور کتاب وسنت کی تصریحات میں ہمیں کوئی بھی ایسی چیز نہیں مل سکتی جن سے ان چیزوں کی نفی ہوتی ہو یا اب تک کسی ثابت شدہ تحقیق سے اس کی تغلیط ہوتی ہو۔ چاند اور سورج یا دیگر سیاروں کا کسی خاص آسمان کی طرف نسبت یا آسمانوں میں اس کا جڑنا اور اس قسم کے کئی امور کے بارہ میں جو متضاد آراء اور مختلف نظریات مشہور ہیں۔ وہ سب کے سب فلسفہ یونان رومی علم الافلاک یا بطلیموسی علم ہیئت

---

[1] - یہاں واضح اور غیر مبہم اخبار واطلاع کی نفی ہے ورنہ علامات ساعۃ کے ضمن میں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں تاویل کے درجہ میں عصری ایجادات کے لئے پیشن گوئی قرار دیا جاسکتا ہے مگر اس کی تعبیر میں اس وقت کی مخاطب دنیا کا محافظ رکھا گیا اور جو دن کے اجالے کی طرح ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے اس صادق ومصدوق ﷺ کی صداقت کی گواہی دے رہی ہیں۔ "س"

یا پھر اسرائیلی روایات بلکہ خود اب تک کے سائنسدانوں کے متضاد اقوال پر مبنی ہیں۔ صدیوں تک ان افکار و نظریات کا غلغلہ رہا اور مسلمانوں کے دو ایک مفسرین نے بھی اس سے متاثر ہو کر ان کا رشتہ تاویل کے طور پر کسی آیت سے جوڑ دیا تفسیر محکم کے طور پر ہرگز نہیں۔

نظام فلکی اور ائمہ سلف

پھر ان تفاسیر میں اگر بطلیموس اور فیثا غورث کی تحقیقات پر مبنی اقوال مل سکتے ہیں تو دوسری طرف عبداللہ بن عباس جیسے حبر الامت صحابی اور عطاء بن ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال و روایات بھی موجود ہیں جن سے عصر حاضرہ کی موجودہ تحقیقات کی تائید ہو رہی ہے۔ ان حضرات کی روایات میں تصریح پائی جاتی ہے کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر، زہرہ، عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے لٹکے ہوئے فانوسوں کی مانند ہیں، یہاں تک کہ جن چیزوں کی تعبیر موجودہ اصطلاح میں مرکز ثقل، کشش اور مدار میں گردش وغیرہ سے کی جاتی ہے۔ ان روایات میں انہیں نور کی زنجیروں، ڈھکی ہوئی موج، جذب اور مدار وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے جو لوگ چاند اور ستاروں کو اسرائیلی روایات یا اپنی تاویلات کے بل بوتے پر آسمانوں کے اوپر یا ان کے بیچ میں انگوٹھی میں ہیرے اور تختی میں میخ کی مانند جڑا ہوا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ محقق علماء اور مفسرین نے ان کی تمردید کی ہے اور ان تاویلات کو بے دلیل اور ناقابل اعتماد قرار دیا ہے۔ لایعول علیھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو روح المعانی (ج ۱۷-۱۸-۳۰) اور دیگر تفاسیر —— قرآن کریم کی ظاہری عبارت اور سیاق و سباق بھی اس کی تائید کرتی ہے اور وہ آسمانوں کو ایک محفوظ چھت قرار دے کر اس چھت کو ستاروں سے روشن کرنے کا احسان جتلاتا ہے۔

آسمانوں کا وجود

رہا آسمانوں کا وجود تو بیشک قرآن و سنت بار بار اسے ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر ذکر کرتا ہے۔ ان کا وجود، ان کا تعدد، ان کا ذی جرم ہونا، ان میں دروازوں اور گزرگاہوں کا پایا جانا اور مختلف منازل اور برجوں پر ان کا تقسیم ہونا یہ سب کچھ صاف اور صریح الفاظ میں موجود ہے۔ مگر کائنات کی ان لامحدود وسعتوں کے ہوتے ہوئے جنہیں اجمالاً اشارہ کیا جا چکا ہے) کائنات کی ایک حقیر مقدار اور معمولی ذرہ کے برابر چاند اور سورج کی صورت میں کسی سیارہ تک رسائی ہو جانے سے یہ دعوےٰ کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں علم و فہم اور عقل و خرد کی

تضحیک اور رسوائی نہیں تو اور کیا ہے۔ کنویں کے مینڈک کی مثال شاید ایسے لوگوں سے بڑھ کر کسی اور پر کبھی صادق نہ آئی ہو۔ حال ہی میں ایک تازہ بیان کسی سائنسدان کا نظر سے گزرا تھا کہ دور دراز سیاروں سے آگے ایک لامحدود خلاء ہے جس کو پاٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ الغرض ایک چاند تو کیا تمام سیارے بھی ہماری کمند میں آجائیں تو کسی اسلامی تحقیق اور آسمانوں کے وجود کے بارہ میں اسلام کے کسی دعویٰ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

اسلام نے کبھی بھی سائنسی اور مادی ترقیات سے نہیں روکا

کائنات کی ان لامحدود وسعتوں میں غیر اقوام کی ترک تازیوں کو دیکھ کر یورپ کی ذہنی غلامی میں مبتلا بہت سے لوگ اس میدان میں مسلمانوں کی پسماندگی کا الزام بے چارے اسلام کے سر تھوپنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ خود اس طبقہ کی ذہنی پستی اور فکری غلامی کا نتیجہ ہے جسے وہ بڑی عیاری اور چالاکی سے اب اس اسلام کا سر مونڈھنا چاہتے ہیں جس کے ساتھ وہ اپنا ذہنی، فکری اور عملی رشتہ صدیوں ہوئیں کاٹ چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اسلام نے سائنسی اور مادی ترقی اور تسخیری کوششوں سے ہمیں کب روکا تھا؟ اسلام کی ترجمانی کرنے والے علما اور راسخین نے کب آپ کا ہاتھ روکا ہے؟ اسلام ان بے مایہ ادیان اور مذاہب، عیسائیت اور پاپائیت جیسا نہ تھا کہ ان میں عصری تقاضوں اور سائنسی انقلاب کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی اور یورپی اقوام کو سائنسی انقلاب کے لئے اپنے مذاہب کے ہاتھوں آگ اور خون کے طوفانوں سے گزرنا پڑا بلکہ وہ ہر دور کے چیلنج کا مجسم جواب رہا اور قیامت تک رہے گا۔ پھر کیا ایک بھی مثال اسلام کی چودہ سالہ تاریخ سے پیش کی جا سکتی ہے کہ اس نے علم و تحقیق ایجاد و اختراع اور مادی ترقی کو پابجولاں کر دیا ہو۔ یہ سیاہ تصویر اگر ہے تو یورپ کے کلیسائی نظام کی ہے اسلام کی نہیں۔

مسلمانوں کے تخلف کے اصل ذمہ دار

پس طبیعاتی علوم میں مسلمانوں کا تخلف اگر ہے تو اس کی ذمہ دار یورپ کی وہ اندھی تقلید ہے جو ہماری نظر انتخاب صرف وہاں کی فحاشی، عیاشی اور دیگر خرابیوں پر ہی ڈالتی ہے مگر علم و تحقیق اور سائنس کے میدان میں ہاتھ پاؤں توڑ کر اور کاسہ گدائی لے کر ہم صرف ان نوالوں کے چباتے اور اگلنے پر اکتفا کرتے ہیں جنہیں آقایان مغرب اگل کر ہمارے سامنے پھینک دیتے ہیں۔ اگر مذہب واقعی ہمیں ان ترقیات سے

روکتا ہے تو جن لوگوں نے صدیوں سے حاملین مذہب کو ازکار رفتہ قرار دے کر مذہب کا جوا اپنے گلے سے اتار پھینکا ہے اور دو ڈھائی سو سال سے اپنی ساری فکری اور علمی قوتیں مغربی نظام تعلیم میں کھپا رہے ہیں۔ انہوں نے سائنس کے میدان میں کونسا تیر مارا ہے۔ اس میدان میں ان کی رسائی زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ مغرب کے بنائے ہوئے اوزار اور ایجادات کا کچھ استعمال سیکھ سکیں تو درحقیقت ہماری پسماندگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے یورپ کے خراد پر اپنا مذہب، اپنا ورثہ اور اپنی فکری قوتیں بھی چڑھا دیں اور اس کے بدلے میں مغرب سے ایک ناقص اور جامد نظام تعلیم قبول کر لیا جس کے نتیجہ میں ہمیں سوائے ادنیٰ و اعلیٰ درجہ کے کلرکوں، مسترلوں اور اس کی تہذیب و معاشرت میں نقالی کرنے والے بہروپیوں کے اور کچھ نہ ملا۔ اس نظام تعلیم سے ہمیں ذہنی آوارگی، یورپ کی مرعوبیت، مذہب سے گریز کی دولت تو مل گئی مگر ایجاد و اختراع، تحقیق اور دریافت کی کنجیاں انہوں نے اپنے پاس ہی رکھیں۔

تسخیری جدوجہد کے ہولناک نتائج

آخر میں اگر اعلیٰ انسانی اقدار کی روشنی میں امریکہ اور روس کے اس مقابلہ اور مسلسل جدوجہد کے محرکات و اسباب کا جائزہ لیں تو ہمیں اور بھی مایوسی ہوگی۔ ان تسخیری قوتوں سے انسان کی کونسی مشکلات ختم ہو جائیں گی اس کا فیصلہ تو مستقبل کرے گا مگر اس سلسلہ میں اب تک جتنی ایجادات ہمارے سامنے آچکی ہیں۔ ان اقوام کی انسان دشمنی، حیوانیت اور درندگی کی وجہ سے ان میں سے اکثر انسان کی فلاح و بہبود کی بجائے اس کی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ بنی ہیں۔ عالمی لڑائیوں کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ تسخیر قمر کی اس جدوجہد کی پشت پر بھی یقیناً یہی حیوانی جذبات کارفرما ہیں یہ لوگ ایک ایک تجربہ پر کئی کھرب روپے پھونک رہے ہیں مگر روئے زمین پر بسنے والے کروڑوں بھوکے ننگے سردی اور دھوپ میں جھلسنے والے اور جنگ کی بھٹیوں میں جلنے والے انسانوں کے امن و سکون اور بنیادی ضروریات فراہم کرنے کے لئے سائنس کے پاس وہ کونسا نسخہ کیمیا ہے جسے اب ستاروں اور آسمانوں پر آزمایا جا رہا ہے۔ پھر اس دوڑ دھوپ کا مقصد ایک دوسرے پر بالادستی اور برتری ہے تو اس وسیع اور لامحدود کائنات اور ریت کے ذرات کے برابر ستاروں

کے ہوتے ہوئے یہ مقابلہ اور ریس آخر کہاں جاکر ختم ہوگا ! کوئی مانے یا نہ مانے مگر انسانیت کی فلاح کامیابی اور امن وسکون کا حل صرف مذہب کے پاس تھا اور یورپ نے بڑی عیاری سے اس کا رخ ایک نہ ختم ہونے والی مادی عیاشی کی طرف موڑ دیا ہے تاکہ جلد از جلد یہ عالم اپنے انجام تک پہنچ جائے۔ گویا خدا کی دی ہوئی شہادت اب پوری ہوا ہی چاہتی ہے کہ اقتربت الساعۃ وانشق القمر اور قریب ہے کہ وقت موعود کسی بھی وقت انسانوں کے اوپر پھٹ پڑے۔
لا یجلیھا لوقتھا الا ھو ثقلت فی السموات والارض لا تاتیکم الا بغتۃ۔
(جولائی ۶۹ء)

سائنس یا سامانِ ہلاکت

یورپ کے خلائی تسخیری کارناموں اور سائنسی ترقیات، پھر اس کے ساتھ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا جذبہ اور اس جذبہ کے تحت اسلحہ کی بے تحاشا دوڑ ـــــ یہ سب چیزیں نگاہ میں رکھیئے اور پھر ذیل کی تازہ خبر پڑھ کر ان ہلاکت خیزیوں اور تباہ کاریوں کا تجربہ لگایئے جس کی طرف زمین کے باشندے ان کی ترقیات کی بدولت دوڑتے چلے جا رہے ہیں۔ امریکہ کے بیس میگاٹن بم کے بارہ میں خود امریکی سائنس داں لینس پالنگ کا کہنا ہے کہ اس کی تباہ کاری ایٹم بم سے سینکڑوں درجہ شدید ہے۔ اس کے موجودہ ذخیرہ کا عشر عشیر ۱/۱۰۰ حصہ چشم زدن میں ستر کروڑ انسانوں کو متاع حیات سے محروم کر سکتا ہے۔ اس بم کے پھٹنے سے تقریباً سو سو کلومیٹر کی نظروں تک زمین آگ اگلتی نظر آئے گی اور بالفاظ دیگر زمین خود جہنم بن جائے گی۔ (مارچ ۶۹ء)

پستی اور بلندی

تصویر کے دونوں رُخ ایک ہی صفحہ پر

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم — ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

- خلا بازوں نے چاند پر اتر کر تجربات شروع کر دیئے۔
- چاند کو دوسری بار اشرف المخلوقات کی قدم بوسی کا شرف۔
- ہم بالکل ٹھیک ہیں، زمین کے قریب ترین کرہ پر اترتے ہی امریکی خلا بازوں کے خوشی کے نعرے
- دونوں خلا باز آج پھر چاند پر چہل قدمی کریں گے۔

یہ ۱۹ نومبر ۶۹ء کو چاند کی سطح پر اترنے والے امریکی خلا بازوں کی دوسرے فاتحانہ کارنامے کی خبروں کا متن ہے۔ یہ گرجدار سرخیاں یہ مستانہ نعرے اس بے پناہ خوشی کے غماز ہیں جو بجا طور پر "اشرف المخلوقات" کے اس عظیم کارنامہ پر بنی نوع انسان کو حاصل ہو رہے ہیں۔ بیشک مادی دنیا میں بلندی کی یہ انتہا ہے، مگر کیا واقعی انسان بلند ہو گیا؟ اور اس نے ترقی کر لی؟ اس کا جواب قدرت نے اسی دن کے اخبارات میں بلندی کی فاتحانہ خبروں کے پہلو بہ پہلو دے دیا — میرے سامنے جنگ ۲۰ نومبر کا پہلا صفحہ ہے۔ فخر و مسرت، غرور اور تکبر سے لبریز اس خبر کے بالکل متصل تھوڑا سا نیچے اخبار کی دوسری بڑی سرخی پڑھیئے کہ بلندیوں کا پورا اندازہ پستیوں کو دیکھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ امریکیوں نے (انہیں انہیں چاند کو دوسری بار قدم بوسی کا شرف دینے والی اشرف المخلوقات نے) جنوبی ویت نام کے ایک گاؤں کے، ۵۶ نہتے مردوں، عورتوں اور بچوں کو مشین گنوں سے اڑا دیا۔" انہوں نے گاؤں کے تمام لوگوں کو مکانوں سے باہر نکالا اور ایک میدان میں جمع کر کے تمام

دیہاتیوں کو بھون ڈالا۔ پختہ مکانوں کو ڈائنامیٹ سے اڑا دیا، لکڑی کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ امریکی فوجی جیب گشت پر نکلتے ہیں تو دیہات کی عورتوں کو اغوا کر کے ان کی جبری آبروریزی کرتے ہیں اور مزاحمت کرنے والوں کو یا تو قتل یا ان سے انتہائی وحشیانہ سلوک کرتے ہیں ـــ اور یہ تو ایک ہلکی سی جھلک ہے ورنہ پوری تصویر تو آئے دن پورے اخبارات میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اتنی بلندی اور اتنی پستی ؟ اللہ اکبر ـــ ایسی قوم اشرف المخلوقات نہیں ارذل خلائق ہے۔ انہوں نے چاند کو شرف قدم بوسی نہیں بخشا بلکہ اسے اپنے ذلیل ترین قدموں سے آلودہ کر دیا۔ یہ قدم وہاں اس لئے پڑے ہیں تاکہ مستقبل میں درندگی کا ذلیل کھیل چاند کی پہنائیوں میں بھی کھیلا جا سکے۔ ۱۸ نومبر کے اخبارات کے ایک ہی صفحہ پر امریکی قوم کی تصویر کے دونوں رخ آگئے ہیں۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ اسے مبارک باد کہتے ہیں یا اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ (دسمبر ۶۹ء)

برٹرینڈ رسل کا معنی خیز مشورہ

مشہور برطانوی فلسفی لارڈ برٹرنڈرسل نے تسخیر چاند کی مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے :-

یہ مہم انسانی قوت کی عظمت کے اظہار سے زیادہ دو بڑی طاقتوں کے درمیان ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے ...... ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان اہم بات یہ نہیں ہے کہ چاند کی تسخیر کی جائے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ ہم دوسرے کے مقابلے میں پہلے چاند پر پہنچ جائیں

لارڈ رسل نے ایک معنی خیز مشورہ بھی دونوں بڑی قوموں (امریکہ اور روس) کو دیا ہے کہ تم زمین پر ہی ایک دوسرے کو نہایت سستے داموں ہلاک کر سکتے ہو کیونکہ خلائی سفر جیسے بہت مہنگے طریقے پر ایک دوسرے کو تباہ کرنا چاہتے ہو (اگست ۶۹ء)

انسانیت دشمنوں کی کمندیں چاند تاروں پر

جن قوموں نے اس عالم سفلی کو اپنے شر و فساد سے بھر دیا تھا۔ اور پوری انسانیت جس کی ہلاکت آفرینیوں سے نالاں ہے۔ اب وہ اپنی کمندیں چاند اور ستاروں پر ڈال رہی ہیں۔ امریکی خلائی سیارہ ۸ کا تازہ کارنامہ سائنسی اور فنی لحاظ سے کتنا بھی اہم اور قابلِ تحسین کیوں نہ ہو؟ مگر جن لوگوں نے پوری زمین کو اپنی لیڈری اور قیادت کی خاطر جہنم کدہ بنا دیا ہے۔ ان کی یہ کامیابی حقیقی مسرت کی سزاوار اس وقت تک نہ ہو گی جب تک اس خلائی تسخیر کو انسانیت کی فلاح و بہبود اور امن عالم کا ذریعہ بنا دینے کی ضمانت نہ ہو۔ بظاہر تو خطرہ ہے کہ یہی کھیل جو علم و حکمت سے زیادہ دولت اور سیاست کے بل بوتے پر کھیلا جا رہا ہے پوری انسانیت کی ہلاکت اور تباہی کا ذریعہ نہ بن جائے۔ سائنس اور ایٹمی کارناموں ہی کے سہارے سے یورپی اقوام کی اب تک کی تاریخ غمازی کر رہی ہے۔ کہ غالباً خلائی تسخیر کا یہ حیران کن مرحلہ ارشاد خداوندی اقتربت الساعۃ وانشق القمر کا ظہور ہوگا۔

دل کا اپریشن

آج کل کے اخبارات میں جنوبی افریقہ کے شہر کیپ ٹاؤن کے ایک مریض مسٹر لوئی ذخکانسکی کا چرچا ہے جس کا مریض دل ڈاکٹروں نے نکالا اور دنیا کی تاریخ میں پہلی بار اس کے سینہ میں ایک نوجوانِ عورت کا دل نصب کیا گیا۔ بلاشبہ سائنس اور سرجری کی تاریخ میں یہ ایک انوکھا واقعہ ہے، مگر اتنی غوغا آرائی کا مستحق نہیں کہ گویا انسان نے موت پر قابو پا لیا ہو۔ ہماری

علمِ حکمت کی یہ تمام کامیابیاں اسباب کے درجہ میں ہیں اور اسباب کا موثر ہونا موثر حقیقی جو کے ہاتھ میں ہے اور جب اجل موعوذ اور وقتِ مقررہ آجائے تو تمام کوشش بے کار اور اسباب جلوۂ سراب بن کر رہ جاتے ہیں۔ بقول کسے ؎

یہ اسباب ہیں دستِ قدرت میں یوں　　قلم دست کاتب میں جیسے رہے

جس وقت تک خدا نے چاہا تو لوئی وشکانسکی زندہ رہا اور یہ زندہ رہنا علم و سائنس کا منت پذیر نہ تھا جب دلوں کے مالک نے چاہا تو سائنس و حکمت کی تمام جدوجہد کے باوجود اٹھارہ روزہ کشمکش موت و حیات کے بعد اس نے دم توڑ دیا۔ انسان آج بھی موت کے ہاتھوں ایسا ہی مجبور و بے بس ہے جتنا آغازِ تخلیق میں تھا۔ بڑے سے بڑا سائنس دان اور فلسفی اس راہ میں عجز و تقصیر کے اعتراف پر مجبور ہے۔ سینکڑوں برس پہلے امام الفلاسفہ ابن سینا نے اسی حیرت کے عالم میں کہا تھا: ؎

از قعرِ گلِ سیاہ تا اوجِ زحل　　کردم ہمہ مشکلاتِ عالم راحل

بیرون جستم ز قیدِ مکر و حیل　　ہر بند کشودہ شد مگر بندِ اجل

بے نور دلوں کا علاج کیا اچھا ہوتا اگر یورپ کی سائنس اور سرجری مردہ قلوب میں حرارت حیات دوڑانے کی بجائے عصرِ حاضرہ کی تاریک دلوں کو انسانیت اور ایمان سے روشن کرنے میں کچھ مدد دے سکتی۔ دورِ جدید کا انسان تو چلتا پھرتا لاشہ رہ گیا ہے۔ سچائی اور صداقت، انسانی اقدار اور ابدی حقیقتوں سے تہی دامن اور ایمان کی روشنی سے خالی دل زیادہ توجہ کے مستحق ہیں۔ پھر مغربی تہذیب کا اپنا دیس تو عجیب مخمصے میں ہے۔ وہ خود بلکہ اس کے ہاتھوں پوری انسانیت خودکشی اور موت کے چوراہے پر کھڑی ہے۔ وہ چوراہا جسے چاروں طرف سے مادیت اور درندگی، حرص و شہوت خود غرضی اور لالچ، بے چینی اور اضطراب، مایوسی اور زندگی سے فرار نے گھیر رکھا ہے۔

انسانیت کو خودکشی سے بچایئے لوئی وشکانسکی کے دل پر خوشیاں منانے والو تم نے ان "ظالم" اور "مظلوم دلوں" پر بھی کوئی توجہ دی جس کا ذکر انہی دنوں اخبارات میں آیا۔ ان میں ایک تو فوگولینڈ کی ایک شقی القلب ماں تھی جس نے اپنے تین سالہ بچے کا دل نکالا اور ٹماٹر میں اسے پکا کر کھا لیا (جنگ ۱۷ دسمبر ۱۹۶۷ء) اور دوسرا برطانیہ کے ساحلی

علاقہ ڈیلوز کا انسان نما عاشق تھا جس نے محبوبہ کو ورغلا کر اسے قتل کیا۔ اس کی لاش سمندر میں بہائی اور اس کا دل المونیم کے برتن میں جلایا۔ جب دل پوری طرح بھن کر خاک ہو گیا تو اس نے دل کا سرمہ آنکھوں میں استعمال کیا۔ اور یہ کیوں؟ پولیس کو بیان دیتے ہوئے ملزم ایڈورڈ رینڈ نے کہا میں نے سنا تھا کہ اس طرح سرمہ استعمال کرنے کے بعد عورتیں دیوانہ وار میری طرف بھاگ آئیں گی (جنگ ۱۶ دسمبر ۱۹۶۲ء) یہ وحشت اور بربریت، یہ سنگدلی۔ یہ ہوس حیوانی یہ قتل وفساد، یہ شراب و زناکاری کیا تمہاری سائنس و حکمت اس کے سامنے بالکل لاچار اور بے بس ہے ——!

یورپ کے دانشورو! ممکن ہے تم آکسیجن اور الیکٹرک کے ذریعہ مردہ دلوں کو تھوڑی دیر کے لئے متحرک رکھ سکو۔ مگر انسانیت اور رحمدلی سے عاری ان بے نور دلوں کا تمہارے پاس کوئی علاج نہیں اور یہ اس لئے کہ خود تمہارا باطن بایں ہمہ علم و دانش تاریک اور مضطرب ہے۔ ایمان ویقین اور تصور آخرت جس سے مردہ دلوں کی مسیحائی ہوتی تھی اور اجڑے ہوئے دل آباد اور معمور ہوتے تھے۔ اس دولت کو تو تم نے پامال کر دیا اور تمہاری ہی تقلید میں دنیا کی دوسری قومیں اور مسلمان تک بھی اس دولت سرمدی کو گنوا رہے ہیں اور اب ایمان ویقین کی روشنی سے خالی دلوں کا انجام تمہارے سامنے ہے کہ تمہاری ایک ہی ریاست مغربی جرمنی میں ہر گھنٹے ایک شخص خودکشی کر رہا ہے اور سال بھر میں خودکشی کرنے والوں کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ ہے (۲۱ دسمبر، ۱۹۶۷ء کے اخبارات بحوالہ رومن کیتھولک نیوز ایجنسی) اور امریکہ سمیت یورپ کے دیگر علاقوں میں یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ لوئی وشکانسکی کے دل کو جوڑنے والو کبھی تم نے سوچا کہ تمہاری اس ملعون دھرتی پر اتنی تعداد میں اپنے ہاتھوں دلوں کو چیرنے کے اسباب کیا ہیں؟

مسخ باطنی کے بعد جسمانی مسخ

یورپ کے بعض ڈاکٹروں نے تبدیلی قلب کے سلسلہ میں یہ توقع بھی ظاہر کی ہے کہ عنقریب انسان کے سینہ میں انسانوں کی بجائے سوٗر اور بندر کا دل بھی نصب کیا جا سکے گا کیونکہ سوٗر اور

بندر کو انسانی قلوب سے زیادہ مناسبت ہے۔ اس کے ساتھ بعض ڈاکٹروں کا یہ تاثر بھی ملحوظ ہے کہ نئے دل کا انسان کی نفسیات پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔ انسان کا رشتۂ تخلیق بندر سے ملانے کا سہرا ابھی یورپ کے سر تھا۔ ڈارون نے اپنی کتاب اصل الانواع میں انسانوں کو بندروں کی اولاد قرار دیا۔ چودھویں صدی کی تہذیب نے اپنے حیوانی فلسفوں اور طور طریقوں سے انسان کے باطن کو سؤر اور بندروں کے سانچہ میں ڈھال دیا اور اس مسخ باطنی کی رہی سہی کسر اس ظاہری اور جسمانی مسخ سے پوری ہو جائے گی۔ بیسویں صدی کا انسان جسے فیاض ازل نے احسن تقویم اور کرامت عظمیٰ کی دولت سے نوازا تھا اپنے اعمال و کردار کے ہاتھوں دوبارہ اسفل السافلین کی طرف لوٹ رہا ہے۔

انسان نما حیوان اور سؤر و بندر کے دل

مغرب کے انسانی قلوب کا سؤر اور بندروں سے مناسبت کے بارہ میں ڈاکٹروں کی رپورٹ کی تائید مغضوب اور ذلیل اقوام کی تاریخ سے بھی ہو سکتی ہے۔ ان کی سرکشی، دنیا طلبی اور حق دشمنی نفسیاتی خواہشات کی پیروی اور حیوانیت جب حد سے تجاوز کر گئی تو خدا نے انہیں بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دیا تھا اور انہیں شیطان کا غلام بنا دیا تھا جس کی خبر خدا نے ان الفاظ سے دی ہے وجعلنا منهم القردة والخنازير وعبد الطاغوت اولئك شر مكانا واضل عن سواء السبيل (اور ہم نے ان میں سے بعض کو بندر بنا دیا اور بعض کو سؤر اور طاغوت کے بندے۔ یہ لوگ بدتر ہیں۔ درجہ میں۔ اور بہت بھٹکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے) کیا آج کی مادہ پرست قومیں اخلاق و کردار کے لحاظ سے سؤر اور بندروں سے بڑھ کر نہیں ہیں؟ اور کیا انہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا رب نہیں بنایا؟ کیا وہ زندگی کا مقصد صرف حیوانی خواہشات کی تکمیل نہیں سمجھتیں؟ پس جبکہ ہر انسانی مجد و شرف سے محروم کرنے اور خدا کی یاد سے غافل کرنے والی چیز طاغوت ہے تو ان کے عبد الطاغوت ہونے میں کونسا شبہ رہ گیا ہے اور جبکہ اغراض حیوانی کی تکمیل میں حلال و حرام، شرم و حیا، عفت و عصمت، ظلم و انصاف اور دیگر تقاضوں کا لحاظ نہ کرنا، سوروں اور بندروں کی جبلت ہے تو ان کے اعضاء اور جوارح سے عہد جدید کی ترقی یافتہ انسان کے جسم اور جوارح کی مناسبت کیوں نہ ہوگی؟

جنوبی افریقہ اور یورپ میں آج کل دل کی تبدیلی کے آپریشن ہو رہے ہیں۔ اس معاملہ کی شرعی حیثیت سے قطع نظر جہاں تک سائنسی ترقیات، متنوع انکشافات اور سرجری کے محیر العقول کارناموں کا تعلق ہے۔ اگر ان کے استعمال سے کسی شخص کے دینی، اخلاقی اور جسمانی یا مادی حقوق پامال نہ ہوں اور وہ حقیقی معنوں میں انسان کی خدمت کا ذریعہ بنیں تو اسلام کو ایسی سائنس و تحقیق پر نہ کوئی اعتراض ہے اور نہ وہ مسلمانوں کو اس میں کمال حاصل کرنے سے روکتا ہے۔

سائنس سے اخبار غیب اور معجزات کی تائید

آج کی سائنس درحقیقت عالم غیب کے بارہ میں اسلام کے ان اعتقادات کی تائید اور معجزات و کرامات کے ان خرق عادت مثالوں کی تصدیق کر رہی ہے جس کا ظہور انبیاء کرام اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے ہاتھوں ہوا اور علوم نبوت اور تعلیمات اسلام سے بے بہرہ عقل اور مادہ کی پرستش کرنے والے حضرات اب تک اس کے ماننے پر تیار نہ تھے۔ مثال کے طور پر اسلام نے اعتقادات کا یہ مسئلہ پیش کیا کہ قیامت کے دن انسان کے تمام اعضاء اپنے اپنے اعمال و افعال کی شہادت دیں گے۔ لوگوں نے اس پر حیرت ظاہر کی مگر آج کے گراموفون اور ٹیپ ریکارڈر نے بندگان مشاہدہ کو اس کے ماننے پر مجبور کر دیا کہ اگر لوہا اور سیاہ رنگ کا فیتہ بول سکتا ہے کہ جس خدا نے زبان کو گویائی کی طاقت دی۔ وہ بدن کی کھال اور ہڈیوں کو بھی گویا کرا سکتا ہے۔ امت مرحومہ کے عقیدہ معراج جسمانی سے مادہ پرستوں کی عقل انکار کرتی رہی۔ آج کے خلائی اور سیاراتی کارناموں، جہاز، راکٹ اور میزائل نے تصور معراج کو تجربہ اور مشاہدہ کی حدود میں لا کھڑا کیا۔ اس طرح اسلام کے وزن اعمال کا مسئلہ کہ قیامت کے دن ہر شخص کے اعمال و اقوال تولے جائیں گے۔ آج کے سائنسی اوزان اور ترازوؤں کے ذریعے لطیف سے لطیف اشیاء حرارت، برودت اور ہوا تک کو تولا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ جرمنی میں انسانی، اخلاقی اور احساسات معلوم کرنے کے آلات بھی ایجاد ہو چکے ہیں اور وزن اعمال کا مسئلہ عقل و فہم کے قریب ہو چکا ہے۔

اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی آواز کا سینکڑوں میل کی مسافت پر پہنچنے پہ استبعاد ہے تو ہزاروں میل سے، ریڈیو، وائرلیس، ٹیلی ویژن کے ذریعہ اصوات اور تصاویر کے منتقل ہونے سے

اس کرامتِ فاروقیؓ کی تصدیق ہو جاتی ہے یہی حال حضورؐ کے معجزۂ شقِ صدر کا ہے حضورؐ کا سینہ مبارک چاک ہو جانے کے واقعہ سے عصرِ حاضر کے فلاسفروں کو اگر اچھنبا ہو سکتا تھا تو آج کی سرجری دل، جگر، گردوں اور دیگر اعضائے رئیسہ کے آپریشنوں کے ذریعہ حضورؐ کے شق صدر کے بارہ میں سچے اخبار اور دیگر غیبی معانی اور حقائق کی تسلیم پر دنیا کو مجبور کر رہی ہے۔ گو مسلمانوں کے نزدیک ان غیبی حقائق کی تصدیق اور ایمان کے لئے کسی سائنس اور مشاہدے کی ہرگز ضرورت نہیں جس ذات نے حقائق و خواص اشیاء کی پردہ دری کی۔ صلاحیتیں انسان کو عطا فرمائیں۔ کیا وہ خود اس کائنات اور اس کی مخلوقات میں تمام اسباب وعادات کو توڑ کر ہر قسم کے تصرف پر قادر نہ ہوگا

غیر انسانی اور غیر اخلاقی

تبدیلیٔ دل کے آپریشن پر تاثرات اور ردِ عمل کے ضمن میں بعض ماہر ڈاکٹروں نے اس شبہ کا اظہار کیا ہے کہ مرنے والوں کا دل ایسے حال میں نکال دیا جاتا ہے کہ اس میں زندگی کی رمق اور آثار قائم رہتے ہیں۔ اگر واقعہ ایسا ہے جس کا ڈاکٹر برنارڈ نے بھی دبی زبان سے اعتراف کیا ہے تو یہ کارنامہ سرجری کی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہونا چاہیئے۔ زندگی ایک لحظہ کی کیوں نہ ہو۔ بہرحال زندگی ہے اور ہر انسان کو دوسرے کے ہزار سال سے اپنی زندگی کا ایک لمحہ عزیز ہوتا ہے۔ ایک کی متوقع زندگی کے لئے دوسروں کی زندگی کا ٹمٹماتا چراغ جلدی سے بجھا دینا ایک غیر اخلاقی اور خود غرضانہ حرکت ہے۔ اگر مان بھی لیا جائے تو اس مقصد کے لئے مردہ دلوں کو کام میں لایا جاتا ہے تو شرعی حیثیت سے قطع نظر بھی انسانی اور اخلاقی لحاظ سے یہ معاملہ غور طلب ہے مگر "اخلاقیات" نام کی کوئی شے یورپ کی منڈیوں میں عنقا ہے۔

باب ۸
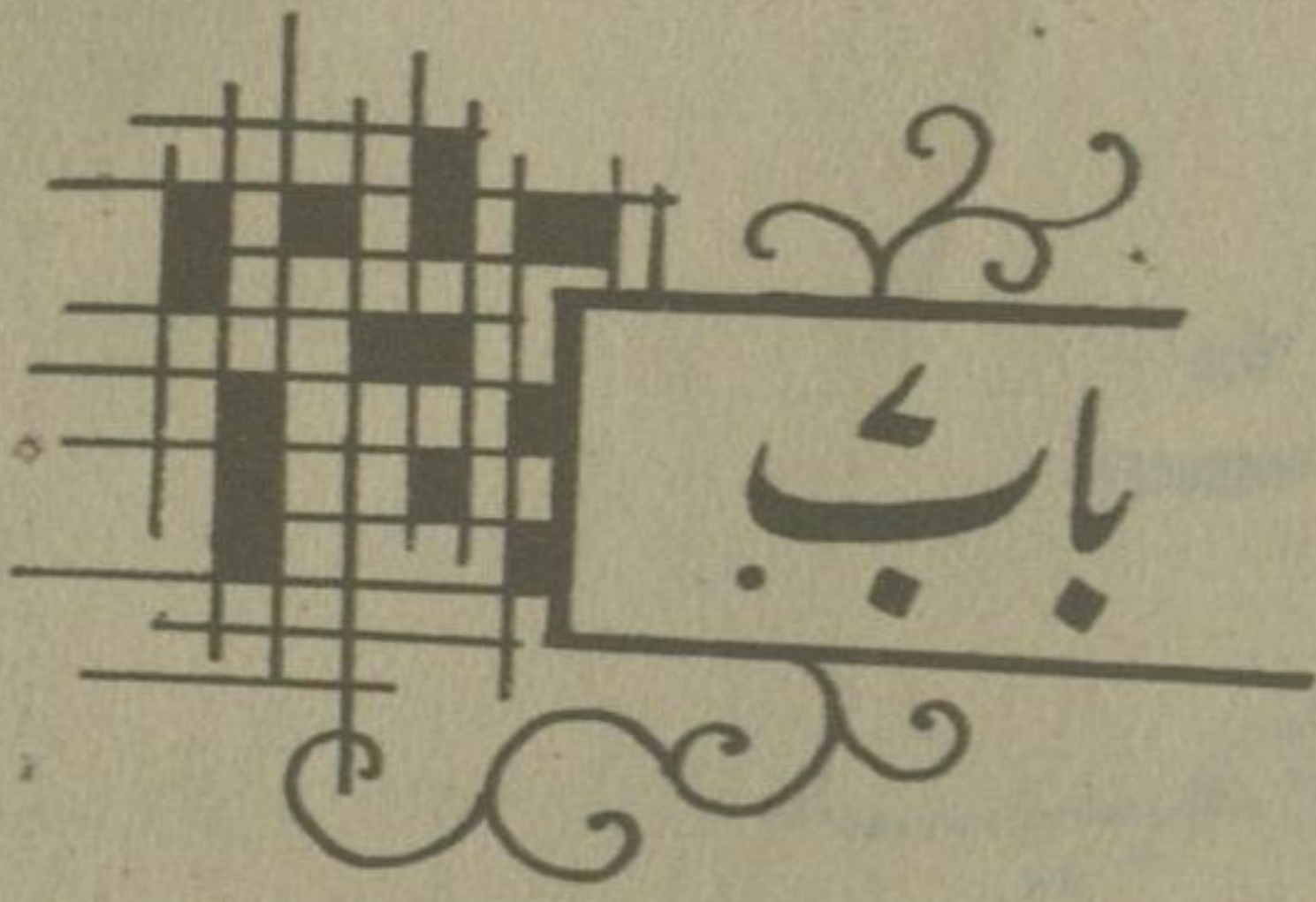
فرق باطلہ کا تعاقب

علمی و دینی فتنے

قادیانیت

منزل بہ منزل تعاقب

قادیانیت

ایک شجرۂ خبیثہ

"قادیانیت" مسلمانوں کے لئے ایک ایسا "شجرۂ خبیثہ" ہے، جس کی جڑیں کبھی بھی عقل و دانش کی زمین میں جگہ نہیں پکڑ سکیں لیکن دجل و تلبیس، ملمع سازی اور فریب کے بل بوتے پر اس کی شاخیں کبھی کبھی پھیلنے لگتی ہیں اور خطرہ لاحق ہو جاتا ہے کہ دینِ قیّم کے صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لئے یہ خار دار جھاڑیاں اور کانٹے راہِ حق سے بھٹکنے کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ چند دنوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ محمد مصطفٰے علیہ السلام (بآبا ناموا روا خا) سے بغاوت اور ملتِ محمدیہ کو اپنے مرکز سے ہٹانے کی یہ تحریک ایک بار پھر پر زے نکال رہی ہے، اس کی سرگرمیاں ملک و بیرونِ ملک میں تیز تر ہو گئی ہیں۔ اس انگریزی نبوتِ کاذبہ کا پرچار پمفلٹوں، کتابچوں اور رسائل کے ذریعہ کیا جا رہا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقہ، دینی ادارے اہم شخصیات اور تعلیمی مراکز اس لٹریچر کا خاص نشانہ ہیں۔ خود ہمارے ہاں پچھلے دو ایک ہفتوں میں اس قسم کے چالیس پچاس رسائل اور پمفلٹ موصول ہوئے جو اول سے آخر تک اس جھوٹی نبوت کی تبلیغ اور بالفاظِ دیگر کفر و ارتداد کی دعوت اور مرزا "قادیانی" کے دعاوئ باطلہ سے لبریز ہیں۔

یہی حال عصری کالجوں اور یونیورسٹیوں کا ہے۔ پشاور یونیورسٹی کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ کفر و ارتداد کا یہ مسلم آزاد لٹریچر نہ صرف لائبریریوں بلکہ کلاسوں اور مختلف ہاسٹلوں تک پہنچ کر خالی الذہن اور سادہ لوح طالب العلموں کے ذہنی انتشار، فکری بے چینی اور دین و عقیدے کے تذبذب کا باعث بن رہا ہے۔ اس ملک کے باشندے جو عمل و کردار کی ساری خامیوں کے باوجود ذاتِ رسالتمآب خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

والہانہ عشق رکھتے ہیں، اور جن کا ایمان ہے، کہ دامنِ مصطفیٰؐ کا چھوٹ جانا ضیاعِ دین و ایمان اور سراسر ہلاکت و خسران ہے، اُن کا عقیدہ ہے کہ اس دانائے سبل، ختمِ رسلؐ کے سایۂ رحمت کے سوا کوئی دوسرا ایسا سہارا انہیں مل سکتا۔ جو انہیں ابدی مسرتوں اور کامیابیوں سے ہمکنار کرنے کی ضمانت دے۔ اگر اس رحمۃ عالمین کی ذات کو بیچ سے ہٹا دیا جائے، تو یہ دنیا تو سراسر شیطنت ــ سرتاپا ظلم اور سراپا اندھیرہ رہ جائے گی۔

خدا سے بھٹکی ہوئی انسانیت جو اس وقت جہنم کے دہانے پر کھڑی ہے، یہ انسان نما درندے، یہ تہذیب نما حیوانیت۔؟ یہ بظاہر خوش رنگ مگر درحقیقت سراسر تعذیب تہذیب مغرب؟ یہ ظلمتکدۂ عالم؟ ــــ اللہ اکبر

خاکم بدہن، اگر خدائے لایزال کی وہ آخری روشنی جو محمد عربی علیہ السلام کی شکل میں جگمگا رہی ہے، وہ ہدایت کا سراجِ منیر، تعلیماتِ ربانی کا نیرِ تاباں اور انسانی فلاح و نجات کا مناد، اگر دنیا اس نورِ مبین کی کرنوں سے محروم ہو جائے تو پھر اس دنیا کی ظلمت و بدبختی اور چنگیزیت کا کیا عالم ہوگا۔؟ پھر کون سا ذی شعور اور حسّاس مسلمان ہوگا جو اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ علیہ السلام کے دامنِ عاطفت سے نکال کر کسی مسیح دجال کسی ابوجہل اور ابولہب کے رحم و کرم پر چھوڑ دے کہ ع گر با و نہ رسیدی تمام بولہبی است۔

محمدؐ ہمارا ایمان، محمدؐ آبروئے ہر دو جہان، محمدؐ ہماری شان اور آن ہے (صلوات اللہ علیہ) دین و دنیا کی سرخروئی اور شہنشاہی قیامت تک اسی کی چوکھٹ کی غلامی سے وابستہ ہے، اگر کسی کو اس کی غلامی سے عار ہے تو اس کے سر پر خاک ؎

محمد عربی کہ آبروئے ہر دو سراست ۔۔۔ کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سرِ او

مسلمان کا شیوہ ہے اور تاریخ اس پر شاہد، کہ جان جائے تو جائے مگر مدنی آقاؐ کی شان پر حرف نہ آئے، وہ محمد عربیؐ کی ناموس پر متاعِ ہر دو عالم قربان کرتا ہے، اور پھر بھی اس سودائے عشق کو سراسر نفع ہی سمجھتا ہے کہ ؎

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں ۔۔۔ اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

وہ اس آبروئے کائناتؐ کے چشم وابرو پر دنیا و مافیہا نثار کر دیتا ہے۔ اس کی کہی ہوئی بات اس کے اعمال و افعال اس کی تعلیم و کردار کی حفاظت اس کی زندگی کا مقصدِ اوّلین و آخریں ہے۔ وہ تیروں کی بوچھاڑ سے بے نیاز ہو کر تلواروں کے وار جان و جگر پر سہتا ہے کہ عَلَمِ محمدی سرنگوں نہ ہونے پائے، وہ جب تک اپنے آپ کو خواجۂ یثربؐ کی عزت پر کٹ مرنے کو تیار نہیں پاتا اپنے ایمان کو ناقص سمجھتا ہے۔ ان احساسات اور جذبات کے ہوتے ہوئے جن کا اندازہ بدترین دشمنوں کو بھی ہے، کوئی مسلمان اپنے نبیؐ کی اس حریف و رقیب جھوٹی نبوت پر کب خاموش رہ سکتا ہے جسے انگریز نے محض سیاسی اغراض کے لئے مسلمانوں کے سر پر مسلط کر دیا تھا۔

پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ نبوتِ محمدیؐ علیٰ صاحبہا السلام کے متوازی ایک باغی نبوت کو اپنی سرگرمیوں کے لئے کھلے بندوں آزادی دے دی جائے اور وہ مسلمانوں کے ایمان و اسلام پر ڈاکے ڈالتی پھرے، وہ مسلمانوں میں رہتے ہوئے ان کی غیرت و حمیت کو للکارتی رہے اور سادہ لوح غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دے کہ رحمتِ عالمینؐ کے سایۂ رحمت سے نکل کر ایک خود باختہ متنبّی کذاب کا طوقِ غلامی پہن لو اور پھر یہ کہ وہ غیر مسلم اقوام کے سامنے اپنے مسلم آرگن لٹریچر کے ذریعہ رسول اللہؐ اور دیگر انبیاء کرام کو کرشنا، گوتم بدھ، کنفیوشش اور زرتشت کے برابر ایک روحانی رہنما بنا کر پیش کرےؐ، اور اس طرح وہ علیٰ رؤس الاشہاد (خارش بدہن) تاجدارِ رسالتؐ کی عظمت و برتری کو مجروح کرنا چاہے۔

ؐ ملاحظہ ہو لندن سے شائع ہونے والا تحریکِ احمدیت کا آرگن "مسلم ہیرلڈ" بابت نومبر ۱۹۶۶ء بحوالہ البعث الاسلامی۔ ساتھ یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اسلام تمام ادیان کے بقاء اور وحدت اور باہمی مصالحت کی تاکید کرتا ہے۔ اس پرچہ میں سر ظفر اللہ خاں کی ایک تقریر بھی انہی امور پر مشتمل درج ہے، جو انہوں نے عبادت گاہ تھاہم کا افتتاح کرتے ہوئے کی۔

پھر اس "عیارانہ نبوت" کے علمبرداروں کی ڈھٹائی کا یہ عالم ہے کہ بھرے جلسوں میں وہ مسلمانوں کے محبوب رہنماؤں اور ناموسِ محمدیؐ کے جاں نثار سپاہیوں پر آوازے کستے ہیں اور اپنی مذبوحی حرکات میں مسلمانوں کی غیرت کو للکار کر کہتے ہیں کہ :[1]

"کہاں گئے تمہارے عطاء اللہ شاہ بخاری، ثناء اللہ امرتسری، ابوالحسنات اور مجلس احرار جو ہماری مخالفت کیا کرتے تھے۔ وہ سب ختم ہو گئے اور ہم باقی ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سچے ہیں"

مگر ان بے مایگان عقل و خرد کو کون سمجھائے کہ کسی عقیدہ کی حقانیت اور سچائی کا معیار کسی کی ہمیشگی اور خلود نہیں سچائی کسی راست باز انسان کے مر جانے سے ختم نہیں ہو جاتی۔ پھر تو دنیا میں کسی سچائی کا وجود باقی نہ رہے گا ــــ مرنا تو سب ہی کو ہے کیا انبیاءؑ، کیا اولیاءؒ، کیا صدیقینؓ اور کیا شہدائؓ ــــ اور کیا فرعون و ہامان اور کیا ابوجہل و ابولہب اور کیا امت محمدیؐ کے دجالین و کذابین۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کی موت پر ملاءِ اعلیٰ میں بہار آجاتی ہے، انوار و برکات کے دریا موجزن ہو جاتے ہیں، ملائکہ اور حوروں کے جھرمٹ میں اس کی بارات آسمانوں تک پہنچتی ہے اور کسی کے مقدر میں اس وقتِ موعود کے لئے کوئی غلیظ بیت الخلاء ہوتی ہے کہ فرشتے بھی اس کی بدبو دار روح کو نکالتے ہوئے الاماں والحفیظ کی صدائیں لگائیں ــــ اشخاص فانی ہیں، مگر سچائی زندۂ جاوید ــــ

کیا مسلمانوں کے دل سے عقیدۂ ختم نبوت کی عظمت ختم ہو چکی ہے؟ کیا جمہور اہل اسلام مرزا آنجہانی کو پیغمبر تو کیا مسلمان تک ماننے لگے ہیں؟ یا مرزائیت سے نفرت کا جذبہ مسلمانوں کے دلوں سے نکل چکا ہے؟ ہرگز نہیں۔ گو آج انور شاہ کشمیری، عطاء اللہ شاہ بخاری اور

---

[1] معاصر "خدام الدین" راوی ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ قادیانیوں کے رسوائے عالم لیڈر سر ظفر اللہ خان نے قادیانیوں کے حالیہ سالانہ جلسہ منعقدہ ربوہ میں کہے۔

ثناء اللہ امرتسری ہم میں نہیں مگر مسلمانوں کے منبر و محراب، ہر مدرسہ و خانقاہ، ہر مجلس و محفل سے ان اکابر کی روح بول رہی ہے۔ اور ہر مسلمان کے دل میں وہ آگ سلگ رہی ہے جسے ان اکابر نے روشن کیا تھا۔ یہاں ہم اس دریدہ دہن کی خدمت میں صرف یہ شعر پیش کرنے پر اکتفاء کریں گے ؎

مت سوچ بخاری نہیں اربابِ وطن میں　　　یہ دیکھ فضا شعلہ فشاں ہے کہ نہیں ہے
جو آگ سلگتی رہی اس شیر کے دل میں　　　اس آگ سے ہر روح تپاں ہے کہ نہیں ہے

(بادنیٰ تغیر)

یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے قادیانیوں کے ان مساعی کی جن سے وطنِ عزیز کے استحکام اور اتحاد کو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے، یہ ملک جو ہمیں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے ہم اسے ہر لحاظ سے مستحکم اور متحد دیکھنا چاہتے ہیں اس کی خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اسے انتشار و افتراق اور ملک کو نازک حالات سے دوچار کرنے والی ان سرگرمیوں سے محفوظ رکھا جائے۔

ہماری خیر خواہانہ التجا ہے کہ کفر و ارتداد کے اس دعوت و تحریک کو فوری طور پر روک دیا جائے تاکہ وطنِ عزیز کسی آزمائش سے دوچار نہ ہو۔ (مارچ ۶۷ء)

مطالبۂ اقلیّت کا ایک سرسری جائزہ

پاکستان کے نئے دستور میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت خاتم النبیین بطور آخری نبی کے ایک حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس دستور کی تکمیل کے تین ہفتے بعد کشمیر کی وادیوں سے ایک روح پرور آواز اٹھی اور سارے فضائے بسیط میں پھیل گئی۔ پاکستان کی سرزمین اس آوازۂ حق سے گونج اٹھی، باطل کے در و دیوار لرز اٹھے، کفر تھرا گیا اور جعلی نبوت کے ظلمتکدوں کی تاریکی اور بڑھ گئی۔ یہ آزاد کشمیر اسمبلی کی ایمان میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ یہ حرارتِ ایمانی اور حمیّت ناموسِ رسالت کی ترجمانی کرنے والا فیصلہ تھا جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلانِ حق کیا گیا تھا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی اسلامیانِ پاکستان میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی ——— اس جرأت مندانہ اور مومنانہ فیصلہ پر آزاد کشمیر اسمبلی اور صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان کو بے پناہ خراجِ تحسین پیش کیا گیا کہ ایسا کرنا ایمان کا تقاضا تھا۔ مگر جن کے دل اس روشنی سے محروم تھے اور جن کا باطن ناموسِ رسالت پر مرمٹنے کے جذبات سے عاری تھا اور جو آنکھوں کے نہیں مگر دلوں کے اندھے تھے۔ ان کے خرمنِ دجل و تلبیس پر یہ قرارداد ایک صاعقہ بن کر گری۔ ان کی سازشوں کا سلسلہ تیز سے تیز تر اور گہرا ہوتا چلا گیا ——— آزاد کشمیر کی حکومت اس "جرم" کی پاداش میں معزول کی جا چکی ہوتی اگر ملتِ مسلمہ کا جذبۂ فدائیت اور ناموسِ رسالت پر مرمٹنے والے عزائم اس منصوبے کے آڑے نہ آتے۔

جن لوگوں کو یہ فیصلہ ناگوار گزرا ہے ان کی حقیقت سردار عبدالقیوم خان ہی کے ان الفاظ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ جو انہوں نے مرکزی وزیرِ داخلہ خان عبدالقیوم خان کے

نام ایک تفصیلی مکتوب میں لکھے اور کہا کہ " در اصل بات میرے خلاف الزامات کی نہیں بلکہ آپ حضرات کو تکلیف اس امر کی ہے کہ میں یہاں آزاد کشمیر میں اسلامی قوانین کا نفاذ تیزی سے کیوں کر رہا ہوں۔ اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی توفیق کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔ غالباً قادیانیوں کی بھی آپ کو اتنی پریشانی نہیں جتنی اسلامی نظام کے نفاذ کی ہے۔"

بہر حال یہ مسئلہ صرف آزاد کشمیر کا نہیں صرف برِصغیر کا نہیں نہ صرف عالمِ اسلام کا ہے، بلکہ روئے زمین پر بسنے والے محمد عربیؐ کے ہر نام لیوا امتی اور دربارِ رسالتؐ کی چوکھٹ سے نسبت رکھنے والے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کا ہے " قادیانی مسلم نزاع " جتنا بھی وقتی طور پر دبا دیا جائے گا۔ اتنا ہی شدت سے یہ امت کے اساسی تصورِ ایمان اور تصورِ رسالت کی وجہ سے مسلمانوں کو دعوتِ فکر و عمل دیتا رہے گا۔ اسلام کے قطعی معتقدات قرآن و سنت کی متواتر تعلیمات، نبی کریمؐ سے عشق و محبت، رسولِ عربیؐ سے نسبتِ غلامی، اسلاف کے اجماعی فیصلے اور ملی اتحاد و یکجہتی کی حفاظت اور اس طرح کے ہزاروں ملی، دینی، سیاسی اور معاشرتی تقاضے ہمیں مجبور کریں گے کہ ہم ایک بار اٹھ کر اس " نبوتِ کاذبہ " کے سارے نشانات ایک ایک کر کے مٹا دیں۔ اسلامی لبادہ اوڑھ کر دنیا میں پھیلنے والے اس دجالی کفر کو جب تک پوری طرح ٹھکانے نہ لگایا جائے گا قادیانیت پوری امت کے لئے ایک چیلنج بنی رہے گی، اور محمد عربیؐ کی پوری امت اپنے محبوب پیغمبر کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکے گی۔ قرآن ہمیں ایسے معاملات میں وقاتلوھم حتیٰ لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہٗ للہ کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ اس بارہ میں رواداری اور وسیع النظری کا مطالبہ کرتے ہیں اور جو ایسی باتوں کو تنگ نظری اور فرقہ واریت سمجھتے ہیں وہ ایمان کی حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور ہزار بار دعویٰ ایمان و اسلام کے باوجود خدا کی نگاہ میں ان کی وقعت سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے قاتل وحشی کے پیشاب کے قطرے کے برابر بھی نہیں جس نے نبی کریمؐ کی دلآزاری کا کفارہ اپنے وقت کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو تہ تیغ کرنے کی شکل میں دیا اور جب تک اس ملعون کو جہنم رسید نہ کیا اس وقت تک خدا کی رحمت و مغفرت کے امیدوار نہ بن سکے۔

ــــ تعجب ہے کہ بعض لوگ قادیانیوں کے بارہ میں مسلمانوں کے مطالبہ اقلیت پر بھی چین بجبین ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہاں مسئلہ کفر و اسلام کا نہیں اسلام اور ارتداد کا تھا اور پوری اسلامی تاریخ میں ایسے لوگوں کی سزا قتل سے کم ہرگز نہ تھی اسے مسلمانوں کی رواداری کہئے یا مجبوریاں کہ وہ قادیانیوں کے بارہ میں انہیں "اقلیت قرار دینے" کا کم تر درجہ مطالبہ کرتے ہیں۔

تو آیئے! ہم اس اقلیت کے مطالبہ کا ایک سرسری جائزہ لیں ــــ جہاں تک اقلیت کا مسئلہ ہے۔

دین و دنیا کے ہر شعبے میں علیحدہ امت ہونے کا اعلان

قادیانیوں کا بحیثیت ایک ایک الگ اور متوازی امت ہونے کے یہ نہ صرف ایک بدیہی حقیقت ہے۔ بلکہ خود مرزائیت اپنی تمام تر تعلیمات و اعمال میں نہ صرف ایک متوازی امت ہونے کا اعتراف کرتی ہے بلکہ اپنے پیروؤں کو عبادات، معاملات، معاشرت دین و دنیا ہر شعبۂ زندگی میں اس علیحدہ جداگانہ تشخص کی تلقین و تاکید کرتی چلی آرہی ہے۔ اور اس دائرہ سے باہر تمام غیر مرزائی مسلمانوں کو ایک علیحدہ امت اور الگ گروہ کہنے اور سمجھنے کے ہزاروں شواہد ہمارے پاس موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد نے کہا ہے کہ "ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہ کیا، وہ مسلمان نہیں ہے" ــــ (تشحیذ الاذہان جلد ۶ ص ۱۳۵) اور کہا کہ میری بیعت میں توقف کرنے والا بھی کافر ہے (قادیانی قول و فعل الیاس برنی ص ۱۷) ان کے خلیفہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر یہاں تک اعلان کیا کہ ــــ مرزا کی دعوت قبول نہ کرنے والے خواہ انہوں نے مرزا کا نام تک بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں (ص ۱۷) ان کا انکار موجب غضب الٰہی اور کفر ہے (ص ۱۵) ایسے لوگ خدا و رسولؐ کے نافرمان اور جہنمی ہیں (ص ۱۶) اپنے نہ ماننے والوں کو مرزا کیسے "پاکیزہ" القاب سے نواز کر کہتا ہے: کل مومن یتقبلنی الا ذریۃ البغایا ــــ میرے مخالف جنگلوں کے سؤر ہو گئے ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں (نجم الہدیٰ ص ۵۳) ہماری فتح کا

قائل نہ ہونے والا ولد الزنا ہے، حلال زادہ نہیں ۔

مرزا کے خلیفہ اور فرزند محمود احمد نے قادیانیت کے نمائندہ کی حیثیت سے گورداسپور کی عدالت میں کہا: کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے (اس لئے) غیر احمدی کافر ہیں (الفضل ۲۶ جون ۱۹۲۲ء) قادیانیت کے عالمی ترجمان ظفر اللہ خان کا محمد علی جناح صاحب کے نماز جنازہ کا انکار کس کو معلوم نہیں ۔ اور جب پوچھا گیا تو ظفر اللہ نے کہا کہ مجھے کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھئے یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم ــــ مسٹر جناح سے بہت پہلے اسی ظفر اللہ نے اپنے ایک اور محسن سر فضل حسین کے جنازہ سے بھی یہی سلوک کیا اور وہ دور ہندو سکھوں کے ساتھ الگ کھڑے رہے (قادیانی قول و فعل ص ۲۳) یہی نہیں بلکہ جب بھی مرزائیوں کے موقف کی ترجمانی کی ضرورت ہوئی، ظفر اللہ نے عدالت میں بھی اس مؤقف کی تائید کی کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں ۔ (ص ۱۹)

ابھی پچھلے سال ایم ایم احمد نے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کے مقدمہ میں مرزائیوں کے اسی موقف کو بڑی ڈھٹائی سے دہرایا اور جنازہ کے مسئلہ میں ظفر اللہ کے موقف کی بھی تصویب کی ــــ مسلمانوں کے بارہ میں مرزائیوں کا یہ موقف اتنا کھلا اور واضح ہے کہ ۱۹۵۳ء کی منیر انکوائری نے بھی ہزار بددیانتی اور جانبدارانہ رویہ کے باوجود اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ــــ ہم نے اس بارہ میں احمدیوں کے بے شمار اعلانات دیکھے ہیں اور ہمارے لئے اس کی کوئی تعبیر سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مرزا کے نہ ماننے والے ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہیں (رپورٹ ص ۲۱۲)

یہ تو مسلمانوں کے بارہ میں ان کا اصولی طرز عمل ہوا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ امت سمجھنے لگے آگے اس اصولی موقف کو قائم رکھنے کے لئے دین و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں مرزائیوں نے مسلمانوں سے الگ تشخص قائم رکھنے کی تلقین نہ کی ہو ۔

عبادات

کہا گیا کہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت ممنوع ہے اس لئے کہ کفار کو دعائے مغفرت جائز نہیں (قادیانی قول و فعل ص ۲۲) غیر احمدی کا جنازہ ہرگز

جائز نہیں (ص ۲۳) ایسے لوگوں کے معصوم بچوں کا جنازہ بھی جائز نہیں (ص ۲۹) مرزا نے اپنے ایک بیٹے کا محض اس لئے جنازہ نہ پڑھا کہ وہ غیر احمدی (مسلمان) تھا (ص ۲۳) کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا تو کیا کسی احمدی نے ایسا کیا تو اس کا جنازہ بھی جائز نہیں۔ (ص ۲۴)

معاشرتی معاملات

یہ تو عبادات کا حکم تھا، معاشرتی معاملات کو دیکھئے، مرزا کا قطعی حکم ہے کہ کوئی احمدی، کسی غیر احمدی کو لڑکی نہ دے (ص ۲۶) البتہ ان کی لڑکیوں کو بیاہ سکتا ہے جس طرح یہودی اور عیسائی لڑکی کو (ص ۲۷) خود خلیفہ مرزا کے الفاظ میں — دینی تعلیمات نماز وغیرہ دنیوی تعلقات رشتہ ناطہ وغیرہ کے بعد اب یہ کیا گیا ہے کہ ہمارے لئے ان کے ساتھ قائم رکھنا جائز ہو سلام کہنا بھی جائز نہیں (ص ۲۸ بحوالہ کلمتہ الفصل) مرزا ساری عمر نہ غیر احمدیوں کی کسی انجمن کے ممبر ہوئے نہ ان کو اپنا ممبر بنایا نہ ان کو چندہ دیا (ص ۲۸) مرزائیوں سے اختلاف کو فروعی اور جزئی قرار دینے والے بے حمیت "مسلمانوں" کے منہ پر خود مرزائیوں نے اپنا غلیظ تھپڑ اس طرح مارا ہے کہ وہ برملا کہتے ہیں، "یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفاتِ مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات، رسول کریمؐ، قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے"۔ (خطبہ مرزا بشیر الدین۔ الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)

اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا استعمال

مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر مرزا نے خود اس دعوے کی قلعی اس طرح کھول دی ہے کہ ان (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے۔ (ایضاً ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء)

مسلمانوں سے دین اور معاشرت ہر لحاظ سے علیحدگی کی تلقین کے بعد اپنی جداگانہ تشخص کن کن طریقوں سے بحیثیت ایک الگ امت کے قائم کی گئی اس کی تفصیل دیکھئے۔

۱۔ اپنے پیروؤں کو "میری امت" سے تعبیر کیا گیا۔ ۲۔ رفقاء کو صحابہ کرام کا نام دیا۔ ۳۔ بیویوں

کو امہات المومنین اور سیدۃ النساء کی اصطلاح سے نوازا۔ ۴۔ مرزا کے مدفن کو گنبد خضراء کے مماثل ٹھہرایا۔ ۵۔ قادیان کو مکہ اور مدینہ کے برابر ٹھہرایا۔ ۶۔ قادیان کے سفر کو ظلی حج کا لقب دیا۔ ۷۔ سنہ ہجری کے علاوہ نئی تقویم کی بنیاد ڈالی۔ الغرض کسی دین اور امت کے لوازمات اور مناسبات کو ایک ایک کر کے اختیار کرنے کی سعی کی گئی، اپنے مقابل امتِ محمدیہ کو سیاسی سطح پر جس طرح برصغیر اور پوری دنیا میں مٹانے کی کوششیں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں وہ آج کی فرصت کا موضوع نہیں۔ کبھی آئندہ اس پر مفصل گفتگو ہو گی انشاء اللہ۔ اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے جب بھی مسلمانوں کی طرف سے آواز اٹھی کہ انہیں اقلیت قرار دیا جائے تو سارے مسلمانوں کو کافر اور جہنمی کہنے والوں کی "رگِ اسلامیت" پھڑک اٹھتی ہے اور واویلا مچ جاتا ہے کہ اس طرح وہ اسلامی لبادہ میں مارِ آستین بن کر مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی مفادات سے محروم ہو جائیں گے اور بدقسمتی سے اس انگریز کی پیدا کردہ "امت" کو انگریز ہی کی دیسی ذریت کی شکل میں سرپرست بھی مل جاتے ہیں۔

مسلمان اور کلمہ گو ہونے کی حقیقت

اب کے مرزائیوں نے جو نیا سلسلہ شروع کیا ہے وہ اپنے ایمان اور اسلام اور مسلمان ہونے کا پروپیگنڈہ ہے۔ گھر گھر ایسے پمفلٹ اور رسائل پہنچائے جا رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، حضورؐ کو خاتم النبیین جانتے ہیں، کلمہ گو ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے قائل ہیں۔ اس طرح بہت سی باتوں کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دہی کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں ہم ایسے دعووں کا بھی سرسری جائزہ ضروری سمجھتے ہیں۔

۱:۔ وہ حضورؐ کو ہزار بار خاتم النبیین کہیں مگر اس سے ان کی مراد امت کا متفقہ مفہوم آخری نبی نہیں ہوتا بلکہ ایسا نبی جس کی مہر (خاتم) امت کو نبی بنا دے مرزا محمود احمد دوسرے خلیفہ نے عدالت میں بیان دیا کہ لغت میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کسی جگہ نہیں لکھے۔ (عدالت گورداسپور میں بیان۔ شائع کردہ انجمن احمدیہ لاہور ص ۲۰)

۲:۔ مرزا کی اکثر ایسی عبارتیں ان کتابچوں میں پیش کی جا رہی ہیں جو اس کے دعویٰ نبوت سنہ ۱۹۰۱ء سے قبل لکھی گئی ہیں۔ جبکہ اس زمانہ میں خود مرزا نبوت کے دعویداروں کو کاذب، کافر، بدبخت، دشمنِ قرآن، بےشرم اور کیا کیا کچھ قرار دیتے تھے۔ (ملاحظہ ہو آسمانی فیصلہ ص۲۵ تبلیغ رسالت جلد ۲ ص۲ ص۲۳ وغیرہ) مگر جب "نبوت" کا دورہ پڑ گیا تو نہ صرف نبی بلکہ حقیقی نبی (حقیقت النبوۃ ص۱۷۴) رسول (دافع البلاء ص۱۰-۱۱) مہدی اور محمد (الفضل ۲۶ رجنوری ۱۹۱۶ء) تمام انبیاء سے افضل (درثمین) بن گئے۔

۳:۔ مرزائی اپنے آپ کو کلمہ گو کہتے ہیں کہ ہمارا کلمہ شہادت ایک ہی ہے۔ اس کی حقیقت بھی سنئے۔ مرزائیوں کے نزدیک اس کلمہ سے مراد مرزا کی نبوت کی تصدیق اور مرزا کی ذات ہوتی ہے وہ اگر کلمہ گو ہیں تو مرزا ہی کے نہ کہ محمد عربی علیہ السلام کے۔ اس لئے کہ مرزا کہتا ہے کہ "محمد الرسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد الرسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے (الفضل ۱۵ رجولائی ۱۹۱۵ء) احمد سے مراد مرزا ہیں۔ (الفضل ۱۹ راگست ۱۹۱۸ء) قرآن میں آپ ہی کی بشارت کا ذکر ہے ــــــ اب (حاکم بدہن) محمد الرسول اللہ کو بھی مرزا کے اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔ (پیغام صلح جلد ۲ ص۲۴) اس وحی اللہ میں میرا نام محمد رکھا گیا ہے اور رسول بھی۔ (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص۱۴) اس لئے مرزائیوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ ہمیں نئے کلمے کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود رسولِ کریمؐ سے الگ کوئی چیز نہیں وہ (مرزا) خود محمد الرسول اللہ ہے۔ اس لئے ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت نہیں اگر محمد الرسول اللہ کی جگہ اور آتا تو ضرورت ہوتی۔ (کلمۃ الفصل رسالہ ریویو آف ریلجنز جلد ۱۴ ص۱۵۸)

۴:۔ وہ اپنی موجودہ تحریرات میں مسلمانوں کو مسلمان کہتے ہیں جبکہ مذکورہ بالا حوالوں سے آپ کو اس کے خلاف معلوم ہو چکا تو لیجئے اس تقیہ اور دجل و تلبیس کی حقیقت بھی خود مرزائیوں سے سنئے۔ مرزا بشیر الدین محمود نے خود یہ الجھن دور کر دی ہے کہ ہم

غیر احمدیوں کو مسلمان سے موسوم کرتے ہیں تو محض اس لئے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اس لفظ کے بغیر پتہ نہیں چل سکتا مگر خدا کے نزدیک مسلمان نہیں، انہیں نئے سرے سے مسلمان کرنا ہوگا۔

(مرزا بشیر احمد ص۲۱)

۵۔ وہ اگر کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو مرزا کی اصطلاح میں "ان کا (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور"۔

۶۔ امتیں انبیاء سے بنتی ہیں

اگر ایک شخص ہزار بار کلمہ گو کہلائے کلمہ شہادت کو شبانہ روز ورد بنا دے مگر دین کے کسی قطعی عقیدہ یا ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک بات کا منکر ہو تو تمام امت کے نزدیک بالاجماع کافر ہو جاتا ہے۔ یہی طرزِ عمل مرزا محمود احمد نے غیر قادیانی یعنی مسلمانوں کے بارہ میں اختیار کیا ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ کلمہ گو نہیں کہ آپ انہیں کافر کہتے ہیں، مرزا نے جواب دیا۔ بے شک وہ کلمہ گو ہیں۔ مگر مسلم کے لئے توحید، تمام انبیاءؑ، ملائکہ، کتب سماوی پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو ان میں سے ایک کا منکر ہو جائے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غیر احمدی مرزا کی نبوت سے منکر ہو کر کفار میں شامل ہوئے (الفضل جلد ۲ جون ۱۹۲۳ء)

خود مرزا نے ایک دفعہ کھل کر جواب دیا کہ صوم وصلوٰۃ کا پابند شخص بھی اگر کسی ایک حکم کو نہ مانے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر زنا یا چوری کو جائز کہہ دے تو کافر ہو جاتا ہے۔ (البدر ۲۶ جون ۱۹۱۲ء)

پس ٹھیک یہی مؤقف مسلمانوں کا مرزائیوں کے بارہ میں ہے اگر کوئی شخص اسلام قرآن، حدیث، ارکانِ اسلام، شعائرِ اسلام نبی کریمؐ کی مدح و توصیف سے دفتر کے دفتر بھر دے مگر وہ حضور خاتم النبیینؐ کے بعد کسی بھی شخص کو کسی قسم کا نبی تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے کافر اور ملعون نہیں سمجھتا تو وہ اسلام کے قطعی فیصلہ کی رو سے کافر اور بدتر ہوگا۔ اس لئے کہ امتیں انبیاء سے بنتی ہیں۔ عیسائی حضرت موسیٰؑ کی نبوت تورات اور تمام احکام کو تسلیم کرتے

ہوئے یہودیوں کے نزدیک اس لئے نئی امت ٹھہرے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت تسلیم کرلی۔ مسلمان حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ ان کی کتابوں ان کے دین اور ان کی سچی تعلیمات کی ہزار دل وجان سے تصدیق کرتے ہیں۔ مگر وہ عیسائی اور یہودی نہیں بلکہ محمدیؐ اسلئے کہلاتے ہیں کہ وہ حضورؐ کی نبوت پر ایمان لائے جنہوں نے تسلیم نہ کیا وہ عیسائی اور یہودی رہے اس طرح مرزائی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی تمام تعلیمات کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مرزا غلام احمد سے ادنیٰ رابطہ اور تعلق قائم رکھنے پر بھی اسلامی اور محمدی امت ہی سے خود بخود نکل جاتے ہیں۔

"پس اگر آج یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ انہیں مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ اقلیت قرار دے دیا جائے تو یہ دونوں جماعتوں (مسلمانوں اور مرزائیوں) کے معتقدات کا لازمی نتیجہ ہے۔ مگر مرزائی مسلمانوں کے اندر رہ کر سیاسی، معاشی اور معاشرتی مفادات کی خاطر نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں کہ اس طرح دینی پردے میں وہ ملتِ مسلمہ کے اتحاد پر ضربِ کاری بھی لگا سکیں گے اور مفادات بھی حاصل ہوتے رہیں گے"!

مگر حالات جو بھی ہوں پورے پاکستان اور پورے عالمِ اسلام کے فدایانِ محمد عربی اور پوری امتِ اسلامی کا یہی مطالبہ رہے گا، جسے آج سے کافی عرصہ قبل مفکرِ اسلام علامہ اقبالؒ نے انگریزی حکومت کو خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ:۔

"ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویّہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ تو پھر سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل ہونے کے لئے کیوں مضطرب ہیں۔؟ ملتِ اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کردیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو

شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ ابھی قادیانی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکیں ——"

(اسٹیسمین کے نام خط ۱۰ رجون ۱۹۳۵ء)

علامہ اقبالؒ نے حکومتِ وقت کے طرزِ عمل کو جھنجھوڑتے ہوئے مزید فرمایا:-

"اگر حکومت کے لئے یہ گروہ مفید ہے، تو وہ اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے۔ لیکن اس ملت کے لئے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے ——"

الغرض آج بھی مسلمانوں کا یہی مطالبہ ہے کہ مرزا قادیان کے جملہ متبعین کو ہندو، سکھ عیسائیوں کی طرح غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ انہیں تمام کلیدی مناصب سے ہٹا دیا جائے ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور حضور علیہ السلام کے بعد کسی نوع کا دعوئے نبوت اور کسی ایسے مدعی کی تصدیق و تائید کی سزا مرتد کی سزا سے ہرگز کم نہ ہو۔ (ج ۸ ش ۹ جمادی الاول ۱۳۹۳ھ جون ۷۳ء)

بھرپور تعاقب کی ضرورت

قادیانیوں کی روز افزوں سرگرمیوں کی وجہ سے پاکستان کو جن خطرات کا سامنا ہے، اس سے قبل ہم نے اس پر مختصراً روشنی ڈالی تھی۔ نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالمِ اسلام میں ملتِ مسلمہ مرزائی سازشوں اور کوششوں کی وجہ سے افتراق و انتشار کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔ ایک مستقل تحریک، مستقل مذہب، مستقل تشخص کی بناء پر اور پھر اپنے ماننے

والوں کے سوا پورے عالمِ اسلام کو قطعی کافر، ملحد اور جہنمی سمجھنے کی وجہ سے، وقت کی اولین ضرورت ہے کہ اسے مسلمانوں سے قطعی الگ ایک اقلیتی فرقہ قرار دے دیا جائے اور ہر اسلامی ملک کے آئین میں ایک الگ واضح اور غیر مبہم تشخص اور تعریف کی جائے یہ مسئلہ پورے پاکستان بلکہ پورے عالمِ اسلام، سربراہانِ اسلام اور دنیا کے تمام دینی اداروں اور افراد کے غور و فکر کا محتاج ہے۔ اور عالمی سطح پر مسلمانوں کو اس شجرۂ خبیثہ کے بارے میں فوری اقدامات کرنے ہیں جس کی وجہ سے افریقہ کے دور دراز ریگستانوں، عرب کے صحراؤں اور یورپ کے سبزہ زاروں میں مسلمان کود کود کر آگ کی اس بھٹی میں جا رہے ہیں۔ یا پھر تبلیغ اور دعوتِ اسلام کی سنہری اور پُر فریب دامِ زریں میں اگر اسلام کے متلاشی ایک کفر سے نکل کر دوسرے کفر میں پھنس جاتے ہیں۔ اس میں ہماری کوتاہ دستیوں اور بے ہمتیوں کا جتنا حصہ ہے وہ بھی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ لیکن بہر حال وقت کا اہم ترین تقاضا ہے کہ نہ صرف پاکستان کی سطح پر بلکہ پورا عالمِ اسلام اپنے اپنے دائرہ میں اور اپنے دائرہ سے باہر یورپ اور غیر مسلم ممالک افریقہ وغیرہ میں قادیانیت کے تعاقب اور لوگوں کو اس کی حقیقت سے باخبر کرنے کی ذمہ داری سنبھالے۔ پھر پاکستان، جو ایک عظیم اسلامی ریاست ہونے کی وجہ سے غیر مسلم اقوام بشمول اسرائیل و یورپ کے عزائم خبیثہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اور قادیانیت ہی ان اقوام کی آلہ کار بن رہی ہے۔ اس لئے لازمی ہے۔ کہ ان کے خلاف نہایت مؤثر اقدام کرتے ہوئے قادیانیوں کو قطعی کافر قرار دے کر اسے اقلیت قرار دے دیا جائے۔ اس کی دعوتی اور تبلیغی اور در پردہ نیم فوجی قسم کی تنظیموں اور سیاسی قسم کے مشاغل پر پابندی لگا دی جائے۔ مرزائیوں کو تمام اہم مناصب بالخصوص فوج کی کلیدی آسامیوں سے الگ کر دیا جائے۔ کہ نہ تو وہ جہاد کے اہل ہیں نہ اسے جائز سمجھتے ہیں، نہ مسلمانوں کو مسلمان، اور نہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست۔ اس طرح بحیثیت ایک مسلمان مملکت کے ضروری ہے کہ عالمِ اسلام کے تمام ذمہ داروں اور سربراہوں کو قادیانیت کی حقیقت سے آگاہ کر دیا جائے اور جہاں جہاں اس کلے

مشن کام کر رہے ہیں، اس کی تحقیق کی جائے۔ اسلامی ممالک کے سفراء کا بھی بحیثیت مسلمان فرض ہے کہ قادیانیت کے بارہ میں پوری معلومات سے اپنے اپنے ممالک کو آگاہ کر دیں۔

اس ضمن میں یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پاکستان سے اسلامی ممالک لیبیا، قطر وغیرہ کے لئے جن پاکستانیوں کی بھرتی کی جاتی ہے۔ ان کے بارہ میں پوری تحقیق اور تسلی کرائی جائے کہ کیا "مسلمان" کے روپ میں کوئی غیر مسلم قادیانی تو ملازمت کے سہارے جا کر ان ممالک کو قادیانی ریشہ دوانیوں کا مرکز نہیں بنائے گا۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی اہم اور اولین ڈیوٹی یہی ہوتی ہے۔

پاکستان میں جو اسلامی ادارے، انجمنیں اور ختم نبوت سے دلچسپی رکھنے والے ذمہ دار علماء حضرات ہیں، ان اس سلسلہ میں ان سفارت خانوں کو ضروری معلومات سے آگاہ کرنا چاہئے۔ اسی طرح ان ممالک میں جانیوالے جن حضرات کے مرزائی ہونے کا علم ہو جائے اس سے بھی اپنا فرض دینی ادا کرتے ہوئے حکومتِ پاکستان اور متعلقہ سفارت خانوں کو بروقت آگاہ کرنا چاہیئے۔ الغرض ملک کی سالمیت کا نہایت اہم تقاضا ہے، کہ مرزائیت کو اپنے غور و فکر اور جدوجہد کا نشانہ بنا دیا جائے۔ اسی میں ملک وملت کی فلاح ہے، اسی میں آقائے ختم المرسلین ﷺ کی خوشنودگی ہے۔ اور یہی خداوند کریم کی رحمتوں کا ذریعہ ہے۔

جمعیت نیپ حکومت سبقت کرے

اس ضمن میں حکومتِ صوبہ سرحد پر ایک خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے قائد جمعیت حضرۃ مولانا مفتی محمود صاحب کو وزارتِ علیا کے منصب پر فائز کر کے ایک

آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور وہ نہایت تدبر و تحمل، احساس ذمہ داری اور دیانتداری سے اس فریضہ کی ادائیگی میں مصروف ہیں اخلاقی اور سماجی اصلاحات ہو رہی ہیں بتدریج و تیسیر حکمتِ اسلامی کے ساتھ معاشرہ کو اسلامی خطوط پر ڈالا جا رہا ہے۔ تو قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں بھی جمعیت اور نیپ کی حکومت پورے پاکستان اور عالمِ اسلام کے لئے نمونہ ثابت ہو سکتی ہے۔ شراب اُم الخبائث ہے مگر قادیانیت پوری ملت مسلمہ کے لئے اس سے ہزار درجہ اخبث الخبائث، وہ اعمال کی دشمن یہ عقائد کی دشمن، وہ جان لیوا تو یہ ایمان سوز۔ اس لئے شراب کی طرح اولین فرصت میں صوبہ سرحد کی حدود میں مرزائیوں کی سرگرمیوں پر قطعی پابندی لگا دینی چاہیئے۔ اسے ایک علیحدہ اقلیت قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہماری صوبائی اسمبلیاں مرکز سے بھی اس سلسلہ میں قراردادوں کے ذریعہ مطالبہ کر سکتی ہیں۔ یہاں مرزائی لٹریچر کو ضبط کیا جا سکتا ہے۔ الغرض ہر لحاظ سے ان کے ساتھ کافر، مرتد یا کم از کم اہل ذمہ جیسا سلوک کیا جانا چاہیئے۔ یہاں یہ اقدامات ہوں تو انشاء اللہ پورے پاکستان سے اس کی تائید میں آوازیں اٹھیں گی۔ اور اردو کی حمایت اور شراب پر پابندی کی طرح اس کی پیروی سارے صوبوں میں کی جائے گی۔ خداوند کریم نے ایک موقعہ جمعیۃ العلماء اسلام کو عطا فرمایا ہے۔ تو ایک جرأتِ مومنانہ کے ساتھ آقائے دو جہان سرورِ کائنات ؐ کی ناموس کے تحفظ کے لئے میدان میں اتر کر ہر ممکن اور حتی المقدور قدم اٹھانا چاہیئے اس طرح حضور ؐ کی خوشنودگی شامل حال ہوگی، اور خدا کی رحمتیں بھی۔

نیپ کے اولوالعزم قائد خان عبدالولی خان اس سلسلہ میں نہایت اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ناموسِ ختمِ نبوت کا علم اٹھایا اور پاکستان کے وجود کو اس شجرۂ خبیثہ سے نجات دلانے کے لئے یہاں جمعیۃ العلماء اسلام کا ساتھ دیا تو پورا پاکستان انہیں سر آنکھوں پر اٹھائے گا۔ اور ان کی قیادت کو چار چاند لگ

سکیں گے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے قابلِ فخر رہنما حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اپنے دائرہ اختیار میں ان معروضات پر فوری غور فرماویں گے۔ جولائی ۱۹۷۲ء

خدا کے گھر میں ایمان کے ڈاکو

سعودی عرب سے واپسی پر کئی ثقہ حجاج نے یہ افسوسناک انکشاف کیا کہ اس سال کئی قادیانیوں کو حرمین الشریفین میں داخلہ اور مناسک حج کی ادائیگی میں شرکت کا موقعہ دیا گیا۔ اس سے زیادہ لرزہ خیز یہ خبر ہے کہ مرزائیوں کے عالمی مبلغ اور صفِ اول کے قائد ظفراللہ خان بھی سرزمینِ حجاز اور مسلمانوں کے اس روحانی اور عالمی اجتماع میں گھومتے پھرتے رہے۔ یہ بھی افواہ تھی کہ ہسپتالوں میں کئی ایک قادیانی ڈاکٹر کام کر رہے ہیں۔ ان اطلاعات کے عواقب اور نتائج کے تصور سے ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کیا اب کعبۃ اللہ اور جوار رسول علیہ السلام میں بھی ان شرمناک ریشہ دوانیوں، سازشوں اور ارتدادی سرگرمیوں کی آماجگاہ بن جائیں؟ جس کا مظاہرہ قادیانی جماعت ملک و بیرونِ ملک شب و روز کر رہی ہے۔ سرزمینِ طیبہ میں روضۂ اطہر کی چوکھٹ سے مسلمانوں کو ہٹانے کی کوششیں۔؟ معاذ اللہ والی اللہ المشتکی۔۔۔

عہد نبوت سے لے کر اب تک مسلمان اس معاملے میں بڑے حساس رہے ہیں۔ حرمین الشریفین میں یہود و نصاریٰ اور غیر مسلم اقوام کے داخلے پر پابندی رہی۔ حضور علیہ السلام نے مرضِ وفات میں جزیرۃ العرب کو یہود و نصاریٰ سے پاک رکھنے کا فرمان جاری کر کے معاملہ کی اہمیت اور نزاکت کا احساس دلایا۔ اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب (الحدیث) کہ عالم اسلام کا منبع اور مسلمانوں کا دل (حرمین الشریفین) غیر مسلموں کی فتنہ پردازیوں کا شکار نہ ہونے پائے کہ دل کے متاثر ہونے سے سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے۔ موجودہ حکمران ملک فیصل کے پیشرو شاہ سعود تک کے عہد تک اسی معاملہ میں نہایت برتی گئی۔ کچھ عرصہ قبل چند

قادیانی خفیہ طور پر داخل ہوئے انہیں فوراً پکڑ پکڑ کر نکال دیا گیا۔ موجودہ حکومت سے اس مسئلہ میں غفلت ہوئی یا اس روشن خیالی اور ترقی پسندی کی وجہ سے ایسا ہوا ایمان سوز اثرات نے آج حرمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ معاملہ ہر حال میں نظر ثانی اور غور و فکر کا مستحق ہے۔

بے شک موجودہ سعودی حکومت حجاج کے آرام و راحت میں کوئی کسر نہیں اٹھاتی، تمام ممکنہ اصلاحات کر رہی ہے، جس پر وہ پورے عالمِ اسلام کی طرف سے شکریہ و تحسین کی مستحق ہے ـــــ مگر یاد رہے کہ عالمِ اسلام کے لئے حجاز کی اصل دولت اور سرمایہ وہاں کی معنوی برکات اور روحانی اثرات ہیں۔ مسلمان خدا فراموش مادیت اور زندگی کے ہنگاموں سے گھبرا کر اس آستانۂ عافیت اور مرکزِ سکون کی طرف لپکتے ہیں۔ اگر روئے زمین پر خدا کی اس ایک ہی روشنی کے گرد بھی مادیت کا حصار کھچا جاتا ہے، عصرِ جدید کی نام نہاد ترقیات سے وہاں کا تقدس آفریں نورانی ماحول بدلا جاتا ہے۔ یورپی تہذیب و تمدن آزادی اور فحاشی ؟ مغربی تعیش و ترفہ کی کھلی چھٹی دی جاتی ہے، اور تو اور مسلمانوں کے دین و ایمان کے دشمن یہود و نصاریٰ، ہندوؤں اور قادیانیوں کو وہاں آنے جانے کی اجازت دی جاتی ہے تو یہ پورے عالمِ اسلام کے ساتھ ناانصافی ہوگی کہ حرمین الشریفین تمام مسلمانوں کے مشترکہ متاع ہیں۔ اور خدا کے گھر میں دین و ایمان کے ڈاکوؤں کے نقب لگانے پر کوئی مسلمان خاموش نہیں رہ سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ بدقسمتی سے ہماری حکومت قادیانیوں کے پاسپورٹ پر غیر مسلم یا قادیانی ہونے کی مہر نہیں لگاتی ـــــ اور سعودی عرب کے بعض ذمہ دار حضرات کا یہ عذر معقول ہوتا اگر انہوں نے کم از کم ظفر اللہ خان کو روک دیا ہوتا کہ اس کی مرزائیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ یہ دشواری پچھلی حکومتوں کو بھی پیش آئی ہوگی، پھر بھی انہوں نے تفتیش اور تحقیق کرتے ہوئے احتیاط کا دامن نہیں چھوڑا، اور اگر کسی طرح معلوم ہوا کہ دھوکہ اور فریب سے ایسا کوئی قادیانی داخل ہوا ہے تو اسے اسی وقت نکال باہر کیا ـــــ

سعودی عرب کے موجودہ حساس اور بیدار مغز انسان شاہ فیصل سے ہماری مخلصانہ

التجا ہے کہ وہ ان امور میں اپنے خاندانی و روایتی تصلب کو برقرار رکھتے ہوئے حرمین کے معاملہ میں دنیا بھر کے نام لیوایانِ محمد علیہ السلام (بآبائنا و اروا حنا) کے احساسات کا خیال رکھیں، یہ ناموسِ محمدیؐ کا سوال ہے جو آپ اور ہم سب کا مشترکہ معاملہ ہے۔ اس سلسلہ میں بعض اور ناگفتہ بہ اور نامناسب منکرات اور خرابیوں کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے جو مشاہدات پر مبنی ہیں۔ مگر ہم آج صرف ناموسِ محمدی علیہ السلام اور تقدسِ حرمین کے نام پر مرزائیوں کے معاملہ میں نظرِ ثانی کی درخواست کرتے ہیں ؎

اندکے پیشِ تو گفتم غمِ دل و ترسیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

(ج ۲ شمارہ ۸ محرم ۱۳۸۷ھ مئی ۱۹۶۷ء)

تقدّسِ حرمین کا تقاضا

یہ جگر پاش خبر پڑھیے اور ایک اسلامی مملکت (جو محافظ حرمین الشریفین کہلاتی ہے) کی دینی بے حسی اور بے حمیتی کا جی بھر کر ماتم کیجئے۔ "پچھلے دنوں مرزا غلام احمد قادیانی کے پوتے اور قادیانیوں کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد نے یورپ کا جو دورہ چوہدری ظفر اللہ خان کی معیت میں کیا۔ اور اس دورے کو "تبلیغ اسلام" کے لئے جہاد کی صورت میں پیش کیا گیا۔ اس دورے کی فلم بطور خاص سعودی عرب میں ٹیلیویژن پر دکھائی گئی"۔ (المنبر۔ لائلپور)

ادائیگی حج کے نام سے مرزائیوں کا سرزمینِ حجاز میں داخلہ۔ پھر وہاں اونچی سطح پر کانفرنسیں اور اس کے بعد یہ تیسری لرزہ خیز خبر اس سرزمین کے بارہ میں ہے۔ جس کی فضاؤں میں نبی آخر الزماںؐ کی زبانِ مبارک سے انا خاتم النبیین (لا نبی

بعدی۔ (میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں) کی صدائیں گونجیں اور جس مملکت کی موجودہ دارالحکومت کے گردو نواح میں خلیفۃ الرسول سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے ایک لشکرِ جرار کے ذریعہ کذابین کے سرخیل مسیلمہ کذاب کی جھوٹی نبوت کو خاک میں ملا دیا تھا۔ گمراہی اور منکر ہر جگہ قابلِ نفرین ہے، خواہ ارضِ حجاز میں ہو یا مصر و شام میں۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ مصر کے "مجرم" تو یہود و نصاریٰ تک کی صفوف میں کھڑے کئے جائیں۔ اور مرکزِ اسلام میں ناموسِ محمدیؐ سے کھیلنے کی جسارت پر سانپ سونگھ جائے[۱] اگر یہ خبر صحیح ہے تو ہمیں کہنے دیجئے کہ سعودی حکمرانوں نے سیدنا صدیق اکبرؓ کے شیوہ کو چھوڑ کر ملک کو مسیلمہ کذاب کی راہوں[۲] پر ڈال دیا ہے۔ اور پورے عالمِ اسلام کو فتنے کے آغاز ہی میں سختی سے ان امور کا نوٹس لینا چاہیئے۔

(ج ۳۔ ش ۱۔ جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ اکتوبر ۱۹۶۷ء)

بیرونِ ملک تعاقب

پاکستان میں مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی دینی اور تبلیغی سرگرمیوں سے اکثر حضرات واقف ہوں گے مجلس نے بیرونی ممالک میں بھی ختمِ نبوت کی اشاعت اور مرزائیوں کے تعاقب کا کام شروع کر دیا ہے۔ مجلس کے ایک اعلامیہ کے مطابق مشہور

۱۔ ان دنوں ایک خاص طبقہ بالخصوص جماعت اسلامی کے ہاں مصر اور اس کے صدر ناصر کی (حاشیہ بقیہ ص ۲۵۳) مخالفت کا بازار گرم تھا۔ مرحوم کو بعض رسائل میں یہودیوں کا ایجنٹ تک کہا گیا مگر یہی لوگ اس وقت کے عربوں کے ایک خاص سیاسی بلاک کے بارہ میں مہر بلب رہے اس صورت حال کی طرف اشارہ ہے ——— "س"

۲۔ بعد میں حق تعالے کی توفیق سے سعودی عرب کو مسیلمۂ پنجاب کے فتنۂ مرزائیت کے استیصال میں نمایاں اور ممتاز مقام حاصل ہوا ——— "س"

مناظر اور مبلغ مولانا لال حسین صاحب اختر نے ان دنوں انگلینڈ میں صداقتِ اسلام اور تردیدِ مرزائیت کے بارہ میں تقاریر، اہم شہروں میں تحفظِ ختم نبوت کی تنظیم اور رکن سازی کا کام شروع کر دیا ہے اور حوصلہ افزا نتائج ظاہر ہو رہے ہیں، اس کام کی بہت پہلے سے ضرورت تھی۔ ہمیں مجلس کے اس اقدام سے بڑی خوشی ہے۔ اس وقت ختمِ نبوت کی اشاعت اور دفاع کے لئے ملک و بیرونِ ملک وسیع پیمانے پر کام کی شدید ضرورت ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ (دسمبر ۶۶ء)

قادیانی، اسرائیل، بھارت
اور
بنگلہ دیش کا قیام

ایک اطلاع کے مطابق بھارت کے قادیانیوں نے نام نہاد بنگلہ دیش کے لئے بھارت کی تمام پالیسیوں کی مکمل حمایت کا اعلان کر دیا ہے۔ مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور میں "قادیان" کے مقام پر احمدیہ فرقہ کے ایک اجلاس میں بنگلہ دیش کے لئے بھارت کی پالیسی کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے مالی امداد دینے کا بھی اعلان کیا گیا۔ اور بھارتی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ بنگلہ دیش تسلیم کرے اجلاس نے اپنے فرقہ کے تمام افراد کو ہدایت کی کہ وہ بنگلہ دیش کی تحریک میں ہر ممکن تعاون کریں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس تعاون کی اپیل صرف بھارتی قادیانیوں سے کی گئی ہے یا دنیا بھر کے تمام قادیانیوں سے مگر "قادیان" جیسے مرکز کی "تقدیس" دنیا بھر کے قادیانیوں کے لئے نظر انداز کرنی مشکل ہے، ہم اس خبر

پر اپنی طرف سے کیا حاشیہ آرائی کر سکتے ہیں۔ ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ [۵۱]
اور اس کے ساتھ سعودی عرب کے مؤقر جریدہ البلاد ۷ ؍ ستمبر کی یہ اطلاع بھی پڑھیئے جو ایڈیٹر نے پر جوش ایمانی جذبہ میں ڈوب کر اپنے ایڈیٹوریل میں دی ہے کہ محمود قاسم نامی مجیب الرحمٰن کے کسی نام نہاد ساتھی نے اسرائیل کا دورہ کیا۔ اسرائیل نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور باقاعدہ وفد کیساتھ دوبارہ اپنے ہاں آنے کی دعوت دی، پورے جوش و خروش سے بنگلہ دیش کے موقف کو سراہا اور بیت المقدس میں اس کے لئے پریس کانفرنس کا انتظام کرایا گیا۔ اسرائیل —— بھارت —— اور اس کے ساتھ قادیانیت کیا ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں تو نہیں ہیں۔ قادیانیت اسرائیل کو اپنا سرپرست بھی سمجھ رہی ہے۔ قادیانیت بنگلہ دیش کے لئے امداد کی اپیل بھی کر رہی ہے۔ اور قادیانیت پاکستان کی سلامتی اور تحفظ کی واحد علمبردار بھی بنی ہوئی ہے۔ یا للعجب۔ کیا تاریخ میں مسلمانوں کے خلاف ایسی دھاندلی کی کوئی اور مثال بھی مل سکتی ہے۔؟ (اکتوبر ۱۹۷۲ء)

منکرینِ جہاد سے دفاعِ سرحدات کی امیدیں

سنا ہے دو جنرلوں کو ترقی دے کر لیفٹیننٹ جنرل بنا دیا گیا ہے۔ جن میں سے ہر جنرل کور کمانڈر ہو کر دو سے تین ڈویژنوں کی کمان کرتا ہے۔ اور یہ دونوں مصدقہ طور پر مرزائیت سے تعلق رکھتے ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ مرزا کو نہ ماننے والے تمام مسلمان کافر ہیں اور عقیدۂ جہاد رکھنا حرام ہے

---

۵۱ پھر مستقبل نے اسلامی تاریخ کا بر شرمناک سانحہ سقوطِ مشرقی پاکستان کی شکل میں دکھلا دیا (بقیہ حاشیہ صفحہ) اور بنگلہ دیش کے قیام میں بھارت، روس، اسرائیل اور مغربی اقوام کے ساتھ ساتھ قادیانیوں کا در پردہ کردار بھی دنیا کے سامنے آیا۔ "س"

پھر کیا ایسے نازک معاملہ میں ہماری خاموشی ملک و ملّت سے غداری نہ ہوگی۔ ایک ابن علقمی اور دوسرے متنبّی کذاب کے پوتے کی وجہ سے ملک کی نیا ڈوب گئی اور جو خاموش تھے انہیں آج کلمۂ حق نہ کہنے پر بزدلی کے طعنے دیئے جاتے ہیں۔ پھر کیا آج بھی یہی مصلحت کیشیاں ہمیں لے نہیں ڈوبیں گی، کیا ہم مزید تجربوں کے متحمّل ہیں، کیا اس معاملہ میں اظہارِ حق ملک کی خیرخواہی ہے یا سکوتِ مجرمانہ؟ —— (فروری ۷۲ء)

ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ

صدر پاکستان کے اقتصادی مشیر ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ خلاف معمول صدارتی گزٹ شائع نہ ہونے سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ شاید وہ ان دنوں قائمقام صدر[1] کے فرائض بھی سنبھالے ہوئے تھے۔ ملزم متشرع پابند صوم وصلوٰۃ اور دینی جذبات واحساسات رکھنے والا بتلایا جاتا ہے اور اس نے اقبالِ جرم کرلیا ہے۔ اخبار جنگ کی اطلاع کے مطابق ملزم کے بیان کو اس لئے انتہائی صیغہ راز میں رکھا جارہا ہے کہ اس کی اشاعت "مفادِ عامہ" کے خلاف ہے۔ گویا یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق مفادِ عامہ سے ہے تو لازماً عوام کے لئے دلچسپی کی چیز ہے، مگر معاملہ چونکہ عدالت میں ہے اس لئے ہم احترام عدالت کی بناء پر اپنی رائے ظاہر کرنے کی پوزیشن میں نہیں، اگرچہ قادیانی پریس نے اپنے "صاحبزادہ صاحب" کے بارہ میں غوغہ آرائی کرکے اس احترام کو ملحوظ نہیں رکھا۔ حقائق رفتہ رفتہ عوام کے سامنے آہی جائیں گے۔ کاش! پیمانہ کے یوں چھلک جانے سے یارانِ میکدہ کچھ چونک اٹھیں۔ فہل من مدّکر۔ (اکتوبر ۷۱ء)

---

[1] صدر یحییٰ نے باہر جاتے ہوئے انہیں قائم مقام صدر نامزد کردیا تھا مگر قدرت کو یہ منظور نہ تھا کہ پاکستان کی کرسئ صدارت پر مرزا قادیانی کا پوتا بیٹھ جائے اور ذمہ داری سنبھالنے کے پہلے ہی دن یہ واقعہ پیش آیا۔

قاتلانہ حملہ کے بعد عدالت میں بیان

پاکستان کے ثقہ دینی حلقوں اور بعض مقتدر رہنماؤں کی طرف سے دبی زبان میں سہی مگر مختلف وقفوں سے یہ آواز اٹھ رہی ہے کہ پاکستان کے ایک اہم کلیدی منصب سے مرزا غلام احمد قادیانی متنبی کذاب کے پوتے مسٹر ایم ایم احمد کو برطرف کر دیا جائے وہ کافی عرصہ سے نہ صرف صدر محترم کے اقتصادی مشیر ہیں بلکہ اقتصادیات کا سیاہ وسفید بھی ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایسے اہم منصب پر ان کا تقرر ان کی "اعلےٰ قابلیت" اور "فنی مہارت" کی وجہ سے ہے تو اس قابلیت کا خمیازہ پورے ملک کو اس شدید بحران کی شکل میں بھگتنا پڑ رہا ہے۔ جو اصلاً اقتصادی ناہمواری اور عدم توازن کی پیداوار ہے۔ یہی چیز مشرقی و مغربی صوبوں میں نفرت اور دوری کا باعث بنی اور ہمیں ذاتی طور پر معلوم ہے کہ پچھلے دو ایک سال سے مشرقی خطہ کا ایک اہم سنجیدہ طبقہ اس کا ذمہ دار ایم ایم احمد کو ٹھہرا رہا تھا۔

یہ معاملہ عام مسلمانوں کی طرح دینی تقاضوں کی بناء پر ہمارے لئے بھی مدت سے لمحہ فکریہ بنا ہوا ہے۔ مگر ملک جن نازک ترین حالات سے دوچار ہے ہم نہیں چاہتے کہ ایسی کوئی بات مزید پریشانیوں کا سبب بن جائے۔ ہمیں قومی یکجہتی، اور ملکی سالمیت بیحد عزیز ہے۔ ہم ایسے نازک لمحات میں حکومت اور رعایا کے درمیان مکمل اتحاد واعتماد کی فضاء برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ مسئلہ دن بدن الجھتا جا رہا ہے اور مارشل لاء کے آہنی حصار کے باوجود ایم ایم احمد پر قاتلانہ حملہ کے بعد کئی ایسی باتیں کچھ تخمینوں اور کچھ قرائن و آثار کی بناء پر مسلمانوں میں پھیل رہی ہیں جس سے حکومت اور رعایا کا باہمی اعتماد مجروح اور پیمانہ صبر لبریز ہو سکتا ہے ـــــ تو دینی مسئولیت کے علاوہ ملک اور ارباب حکومت کی خیرخواہی ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس معاملہ میں براہ راست صدر یحییٰ خان تک اپنے گذارشات پہنچائیں، ایسے حالات میں کہ سرحدات پر دشمن کی افواج

جمع ہوں۔ اگر شبہات اندر ہی اندر پھلتے پھولتے رہیں اور صدرِ محترم کو "سب ٹھیک ہے" کے دائرہ میں رکھ کر عوام بالخصوص دینی و اسلامی حلقوں کی بے چینی سے بے خبر رکھا جائے تو نتیجہ ملک و ملت کے حق میں بہتر نہیں ہو سکتا۔

ایم ایم احمد صاحب پر قاتلانہ حملہ ہوا اور کوئی سنجیدہ اور حقیقت پسند شخص اس انتہائی اقدام کی تحسین نہیں کرے گا۔ ملزم گرفتار ہوا ایم ایم احمد کی نزاعی شخصیت کی وجہ سے فطری طور پر تمام مسلمانوں کو اس کیس سے دلچسپی ہوئی وہ عدالت کی تفصیلات کو جاننا چاہتے تھے بجائے اس کے کہ مقدمہ سول عدالت میں آتا فوجی عدالت میں چلا گیا۔ جبکہ اس سے قبل قائدِ ملت لیاقت علی خان کی شہادت اور غالباً پشاور میں صدر ایوب خان پر قاتلانہ حملہ جیسے اہم کیس بھی سول عدالت میں پیش ہوئے۔ اس سے عوام کے شکوک بڑھتے گئے کہ شاید قتل کا یہ اقدام دینی و ملی جذبات پر مبنی ہے۔ پھر اخبارات میں یہ بھی آیا کہ چونکہ زیرِ بحث مسائل کا تعلق اہم قومی مفاد سے ہے۔ اس لئے کارروائی خفیہ رکھی جا رہی ہے۔ اس سے شبہات کو اور بھی جلا ملی۔ مگر پھر بھی ملک کے موجودہ حالات اور بحران ختم کرنے کے لئے صدر صاحب کی مخلصانہ مساعی نے قوم کو اس معاملہ میں ضبط اور بردباری قائم رکھنے پر مجبور کیا ورنہ انگریز کے دور میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ ملزم اگر قانوناً خطاکار بھی ہوتا مگر دینی و ملی حمیت اور اسلامی جذبۂ قربانی سے مجبور ہو کر پوری مسلم قوم اس کے دفاع میں کھڑی ہو جاتی مگر اس معاملہ میں قوم اربابِ اقتدار پر اعتماد کرتے ہوئے خاموش تماشائی بنی رہی نہ تو کسی نے ملزم کے خاندان سے ہمدردی ظاہر کی نہ ان کے دفاع میں اپنی خدمات پیش کیں۔ اور غالباً ان کے وکیل تک کو بھی کسی دینی ادارہ اور علمی حلقوں نے اپنی خدمات کی پیش کش نہیں کی۔

گو اسے بعض لوگ ہماری حمیتِ ملی اور جذباتِ ناموسِ ختمِ نبوت کے سرد ہونے پر محمول کر سکتے ہیں، مگر ہم اسے ایک ایسے منظم اور باوقار قوم کے حسنِ ظن اور اعتماد پر بھی حمل کر سکتے ہیں جو آخر وقت تک اپنے حکمرانوں پر بھروسہ کرتی ہے اور اسے بجا طور پر یہ امید بھی ہے کہ سوادِ اعظم کے محبوب معتقدات اور نظریات کی پوری رعایت رکھی جائے گی۔

مقدمہ فوجی عدالت میں ہے اور ہمارے دلوں میں اپنی عدالتوں کا پورا پورا احترام ہے قوم کی نگاہیں عدالت کی تفصیلات پر لگی ہوئی ہیں۔ اگر مسئلہ کا تعلق ملزم اور مدعی کے کسی ذاتی اور نجی معاملہ سے ہے (جبکہ بظاہر ایسا معلوم نہیں ہوتا ورنہ نہ تو معاملہ فوجی عدالت میں جاتا نہ کارروائی خفیہ رکھی جاتی) تو یہ فریقین تک محدود رہے گا لیکن اگر تعلق دین کے اساسی اعتقادات اور بنیادی اصولوں سے ہے۔ تو ہم چاہیں یا نہ چاہیں، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ تمام جاں نثار نام لیوا جنکے قلوب بقول صدر پاکستان عشقِ نبوی سے سرشار ہیں اس معاملہ میں دلچسپی لیں گے۔

مگر کوئی حتمی رائے تفصیلات سامنے آنے پر قائم کی جاسکے گی۔ آج کی فرصت میں ہم بہت افسوس کے ساتھ حکومت کے نوٹس میں یہ بات لانا چاہتے ہیں جو ایک افواہ اور پھر افواہوں سے بڑھ کر خطوط اور تحریرات کے ذریعہ گردش کر رہی ہے اور صدرِ محترم سے بنداءِ اسی معاملہ کی حقیقت سے پردہ اٹھانے کی اپیل کرتے ہیں۔ تاکہ اس سلسلہ میں شکوک وشبہات کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ کہا جاتا ہے کہ:۔

ایم ایم احمد صاحب نے ملبنہ حملہ آور اسلم قریشی کے مقدمہ میں بیان دیتے ہوئے کہا میرا عقیدہ ہے کہ میرا دادا نبی تھا اور جو شخص اسے نبی نہیں مانتا وہ کافر ہے۔ اور اس بناء پر چوہدری ظفر اللہ خان نے قائدِ اعظمؒ کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ میں اپنی مرکزی تنظیم کو مالی امداد دیتا ہوں جو باہر ملکوں کو بھیجی جاتی ہے بشمول ہندوستان حالانکہ مجھے علم ہے کہ ہندوستان میں مقیم احمدی جماعت نے بنگلہ دیش کی حمایت کا اعلان کیا ہے میں نے اسی سلسلہ میں انہیں روکنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کیونکہ جس ملک میں احمدی رہتے ہیں اسی ملک کے ہی وفادار ہوتے ہیں۔ میری کوشش رہتی ہے کہ لوگ ہمارے مذہب میں داخل ہوں میں اپنے عقائد کسی سے نہیں چھپاتا۔

ہمیں معلوم نہیں کہ واقعی یہ باتیں ایک اہم ذمہ دارانہ منصب پر فائز شخص کی ہیں یا نہیں عدالت کے ریکارڈ سے اگر مصلحتاً حذف نہ کی گئی ہوں تو صورتحال معلوم کی جاسکتی ہے۔ کاش! ہمارے پاس کوئی ایسا مخفی ذریعہ رسل ورسائل تھا کہ ہم یہ افواہیں صرف صدرِ پاکستان تک پہنچا سکتے اور وہ اس کا تدارک فرماتے۔

ہم اس مرحلہ پر حکومت سے کچھ کہے بغیر ایم ایم احمد صاحب سے اتنی گذارش کرتے ہیں کہ یہاں کی سوادِ اعظم حضور سرورِ کائنات علیہ السلام کو خاتم النبیین سمجھتی ہے اور نہ صرف آپ کے دادا بلکہ ہر مدعیٔ نبوت کو دجال، کذاب اور کافر سمجھتی ہے۔ اور بقول آپ کے یہ عقیدہ رکھنے والے سب کافر ہیں۔ پھر آپ کو اس کافر ملک کی خدمت کا روگ کیوں کھائے جا رہا ہے۔ اگر آپ اپنی خدمات ایک اسلامی مملکت کی بجائے ہندوستان یا اسرائیل کے سپرد کر دیں تو آپکے دادا کی تحریک کی طرح شاید آپ کی پذیرائی بھی وہاں زیادہ ہو جائے۔ آپ بیشک بشمول ہندوستان مرکزی تنظیم کو مالی امداد دیتے رہیں، مگر اس صورت میں کہ آپ ملک کے خزانہ اور اقتصادیات پر قابض ہیں۔ قوم بجا طور پر خطرہ محسوس کر سکتی ہے کہ کہیں ہمارے خون پسینہ کی کمائی قادیانیت اور بنگلہ دیش کی تبلیغ و تعمیر میں تو خرچ نہیں ہو رہی اس لئے قوم آپ سے نہایت دردمندانہ التجا کرتی ہے کہ ایسے حالات میں آپ از خود اس منصب جلیلہ سے سبکدوش ہو جائیں تاکہ آپ کی ذات ایسے نازک موقع پر حکومت اور رعایا کے درمیان بے اعتمادی یا کم از کم شکوک و شبہات کا ذریعہ نہ بنے اگر اس ملک کی اکثریت آپ کے عقیدہ میں کافر ہے، تو آپ سے کسی خیر خواہی کی توقع کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ اگر آپ نے ان افواہی باتوں کی فوری تردید نہ کی تو یاد رکھیں کہ پاکستان کے غیور مسلمان آپ کو اپنے سینہ پر مونگ دلنے کا مزید موقع نہیں دیں گے۔ (نومبر ۱۹۷۱ء)

دوسرے ربوہ کا منصوبہ

مرزائی، قادیان کو ویٹی کن کا درجہ دینا چاہتے تھے۔ پھر بلوچستان کو قادیانستان بنانے کی جدوجہد ہوئی، ربوہ کو ریاست اندر ریاست بنایا گیا۔ وہاں کی پوری سرکاری مشینری کو اپنی رسوائے زمانہ تنظیم "محکمہ امور عامہ" کے ہاتھوں مفلوج کر کے رکھ دیا گیا۔ پورے پاکستان کے اہم سول اور فوجی کلیدی مناصب پر قبضہ جمایا گیا یا منصوبے بنائے پوری دنیا میں سامراج، صیہونیت اور قادیانی گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں قادیانی اڈے قائم ہوتے چلے گئے۔ اب قادیانیوں کا نشانہ شمال مغربی سرحدی علاقے ہیں۔ جہاں اب تک

قدم نہیں جمایا جا سکا۔ مفتی محمود صاحب کی حکومت سے قبل ایبٹ آباد کے نواح میرپور منڈیاں میں مرزائیوں کی ہائی کمان نے سو ڈیڑھ سو کنال زمین خرید لی۔ جہاں خلیفہ کا گرمائی محل مسجد اور دار التبلیغ کے علاوہ چھوٹا سا شہر بسانے کا منصوبہ بنایا گیا، تعمیرات شروع ہوئیں مسلمانوں کو پتہ چلا تو غم و غصہ کے آثار پیدا ہو گئے۔ مقامی حکام سے فریاد رسی کی مگر جیسا کہ مذہب بیزار اور مادر پدر آزاد حکام کا شیوہ ہوتا ہے۔ عوام کو رواداری اور دیگر "مذاہب" کے احترام کا وعظ کیا گیا۔ اور وسیع الظرفی کی تلقین کی گئی جبکہ خود ان کی تنگ ظرفی پر ان کی غیرت ایمانی بھی ہمیشہ شکوہ کناں رہتی ہے۔

الغرض اشتعال بڑھتا گیا، سرحد کے وزیر اعلیٰ مفتی محمود صاحب کو علم ہوا تو فوری طور پر تعمیرات روکنے کا حکم دیا، ڈی سی نے شاید تعمیل کی۔ پھر بھی تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا۔ اس لئے کہ یہ کنٹونمنٹ ایریا ہے۔ جو صوبائی دسترس سے باہر ہے۔ اور مرکز ایسے امور میں بھی اپنے دائرہ اختیار میں دخل در معقولات گوارا نہیں کرتا۔ اور خود اگر چاہے تو رسوائے زمانہ ثقافتی طائفوں کی پوری فوج ظفر موج دوسرے صوبوں پر مرضی بغیر ٹھونس دیتا ہے[1]

بہر حال ایبٹ آباد کے غیور جسور مسلمانوں کی حمیت و غیرتِ ایمانی کا لاوا پھٹ گیا۔ جلوس نکالے گئے، جلسے ہوئے، ۲۰-۲۵ ہزار افراد نے سر ہتھیلی پر رکھ کر عہد کیا کہ

سرحد میں دوسرا ربوہ نہیں بننے دیا جائے گا۔ اس آتش فشاں کے پکنے کی خبر تک بھی کسی اخبار میں نہیں آنے دی گئی۔ اس لئے کہ ڈیفنس آف پاکستان رولز اب صرف جھوٹے مدعیانِ نبوت اور دجالینِ امت کے دفاع و حفاظت کے لئے رہ گیا ہے۔ لاوا پکتا جا رہا ہے۔ صوبائی حکومت اپنی حد تک کوشش کر رہی ہے۔ اور اسے سب کچھ داؤ پر لگانا بھی پڑے تو اس کا فرض ہے کہ ناموسِ ختم نبوت پر ہزاروں حکومتیں قربان کی جا

---

[1] سرحد میں مفتی محمود گورنمنٹ کے دوران ایک بیرونی ثقافتی طائفہ کو صوبائی حکومت کے بار بار انکار کے باوجود سرحد بھیجا گیا اور ثقافتی مظاہرے کرائے گئے۔

سکتی ہیں۔ مگر افسوس اور تعجب تو مرکزی حکومت پر ہے کہ وہ ایسے معاملات میں کیوں اتنی سرد مہری برت رہی ہے۔ کیا وہ ناموسِ ختم المرسلینؐ کی غیرت ایمانی ایک بار پھر آزمانا چاہتی ہے۔

پچھلے دنوں ایسی خبریں بھی گشت کرتی رہیں کہ مرکزی حکومت ایبٹ آباد کو فیڈرل ایریا میں شامل کر کے اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے۔ یہاں تک کہ وزیر اعلیٰ مفتی محمود صاحب کو اخبارات میں بیان دینا پڑا کہ حکومت نے ایسا کوئی قدم اٹھایا تو سرحد کی حکومت مستعفی ہو جائے گی۔ ہمیں تعجب تھا کہ آخر حکومت کو اسلام آباد سے ۷۰ میل دور واقع ایک شہر کو فیڈرل ایریا میں شامل کرنے کی کیا ضرورت پڑی۔ مگر مرزائیوں کے اس "دوسرے ربوہ کے منصوبہ" نے یہ معمہ بھی ایک حد تک حل کر دیا۔ شاید مرکز کو یہ احساس نہ ہو کہ سرحد کے غیور مسلمانوں کی حسِ ایمانی اس معاملہ میں اتنی سرد نہیں ہوئی اور اگر ضرورت پڑی تو یہاں کے مسلمان ثابت کر کے دکھا دیں گے کہ وہ اس گئے گزرے دور میں بھی ناموسِ ختم نبوت پر ساری متاعِ کائنات لٹا سکتے ہیں۔

مرزائی مسجد میں دولتانہ کا تجدیدِ وفا

"قیام پاکستان کی پچیسویں سالگرہ کے موقع پر مسجد فضل لندن میں ایک خصوصی تقریب منعقد کی گئی، جس میں پاکستان کے سفیر میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کا قیام نظریۂ جمہوریت کی بنا پر ہوا ہے۔ اور اس میں ہماری کامیابی اور ترقی کا راز ہے۔ انہوں نے زور دیا کہ آج اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ نوجوان نسل کو نظریۂ پاکستان اور اس کے بنیادی اصولوں سے آگاہ کیا جائے۔ تقریر کی ابتداء میں انہوں نے کہا کہ میں لندن مسجد میں تجدیدِ وفا کے سلسلہ میں حاضر ہوا ہوں کیونکہ آج سے ۳۹ برس قبل جب میں پہلی بار یورپ آیا تو میری "مغربی زندگی" کے ابتدائی ایام اسی مسجد کے زیر سایہ گزرے۔ یوم پاکستان کی اس تقریب میں سینکڑوں پاکستانیوں نے شرکت کی۔ مسجد فضل لندن کی طرف سے اس موقعہ پر ایک دعوتِ عصرانہ کا اہتمام کیا گیا ——" یہ جنگ لندن، ۱۱ر اگست ۱۹۷۲ء کا اقتباس ہے۔ دولتانہ صاحب!

آپ نے پاکستان کی سفارت اور نظریہ پاکستان کی تبلیغ کا جاتے ہی خوب حق ادا کر دیا؟ ——— (اکتوبر ۱۹۷۲ء)

مرزا ناصر کے منصوبے

ربوہ میں مرزائیوں کے موجودہ امام مرزا ناصر احمد نے جماعت کی سالانہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مرزائیوں نے انگریزی ترجمہ کے ساتھ قرآن مجید کے ہزاروں نسخے نائیجیریا، گھانا، سیرالیون، زمبیا، اور دیگر افریقی ممالک میں وسیع پیمانے پر تقسیم کئے ہیں اس کے علاوہ انگریزی، جرمنی، اور دیگر زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ کروا کر یورپی ممالک میں تقسیم کرنے کا منصوبہ بھی جاری ہے۔ اس مقصد کے تحت ابتدار ہیں یورپ میں قرآن پاک کے تیس ہزار نسخے تقسیم کئے جائیں گے۔

یہ تو مرزا صاحب کے منصوبوں کی ایک جھلک تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے یہ نسخے بلوچستان کے تحریف شدہ نسخوں کی طرح اگر محرف نہ ہوں تو پھر مرزائیوں کو اس کی اشاعت کا فائدہ ہی کیا ہے ———

تحریفی سرگرمیاں

مرزائیوں کی ایسی تحریفی سرگرمیوں کی ہزاروں مثالیں اب تک سامنے آ چکی ہیں۔ مرزا غلام احمد اور ان کے ساتھیوں کی تصانیف میں بطور حوالہ درج آیاتِ قرآنی میں لفظی تحریف کی بھی نشاندہی اخبارات و رسائل میں آئے دن ہوتی رہتی ہے۔ رہ گیا معنوی تحریف والحاد تو وہ اس تحریک کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ قرآن کریم تو خیر ان کی تحریف کا نشانہ تھا ہی کہ اب کلمہ طیبہ میں بھی ان کی لفظی تحریف کے شواہد سامنے آچکے ہیں یہاں تک کہ ان باتوں کی صدائے بازگشت صوبائی اسمبلیوں سے ہوتے ہوئے اب کے قومی اسمبلی کے اجلاس میں بھی شدّ و مد سے سنی گئی مگر حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ ہمارے محترم وزیرِ اطلاعات کوثر نیازی صاحب نے نہ صرف ان باتوں کی تردید کی بلکہ بلوچستان

میں تقسیم شدہ مرزائی نسخوں میں بھی ہر قسم کی تحریف کی تردید کی جس پر پاکستان کے علمی و دینی طبقے عموماً اور بلوچستان کے دینی حلقے بجا طور پر محوِ حیرت ہیں کہ کیا واقعی ہمارے وزیر اطلاعات ان تمام حقائق سے بے خبر ہیں یا جان بوجھ کر انہوں نے اتنے ذمہ دارانہ مقام پر فائز ہوتے ہوئے یہ طرزِ عمل اختیار فرمایا ہے۔ ہمیں علمی حلقوں کی طرح جناب کوثر نیازی کا تعلق خاطر عزیز ہے۔ مگر قرآنِ کریم اور حفاظت ناموسِ ختم نبوت کے تقاضے اس سے بڑھ کر گراں خاطر اور عزیز ہیں۔ اگر مولانا بھی مسلمانوں کے ایسے متفقہ اور مسلمہ جذباتی مسائل میں یہ انداز اختیار فرماویں گے تو ہمارے دردوں کی ٹیس اور احساس الم اور بھی شدید ہوگا۔ قرآن کریم کی تصحیح کے سلسلہ میں مولانا نیازی کے اعلانات اور مساعی سے ہمیں خوشی ہو رہی تھی۔ مگر مرزائیوں کے قرآن کے بارہ میں ایسی شرمناک جسارتوں پر مولانا کے اس "براءتِ بے جا" سے ہماری مسرتیں اب اندیشوں میں بدل گئی ہیں۔

بہر حال یہ تو بر سبیل تذکرہ بات تھی، اصل بات مرزا ناصر کے اس پروگرام سے متعلق تھی، حقائق اور قطعی شواہد کی رو سے یہ نسخے محرف قرآن کے نسخے ہوں گے۔ اس میں مرزا ملعون کو نبی عربی احمد مجتبیٰ ؐ کے لبادہ میں پیش کرنے کی سعی کی جائے گی محمد کو احمد بنا کر غلام کو احمد کے پیرایہ میں متعارف کیا جائے گا۔ اور مسلمانوں کے دیگر بے شمار قطعی معتقدات کی ہنسی بھی اڑائی جائے گی۔ مگر بہت سے مسلمان اور نام نہاد نام لیوایانِ محمد عربیؐ نہ صرف یہ کہ ٹس سے مس نہ ہوں گے بلکہ ان کے "مذہبی مساعی اور تبلیغی سرگرمیوں" کو داد و ستائش سے بھی نوازیں گے۔ مگر اپنی بے حسی فرائض سے غفلت اور بے حمیتی کا احساس بہت ہی کم کسی کو ہوگا۔

گرمائی ربوہ

کچھ عرصہ قبل صوبہ سرحد کے اہم گرمائی شہر ایبٹ آباد اور پاکستان ملٹری اکیڈمی کے متصل قادیانی فرقہ کے ایک مخصوص کالونی کا منصوبہ مسلمانوں کے اشتعال اور مفتی محمود گورنمنٹ کی مداخلت کی بناء پر روک دیا گیا تھا۔ اب پھر یہ تشویشناک خبریں آ رہی ہیں کہ پولیس کی نگرانی میں صوبہ سرحد میں اس دوسرے ربوہ کی تعمیر شروع ہو چکی ہے۔ جو درحقیقت مرزائیوں کے امام کا گرمائی ہیڈ کوارٹر اور بالآخران کی عالمی ریشہ دوانیوں کا مرکز ثابت

ہو گا۔ اس بارہ میں مسلمانوں کے جذبات کی نزاکت اور احساسات کی شدت کا حکومت کو پوری طرح علم ہے۔ مگر جان بوجھ کر اس رواداری اور وسیع الظرفی کا مظاہرہ مسلمانوں کی غیرت کو للکارنے کے مترادف ہے۔ سرحد کے غیرت مند دیندار مسلمانوں کو خصوصاً اور پاکستان کے تحفظ ناموسِ رسالت کے جذبے سے سرشار تمام مسلمانوں کا عموماً فریضہ ہے کہ اس منصوبہ کو کسی حال میں کامیاب نہ ہونے دیں اور اگر حکومت دور اندیشی سے کام نہیں لیتی تو مسلمانوں کو اپنے طور پر عالمی صیہونیت اور سامراجیت کے علمبردار اس دشمنِ اسلام و رسول قادیانی فرقہ کے ان عزائمِ خبیثہ کو خاک میں ملا دینا چاہیئے۔ ناموسِ رسولؐ کے تحفظ اور مسلمانوں کو ان کے دشمنوں سے بچانے کی تمام کوششیں عنداللہ مقبول و محمود ہوتی ہیں۔ اس راہ میں ذرہ برابر غفلت و مداہنت یا کوئی مصلحت بینی اور رواداری ایمان و اسلام کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ ربوہ میں کسی غیر مرزائی کو ایک مرلہ جگہ نہ دینے والے گروہ کو ہرگز یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ مسلمانوں کے اکثریتی علاقے میں اپنے اڈے قائم کرے اس بارہ میں پاکستان کی ایک عدالت (محمد نسیم صاحب سول جج رحیم یار خان) کا ایک حکم امتناعی بھی موجود ہے کہ مرزائی کسی سنی آبادی میں ہرگز اپنا مرکز قائم نہیں کر سکتے۔ (جنوری ۱۹۷۴ء)

قادیانیت اور مکہ معظمہ

کی

اجماعی قرارداد

قادیانیت کے بارہ میں حال ہی میں مکہ معظمہ سے عالمی اسلامی تنظیموں کی متفقہ قرارداد کی شکل میں جو آواز اٹھی ہے۔ وہ قادیانیت کے بارہ میں گویا پورے عالم اسلام کے متفقہ اور تازہ اجماع کی حیثیت رکھتی ہے۔ مأخذ شریعت قرآن و سنت اور اجماع امت کی رو سے کبھی بھی قادیانیوں کا کافر مرتد اور خارج از اسلام ہونا کوئی متنازعہ بات نہیں رہی اور اس اجماع کا ظہور متفقہ آراء سے ہوتا ہے مگر حال ہی میں ۱۴ ربیع الاول سے لے کر ۵ دن تک مسلسل جاری رہنے والی تمام دنیا کی اسلامی تنظیموں کی کانفرنس کی متفقہ قرارداد سے اس فرقۂ خبیثہ کے بارہ میں گویا پورے عالمِ اسلام کی اجتماعی طور پر بھی اجماع کی ایک صورت ظاہر ہو گئی۔

اس کانفرنس کی یہ قرارداد ملتِ مسلمہ کے لئے جتنی اہم ہے بد قسمتی سے خاص حالات کی وجہ سے ہمارے ملک میں اسے اتنا ہی نظرانداز کیا گیا تا کہ کعبۃ اللہ کی چوکھٹ سے وابستہ اسلامیانِ پاکستان اس خبر سے باخبر نہ ہو سکیں۔ ہمیں سعودی عرب کے پریس سے اس قرارداد اور کانفرنس کی تفصیلات کا علم ہوا ہم اس قرارداد کا اصل متن اور اس کا ترجمہ شائع کرتے ہوئے حکومتِ پاکستان اور عالمِ اسلام کے مسلمانوں اور حکومتوں سے گزارش کرتے ہیں کہ اس قرارداد کے مندرجات پر لبیک کہتے ہوئے ملتِ مسلمہ کو اور عالمِ اسلام کو فرقۂ خبیثہ مرزائیت اور اس کی سازشوں سے بچانے کی اجتماعی تدابیر اختیار کیجائیں یہ آواز صفا کی چوٹیوں سے بلند ہوئی۔ اور ہم اس کے ایک ایک حرف سے متفق ہی نہیں بلکہ اسے اپنے دلوں کی دھڑکن سمجھتے ہیں۔ اور ناموسِ ختمِ نبوت کے پاسبان تمام مندوبین

رابطۂ عالمِ اسلام، شرکاء کانفرنس کو اور بالخصوص خادم الحرمین الشریفین ملک فیصل کو نہایت خلوص سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

ربیع الاول ۹۴ ھ بمطابق ۸ر اپریل ۱۹۷۴ء کی شام کو مکہ مکرمہ کی مقدس فضاؤں اور بیت اللہ الحرام کے سایہ میں دنیا بھر کے ایک سو چوالیس ۱۴۴ علمی اور اسلامی تنظیموں کی کانفرنس شروع ہوئی۔ یہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک مسلمانوں کا ایک نمائندہ اجتماع تھا جس میں اسلامی جماعتوں اور تنظیموں کے سربراہوں، نمائندوں، علم و فضل کے لحاظ سے دنیائے اسلام کے مشاہیر علماء، ادباء، صحافی اور اہلِ قلم و اربابِ فکر نے متفقہ طور پر عالمِ اسلام کے دیگر مسائل کے علاوہ علمی اور دینی لحاظ سے الحاد و ارتداد کی تحریکوں اور فتنوں کو بھی موضوعِ بحث بنایا۔ قادیانیت، صیہونیت، بہائیت، فری میسن اور اس کی ملحقہ تنظیمیں، عیسائی مشنریاں، کمیونزم، دہریت، مغربیت، اور الحاد وغیرہ کے انسداد پر غور ہوا۔ ان غیر اسلامی اور باطل فتنوں میں سرفہرست قادیانیت کا مسئلہ تھا، جو اب بحمد اللہ عربوں کے لئے بھی لمحۂ فکریہ بنتا جا رہا ہے اور سعودی عرب کے شاہ فیصل اور رابطۂ عالمِ اسلامی کے مساعی اس سلسلہ میں خاص طور سے قابلِ تحسین ہیں۔

باطل مذاہب کے بارہ میں قرار دادیں مرتب کرنے والی کمیٹی کے چیئرمین علامہ محمود صواف نے قرارداد پیش کرنے سے قبل قادیانی فتنہ کا مفصل تعارف کرایا۔ اس کے تاسیس کے سامراجی محرکات اور غیر اسلامی افکار و آراء اور عالم اسلام اور ملتِ مسلمہ کے خلاف مرزائیوں کے سیاسی کردار، سازشوں اور منصوبوں کو طشت از بام کیا۔ قادیانی ازم جو یقیناً ملتِ مسلمہ کے اتحاد کے لئے پوری دنیا میں ایک ضرب کاری بنی ہوئی ہے کا پس منظر بیان کرنے کے بعد قرارداد نہایت جوش و خروش سے منظور کی گئی۔ قرارداد میں اسلامی حکومتوں سے یہ مطالبہ بھی کیا گیا تھا۔ کہ نہ صرف یہ کہ مرزائیوں سے ہر قسم کے عدم تعاون کا برتاؤ کیا جائے، بلکہ انہیں کسی بھی اہم کلیدی منصب پر فائز ہونے کی اجازت نہ دی جائے۔

دنیا بھر سے آئے ہوئے مسلمان مندوبین میں سے یہ تیرہ بختی اور شقاوت صرف پاکستان کے ایک مندوب ٹی۔ ایچ ہاشمی کے حصہ میں آئی جس نے قرارداد کے اس حصہ سے

غیر جانبداری اختیار کر کے حق و باطل کے اس معرکہ میں ایک عالمی سٹیج پر پاکستان کیلئے ذلت و رسوائی کا سامان فراہم کیا ہم پاکستان کو رسوا کرنے والے اس شخص کی نہ صرف مذمت کرتے ہیں بلکہ اس کے اس شرمناک رویہ پر لعنت بھیجے بغیر نہیں رہ سکتے اور ساتھ ہی ایسے لوگوں کو کسی بین الاسلامی اجتماع کا مندوب منتخب کرنے پر ذمہ داران حکومت سے احتجاج کرتے ہوئے یہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس طرح مٹھی بھر قادیانیوں اور یہودیوں کو خوش کر کے پورے عالم اسلام کے شبہات اور خدشات مول لینا اور دنیائے عرب کے اسلامی جذبات اخوت کو مجروح کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟

بہر حال ٹی۔ایچ ہاشمی قسم کے دینی حمیت سے عاری صرف ایک شخص کے غیر جانبدار رہنے سے قرار داد کی اہمیت اور اجماعی حیثیت اور بھی نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ علماء کی کتابوں، اہل قلم کے مضامین، خطباء کے خطبوں، اہل تحقیق کی تصانیف، مفتیوں کے فتووں، عدالت کے ججوں، اور بعض اسمبلیوں کی قرار دادوں کے بعد اب مرکز اسلام ام القریٰ مکہ معظمہ میں ہونے والی اور دنیا بھر کے اسلامی فکر و نظر کی نمائندگی کرنے والی کانفرنس کی نگاہوں میں بھی قادیانیت قطعی کفر، دجل و تلبیس، اسلام اور عالم اسلام کے خلاف یہودیوں اور سامراجیوں کی کٹھ پتلی ایک اسلام دشمن تحریک ہے۔ دیکھئے اب اس اجماع کے بارہ میں مرزائیوں کے کذاب علیھمن کیا کہتے ہیں؟ مگر اس سے قطع نظر اسلامیان عالم اور اس کے ذمہ دار افراد کو بیت اللہ سے اٹھنے والی یہ آواز جھنجھوڑ رہی ہے کہ تاجدار مدینہؐ کی عصمت خلعت ختم نبوت کو تار تار کرنے کی سعی نا کام کرنے والے ذلیل ہاتھ کب تک دنیائے اسلام کی غیرت کو للکارتے رہیں گے۔

اس تاریخی قرارداد (جس کا عربی متن آگے آرہا ہے) میں قادیانیت کو عالم اسلام کے لئے سب سے مضر اور بدترین خطرہ قرار دیا گیا ہے اور جسے کانفرنس کے ایجنڈا میں پہلے نمبر پر جگہ دی گئی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

قرارداد

قادیانیت ایک باطل فرقہ ہے۔ جو اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اپنے اغراضِ خبیثہ کی تکمیل میں مصروف ہے اسلام کے قطعی اصولوں سے اس کی مخالفت ان باتوں سے واضح ہے:۔

الف:۔ اس کے بانی کا دعویٰ نبوت کرنا۔

ب:۔ قرآنی آیات میں تحریف

ج:۔ جہاد کے باطل ہونے کے فتوے دینا۔

قادیانیت کی داغ بیل برطانوی سامراج نے رکھی اور اس نے اسے پروان چڑھایا وہ سامراج کی سرپرستی میں سرگرم عمل ہے۔ قادیانی اسلام دشمن قوتوں کا ساتھ دے کر مسلمانوں کے مفادات سے غداری کرتے ہیں۔ اور ان طاقتوں کی مدد سے اسلام کے بنیادی عقائد میں تحریف و تبدیل اور بیخ کنی کے لئے کئی ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں مثلاً۔

الف:۔ دنیا میں مساجد کے نام پر اسلام دشمن طاقتوں کی کفالت سے ارتداد کے اڈے قائم کرنا۔

ب:۔ مدارس، سکولوں، یتیم خانوں اور امدادی کیمپوں کے نام پر غیر مسلم قوتوں کی مدد سے ان کے مقاصد کی تکمیل۔

ج:۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآنِ کریم کے تحریف شدہ نسخوں کی اشاعت وغیرہ۔

ان خطرات کے پیش نظر کانفرنس میں متفقہ طور پر طے پایا گیا کہ:۔

دنیا بھر کی ہر اسلامی تنظیم اور جماعتوں کا فریضہ ہے کہ وہ قادیانیت اور اس کی ہر قسم کی اسلام دشمن سرگرمیوں کی ان کے معابد، مراکز، یتیم خانوں وغیرہ میں کڑی نگرانی کریں اور ان کے تمام درپردہ سیاسی سرگرمیوں کا محاسبہ کریں۔ اور اس کے بعد ان کے پھیلائے ہوئے جال، منصوبوں، سازشوں سے بچنے کے لئے عالمِ اسلام کے سامنے انہیں پوری طرح بے نقاب کیا جائے۔ نیز

(الف) اس گروہ کے کافر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کیا جائے اور یہ کہ اس وجہ سے انہیں مقاماتِ مقدسہ حرمین وغیرہ میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جا سکے گی۔ مسلمان ان لوگوں سے کسی قسم کا معاملہ نہیں کریں گے، اقتصادی، معاشرتی، اجتماعی، عائلی وغیرہ ہر میدان میں ان کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔ ان سے شادی بیاہ کے ناطے نہیں کئے جائیں گے۔ نہ مسلمانوں کے مقبروں میں انہیں دفنایا جائے گا۔ الغرض ہر طرح ان کے ساتھ کافروں جیسا سلوک کیا جائے گا۔

(د) کانفرنس تمام اسلامی ملکوں سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ قادیانیوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائیں ان کے تمام وسائل اور ذرائع کو ضبط کیا جائے۔ اور کسی قادیانی کو کسی اسلامی ملک میں کسی قسم کا بھی ذمہ دارانہ عہدہ نہ دیا جائے۔

(ھ) قرآن مجید میں قادیانیوں کی تحریفات سے لوگوں کو خبردار کیا جائے اور ان کے تمام تراجم قرآن کا شمار اور نشاندہی کر کے لوگوں کو ان سے متنبہ کیا جائے اور ان تراجم کی ترویج کا انسداد کیا جائے۔

ہم اس اہم قرارداد پر ایک بار پھر جلالۃ الملک فیصل المعظم، رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ اور کانفرنس کے تمام شرکاء اور مندوبین کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور عالم اسلام بالخصوص اپنی حکومت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس قرارداد کو یہاں کے "چند ملاؤں کی بڑ" قرار دینے کی بجائے اس کی اہمیت، دوررسی اور گہرائی پر غور کرتے ہوئے سب سے پہلے اس آواز پر لبیک کہے۔ (۲۴ مئی۔ ج ۹۔ ش ۶۔ ۷ مئی ۱۹۷۴ء ربیع الثانی ۱۳۹۴ھ)

"رابطۂ عالم اسلامی کی قرارداد کا عربی متن"

"نداءٌ من مكة المكرمة تنادي المسلمين" | نحلة هدامة تجعل من اسم الاسلام شعائر

الستر اغراضها الخبيثة ابرز مخالفاتها للاسلام۔

(ا) ادعاء زعيمها النبوة۔

(ب) تحریف النصوص القرانیة۔

(ج) ابطالهم للجهاد۔

القادیانیة ربیبة الاستعمار البریطانی ولا تظهر الا فی ظل حمایته...

تخون القادیانیة قضایا الامة الاسلامیة وتقف موالیة للاستعمار والصیهونیة

تتعاون القادنیة مع القوی المناهضة للاسلام وتتخذها هذه القوی واجهة

لتحطیم العقیدة الاسلامیة وتحریفها وذلک بما یاتی۔

ا:۔ انشاء مساجد تحولها القوی المعادیة ویتم فیها التبشیر بالفکر
القادیانی المنحرف۔

ب:۔ فتح مدارس ومعاهد وملاجیٔ للایتام وفیها جمیعا تمارس القادیانیة
نشاطها التخریبی لحساب القوی المعادیة للاسلام۔

ج:۔ تقوم القادیانیة بنشر ترجمات محرفه لمعانی القرآن الکریم بمختلف اللغات
العالمیة واللهجات الحلیة بامکانیة القوی المعادیة ولا یقاف هذا النشاط
التخریبی للاسلام یقترح ما یاتی۔

۱:۔ تقوم کل هیئة اسلامیة بحصر النشاط القادیانی فی مساجدهم ومدارسهم وملاجئهم
وکل الامکنه التی یمارسون فیها نشاطهم الهدام فی منطقتها وکشف القادیانیین
والتحریف بهم للعالم الاسلامی تمادیا للوقوع فی حبائلهم۔

۲:۔ اعلان کفر هذه الطائفة وخروجها علی الاسلام وهی لهذا تمنع من دخول
الاراضی المقدسة۔

۳:۔ عدم التعامل معهم ومقاطعتهم اقتصادیًا واجتماعیًا ونکاحیا وعدم التزوج منهم
ودفنهم فی مقابر المسلمین ومعاملتهم ککفّار۔

۴:۔ مطالبة الحکومات الاسلامیة بمصادرة کل نشاط هذه الجماعات وتسلیمة للمسلمین
الحقیقیین وعدم توظیف ای قادیانی او السماح له بمزاولة ای عمل۔

۵:۔ نشر مصورات بکل التحریفات القادیانیة فی القران الکریم مع حصر الترجمات
القادیانیه لمعانی القران والتنبیه علیها۔ (الندوة مکة المکرمة ۸۔ اپریل ۱۹۷۴ء)

سرحد اسمبلی کی

قابلِ تحسین قراردادیں

قرارداد ۵ جو صوبہ سرحد اسمبلی میں مورخہ ۷۴-۷-۲ کو مولانا حبیب گل ناظم جمعیت علماء اسلام پاکستان نے پیش کی اور بھاری اکثریت سے منظور ہوئی ۔

"یہ اسمبلی صوبائی حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ صوبہ سرحد میں فلم "ڈان آف اسلام" جس کی نمائش سے مذہبِ اسلام کی توہین ہوتی ہے، کی درآمد پر پابندی عائد کرے نیز مرکزی حکومت سے بھی اسی امر کی استدعا کی جائے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس مذموم فلم کی نمائش فوراً بند کر دے"

قرارداد ۸ جو مولانا عبد الصمد رکن مجلسِ شوریٰ جمعیت علماء اسلام صوبہ سرحد نے پیش کی اور جو متفقہ طور پر منظور ہوئی۔

"یہ اسمبلی صوبائی حکومت سے سفارش کرتی ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں تمام اسلامی احکامات کو قانونی شکل دے کر فی الفور نافذ کرے۔

قادیانیوں کے بارہ میں مولانا حبیب گل صاحب کی پیش کردہ قرارداد اقلیت کی تفصیل اخبارات میں آچکی ہے۔ ہم ان نہایت اہم قراردادوں کی تحریک پر محرکین قرارداد اور قرارداد منظور ہونے پر پوری اسمبلی کو دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ مسلمانانِ سرحد کے جذباتِ دینی اور ایمانی حمیت پر مبنی فیصلے رنگ لا رہے ہیں۔ اقتدار اور اختلاف دونوں صورتوں میں اہل ایمان و اخلاص کی سعی ضائع نہیں جاتی۔

(ج ۹ ش ۱۰-۱۱ جولائی، اگست ۱۹۷۴ء)

قومی اسمبلی اور آئین میں مسلمان کی تعریف

——مسلم اور غیر مسلم کا تشخص کیوں ضروری ہے——

قومی اسمبلی میں عبوری آئین پر بحث کے دوران علماء کے مختلف مکاتبِ فکر نے متفق ہو کر پورے شد و مد کے ساتھ مطالبہ کیا کہ آئین میں جہاں ملک کی صدارت اور دیگر کلیدی آسامیوں کے لئے مسلمان کا ہونا لازمی قرار دیا جائے وہاں مسلم کی تعریف بھی ہونی چاہیئے کیونکہ کسی چیز کی ماہیت اس کی جامع اور مانع تعریف ہی سے واضح ہو سکتی ہے۔ مسلمان قوم کی ایک مستقل تشخص ہے جو اسے دوسری اقوام اور ملل سے ممتاز کرتی ہے۔ یہی انفرادی اور امتیازی تشخص ہی دو قومی نظریہ کی بنیاد تشکیلِ پاکستان کا ذریعہ بنا ہے۔ اور آج بھی کوئی اسلامی مملکت اور مسلم قوم اپنے وجود کو صرف اس صورت میں برقرار رکھ سکتی ہے کہ وہ ایک واضح اور غیر مبہم مفہوم کے ذریعہ مار آستین، اسلام نما ملحدوں اور کافروں سے اپنی ملت کی حفاظت کر سکے۔ برصغیر پاک و ہند کی مختلف الاقوام حیثیت پھر موجودہ حالات میں پاکستان کی نزاکتیں اس مطالبہ کو ایک جائز اور معقول مطالبہ قرار دیتی ہیں۔ مگر حزبِ اقتدار نے جس زور شور سے اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا اس کی کوئی مناسب وجہ بجز "مرزائیت نوازی" اور الحاد پروری کے اور سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بالآخر وہی ہوا کہ چور کو داڑھی کا تنکا نظر آنے لگا۔ اور مرزائیوں نے اور کسی حد تک منکرینِ حدیث پرویزیوں نے حکومت کے اختیار کردہ موقف پر خوشی اور مسرت کا طوفان اٹھایا۔ آج ان لوگوں کے پریس پر

سطحی نظر ڈال کر بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

لیکن اس مطالبہ پر مرزائی جتنے بھی سیخ پا ہوں گے اور پرویزی یا منکرِ خدا اور رسول ؐ کمیونسٹ جتنی ناگواری ظاہر کریں گے اتنی ہی اس مطالبہ کی معقولیت اور گہرائی و دوررسی ظاہر ہوتی چلی جائے گی جس سے اسمبلی کے حزبِ اقتدار نے محترم وزیر اطلاعات کی قیادت میں علماء کے باہمی اختلاف کی آڑ میں فرار اختیار کرنا چاہا، مگر علماء کی متفقہ پیش کردہ تعریف نے آئینی کمیٹی کے لئے یہ راستہ بھی مسدود کر دیا ہے[1]۔

تعجب تو مرزائی گروہ پر ہے جو ایسے مطالبات کو مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی سمجھ رہا ہے جب کہ اس گروہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کے قلعۂ اتحاد ختم نبوت میں شگاف ڈالنے کی لگاتار سعی کی اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار اور نفاق کا بیج ڈالنے کے لئے ایک مستقل مذہب کھڑا کر دیا۔ اسلام اور کفر کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے پر یہ لوگ چلا رہے ہیں۔ جبکہ ان کے پیر و مرشد متنبی کذاب قادیانی نے اپنے نہ ماننے والوں کو قطعی کافر، مرتد جہنمی اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا، خواہ کسی نے اس کا نام تک بھی نہ سنا ہو مگر وہ اولٰئك هم الكافرون حقاً کا مصداق بنا جو اپنے نہ ماننے والے تمام عالمِ اسلام سے معاشرتی اور ازدواجی تعلقات قائم کرانا حرام سمجھتا ہو، اور جو لوگ اس "جرم انکار" بانئ پاکستان مسٹر جناح کو بھی مستحقِ جنازہ و دعا نہ سمجھتے ہوں، جو گروہ اپنے دائرہ میں اپنے پیروؤں کے لئے ایک مستقل دین، مذہب اور انفرادی و امتیازی خصوصیات اور تشخصات کا طلبگار رہا ہو۔ (ملاحظہ ہو مرزا قادیانی اور ان کے خلفاء وغیرہ

---

[1] قومی اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں مولانا کوثر نیازی نے اختلاف علماء کی آڑ لے کر تعریفِ مسلم کے مطالبہ کو ٹالنا چاہا مگر علمائے کرام نے اپنے متفقہ موقف سے اس چیلنج کا جواب دے دیا اور اسی اجلاس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے تمام علماء ارکین اسمبلی کی تائید و تصویب سے مسلمانوں کی متفقہ تعریف پیش کر دی جسے بعد میں آئین کا حصہ بنا لیا گیا اور جو قادیانیوں کے سلسلہ میں ان حضرات کی پہلی دستوری فتح تھی۔ "س"

کی تصانیف رسائل الفضل، آئینۂ صداقت، کلمۃ الفصل وغیرہ مرزائی لٹریچر)

ستم بالائے ستم مرزائیوں کے لاہوری ٹولے پر ہے جو آج اس واویلا میں قادیانیوں کا ہمنوا ہے۔ اگر وہ صرف کلمہ کہنے کو اسلام کا سرٹیفکیٹ سمجھتا ہے تو پھر وہ کس بنیاد پر قادیانیوں کو کافر قرار دیتا ہے اور قادیانی انہیں کیوں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

اس وقت مرزائیت کا فتنہ جس انداز میں مسلمانوں اور بقایا پاکستان کے لئے خطرہ کا الارم بنا ہوا ہے۔ اس شجرۂ خبیثہ کے ہاتھوں مستقبل میں جو خطرات پاکستان کو درپیش آ سکتے ہیں، ہم اس پر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں بہت سے درونِ خانہ اسرار و رموز کا علم ہے۔ اگر خدا نے اس بے بس ملک پر خاص نگاہِ کرم نہ فرمائی تو سازشوں کے شکار ہونے کا خطرہ یقین سے بدل سکتا ہے۔ دفاعی نقطۂ نظر سے ہم دن بدن ان لوگوں کے رہینِ منت بنتے جا رہے ہیں جو عقیدتاً جہاد کو حرام سمجھتے اور اس ملک کے باشندوں کو قطعی کافر سمجھتے ہیں۔ اقتصادیات میں ان کے عمل دخل کے نتیجہ میں ملک دو ٹکڑے ہؤا۔ ایم ایم احمد ہی کی وجہ سے دونوں صوبوں کے درمیان نفرت کی خلیج بڑھتی رہی۔ معاشی لحاظ سے ملک کا دیوالیہ ہؤا۔

سیاسی عیاریوں کی یہ حالت کہ ایک طرف استعماری اور سامراجی اغراض کی خاطر ہمیں کاسۂ گدائی لے کر یورپ کی دریوزہ گری پر مجبور کر دیا گیا، ملک پر اربوں روپے کا بوجھ لدتا چلا گیا۔ دوسری طرف چینی سفیر بذاتِ خود ربوہ کی یاترا کرنے جا رہا ہے، روس کا فرسٹ سیکریٹری خفیہ طور پر ربوہ جا چکا ہے۔ خفیہ سے خفیہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔ مگر پریس میں نہ تو اس بارہ میں کوئی خبر شائع ہوتی ہے، نہ مرزائی اسے مصلحتاً ظاہر کرنے دیتے ہیں جبکہ چین آزادی اور حریت کا دعویدار ہے اور ربوہ سامراجی اور صیہونی سازشوں کا اڈہ۔ باخبر لوگ اس اجتماعِ ضدّین پر محوِ حیرت ہیں۔ کیا یہ سب کچھ زیرِ زمین کسی سازش کی غمازی نہیں کرتا؟ حکومت ان سب باتوں سے باخبر ہوگی مگر نوٹس تو کیا باہمی عہد و پیمان جیسا سلوک ہے۔ کہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے ارکان مرزائیت کو کفر سے بچانے کے لئے اسمبلی میں

ایڑی چوٹی کا زور لگانا چاہتے ہیں۔ ادھر مرزائی کن کن طریقوں سے اس احسان کا صلہ چکا ئیں گے۔؟ اخبارات میں آچکا ہے کہ لائل پور کے انتخاب میں پیپلز پارٹی کے افضل رندھاوا کے حق میں "بوگس ووٹ" بھگتانے کے لئے ربوہ سے بھاری تعداد میں عورتیں آئی تھیں (جنگ یکم جون ۱۹۷۲ء) ان عورتوں کو ایک عورت کے مقابلہ میں پی پی پی کے نمائندہ سے دلچسپی تھی تو کیوں ——؟ یہ سب باتیں قوم کے لئے لمحۂ فکریہ ہیں۔ اور ملت مسلمہ کے شجرۂ طوبیٰ کے لئے یہ اکاش بیل دن بدن خطرۂ ہلاکت بنتا جا رہا ہے ایسے حالات میں اگر اسلام اور کفر کے درمیان حدِ فاصل کھینچنے کے لئے آئین میں "مسلم" کی واضح حیثیت ظاہر کرانے پر زور دیا جائے تو آئینی کمیٹی اور پورے ایوان کو بجائے مخالفت کے اس ملک کے مفاد میں اس کا خیر مقدم کرنا چاہئیے، مرزائیت اور اسلام کے الگ الگ تشخص آج کا مسئلہ نہیں ہمارے نقاد و بصیر مفکرؒ علامہ اقبالؒ نے اس وقت بھی ان خطرات کو محسوس کر کے واضح طور پر مسلمان کی تعریف پر زور دیا تھا جب کہ اس کی ہلاکت آفرینی اس حد تک نہیں پہنچی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے لکھا تھا کہ :۔

> "اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کی حدود مقرر ہیں۔ یعنی وحدتِ الوہیت پر ایمان، انبیاءؑ پر ایمان اور رسول کریمؐ کی ختم نبوت پر ایمان —— دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں۔
> (حرف اقبال ص ۱۳۶)

اس دجل و تلبیس اور ملت کو اضطرابی کیفیت اور ارتیاب و نفاق کے خطرات سے نکالنے کا علاج بھی علامہ اقبالؒ نے ہی بتلا دیا تھا کہ :۔

"میرے سامنے قادیانیوں کے لئے صرف دو راہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید

کریں یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہو تاکہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔" (حرف اقبال ص ۱۳۷)

یہ مفادات اسی سے وابستہ ہیں کہ مرزائیت اسلام کے لئے دام ہمرنگ زمین بن کر مارِ آستین بنا رہے۔ پھر کیا وہ اپنے الگ تشخص اور کسی انفرادی امتیاز کو قبول کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب دینے میں علامہ اقبالؒ نے کتنی حقیقت بینی کا ثبوت دیا کہ:۔

"ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویّہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے، بانیٔ تحریک نے ملّتِ اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے اور اپنے مقلّدین کو ملّتِ اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار اپنی جماعت کا نیا نام مسلمانوں کے قیامِ نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ تمام دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیٰحدگی پر دال ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں زیادہ دور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے، کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں مگر وہ ہندوؤں کے مندروں میں پوجا نہیں کرتے۔" (حرف اقبال ص ۱۳۷)

اس علیٰحدگی اور مقاطعہ و متارکہ کے باوجود مرزائی ہم سے رواداری اور حسنِ ظن کی امید رکھتے ہیں۔ وہ تو ہمیں کافر سمجھیں مگر ادھر سے اسلام کی تعریف کا مطالبہ بھی تفرقہ انگیزی اور شر پسندی ہو۔ ان دو طرفہ مفادات کی آخر وہ ملّتِ مسلمہ سے کس بنیاد پر توقع رکھتی ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ اس نے مسلمانوں کی آبروئے دنیا و دین متاعِ اوّلین و آخرین روحِ کائنات سرورِ عالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ردائے ختمِ نبوت اور خلعتِ ختم المرسلین پر ڈاکہ ڈالا اور ملّتِ مسلمہ کی غیرتِ ایمانی کو مجروح کیا۔ کیا کسی ملّت کے قلعہ وحدت کو پاش پاش کرنے کی جرأت کا اتنی فراخدلی سے صلہ دیا جا سکتا ہے جس کی مرزائیت ہم سے طلبگار ہے اور کیا حصارِ اسلام میں پے در پے نقب لگانے کے بعد بھی مرزائیت

مسلمانوں کی کسی حکومت کی اتنی کرم فرمائیوں کی مستحق ہو سکتی ہے۔ کہنے کو تو بہت کچھ ہے مگر اپنے بعض کرم فرماؤں کی آزردہ دلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آج کی یہ تقریب اقبال ؒ ہی کے الفاظ پر ختم کر کے دوسری فرصت پر اٹھانا چاہتے ہیں۔

"میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ ملتِ اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکے حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبے کا انتظار نہ کیا اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبے کا کیوں انتظار کر رہی ہے"

(حرف اقبال ص ۱۳۸) (جون ۳۵ء)

قومی اسمبلی

اور

قادیانیت

معزز اراکینِ اسمبلی[۱]!

ملتِ اسلامیہ تقریباً نوے سال سے مرزائیت کے ستم سہہ رہی ہے۔ اس مذہب کی طرف سے اسلام کے نام پر اسلام کی جڑیں کاٹنے کی جو طویل مہم جاری ہے۔ اسلام کے بنیادی عقائد کی دھجیاں بکھیری گئی ہیں۔ قرآنی آیات کے ساتھ کھلم کھلا مذاق کیا گیا ہے۔ احادیثِ نبوی ﷺ سے تلاعب کیا گیا ہے۔ انبیاء کرام۔ صحابہؓ کے مقدس گروہ۔ اہلِ بیت عظامؓ اور اسلام کی جلیل القدر شخصیتوں پر اعلانیہ کیچڑ اچھالا گیا ہے۔ اسلامی شعائر کی برملا توہین کی گئی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ مرزا غلام احمد جیسے کردار کو اس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے "پہلو بہ پہلو" کھڑا کرنے بلکہ اس سے بھی بڑھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کے مقامِ عظمت و رفعت کے آگے فرشتوں کا سرِ نیاز بھی خم ہے۔ جس کے نامِ نامی سے انسانیت کا بھرم قائم ہے۔ اور جس کے دامنِ رحمت کی فیاضیوں کے آگے مشرق و مغرب کی حدود بے معنیٰ ہیں ؎

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام ﷺ سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام ﷺ سے ہے

---

[۱] ... مسئلہ قومی اسمبلی میں زیرِ بحث تھا مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے متعلق زیرِ غور قرارداد کی تشریحات پر مشتمل ... ملتِ اسلامیہ کا موقف" کے نام سے جو کتاب اسمبلی میں پڑھ کر سنائی گئی اس کتاب کا اختتام ـــ اس دردمندانہ گزارش پر کیا گیا ہے

مرزائیت اسی رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شیدائیوں کے خلاف نوّے سال سے سازشوں میں مصروف ہے۔ اس نے ہمیشہ اسلام کا روپ دھار کر امتِ مسلمہ کی پشت میں خنجر گھونپنے اور دشمنانِ اسلام کے عزائم کو اندرونی اڈے فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نے عالمِ اسلام کے مختلف حصّوں میں فرزندانِ توحید کے قتلِ عام اور مسلم خواتین کی بے حرمتی پر گھی کے چراغ جلائے ہیں اور اس نے اپنے آپ کو ملّتِ مسلمہ کا ایک حصہ ظاہر کر کے اسلام دشمنوں کی وہ خدمات انجام دی ہیں جو اس کے کھلم کھلا دشمن انجام نہیں دے سکتے تھے۔

ملّتِ مسلمہ نوّے سال سے مرزائیت کے یہ مظالم جھیل رہی ہے۔ انہی مظالم کی بنا پر تمام مسلمانوں اور مصوّرِ پاکستان علاّمہ اقبال مرحوم نے اپنے زمانے کی انگریز حکومت سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مرزائی مذہب کے متبعین کو غیر مسلم اقلیّت قرار دے کر انہیں مسلمانوں کے جسدِ ملّی سے علیحدہ کر دیا جائے۔ لیکن وہ ایک ایسی حکومت کے دور میں پیدا ہوئے تھے جس نے مرزائیت کا پودا خود کاشت کیا تھا۔ اور جس نے ہمیشہ اپنے مفادات کی خاطر مرزائیت کی پیٹھ تھپکنے کی پالیسی اختیار کی ہوئی تھی۔ لہٰذا پوری ملّتِ اسلامیہ، اور خاص طور سے علاّمہ اقبالؒ کی درد میں ڈوبی ہوئی فریادیں ہمیشہ حکومت کے ایوانوں سے ٹکرا کر رہ گئیں۔ مسلمان بے دست و پا تھے۔ اس لئے وہ مرزائیت کے مظالم سہنے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔

آج اسی مصوّرِ پاکستان کے خوابوں کی تعبیر پاکستان کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ یہاں ہم کسی بیرونی حکومت کے ماتحت نہیں تھے، لیکن افسوس ہے کہ ستائیس سال گزرنے کے بعد بھی ہم ملّتِ اسلامیہ کی اس ناگزیر ضرورت، اس کے دیرینہ مطالبے اور حق و انصاف کے اس تقاضے کو پورا نہیں کر سکے۔ اور اس عرصے میں مرزائیت کے ہاتھوں سینکڑوں مزید زخم کھا چکے ہیں۔

معزز اراکینِ اسمبلی!

اب ایک طویل انتظار کے بعد یہ اہم مسئلہ آپ حضرات کے سپرد ہوا ہے۔ اور صرف

پاکستان ہی نہیں، بلکہ پورے عالمِ اسلام کی نگاہیں آپ کی طرف لگی ہوئی ہیں، پوری مسلم دنیا آپ کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اور ان خُلد آشیاں مسلمانوں کی روحیں آپ کے فیصلے کی منتظر ہیں۔ جنھوں نے غلامی کی تاریک رات میں مرزائیت کے بچھائے ہوئے کانٹوں پر جان دے دی تھی ــــ جو حق و انصاف کو پکارتے رہے، مگر ان کی شنوائی نہ ہو سکی۔ اور جو ستائیس سال سے اس مسلم ریاست کی طرف دیکھ رہے ہیں جو مجاہدینِ آزادی کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ جو اسلام کے نام پر قائم ہوئی ہے۔ اور جو دو سو سالہ غلامی کے بعد مسلمانوں کی پناہ گاہ کے طور پر حاصل کی گئی ہے۔

معزز اراکینِ اسمبلی!

مسلمان کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہتے۔ مسلمانوں کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ اس مرزائی ملّت کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، جس نے اسلام سے کھلّم کھلّا خود علیحدگی اختیار کی ہے، جس نے اسلام کے مُسلّمہ عقائد کو جھٹلایا ہے۔ جس نے دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کو برملا کافر کہا ہے۔ اور جس نے خود عملاً اپنے آپ کو ملّتِ اسلامیہ سے کاٹ لیا ہے۔ ان کی عبادت گاہیں مسلمانوں سے الگ ہیں۔ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان شادی بیاہ کے رشتے دونوں طرف سے ناجائز سمجھے جاتے ہیں اور عدالتیں ایسے رشتوں کو غیر قانونی قرار دے چکی ہیں۔ مسلمان مرزائیوں کے اور مرزائی مسلمانوں کے جنازوں میں شرکت جائز نہیں سمجھتے، اور ان کے آپس میں ہم مذہبوں کے سے تمام معاشرتی رشتے کٹ چکے ہیں۔ لہٰذا اسمبلی کی طرف سے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا فیصلہ کوئی اچنبھا یا مصنوعی اقدام نہیں ہوگا، بلکہ یہ ایک ایسی ظاہر و باہر حقیقت کا سرکاری سطح پر اعتراف ہوگا۔ جو پہلے ہی عالمِ اسلام میں اپنے آپ کو منوا چکی ہے۔

۔ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز کوئی ایسی تجویز نہیں ہے۔ جو کسی شخصی عداوت یا سیاسی لڑائی نے وقتی طور پر کھڑی کر دی ہو۔ بلکہ یہ قرآن کریم کی بیسیوں آیات کا، خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے سینکڑوں ارشادات کا، امت کے تمام صحابہؓ و تابعینؒ اور فقہاؒ و محدثینؒ کا، تاریخ اسلام کی تمام عدالتوں اور حکومتوں کا، مذاہبِ عالم کی پوری تاریخ کا، دنیا کے موجودہ ستر کروڑ مسلمانوں کا، پاکستان کے ابتدائی مصوّروں کا، خود مرزائی پیشواؤں کے اقراری بیانات کا، اور ان کے نوّے سالہ طرزِ عمل کا فیصلہ ہے۔ اور اس کا انکار عین دوپہر کے وقت سورج کے وجود کا انکار ہے۔

چونکہ مرزائی جماعتیں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے امتِ مسلمہ کے مفادات کے خلاف

کارروائیوں میں مصروف رہتی ہیں، اس لئے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان اس وقت منافرت و عداوت کی ایسی فضا قائم ہے۔ جو دوسرے اہل مذاہب کے ساتھ نہیں ہے۔ اس صورتحال کا اس کے سوا کوئی حل نہیں ہے۔ کہ مرزائیوں کو سرکاری سطح پر غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا جائے۔ اسکے بعد دوسری اقلیتوں کی طرح مرزائیوں کے جان و مال کی حفاظت بھی مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔ مسلمانوں نے اپنے ملک کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ ہمیشہ انتہائی فیاضی اور رواداری کا سلوک کیا ہے۔ لہٰذا مرزائیوں کو سرکاری سطح پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بعد ملک میں ان کے جان و مال کا زیادہ تحفظ ہوگا۔ اور منافرت کی وہ آگ جو وقفے وقفے سے بھڑک اٹھتی ہے، ملک کی سالمیت کے لئے کبھی خطرہ نہیں بن سکے گی۔

لہٰذا ہم آپ سے اللہ کے نام پر، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے نام پر، قرآن و سنت امتِ اسلامیہ کے اجماع کے نام پر، حق و انصاف اور دیانت و صداقت کے نام پر، دنیا کے ستر کروڑ مسلمانوں کے نام پر، آزادیٔ ہند کے مقدس مجاہدین کے نام پر، اور پاکستان کے ابتدائی مصوروں کے نام پر پر اپیل کرتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کے اس مطالبے کو پورا کرنے میں کسی قسم کے دباؤ سے متاثر نہ ہوں، اور جو اختیارات آپ کو حاصل ہیں انہیں ملت کی فلاح کے لئے استعمال کرکے اللہ اور اس کے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر کریں جن کی شفاعت میدانِ حشر میں ہمارا آخری سہارا ہے۔۔ اگر ہم نے اپنی اس ذمہ داری کو پورا نہ کیا تو ملتِ اسلامیہ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اقتدار و اختیار ڈھل جاتا ہے، لیکن غلط فیصلوں کا داغ موت کے بعد تک نہیں مٹتا۔۔ اللہ تعالےٰ آپ کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق دے۔۔ اللہ تعالےٰ آپ کی دستگیری فرمائے۔ آمین۔ (محرکینِ قرارداد ۲۲ منجانب، ۳۷ اراکینِ قومی اسمبلی اگست ۱۹۷۳ء)

۷ ستمبر کا تاریخی اور اسلامی فیصلہ

۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کی شام کو ان آنکھوں نے قومی اسمبلی میں قادیانی مسئلہ کا جو عظیم اور مبارک فیصلہ ہوتے دیکھا اس کے تاثرات اور احساسات کے اظہار سے قطعی طور پر اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوں، میرے سامنے وہ نازک لمحات گزر رہے تھے جن کا تقریباً پون صدی سے ملتِ مسلمہ کو انتظار رہا۔ کتنے اہل اللہ تھے جن کی نیندیں مسیلمۂ پنجاب علیہ ما علیہ کی فتنہ سامانیوں کو دیکھ دیکھ کر حرام ہو گئیں تھیں۔ کتنے اکابر علم و فضل اور مردانِ بحث و تحقیق تھے۔ جن کی علم و فکر کی ساری قوتیں اس راہ میں خرچ ہوئیں۔ کتنے اصحاب عشق و عزیمت تھے، جنہوں نے شہنشاہِ دو عالمؐ کی بارگاہ میں سرخروئی پانے کے لئے اپنی جانیں لیلائے ناموسِ ختمِ نبوتؐ پر لٹا دیں۔ کتنے اربابِ جہد و جہاد تھے جنہوں نے کھلے دل اور کشادہ پیشانی سے اس راہ کی ہر قید و بند کی صعوبتوں کو گلے سے لگایا ؎

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ — آنجا کہ لطمہ ہائے یداللہ مے زنند

کتنے اعاظمِ صدق و صفا تھے جنہوں نے وصیتیں کیں کہ اگر ایں یوم مسعود اور فتح مبین ..... دیکھنا نصیب ہو جائے تو ہماری قبروں پر آ کر مژدہ سنا دیا جائے۔ آج علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ارواح خوشی سے جھوم اٹھی ہیں۔ وہ دیکھو اقبالؒ، ظفر علی خانؒ اور الیاس برنیؒ کتنے شاداں و فرحاں ہیں ثناء اللہ امرتسریؒ کی سرخروئی میں اور بھی اضافہ ہو چکا ہے۔ پیر مہر علی شاہؒ اور محمد علی مونگیریؒ کی خانقاہیں جگمگا اٹھی ہیں حبیب الرحمن لدھیانویؒ

ختمِ نبوت کا منطقی مطالبہ جبکہ وہ خاتم النبیّین ہیں تو سارے ادیان و ملل، احکام و فرامین اور دساتیر و قوانین کا بھی انہی پر خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہی ختمِ نبوت کا مطالبہ ہے۔ اب ساری تہذیب، سارے اِزم اور سارے تمدّن اسکے مدنی تمدّن کے سامنے مٹ چکے ہیں۔

آج کے اس عظیم اور بے مثال فیصلہ پر پوری ملّت کی طرح میری خوشیوں اور مسرتوں کی انتہا نہیں۔ میں اپنے آپ کو اس احساسِ حمد و ثنا اور ان جذباتِ مسرت و ابتہاج کے اظہار سے قطعی عاجز پا رہا ہوں۔ پھر بھی جذبات کے طوفان میں رُواں رُواں خدائے رب العالمین کا احسان مند اور شکر گزار رہنا چاہیئے۔

میرے عزیز قارئین! خدارا مجھے بتائیے، میں ان لا محدود اور غیر فانی مسرتوں کو اپنے محدود اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کیسے سمیٹ سکتا ہوں۔؟

الحمد لله الذی نصر عبده وانجز وعده وهزم الاحزاب وحده هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کلّه وکفیٰ بالله شهیداً ــــ اللّٰهم لك الحمد ملأ السمٰوٰت والارض لا نحصی ثناءً علیك انت کما اثنیت علی نفسك والصلوٰة والسلام علیك یا امام المرسلین یا قائد الخیر یا نبی الرحمة یا نبی الانبیاء یا امام الرشد والهدیٰ نفدیك بابائنا وابنائنا وارواحنا یا سید المرسلین۔ والله یقول الحق وهو یهدی السبیل ۔

۱۰ رمضان ۱۳۹۴ھ

محمد علی جالندھریؒ، احسان احمد شجاع آبادی، لال حسین اختر، چوہدری افضل حق کی محنتیں رنگ لائی ہیں۔ دیوبند، لکھنؤ، لدھیانہ، میرٹھ اور سہارنپور کے قدوسیوں میں جشن برپا ہے۔ الغرض ملاء اعلیٰ کی ساری کائنات محمد عربیؐ کے زمزموں سے گونج اٹھی ہے۔ باطل مٹ چکا، اہل باطل خائم گناں ہوئے یہی ہونا تھا۔ ان الباطل کان زھوقاً۔

محمد عربیؐ کہ آبروئے ہر دو سرا است کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر او

۶ ستمبر پاکستان کی جغرافیائی سرحدات کا یوم دفاع تھا، تو، ۷ ستمبر نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کی نظریاتی سرحدات کے ناقابلِ تسخیر ہونے کا اعلان ہے۔ ۷ ستمبر کا فیصلہ عظیم فیصلہ، عظیم کارنامہ، عظیم اجر و منزلت اور عظیم نتائج اور ذمہ داریوں کا دن ہے ——— خوشیوں اور مسرتوں کا دن ——— پورے عالم اسلام کے نام لیوایانِ محمد عربیؐ کیلئے کہ ان کے آقا اور مولیٰؐ کی ابدی عظمتوں اور دائمی رفعتوں پر ایک اور مہر لگ گئی ——— پوری ملتِ اسلامیہ کی شادمانی کا دن ہے۔ اس لئے کہ ملت کی وحدت و یگانگت ان خائن ہاتھوں سے محفوظ کر دی گئی جس کی چیرہ دستیوں سے ملت کا شیرازہ دولخت ہو رہا تھا ——— یہ فیصلہ باعثِ صد ہزار تحسین و تبریک ہے پوری قوم کے لئے، علماء اور طلباء کے لئے، تجار اور ملازمین کے لئے، اہلِ دانش اور اہلِ قلم کے لئے، اہلِ علم و فضل کیلئے، حاکم اور محکوم کیلئے، عامۃ المسلمین کیلئے، پارلیمنٹ اور اس کے تمام ارکان کیلئے، حزبِ اختلاف اور حزبِ اقتدار کیلئے، دینی اور سیاسی تنظیموں کی متحدہ مجلس عمل کیلئے، اور اس کے ایمانی بصیرت سے سرشار رہنماؤں کے لئے اور ان سب کے ساتھ وزیر اعظم بھٹو کیلئے کہ سب اپنی اپنی نیت اور عمل کے مطابق رضائے مصطفوی اور خوشنودی ربانی کے سزاوار ٹھہرے۔ انشاء اللہ

مسلمانو! یہ فیصلہ ہمارے ذمہ ایک قرض تھا، محمد عربی علیہ السلام کا سامنا اس کے بغیر مشکل تھا۔ نہ ہم امیدوار شفاعت ہو سکتے تھے۔ مغربی سامراج کا پالا ہوا کتا خاتم النبیینؐ کی عظمتوں کے آفتاب و ماہتاب کو زوال سے دیکھ کر بھونکتا رہا۔ وہ سامراج کا پروردہ تھا۔ اور ہم سامراج کے غلام۔ اس لئے مجبور و بے بس ———

۱۴ اگست نہیں بلکہ ۷ ستمبر!

تو اے لوگو! جشنِ آزادی منانے والو! اب تم ہمیشہ ۱۴ اگست کی بجائے ۷ ستمبر کو جشنِ آزادی منایا کرو کہ انگریزی استعمار ۱۴ اگست کو نہیں، ۷ ستمبر کو مر چکا۔ انگریزی مقاصد، ۷ ستمبر کو خاک میں مل گئے۔ جھوٹے مدعی نبوت کی متعفن لاش ٹھکانے کے ساتھ، ۷ ستمبر کو ہمیں استعمار کی گرفت سے نجات ملی۔

مگر اس کے ساتھ ہوشیار بھی رہو کہ یہ ضرب کاری استعمار، صیہونیت اور پورے عالمِ کفر کے لئے ناقابلِ برداشت ہے، وہ اسے ٹھنڈے پیٹوں نہیں سہے گا، اس کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں اور بھی بڑھ جائیں گی اور منصوبے اور بھی گہرے ہو جائیں گے ہمیں بھی اس سے بڑھ کر تدبر و فراست دینی حمیت اور اتحاد و یگانگت سے کام لینا ہوگا۔ اور ملتِ مسلمہ کے تمام افراد کو اس کی فتنہ سامانیوں سے خبردار رکھنا ہوگا۔ پورے عالمِ اسلام بلکہ پوری دنیا میں اس فتنہ کا تعاقب اور احتساب، ۷ستمبر کے فیصلے کا منطقی تقاضا ہے۔

مسلمانو! یہ فیصلہ ملتِ محمدیہ کی تاریخ کا ایک سنہری فیصلہ ہے مسیلمۂ پنجاب مر چکا ہے۔ اور عالمِ اسلام پر نبوت محمد عربی علیہ السلام کی ابدیت کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس کی رسالت و شریعت کی ہمہ گیری اور عالمگیری کا اعلان چودہ سو سال بعد بھی ہو چکا ہے۔

یہ فیصلہ ارشادِ خداوندی — ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ — کا ایک اور ظہور ہے۔ یہ سب کچھ اس ذاتِ کبریا عز و جل کی ان رحمتوں کا منطقی نتیجہ ہے۔ جو اس کے آخری نبیؐ کے لئے محفوظ و مخصوص ہیں۔ جس نے اپنے محبوب کو ورفعنالك ذكرك سے مخاطب کیا اور جس نے انہیں وکان فضل الله علیك عظیما — اور — ولسوف یعطیك ربك فترضی۔ کی بشارتیں دیں۔ حضور محمد عربیؐ فداہ ابی و امی علیہ السلام امر اور لافانی ہیں اس کی نبوت و رسالت دائمی ابدی اور سرمدی ہے۔

اے اقوامِ عالم مرکزِ ثقل سے وابستہ ہو جاؤ

پس اے اقوامِ عالم! دیکھ لو۔ چودہ سو سال گزر جانے پر بھی محمد عربی علیہ السلام کے سر پر تاجِ ختمِ نبوت کیسا جگمگ کر رہا ہے اور ان کی ذات پر قبائے تکمیلِ دین کتنی فٹ اور خلعتِ اتمامِ نعمتِ دین کتنی زیبا ہے۔ کہیں اقوامِ عالم اور تاریخِ ادیان و ملل میں اس ابدیت اور دوام کی کوئی دوسری مثال مل سکتی ہے؟ اگر نہیں تو آؤ اس ابدی صداقت، لافانی حقیقتِ کبریٰ، نبوت کے مقامِ معراج اور انسانیت کے مرکزِ ثقل سے اپنے آپ کو وابستہ کر لو اور اس کا دامن تھام لو۔

قومی اسمبلی کے اقلیتی فیصلہ پر

نذرانۂ عقیدت

ماہنامہ الحق اس شمارہ سے اپنی حیاتِ مستعار کے دسویں سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ زندگی کے اس مختصر یا طویل سفر میں جو کٹھن مراحل آئے یا جن سنگلاخ اور دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑا یہاں ہم اس کے بیان کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ نہ کوئی شکوہ ہے نہ شکایت کہ یہ راہ پھولوں کی سیج نہیں۔ نہ کبھی جادۂ حق کا سفر مادی اور ظاہری آسائشوں اور سہولتوں کا منت پذیر ہوا ہے۔ لیلائے حق و صداقت اپنے متوالوں کو اگر بلاتی ہے تو کسی کی زبان میں یہ کہتے ہوئے دعوتِ وصال دیتی ہے۔ کہ ؎

انہی پتھروں پر چل کر اگر آسکو تو آؤ ۔۔۔ مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

الحق اپنی نویں منزل کے اختتام پر یعنی ستمبر میں قادیانی مسئلہ کے آئینی حل کی شکل میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ فتح و شادمانی اور قرب و وصالِ حق اور حصولِ مقصود و مطلوب کی ایک ایسی نعمت سے سرشار ہوا جس کا شکریہ کسی بھی ناتواں مخلوق کے بس میں نہیں نہ اس نعمت کی حلاوت و مسرت کبھی زائل ہو سکتی ہے انشاء اللہ عز و جل اس راہ میں الحق کی ناچیز کوششیں بھی رائیگاں نہیں گئی ہوں گی۔ دسویں سال کے آغاز میں اس نعمت کے شکریہ کے طور پر ہم آقائے نامدار حضور رحمۃ للعالمین خاتم النبیینؐ کی بارگاہِ اقدس میں تاج و تختِ ختم نبوتؐ اور ناموسِ ختم المرسلینؐ کے آئینی تحفظ کی تقریب میں ایک حقیر سا

نذرانہ عقیدت[۱] پیش کر رہے ہیں اور وہ قادیانی مسئلہ پر مشاہیر علم و فضل اور زعماء ملک و ملت کے جذبات و تاثرات کا حسین گلدستہ ہے۔ اس امید پر کہ کیا عجب ان گلہائے عقیدت کو پیش کرنے والے اور اس کے مرتبین ادارہ الحق اور تمام قارئینِ الحق کے لئے قیامت کے دن شافع محشر کی شفاعت و خوشنودی کا ذریعہ بن جائے اور یہی بضاعۃ مزجاۃ بارگاہِ ایزدی سے پروانۂ نجات نصیب ہونے کا وسیلہ بن جائے کہ یہی امید ہی زادِ راہ اور سرمایۂ آخرت ہے۔ بہر حال الحق کا مخصوص حصہ بارگاہِ ختم المرسلین ؐ میں اس التجاء کے ساتھ پیش ہے کہ وجئنا ببضاعۃ مزجاۃ فاوف لنا الکیل وتصدق علینا ان اللہ یحب المتصدقین۔

خراجِ عقیدت کے اس بابرکت ہدیہ میں کوئی بخل کئے بغیر ہم نے بلا لحاظ مشرب و مسلک ملک و ملت اور علم و فضل سے تعلق رکھنے والے مختلف مکاتب فکر کے زعما، علماء، اہلِ قلم اور اربابِ فکر کو اظہارِ خیال کی دعوت دی نہ حزبِ اقتدار اور اختلاف میں تفریق کیا نہ اپنوں اور غیروں میں کہ ہر ایک رحمتِ کائنات کی رحمتِ کریمانہ کا امیدوار اور طلبگار ہے۔ اور تقریباً سب نے مسئلہ ختم نبوت ؐ میں حتی المقدور حصہ لیا۔ ہمیں خوشی ہے اور ہم خلوصِ دل سے ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں جنہوں نے گوناگوں مشاغل اور عوارض کے باوجود ہمیں اپنے احساسات اور تجاویز سے نوازا اور کسی نے واقعی اعذار کی بناء پر معذرت کی اور ابھی بہت سے ایسے ہیں جن کے جوابات کے لئے ہم چشم براہ ہیں۔ مگر انتظار کی وجہ سے پرچہ کی اشاعت میں مزید تاخیر قارئین کے لئے ناقابلِ برداشت ہے اب بھی موجودہ جوابات شامل کرانے کی وجہ سے اتنی تاخیر ہو چکی ہے کہ ہمارے محبوب قارئین کا پیمانۂ صبر بجا طور پر لبریز ہو چکا ہے۔ گو اس تاخیر میں اس عذر کے علاوہ دکتابت کی دشواریاں طباعت اور دیگر بے شمار مسائل کا بھی حصہ ہے

---

[۱] قادیانی مسئلے کے آئینی حل پر ہم نے مشاہیر علم و فضل کو ایک سوالنامہ بھیجا کہ اس فیصلہ کے بارہ میں آپ کے تاثرات کیا ہیں اور مستقبل میں اس فیصلہ کے تقاضوں کو عملاً کیسے پورا کیا جا سکتا ہے اور مسلمانوں کو تعاقب و احتساب کا سلسلہ کس طرح جاری رکھنا ہے اس سوالنامے کے جو جوابات موصول ہوئے انہیں الحق کے اکتوبر، نومبر، دسمبر کے شمارہ میں شائع کیا گیا۔ اس مضمون میں الحق کے اسی نذرانۂ عقیدت کا ذکر ہے۔

مگر اس شمارہ کی نامناسب حد تک تاخیر اسی وجہ سے برداشت کر لی گئی کہ اکثر حضرات کے جوابات آسکیں چنانچہ جو بھی مضمون آیا اسی وقت حوالۂ کتابت کیا گیا قادیانیت کے بارہ میں اس خصوصی حصہ[1] کی ترتیب بھی مضامین پہنچنے کے لحاظ سے کی گئی ہے۔ اس لئے بعض جگہ فرقِ مراتب ملحوظ نہیں رکھا جا سکا۔ اور ہم ایسے تمام حضرات سے واقعی مجبوری کی وجہ سے تقدیم و تاخیر ہو جانے پر عفو و تسامح کے امیدوار ہیں۔

قادیانی اقلیت کے آئینی فیصلہ پر اس مضمون میں صرف جذباتِ مسرت نہیں بلکہ اندیشے بھی ہیں ذمہ داریوں کا احساس بھی دلایا گیا خطرات کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ اور اس پہلو پر بھی مختلف حضرات نے سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ کہ آئینی فتح کے بعد ہم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ اس مسئلہ کے ذیلی تقاضے بڑھ ہی گئے ہیں۔ جو فوری طور پر حل طلب ہیں اس ضمن میں حکومت کی ذمہ داریوں، مسلمانوں، علماء، بالخصوص مجلسِ عمل کے غور و فکر کے لئے اتنے مسائل کی نشاندہی ہو گئی ہے جس پر مزید کچھ اضافہ کئے بغیر ہم ملتِ مسلمہ کے تمام طبقات، حکومت، عوام، دنیا بھر کے مسلمانوں اور بالخصوص اپنے ہاں کی مجلسِ عمل اور مجلس تحفظ ختم نبوت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ان نکات پر فوری غور کر کے انہیں عملی شکل دینے کے لئے کوئی لائحہ عمل تجویز کریں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فتح مبین سے حاصل ہونے والے شاندار نتائج ہماری غفلتوں کی وجہ سے شکست سے زیادہ خطرناک صورت میں نہ بدل جائیں۔

نومبر ۱۹۷۴ء

---

[1] مشاہیر علم و فضل کے یہ جوابات الحق کے خاص شمارہ اکتوبر ۱۹۷۴ء کے علاوہ نومبر اور دسمبر ۱۹۷۴ء کے شماروں میں شائع ہوئے۔

مرزائیت اور آئین کی توہین

حکومت کو بارہا توجہ دلائی جا چکی ہے کہ مرزائی دستور ساز اسمبلی کے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کے متفقہ آئینی فیصلے کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اب جبکہ قادیانیوں کے سرکاری آرگن الفضل ۷ ؍ مارچ ۱۹۷۵ء نے علی الاعلان اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرنے کا اعلان کیا ہے اور یہ اعلان نوائے وقت لاہور ۲۲ ؍ مارچ ۱۹۷۵ء میں بھی آ چکا ہے۔ ادھر ظفر اللہ قادیانی نے بھی اپنے حالیہ مضامین میں اس آئینی ترمیم کو ٹھکرا دیا ہے۔ تو اب یہ وضاحت کرنا حکومت کا فرض ہے کہ ایسے اعلانات اور سرگرمیاں دستوریہ کی توہین اور آئین سے غداری اور بغاوت کے زمرہ میں آتی ہیں یا نہیں؟ اور اب یہ فیصلہ بھی کہ بھٹو صاحب پاسبانِ ختم نبوت ہیں یا محافظِ مرزائیت، ایسے اعلانات کے بارہ میں بھٹو صاحب کے ردِ عمل اور آئندہ اقدامات پر موقوف ہے ——— (اپریل ۷۵ء)

قادیانی فیصلہ کے عملی تقاضے

الحمد للہ قادیانی مسئلہ کا آئینی فیصلہ تو ہو گیا مگر عملاً قادیانیت اپنی ظاہری اور پس پردہ سرگرمیوں کے لحاظ سے اب تک ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک فتنہ بنا ہوا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ کوئی خطرہ صرف آئین میں دو چار ترمیموں سے ختم نہیں ہو سکتا۔ اور جیسا کہ ہمارے سوالنامہ کے جواب میں تمام اہل بصیرت نے بھی لکھا کہ آئین کے تمام قانونی اور ذیلی تقاضے پورے کئے بغیر آئینی ترمیم کے بعد قادیانیت مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ کہ اب اسے آئینی تحفظ اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق کے پردہ میں ملتِ مسلمہ کے خلاف اپنی تمام حسرتیں نکالنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اب جب کہ خود

قومی اسمبلی پر طویل غور و خوض اور مکمل بحث کے بعد قادیانیوں کی اسلام دشمنی اور مسلم دشمنی آشکارا ہو گئی، اور اسی چیز نے آئینی ترمیم پر اسمبلی کو متفق کرا دیا تو یہ نہایت بے بصیرتی اور ناعاقبت اندیشی کی بات تھی کہ سانپ کو زخمی کر دینے کے بعد نہ صرف یہ کہ اسے کھلا چھوڑ دیا جائے بلکہ اس کے زخموں کا اندمال کیا جائے، دشمن کے عزائم، کردار، سرگرمیاں اور اس کی پوری تاریخ سامنے آجانے کے باوجود بھی اس کے ساتھ ایسا سلوک، رواداری یا وسیع النظری نہیں بلکہ قومی و ملی خودکشی یا ملک و ملت سے غداری کہلائی جا سکتی ہے۔ اس لئے آئینی ترمیم کے فوراً بعد اس کے تقاضے پورے کرنا چاہیئے تھے۔ مگر ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود نہ تو اب تک ترمیم کے تحت قانون سازی کی گئی (جبکہ اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں اس کام کی تکمیل کی توقع تھی) نہ قادیانی سرگرمیوں کے سلسلہ میں ملت کے جذبات کا عملاً کوئی احترام کیا گیا مگر کریڈٹ اور ڈس کریڈٹ کے سوال کو بڑی اہمیت دی گئی اور "قائد عوام" کے جلسے بھی محافظِ ختمِ نبوت زندہ باد کے نعروں سے گونجنے لگے مگر ختم نبوت کی حفاظت کے لیے عملاً اب تک کیا ہوا ہے۔؟

مرزائی ملک کے سول اور فوجی کلیدی مناسب پر نہ صرف یہ کہ فائز ہیں بلکہ سننے میں آتا ہے کہ کئی اہم پوسٹوں پر انہیں مزید ترقی بھی دی گئی ہے۔ مرزائی ختم نبوت اور اسلام کے قطعی عقائد اصطلاحات اور شعائر کی کھلم کھلا توہین کر رہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ تبلیغ اسلام کے نام پر۔ وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو سچا مسلمان کہلانے پر بضد ہیں۔ بلکہ ان کے تمام لٹریچر، مجلات اور رسائل میں وہی زہریلا مواد چھپتا ہے جو ان کا سرمایۂ ثقافت ہے۔ مرزائیوں کا موجودہ امام مرزا ناصر اور پریس پوری قوم کی نمائندہ اسمبلی کے فیصلہ کو مسترد کر چکا ہے مگر اس کھلے بندوں بغاوت اور غداری کا کوئی نوٹس نہیں لے رہی۔ اندرون ملک ان کی "تبلیغی سرگرمیوں" کا اندازہ ان کی تازہ ربوہ کانفرنس کے انتظامات اور وسیع تیاریوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ وہ عالمی سطح پر بشمول بھارت اپنے چیدہ افراد کو بلاوجہ جمع نہیں کر رہے بلکہ ان کے غور و فکر کا محور حالیہ آئینی فیصلہ کا ردعمل ہی ہو سکتا ہے۔ مگر حکومت قادیانیت کے بارہ میں اپنی سابقہ ڈگر پر چل رہی ہے اور اس حد تک الرجک ہے کہ ملک کی نمائندہ

خود مختار اسمبلی میں بھی مرزائیت کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتی۔ قومی اسمبلی کے موجودہ اجلاس میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے ربوہ کانفرنس پر تشویش ظاہر کی اور اسے تحریک التوا کے ذریعہ زیرِ بحث لانا چاہا تو مفادِ عامہ کی اس جدوجہد کو "مفادِ عامہ" کے خلاف قرار دے کر سختی سے اس بحث کو روکا گیا۔ مرزائی مسئلہ کے بارہ میں داخل کئے گئے سوالات جوابات دیئے بغیر باہر ہی باہر سے مسترد کر دیئے گئے۔ صمدانی رپورٹ[۱] کو زیرِ بحث لانے کی تحریک بھی مسترد ہو گئی۔ رجسٹریشن کے سلسلہ میں بھی یہی حالت ہے۔ ووٹوں کا اندراج مکمل ہو چکا ہے۔ شناختی کارڈ اور پاسپورٹ جاری ہو رہے ہیں۔ مگر ان تمام چیزوں سے آپ مسلم اور غیر مسلم کا کوئی امتیاز نہیں کر سکتے۔ ربوہ عملاً اب تک قادیانی سٹیٹ کی راجدھانی ہے۔ سر ظفراللہ ملک کے باہر اپنی حسرتیں نکالنے کے بعد اب ملک میں آ کر اپنے ملک دشمن اور اسلام دشمن عزائم میں مصروف ہیں۔ بھارت سمیت کئی بیرونی ملکوں سے ان کے نامہ و پیام کی خبریں آ رہی ہیں۔ مرزائیوں کی فوجی اور نیم فوجی تنظیموں پر پابندی نہیں لگائی گئی۔

الغرض جب قادیانی مسئلہ جوں کا توں ہے تو معلوم نہیں حکومت کس منہ سے اسے اپنی اسلامی خدمات کا ایک کارنامہ قرار دے رہی ہے۔ اور جب حکومت مرزائی جماعت کی سرگرمیوں سے کوئی کھٹکا تک نہیں اور نہ عملاً اس کی ملک اور اسلام دشمنی کو تسلیم کرتی ہے تو پھر انہیں کاغذی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ضرورت کیا تھی۔ کیا یہ صرف سستی شہرت کی خاطر ہوا یا محض سوادِ اعظم کے وقتی جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دینے کے لئے۔ یہ سب چیزیں مجلسِ عمل اور عام مسلمانوں کو دعوتِ فکر دے رہی ہیں۔ مجلس عمل بھی (اور کافی حد تک ایسا محسوس ہو رہا ہے) اگر یہ سمجھتی ہے کہ وہ یومِ تشکر اور جشنِ فتح منا کر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکی ہے تو یہ اس کی

---

[۱] فسادِ اہلِ ربوہ کے بعد مسلمانوں کے اشتعال اور مطالبہ پر حکومت نے جسٹس صمدانی کی سربراہی میں تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جس کی رپورٹ صمدانی رپورٹ کے نام سے موسوم ہوئی مگر حکومت نے اس کی اشاعت روک دی۔

بہت بڑی بھول ہو گی۔ خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجلسِ عمل کے جذبۂ اتحاد اور جوش و خروش میں کمی سے فتح کے نتائج شکست سے بدل جائیں مجلسِ عمل کا ملک و بیرونِ ملک قادیانیت کے تعاقب اور قطعی استیصال کے بغیر مطمئن ہو جانا خدا اور اس کے رسول ؐ کی نظروں میں ناقابلِ معافی جرم ہو گا۔ حکومت کا بھی اس بارہ میں سرد رویہ پورے عالمِ اسلام کے لئے حیرت اور اضطراب کا موجب بن سکتا ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ مجلسِ عمل نے اپنی ذمہ داری کا کچھ احساس کرتے ہوئے راولپنڈی میں منعقدہ اپنے حالیہ اجلاس میں ایک طرف اگر طویل غور و خوض کے بعد اس صورتِ حال پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور ایک قرارداد کے ذریعہ اسمبلی میں نمائندہ ارکان کو مامور کیا کہ وہ یہ مسئلہ اعلیٰ سطح پر اٹھائیں۔ تو دوسری طرف مجلسِ عمل نے اپنے اجلاس سے جوش و عمل اور باہمی اتحاد برقرار رکھنے کا بھی ثبوت دیا۔ اس ملک میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر مجلسِ عمل کی بقاء کتنی ضروری ہے۔؟

الحمد للہ کہ اس کا احساس مجلسِ عمل میں شامل جماعتوں کو بھی ہے اور کسی صاحبِ بصیرت کو اس سے اختلاف نہیں ہو سکتا۔ بہر حال قادیانی مسئلہ کے بارہ میں اب تک عملی صورتِ حال مجلسِ عمل اور عام مسلمانوں کو نگاہ میں رکھنی چاہیئے۔ اور حکومت کو بھی اب وہ تمام تقاضے جلد ہی پورے کر دینے چاہئیں۔ جو اس مسئلہ میں اللہ، رسول ؐ، اسلام، آئین جمہوریت، اخلاق، سیاست اور عقل و خرد ہر لحاظ سے تقاضائے تکمیل کرتے ہیں۔

پاکستان اور ابوظہبی
کے
مبارک اقدامات

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والے ۷ ستمبر کے فیصلہ کے بعد فوری ضرورت اس فیصلہ کے اجراء اور اس کے مطابق قانون سازی کی ہے۔ مگر افسوس کہ حکومت نے اسے اب تک درخورِ اعتناء نہ سمجھا اور نہ مجلسِ عمل نے اس بارہ میں گرمئ عمل کا ثبوت دیا۔ اب مدتوں بعد یہ مسرت انگیز خبر سامنے آئی کہ صدرِ پاکستان نے ایک حکم کے ذریعہ سینٹ کے انتخابات میں حصہ لینے والے مسلمان امیدواروں پر لازمی قرار دیا کہ وہ اس مضمون کا حلف اٹھائیں گے کہ وہ حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا آخری نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ کسی ایسے شخص کو مسلمان تسلیم نہیں کرتے جو حضور ﷺ کے بعد کسی بھی معنی یا مفہوم میں نبوت کا دعویدار ہو۔ شناختی کارڈوں کے لئے جو نئے فارم سامنے آچکے ہیں ان پر بھی حلف نامہ کی ایسی عبارت صاف اور غیر مبہم الفاظ میں موجود ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سے قبل اب تک جاری شدہ شناختی کارڈوں کے بارہ میں بھی ایسی ہی کاروائی کی جائے اور یہ کہ کسی مرزائی کے پاسپورٹ، شناختی کارڈ اور دیگر کاغذات میں واضح طور پر اس کا مرزائی ہونا درج کر دیا جائے تاکہ کسی بھی مسلمان ملک کو مغالطہ اور فریب کا شکار نہ ہونا پڑے۔

قادیانیت کے بارہ میں تحریر متحدہ عرب امارات کی ریاست ابوظہبی کی عدالتِ عالیہ کے اس ایمان افروز فیصلہ کا متن بھی سامنے آچکا ہے۔ جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"مذکورہ بالا امور کے پیشِ نظر میں حکومت کے ذمہ داروں کو ہدایت کرتا ہوں کہ قادیانیوں کو بیک بینی دو گوش متحدہ عرب امارات سے ملک بدر کر دیا جائے۔ ہماری حکومت کو قادیانیوں کے پاسپورٹ میں لفظِ قادیانی

نوٹ کر لینا چاہیئے۔ ان کا لٹریچر ضبط کر لیا جائے اور پڑھنا پڑھانا ممنوع، نیز حکومت کو لازم ہے کہ قادیانیوں کے عقائد باطلہ کو بے نقاب کرنے کے لئے تمام ذرائع ابلاغ سے کام لے تاکہ مسلمانوں پر واضح ہو کہ قادیانیت ایک الگ مذہب اور اسلام سے خارج ہے۔ اور یہ کہ قادیانی غیر مسلم اور مرتد ہیں۔" (احمد بن عبد العزیز آل مبارک رئیس القضاۃ ۱۳۹۵/۵/۲۹ھ)

ہم ابوظبی کی اسلامی عدالت کو تہ دل سے اس مومنانہ فیصلہ پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے دیگر اسلامی ممالک سے اس کی تقلید کرنے کی اپیل کرتے ہیں۔ (رجب ۱۳۹۵ھ)

رابطہ عالم اسلامی

کی

احتیاطی و انسدادی تدابیر اختیار کرنے کی اپیل

رابطہ کی اہم قرار دادیں مکہ معظمہ کی رابطہ عالم اسلامی نے محل وقوع کے تقدس اور عالم اسلام کے دینی فکری اور سیاسی مسائل میں گہری دلچسپی لینے کی وجہ سے مسلمانوں کی نظروں میں ایک وقیع مقام حاصل کر لیا ہے۔ رابطہ نے اپنی مجلس تاسیسی میں عالم اسلام کے معتمد اور جید علماء کو سمو لیا ہے۔ اس وقت جب کہ انفرادی اجتہادات کی گنجائش نہیں۔ عالم اسلام کو درپیش علمی اور سیاسی مسائل میں ایسے نمائندہ اجتماعی فیصلوں سے بڑی تقویت ملتی ہے۔ اور عالم اسلام کو ضروری ہے کہ رابطہ کے اہم فتوؤں اور قرار دادوں کو لائق اعتناء سمجھے۔ اس سال بھی رابطہ نے ۱۵ ذیقعدہ سے یکم ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ تک رابطہ کے طویل اجلاسوں کے اختتام پر اسلامی دنیا سے متعلق نہایت اہم قرار دادیں پاس کیں جن میں سے چند ایک قرار دادوں سے مسلمانان پاکستان کی آگاہی بھی ضروری ہے۔

قادیانیت قرار داد نمبر ۱ کا تعلق قادیانیت سے ہے۔ اس مسئلہ میں رابطہ کا کردار ابتداء سے نہایت شاندار رہا ہے۔ اب ایک بار پھر اس مسئلہ میں رابطہ کی مجلس تاسیسی نے دنیا بھر

کی اسلامی تنظیموں کی متفقہ قراردادوں کی تائید وتوثیق کی ہے۔ اور قادیانی فرقہ کو خارج از اسلام قرار دیتے ہوئے اسلامی ممالک سے کہا ہے کہ وہ پاکستان، ملائشیا اور نائجیریا کی طرح اسے غیر مسلم اقلیت قرار دے کر اور اپنے ہاں انہیں کافروں جیسی حیثیت دے اور ایسے واضح قوانین مرتب کردیں جس کی رو سے کوئی قادیانی مسلم افواج یا دیگر اہم مناصب پر فائز نہ ہو سکے۔ غیر مسلم ممالک میں واقع اسلامی اداروں اور تنظیموں سے بھی کہا گیا ہے کہ اسی نہج پر قادیانیت کے خلاف سرگرمیاں تیز تر کردی جائیں۔ اس کے علاوہ مسلم اور غیر مسلم ممالک میں قادیانیوں کی قلعی کھولنے اور ان کے غیر اسلامی کردار اور عزائم سے متعارف کرانے کے لئے مذاکرات اور اجتماعات کا اہتمام کیا جائے۔ (مجلۃ رابطۃ العالم الاسلامی ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ)

رابطہ کی اس قرارداد پر سب سے زیادہ توجہ پاکستان کو دینی چاہیئے، اس لئے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے سے ہماری مسئولیت ختم نہیں ہو جاتی نہ عالمِ اسلام کا یہ مارِ آستین ایسے کسی رسمی فیصلہ سے ختم ہو سکتا ہے۔ اس فیصلہ کے بعد دنیائے اسلام میں قادیانیوں کی سرگرمیاں نہ صرف یہ کہ بڑھتی جا رہی ہیں، بلکہ آئے دن منصوبہ بندی کے اعلانات میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ ربوہ کی حالیہ سالانہ کانفرنس میں مرزا ناصر نے "جہاد" کا بھی اعلان کیا ہے۔ یہ جہاد کس کے خلاف؟ قادیانیوں کے خلاف یا عیسائیوں کے خلاف؟ یا پھر ان یہودیوں کے خلاف جنہوں نے روزِ اول سے مرزائیوں کو خاص مراعات سے نوازا ہے۔ اور اسرائیل میں مرزائی مشنوں اور مراکز کے قیام کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ یا پھر یہ جہاد اپنے ولی نعمت مربّی مغربی استعمار کے خلاف؟ اس سوال کا جواب خود مسلمانوں کو تلاش کرنا ہے۔

صیہونیت اور قادیانی صیہونیت سے قادیانیوں کے خفیہ اور اعلانیہ روابط کا ذکر بارہا آچکا ہے، اور اب حال ہی میں نوائے وقت لاہور مؤرخہ ۲۹ر دسمبر ۱۹۷۵ء نے ادارہ پال مال لندن سے شائع ہونے والے ایک یہودی پروفیسر آئی آئی نوماتی کی تصنیف "اسرائیل اے پروفائل" کے حوالہ سے انکشاف کیا ہے کہ "اسرائیل نے پاکستانی قادیانیوں کو اپنی فوج میں بھرتی ہونے کی اجازت دی ہے۔ اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ (۱۹۷۶ء تک نہیں بلکہ) ۱۹۷۲ء تک اسرائیلی فوج میں ۶ سو پاکستانی قادیانی شامل ہو چکے تھے"۔ اس کے ساتھ کچھ اور صیہونی دستوں نے قادیانیوں کے

شانہ بشانہ اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دی ہیں۔ بہائی فرقہ جسے برطانیہ اور یہودیوں نے روزِ اوّل سے خاص عنایت سے نوازا۔ حیفہ میں مقیم برطانوی گورنر نے عبد البہا کو خلعت اور اعزازات دیئے یہاں تک کہ آج بہائی تحریک کا بین الاقوامی ہیڈ کوارٹر اسرائیل کے حیفہ میں واقع ہے جب کہ مرزائیوں کا اہم اسرائیلی مشن بھی حیفہ ہی میں ہے۔ قومی اسمبلی کے اقلیت قرار دینے کے فیصلہ کے بعد بہائیوں نے یکایک اپنے کام کو تیز تر کر دیا اور ملک میں جگہ جگہ ختمِ نبوت کے خلاف تقاریر کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ صیہونیت کے ساتھ بہائیوں کے گہرے ربط و تعلق کو دیکھ کر پچھلے سال عرب ممالک کی مقاطعہ کمیٹی نے بہائیوں پر مکمل پابندی لگا دینے کا فیصلہ کیا۔ ہمارے ہاں مرزائیوں کی طرح بہائیوں کو کھلی چھوٹ ہے۔ اور اب اسلام اور خاتم النبیینؐ کے خلاف کام ۔ بین الاقوامی یک جہتی امن پسندی اور انسانی یک جہتی جیسے اصولوں کے نام پر ہو رہا ہے ۔

اسرائیلی فوج میں مرزائیوں کی بھرتی ادھر حیفہ میں بہائیوں اور مرزائیوں کے مراکز اور طریقِ کار اور اصولوں میں یگانگت یہ سب باتیں کسی تبصرے کی محتاج نہیں ۔ پاکستان اسلامی برادری کا اہم رُکن ہے۔ اور اسرائیل عالمِ عرب اور عالمِ اسلام کا بدترین دشمن۔ لبنان کے حالیہ واقعات میں اسرائیل کا گھناونا کردار کس سے مخفی ہے ۔ کیا واقعی پاکستان کے قادیانی اسی اسرائیل کے دست و بازو ہیں جو عالمِ عرب کے دل میں اسرائیل کے بعد ایک اور خنجر پیوست کرنے میں مصروف ہے اور جس کی ذلیل نظریں اب مدینہ طیبہ پر لگی ہوئی ہیں ——— یہ اسرار اور انبار اگر کبھی حقائق بن کر سامنے آگئے تو اسلامی برادری میں پاکستان آنکھ اٹھانے کے قابل رہ سکے گا؟

مرزائیوں کی لاہوری جماعت کی حقیقت

ایک استفتاء اور اسکا جواب

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں ۔ کل مورخہ ۸ ستمبر بوقت ۱/۲ ۴ بجے دن سابق امام مسجد ووکنگ مسجد محمد طفیل متعلقہ مرزائی فرقہ لاہوری کی ساس کا جنازہ مسجد ہذا میں لایا

گیا اور یہاں کے سرکاری امام خواجہ قمر الدین جو کہ اپنے آپ کو اہلسنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں۔ مرزائی سابق امام محمد طفیل کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی۔ جبکہ چند معززین نے اس حرکت کا محاسبہ کیا۔ تو خواجہ قمر الدین سرکاری امام ووکنگ مسجد نے یہ دلیل پیش کی کہ میں نے اس لئے جنازہ میں شرکت کی ہے کیونکہ مرزا محمد طفیل بسا اوقات میرے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے ہیں۔ اور دوسری دلیل یہ پیش کی کہ میں لاہوری مرزائیوں کو کافر نہیں سمجھتا کیونکہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو صرف مجدد تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہم کو کافر نہیں کہتے۔ لہٰذا آپ مہربانی فرما کر قرآن و حدیث کی روشنی میں ایسے شخص کے متعلق شرعی فتویٰ سے کماحقہٗ مطلع فرمائیں۔

عینی شاہدوں کے دستخط

الجواب مرزا غلام احمد قادیانی بوجہ اپنے دعاوئ باطلہ کے قرآن و سنت کے واضح اور بدیہی نصوص اور اجماع امت کی بناء پر قطعی کافر اور مرتد ہے انہی وجوہات کی وجہ سے مرزا کے ایسے معتقدات کو اپنانے والے یا اس کی اتباع کرنے والے یا اس کی تصدیق و تائید یا کسی طرح بھی تاویل کرنے والے قطعی کافر اور مرتد ہیں۔

متنبیٔ کذاب مرزا قادیانی کے مرنے کے بعد ان کے متبعین کی ایک جماعت نے۔ جو لاہوری مرزائی جماعت کہلاتی ہے۔ (جس کی قیادت مولوی محمد علی لاہوری نے کی) مرزا کے واضح بدیہی اور غیر مبہم دعاوی کے باوجود اس کی تکفیر کرنے کی بجائے (جو ہر مسلمان کا لازمی عقیدہ ہونا چاہیئے) ایسے تمام دعاوی اور اقوالِ کفریہ کی تاویل شروع کر دی جبکہ وہ خود اپنے دعوؤں میں پکار پکار کر کہتا ہے کہ میں نبی ہوں تشریعی بھی اور غیر تشریعی بھی، سارے انبیاءؑ بشمول حضور خاتم النبیین پر اپنی برتری کا دعویٰ کرتا رہا۔ اپنے منکر تمام مسلمانوں کو جہنمی اور کافر قرار دیتا رہا۔ مگر مولوی محمد علی لاہوری اور اس کی پارٹی نے مرزا صاحب کو کافر سمجھنے کی بجائے اسے چودھویں صدی کا مصلح اکبر، مجددِ اعظم اور اس سے بڑھ کر مسیح موعود تک مانا۔ (ملاحظہ اس کی تفسیر بیان القرآن حصہ اول ص ۳۱۷، ریویو آف ریلجنز ج ۵ ص ۳۱۴، ج ۱۲ ص ۴۶۵ وغیرہ)

محمد علی لاہوری کے تحریفاتِ قرآنی کے چند نمونے

محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر میں بے شمار مقامات پر تحریفِ معنوی، اور ایسے تلاعب سے کام لیا جو الحاد کا دروازہ کھولتا ہے۔ مغرب زدہ کج فہم تعلیمافتہ طبقہ کی طرح محمد علی لاہوری بھی ذہنی مرعوبیت میں مبتلا رہے معجزات اور مافوق الفطرۃ واقعات کو ان کا ذہن قبول نہیں کر سکتا تھا تو انہوں نے قرآن کے حقائقِ غیبی اور معجزات و خوارق کی اس طرح تشریح کرنی چاہی کہ یہ چیزیں عصرِ حاضر کے مادی نظریات سے متصادم نہ ہوں اس راہ میں انہوں نے عربی ادب اور قواعدِ عرف و استعمال کی اور صحابہؓ کی تشریح متقدمین کے تفاسیر غرض ہر ایسی بات کو تحریف کے خراد پر چڑھایا جو ان کے مادہ پرست مغرب زدہ ذہن و فہم سے جوڑ نہیں کھا سکتا تھا۔ اس تحریف کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) آیت واضرب بعصاك الحجر کا ترجمہ: اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ۔ ج ۱ ص ۶۹-۷۰

(۲) واذ قتلتم نفساً۔ الآیۃ میں سیاق و سباق قواعد عربیت کے بالکل خلاف آیت کو حضرت مسیح سے متعلق کیا گیا۔ ج ۱ ص ۷۹

(۳) معجزہ عیسیٰؑ خلق طیر کی آیت میں طیر سے عالم روحانیت میں پرواز کر سکنے والے انسان مراد لئے گئے۔ ج ۱ ص ۳۲۱

(۴) حضرت سلیمانؑ کے منطق الطیر کی آیت میں منطق سے وہ نامہ مراد ہے جو پرندہ لے کر جاتا ہے۔ ج ۳ ص ۱۴۰۹

(۵) اگلی آیت میں وادی النمل کی تشریح ایک عرب قبیلہ کی وادی اور نملۃ سے ایک انسان مراد لیا گیا ہے۔ ج ۳ ص ۱۴۱۱

(۶) سورۃ سبا کی آیت فلمّا قضینا علیہ الموت میں دابۃ الارض کا معنی حضرت سلیمانؑ کا ایک بیٹا اور منسأۃ کا مطلب سلطنت کے عصا کا کھایا جانا اور بربادی سے بیان کیا گیا ہے۔ ج ۳ ص ۱۵۳۶

(۷) ہُدہُد سے متعلق آیت میں اس سے خبر رسانی کا ایک شخص مراد ہے۔

(۸) "آیاتِ جن" میں "جن" کی تشریح انسانوں ہی سے کی گئی ہے۔ ج ۳ ص ۱۸۹۳

یہ چند نمونے ہیں ورنہ محمد علی کی تفسیر کے تینوں ضخیم جلد ایسے ہی تحریفات سے بھری ہوئی ہے۔

لاہوری جماعت کے اعترافات

نبوتِ مرزا سے انکار اور مصلح و مجدد کہنے کا بھی راستہ جان بوجھ کر نفاق و تلبیس اور مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے اختیار کیا گیا ورنہ درحقیقت لاہوری اور مرزائی ہر دو پارٹیوں کے معتقدات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو پیغامِ صلح ۷ ستمبر ۱۹۱۳ء جو لاہوری پارٹی کا ترجمان ہے۔ اس میں مرزا کو رسول ماننے کا اعلان موجود ہے۔ اپنے رسالہ ریویو ج ۳ ص ۳۱۱،۱۱ میں نہ صرف مرزا کو رسول اللہ اور نبی بلکہ سارے رسولوں سے افضل کہا۔

محمد علی لاہوری کے ایسے اقوال اور مضامین سے ایک دفتر تیار ہو سکتا ہے جس میں اس نے نہ صرف نبوت و رسالت مرزا کا اعتراف کیا بلکہ وہ نبوت و رسالت کے تمام لوازمات بھی ثابت کرتے رہے۔ (ریویو آف ریلیجنز (جس کے وہ ایڈیٹر رہے) میں تو انہوں نے احمدیت اور اسلام میں اس طرح حدِ فاصل کھینچ دی ہے جس طرح عیسائیت یہودیت سے بالکل ایک الگ مذہب ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

یعنی احمدی تحریک اسلام کے ساتھ وہی رشتہ رکھتی ہے جو عیسائیت کا یہودیت کے ساتھ تھا (منقول از مباحثہ راولپنڈی ص ۱۲) نمونہ کے چند مزید اقوال اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہوں۔

"آپ کے متبعینِ کامل کے لئے نبوتوں اور رسالتوں کا دروازہ بند نہیں ہوا" (ریویو ج ۴ ص ۱۸۶)

"ہم تو اس پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کر سکتا ہے ہم نے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیا (یعنی مرزا صاحب) وہ صادق تھا خدا کا برگزیدہ اور مقدس رسول تھا۔"

(تقریر محمد علی مندرجہ الحکم ۱۸ جولائی ۱۹۱۸ء بحوالہ فرقان قادیان جنوری ۴۲ء)

لاہوری جماعت کے ترجمان پیغامِ صلح ۱۶ اکتوبر ۱۹۱۳ء میں پوری لاہوری جماعت کا

حلفیہ بیان شائع ہُوا جس میں کہا گیا کہ:۔

"ہم خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر علی الاعلان کہتے ہیں کہ ہماری نسبت اس قسم کی غلط فہمی پھیلانا محض بہتان ہے ہم حضرت مسیح موعود اور مہدیٔ موعود کو اس زمانہ کا نبی رسول اور نجات دہندہ مانتے ہیں"۔

ان عبارتوں سے واضح ہُوا کہ لاہوری اور قادیانی جماعتیں عقائد میں ایک ہیں۔ مگر اصل جھگڑا جو اختلاف کا باعث بنا سیاسی اختلاف یعنی گدی نشینی کا ہے اور علیحدگی کی صورت کو کچھ خوب صورت بنانے کے لئے سابقہ عقائد سے رجوع کئے بغیر مرزا کے لئے نئے القاب و اصطلاحات شروع کئے گئے ورنہ درحقیقت دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

بہر حال اگر حقیقت حال یہ ہوتی کہ وہ مرزا کو صرف مصلح و مجدّد سمجھتے، تب بھی ان کی تکفیر میں کوئی پس و پیش نہ ہوتی، کیونکہ کسی جھوٹے مدعیٔ نبوت کو ماننا اور سچا ماننا اور واجب الاطاعة جان کر مسلمان سمجھنا بھی قطعی کفر ہے۔ کہ اسے مسیح مہدی اور مصلح موعود سمجھا جائے۔

ضروریاتِ دین میں تاویل و تحریف کفر ہے

برصغیر کے محقق علماء خصوصاً علّامہ سیّد انور شاہ کشمیریؒ نے اس فریب و نفاق کا پردہ بھی قطعی دلائل سے چاک کیا۔ اور لاہوریوں کی تکفیر ہی کے ضمن میں "اکفار الملحدین فی ضروریات الدین" جیسی معرکۃ الآراء کتاب لکھی جس میں واضح فرمایا کہ قطعی یقینی اور متواتر عقائد اور ضروریاتِ دین میں تاویل و تحریف اور انکار قطعی کفر ہے۔ اگرچہ ایسا کرنے والا خود اپنے آپ کو مسلمان کہے۔ اور اہل قبلہ میں سے اپنے کو سمجھے اور سارے ارکانِ اسلام عبادات وغیرہ ادا کیوں نہ کرے۔

مسلمانوں کے لئے تو مرزائیوں کا لاہوری فرقہ دوسرے قادیانی ربوائی جماعت سے بھی بڑھ کر خطرناک ہے کہ عام مسلمان انہیں نمازوں وغیرہ میں شرکت کرتے دیکھ کر ان پر حسنِ ظنی کر لیتے ہیں اور بالآخر ان کے مکائد اور خبائث کا شکار ہو جاتے ہیں، انکی زبانی مرزا قادیانی کے محامد اور مناقب سن سن کر اسکے بارہ میں بھی خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں، جو ضیاع دین و ایمان بن کر رہ جاتا ہے۔

الحاصل لاہوری مرزائی بھی قطعی کافر ہیں۔ نہ تو کسی مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا انکے مسلمان ہونے

کی دلیل بن سکتا ہے۔ نہ ان کا یہ کہنا کہ ہم تو مسلمانوں کو کافر نہیں سمجھتے۔

قادیانیوں کا تقیہ

اور اب تو قادیانیوں کی جماعت ربوہ کے امام نے بھی ازراہ تقیہ مسلمانوں کو دھوکہ اور فریب دینے کی خاطر اپنے متبعین کو مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے اور معاشرتی و سماجی تعلقات قائم کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ کیا ان کا اس طرح کرنے سے وہ مسلمان کہلا سکیں گے؟ اگر مرزائی ہم مسلمانوں کو کافر نہ بھی کہیں تو کیا وہ دائرۂ کفر سے نکل سکیں گے؟ ہرگز نہیں بلکہ جب تک مرزا کے بارہ میں اپنے عقائد کفریہ سے رجوع نہ کیا جاوے اسلام انہیں کافر، مرتد، واجب القتل اور جہنمی قرار دے گا۔ آپ نے اپنے سوال میں جس شخص (سرکاری امام خواجہ قمر الدین) کا ذکر کیا۔ اگر انہوں نے غلط فہمی اور لاعلمی کی وجہ سے لاہوری مرزائی کی اقتدا کی یا اسے مسلمان سمجھتا رہا تو اسے نادم اور تائب ہو کر اپنے موقف سے رجوع کرنا چاہیئے۔ اور اگر اب بھی وہ لاہوری مرزائیوں کے بارہ میں اپنی رائے پر مصر ہے تو اسے منصب امامت سے ہٹانا اور معزول کرانا ضروری ہے۔

واللہ اعلم (سمیع الحق مدرس دار العلوم حقانیہ و مدیر ماہنامہ "الحق" ۱۲ رمضان المبارک ۹۳ھ)

باب ۸
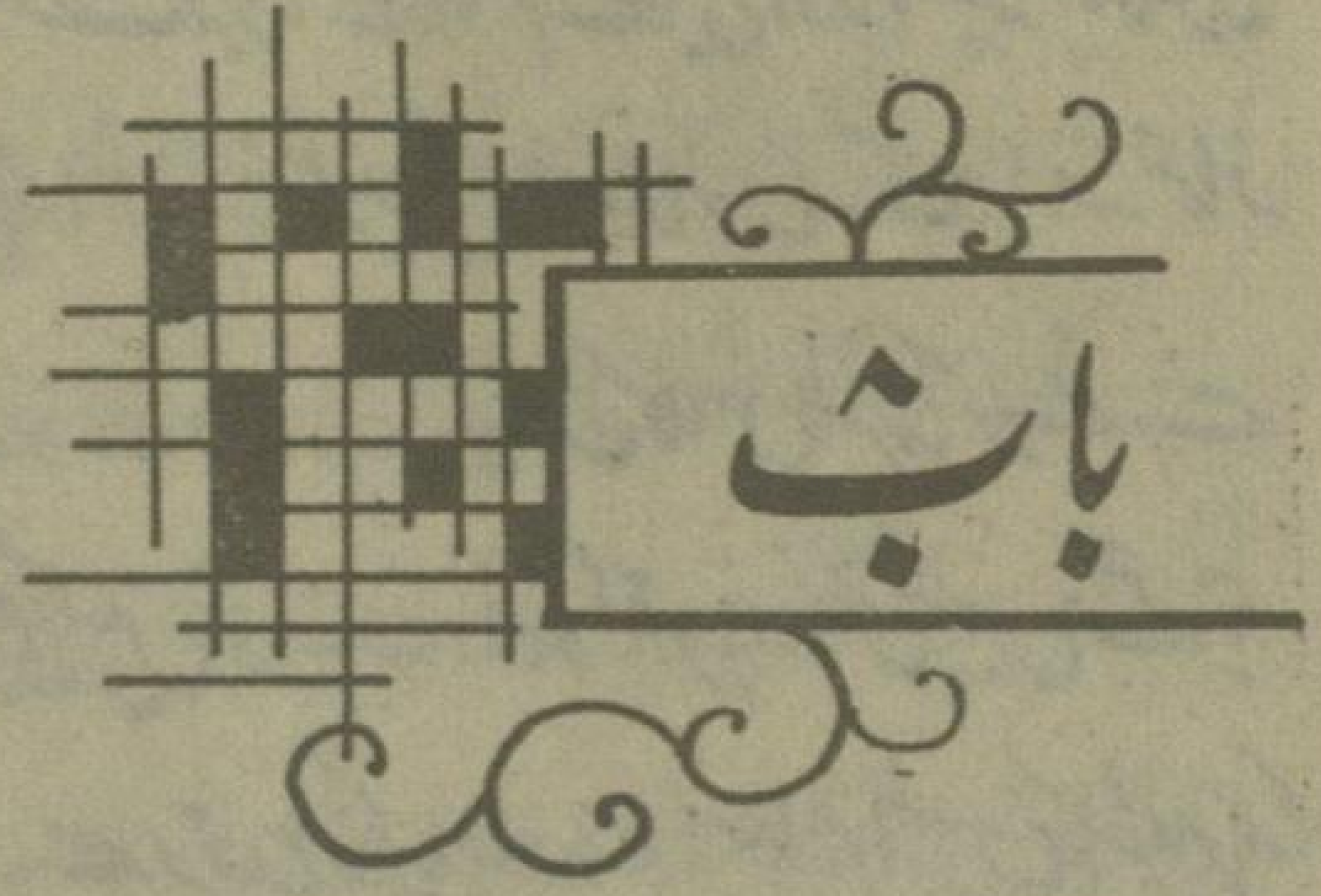
فتنۂ انکارِ حدیث

سنت اور عصرِ حاضر کے جاہلانہ تصوّرات

فتنۂ انکارِ حدیث

منکرینِ حدیث کی بے جا وکالت

ملک کے مشہور ادیب، شاعر اور صحافی جناب شورش کاشمیری کو یکایک کیا سوجھی کہ ۱۳ر مئی کے چٹان میں انہوں نے اس ملک میں فتنۂ انکارِ حدیث کے سرغنہ جناب غلام احمد پرویز کی مدح سرائی اور وکالت کا بیڑا اٹھایا اور اس زور و شور سے کہ پرویز کو افکار اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی آواز اور قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت قرار دیتے ہوئے انہیں بارگاہ رسالت کی سرخروئی اور فضلائے امت کی صف میں جگہ پانے کی "بشارتیں" بھی دیں مزید کہا کہ جو کام ساری امت کے علماء کے بس کا نہ تھا۔ پرویز نے وہ کر دکھایا اور اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑ دی۔ پرویز کی ایک کتاب کا صرف ایک باب پڑھ کر انہوں نے ان کے بارہ میں ایک "خوشگوار تبدیلی محسوس کی اور پھر اس کے نتیجہ میں امت کے تمام مکاتیب فکر کے ہزاروں علماء، مشائخ، اصحاب علم و تقویٰ اور ارباب تحقیق و فتویٰ کو مشورہ دیا کہ اب چونکہ اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہو گئی اس لئے تمام علماء کو چاہیئے کہ وہ پرویز کے خلاف فتویٰ واپس لے لیں"۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسلام کے بارہ میں شورش صاحب پر یہ چودہ طبق کتاب کا صرف چودھواں باب پڑھ کر روشن ہو گئے۔ معلوم نہیں ساری کتاب پڑھنے کے بعد معاملہ کہاں تک جا پہنچا۔

جہاں تک شورش صاحب کا تعلق ہے ان سے بے شمار اختلافات اور آئے دن ان کے سیاسی اور غیر سیاسی موقف میں تبدیلیوں کے باوجود ہم بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو شورش کی جرأت و ہمت اور بالخصوص قادیانیوں کے بارہ میں ان کے مومنانہ جہاد اور جرأت مندانہ کردار کی وجہ سے اپنے دل میں ان کے لئے محبت اور تحسین کے جذبات پاتے ہیں اور

ملک کے لاکھوں اہل علم اور دینی حلقے اس جذبہ حمیت کی وجہ سے ان "سیّات" سے درگزر کرتے ہوئے ان کے حسنات کو قابل قدر سمجھتے ہیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ یہ رائے شورش صاحب نے ایک ایسے شخص کی ایک کتاب کے کچھ حصے پڑھ کر قائم کی جو صرف مشتبہ و مشکوک نہیں بلکہ اساطین امت تمام اجلۂ علماء کے ہاں کافر اور مرتد ہے اور ایسے لوگوں کے تمام نظریات اور مخصوص آراء سے صرف نظر کر کے کسی ایک کتاب کی اچھائی سے رائے تبدیل نہیں کی جاتی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی با ایں ہمہ دجل و تلبیس قرآن و سنت میں تحریفات نبوت سے بغاوت کے باوجود اس کی دو ایک ایسی کتابوں کو پڑھ کر کل کوئی تمام امت کو اس کے بارہ میں اپنا موقف بدلنے کا مشورہ دے اور ان کے چند ایسے قصائد اور اشعار یا مضامین اور کتابچوں کو پڑھ کر اسے اسلام اور خاتم النبیینؐ کا سچا وفادار قرار دے جس میں عشق رسولؐ اور محبت اسلام کا اظہار کیا گیا ہے، تو کیا شورش صاحب کسی کو ایسا کرنے کا حق دے سکیں گے۔

الغرض شورش صاحب کی خدمات اور جذبات کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہوں منکرین حدیث کی اس زور و شور سے یہ ترجمانی ایک ایسی بات نہیں کہ اہل علم کیا کوئی مسلمان بھی اس سے صرف نظر کر سکے اس لئے کہ یہ بالواسطہ دین کے قطعی اور طے شدہ مسلمات میں دست اندازی اور خود اپنے ہاتھوں اس ناموس نبوت کو تار تار کرنے کی ظالمانہ جسارت ہے جس کی حفاظت اور اس کی خاطر شورش صاحب سر دھڑ کی بازی لگانے کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اس تبدیلی اور "خوشگوار انقلاب" میں مسلمانوں کا نہیں خود آغا صاحب کا ضیاع دین و ایمان ہے۔ اس لئے ہم ان سے خیر خواہی جذبۂ نصیحت اور دینی مسئولیت کی بنا پر یہ التجا کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ دین —— اور عقیدے کی دنیا میں خدا کی زبان میں اس بڑھیا جیسا نہ بنیں جو اپنے ہی ہاتھوں اپنے سارے کتے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃٍ انکاثا۔

دین و عقیدہ کی راہ میں ہر اچھی بری وادی میں بھٹکتے رہنا ان شعراء کی جبلت ہے جنہیں اللہ نے ایمان اور عشق رسولؐ کی دولت سے محروم کیا ہوتا ہے مگر شورش صاحب تو ختم نبوت کے دفاع میں جسانی رنگ لئے ہوئے ہیں تو یہ کتنی بدقسمتی اور حسرت کی بات ہو گی کہ وہ یکایک

والشعراء یتبعھم الغاوٗن الم تر انھم فی کل واد یھیمون ویقولون مالا یفعلون —

کا مصداق بن جائیں۔

دینی مسئولیت اور معاملہ کی سنگینی کا احساس نہ ہوتا تو ہم اس معاملہ میں سکوت اختیار کرتے اس لئے کہ شورش صاحب کا قادیانیوں سے عین حالت جنگ میں اپنے آپ سے ملک کے تمام دینی وعلمی طبقوں اور ناموس رسالت سے سرشار مسلمانوں کو ناراض کرنا ان کے حق میں بھی مفید نہ تھا اور شماتت اعداد کا بھی ذریعہ تھا۔ مگر افسوس یہ سامان انہوں نے خود فراہم کیا اور قادیانیت سے برسرپیکار تلوار بہت سوں کی نظروں میں کند اور غیر موثر ہو گئی اور آج وہ الحق بھی بدقسمتی سے شورش کے اس نئے موقف پر ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا جسے مرزائی تعاقب واستیصال کی وجہ سے قادیانی پریس چٹان کا ہم سفر قرار دے رہا ہے اور الحق قادیانی رسائل ومجلات کے سب وشتم برداشت کرنے میں چٹان کا برابر کا شریک ہے۔

فتنۂ انکار حدیث لیکن اس تلخ فریضہ کی ادائیگی بہرحال ان تمام دینی وعلمی افراد کا دینی تقاضا ہے جو انکار حدیث اور اس فتنہ کے سربراہ غلام احمد پرویز کی حقیقت سمجھ کر اسے اتنا ہی ناموس رسالت اور اسلام کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں جتنا کہ یہ لوگ خود شورش صاحب ایک دوسرے غلام احمد کے قادیانی فتنہ کو اسلام کے لئے زہر ہلاہل سمجھتے ہیں، اس لئے کہ نبوت کے مقام ومنصب سے بغاوت کے لحاظ سے انکار حدیث کی تاریخ محرکات دواعی اور عوامل پر نظر ڈالتے اور پاکستان میں اس فتنہ کے علمبردار پرویز کے پورے لٹریچر اور خیالات کو نگاہ میں رکھا ہوتا اور اسلام اور منصب نبوت ورسالت کے تقاضوں اور حقیقت پر پرویزی فلسفہ فکر کو پرکھا ہوتا تو یہ حقیقت ان پر بھی منکشف ہو چکی ہوتی کہ یہ فتنہ اپنی فتنہ سامانیوں کے لحاظ سے اسلام کے لئے ان فتنوں سے کسی طرح کم نہیں جو تاریخ کے ہر دور میں اہل الحاد و زنادقہ نے اور پھر جھوٹے مدعیانِ نبوت نے منصبِ نبوت میں دجل وتلبیس کر کے اسلام کے خلاف کھڑے کئے۔

اور یہ ان تمام عجمی سازشوں سے بڑھ کر عجمی بلکہ یہودی سازش ہے جس کو اسلام کے رخ زیبا سے جھاڑنے کا کریڈٹ آج شورش صاحب پرویز کو دے رہے ہیں۔ برعکس نہند نام زنگی کافور عجمی سازشوں کی تاریخ اگر شورش کی نگاہ میں ہوتی تو انہیں اس تاریخ کے ہر

صفحہ ہر سطر میں در پردہ انکار حدیث کی کافرانہ چالیں نظر آتیں۔ قرامطہ، باطنیہ، خوارج معتزلہ، مجسمہ، معطلہ، محرفین قرآن، منکرین صحابہؓ اور ایسے کتنے لوگ تھے جنہوں نے ہر دور میں سنت ہی کے خلاف شکوک و شبہات اٹھا کر اپنی اسلام دشمن سازشوں کے لئے زمین ہموار کی۔ پھر اس زمین پر عقلیت اور عجمیت کفر و الحاد، تشکیک اور زندقہ کا بیج بو دیا۔ یہ تو اسلامی لبادہ اوڑھ کر سنت اور حدیث کو نشانۂ تلبیس بنانے والوں کا حال تھا۔

فتنۂ استشراق اسلام کے بدترین دشمن یہود و نصاریٰ انہیں صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد اپنے دینی عصبیۃ اور ملی حمیت اور اس سے بڑھ کر سیاسی استعماری اور سامراجی عزائم نے مجبور کر دیا کہ وہ اسلام کے خلاف فیصلہ کن معرکہ کے لئے اپنی تدابیر اور منصوبے منظم کر لیں تو انہوں نے مسلمانوں کے علمی و فکری محاذ پر سب سے اہم حربہ مستشرقین اور استشراق کے نام سے استعمال کیا جس کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسلام اور رسولؐ اسلام کے بارہ میں ہر اس چیز میں شک، بدظنی اور ریب و تذبذب پیدا کیا جائے جس کی نسبت کسی طرح بھی اسلام کی طرف ہو یا کسی درجہ میں بھی اسلام کی عزت و افتخار میں اضافہ کا ذریعہ ہو۔ خواہ یہ چیز خود حضورؐ کی ذات اور ان کی سیرت تھی یا ان کی تعلیمات احادیث آثار و اخبار اور مسلمانوں کے عملی و اعتقادی نظام کے لئے سرچشمہ قانون و آئین تھا۔ خواہ وہ قرآن تھا یا حدیث رسول اس مقصد کے لئے حضورؐ کی آئینی اور تشریعی حیثیت کو مجروح کرنا چاہا۔ سنت کے راویوں کی وہ مقدس جماعت جو طبقۂ صحابہؓ میں کیوں شامل نہ تھی۔ انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ راوی پر نکتہ چینی ہوئی۔ حدیث کے اولین مدونین کے کردار کو مشتبہ کیا گیا، چنانچہ مستشرقین کے سب سے بڑے گرو گولڈزیہر نے مستقل طور پر ابوہریرہؓ کی ذات اور حدیث کے مدون اول امام زہریؒ کی شخصیت کو داغدار بنانے کی سعی نامشکور کی، اسلام کے قابل فخر مشاہیر کے خلاف پراگندہ کا طوفان مستشرقین ہی نے اٹھایا۔ ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ کی ایک بھیانک تصویر کھینچی۔

الغرض اسلام داعی اسلامؐ اور مسلمانوں سے جس چیز کو بھی کچھ نسبت تھی اسے مشق تحقیق بنا کر داغدار اور معیوب کرنا چاہا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے بنیادی مصدر و مآخذ قانون و شریعت سنت اور حدیث کی تشریعی اور آئینی حیثیت کو خاص طور سے نشانہ بنایا۔ اسلام کے خلاف دسیسہ کاریوں اور اسلامی تحقیق کے پردے میں دجل و تلبیس کے اس میدان میں دشمنان اسلام کے ہاں۔۔۔

گولڈزیہر، مارگولتھ، شناخت اور اس جیسے کئی آئمہ ضلال والحاد کے نام سنہری حروف میں لکھے گئے ہیں

منکرین حدیث کی ترجمانی کرنے والوں نے مستشرقین اور اعداء اسلام کے طویل المیعاد منظم علمی منصوبوں اور اس کے محرکات اور آراء و افکار کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح ان پر عیاں ہو جاتی کہ مرزائیت کی طرح فتنۂ انکار حدیث بھی سامراجی منصوبوں اور صیہونی سازشوں ہی کا ایک حصہ ہے۔ اگر وہ اپنے ہاں متجددین، روشن خیال، نام نہاد ترقی پسند اور منکرین حدیث کے افکار و نظریات کے سرچشموں کا صحیح کھوج لگاتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اسلام کے خلاف وہی قے چاٹ چاٹ کر بھونکتے ہیں، جو سامراجی اور اشتراکی کتے علمی تحقیق اور مشرق دوستی کے لبادہ میں پچھلی ڈیڑھ دو صدیوں سے اگل رہے ہیں۔ یہ اپنے طور پر کچھ بھی نئی بات نہیں کرتے۔ یہ تو وہ سارنگی اور طنبورے ہیں جس کی ہر سر کسی غیر کے ہاتھوں کی مرہون ہوتی ہے۔

انکارِ حدیث اور انکارِ ختمِ نبوّت میں باہمی مماثلث

حقیقت یہ ہے کہ انکار ختم نبوت ہو یا انکار حدیث دونوں یکساں طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب و مقام نبوت اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کے خلاف ایسی کھلی بغاوت ہیں کہ دونوں میں کسی طرح امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان وجوہ مماثلت پر ذرا بھی غور کیجئے تو دونوں غلام احمد (پرویز اور مرزائے قادیان) ایک دوسرے کے ظل اور بروز معلوم ہوں گے ؎

وعدۂ وصل بجد لیست میان من و تو — کہ رقیب آمد و پرسید نشان من و تو

اور تناسخ والوں کی زبان میں ایسا معلوم ہوگا کہ قادیانی دجال کی بدبودار روح پنجاب کے ویرانوں میں بھٹکی ہوئی اپنے ہی ایک ہم نام و ہموطن غلام احمد پرویز کے غلیظ قالب میں دوبارہ نمودار ہو گئی ــــــ آیئے ذرا دونوں کے درمیان ان وجوہ مشابہت کا کچھ جائزہ لیں۔

۱۔ مرزا غلام احمد نے حضور اکرم کی نبوت اور اس کی تشریعی حیثیت کا زبانی اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے لئے تشریعی حیثیت کا دروازہ کھولدیا تو:۔

غلام احمد پرویز نے حضورؐ کی تشریعی اور آئینی منصب پر تو ہاتھ صاف کر دیا مگر "مرکز ملت" اور

مرکزی حکومت کی اطاعت کے نام سے ہر اچھی بری حکومت کو تشریع کا حق دے دیا اور یہ کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت، تابعداری اتباع، اقتدار اور تاسی۔ یہ تمام چیزیں رسول کی نہیں مرکز ملت کی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہیں اور یہ کہ اولوالامر سے افسران بالا مراد ہیں۔

۲۔ غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کو خود ساختہ عجیب وغریب معانی پہنائے اور ظلی اور بروزی گورکھ دھندوں میں ایک قطعی واضح اور بدیہی حقیقت کو عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی طرح ایک معمہ بنا دیا۔ غلام احمد پرویز نے رسالت محمدیہ ماننے کا تو دعوےٰ کیا، مگر حیثیت خاکش بدہن صرف ایک ڈاکیہ کی تسلیم کی اور ختم نبوت کا صاف الفاظ میں یہ مطلب لیا کہ اب انسانوں کو اپنے فیصلے آپ ہی کرنے ہوں گے اور یہ کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے ہاتھوں نہیں تصورات اور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی — دیکھئے سلیم کے نام پرویز کا خط ۱۵، ص ۲۵۰ (گویا یہ تصورات اشتراکی اور لادینی کیوں نہ ہوں اور نظام کارل مارکس اور لینن کا کیوں نہ ہو سب کچھ ختم نبوت کے کھاتے میں جائے گا۔

۳۔ غلام احمد مرزا اور اس کے ساتھیوں نے اپنی جھوٹی نبوت کے اثبات کے لئے خود قرآن اور حضورؐ کی ذات کا سہارا لیا تو:۔

غلام احمد پرویز اور دیگر منکرین حدیث نے کتاب اللہ اور قرآن کی آڑ لے کر قرآن اور سنت اور خدا اور رسولؐ کا باہمی تعلق کاٹنے کی سعی کی اور قرآن ہی کو اس سلسلہ میں اپنا حربہ بنایا۔

۴۔ غلام احمد متنبی نے نئی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے مسلمانوں کی ایک قطعی اجماعی عقیدہ میں رخنہ اندازی کی اور اسے ملت کا شیرازہ اتحاد بکھیرنے کا ذریعہ بنایا تو:۔

غلام احمد پرویز نے سنت کی آئینی حیثیت سے انکار کر کے ایک ایسے متفقہ صریح اجماعی مسئلہ میں دخل اندازی کرنا چاہی جو ختم نبوت کی طرح عہد صحابہ سے لے کر آج تک پوری امت کے ہاں طے شدہ مسلمات میں سے تھا۔

۵۔ غلام احمد قادیانی اور اس کا ٹولہ اپنے نبی کے لئے راستہ صاف کرنے کی خاطر

انبیاء کی عیب جوئی اور طعن وشتم سے نہ چوکا۔ یہاں تک کہ رسول عربیؐ کی ذات میں نقص نکالنے سے بھی گریز نہ ہوا تو غلام احمد پرویز اور اس کے ہمنوا بھی اپنے نظام اجتماعی اور مرکز ملت کا راستہ نکالنے کی خاطر سنت رسولؐ میں عیب چینی کرنے لگے۔

۶۔ غلام احمد قادیانی نے نئے امر و نہی پر مبنی شریعت کا علم اٹھایا اور پچھلے سارے دین پر خط نسخ کھینچنا چاہا یا خود کو اس میں ہر طرح تبدیلی کا مجاز ٹھہرایا تو:۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ قرآن کے تمام احکام وراثت، قرضہ، لین دین، صدقات، زکوٰۃ وغیرہ سب عبوری دور سے متعلق ہیں۔ (نظام ربوبیت از پرویز ص ۲۵، ص ۱۶۷ وغیرہ) اور یہ کہ مرکز ملت کو اختیار ہے کہ وہ عبادات، نماز روزہ، معاملات اخلاق غرض جس چیز میں چاہے رد و بدل کر دے (مقام حدیث ج ۱ ص ۲۹۱ ص ۲۹۲، ۲۹۳، ۳۰۱) جبکہ عبادات پر اتنی ڈھٹائی سے ان کے پیش رو مرزا نے بھی چھرا نہیں چلایا تھا۔

۷۔ متنبی کذاب مرزا قادیانی نے شریعت کی تمام اصطلاحات کو تحریف کا نشانہ بنایا تو غلام احمد پرویز نے امت کے متفقہ و مسلمہ مصطلحات شریعت کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے من گھڑت مفہوم و مطالب پڑھائے اور ان کے ہاں آخرت سے مراد مستقبل ہے۔ (سلیم کے نام ج ۲ ص ۱۲۴) جنت و دوزخ مقامات نہیں انسانی کیفیات ہیں (لغات القرآن از پرویز ج ۱ ص ۴۴۹) فرشتے نفسانی محرکات ہیں اور ایمان بالملائکہ کا مطلب یہ ہے کہ یہ قوتیں انسان کے آگے جھکی رہنی چاہئیں ـــــ (ابلیس و آدم از پرویز ص ۱۹۵ لغات القرآن ج ۱ ص ۲۴۴)

جبرئیل انکشاف حقیقت کی روشنی کو کہتے ہیں۔ (ابلیس و آدم ص ۲۸۳) آدم کسی وجود شخصی کا نہیں بنی نوع انسانی کا نام ہے۔ اور یہ کہ انسانی پیدائش ڈاروِن کے نظریہ ارتقاء کے مطابق ہوئی ہے (لغات ج ۱ ص ۲۱۴) نماز سے مراد نظام ربوبیت ہے (نظام ربوبیت ص ۸۷) زکوٰۃ، صدقات واجبہ کا مطلب ٹیکس ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۳۷، ص ۱۲) ثواب اور وزن اعمال کا عقیدہ ایک افیون ہے۔ (قرآنی فیصلے ص ۶۷)

تقدیر کا عقیدہ مجوسیوں کا داخل کیا ہوا ہے (ص ۱۹۰) صدقہ فطر ڈاک کے ٹکٹ ہیں۔ حج بین الملی کانفرنس اور قربانی صرف اس کانفرنس کے لئے راشن مہیا کرنے کا انتظام ہے۔

تلاوت قرآن جادو منتر کے دور کی نشانی ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن رسالہ قربانی، قرآنی فیصلے وغیرہ)

۸۔ غلام احمد قادیانی نے اپنے متبعین کے علاوہ سارے مسلمانوں کی تکفیر کی۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ اس وقت دین کے ہر گوشے میں تحریف ہو چکی ہے۔ (قرآنی فیصلے ص۶۶) اور اب قرآن کے رو سے سارے مسلمان کافر ہو چکے ہیں۔ (سلیم کے نام خط ۲۷ ج ۳ ص ۱۹۸ تا ص ۱۹۹) موجودہ مسلمان تو برہمو سماجی مسلمان ہیں۔ (سلیم کے نام خط ج ۲ ص ۱۸، ۱۵)

۹۔ غلام احمد قادیانی کی نئی شریعت میں حلال بھی ہے، حرام بھی لیعنی یہ حق اسے حاصل ہے کہ جسے چاہے حلال کہہ دے جسے چاہے حرام۔ غلام احمد پرویز کی نگاہ میں بھی حلال و حرام کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کے خود ساختہ ہیں اور پرویزی شریعت میں صرف چار چیزیں حرام ہیں۔ (طلوع اسلام مئی ۵۲ء ص ۶۹)

۱۰۔ غلام محمد کی وحی اور الہام —— "ئیں و لدیں" قسم کے ہذیانات سے بھرپور ہے تو غلام احمد پرویز کے تفسیری نکات میں آپ کو ویسئلونک عن المحیض۔ کا مطلب سرمایہ دارانہ معاشی نظام جیسے قرآن دانی جیسے شاہکار ملیں گے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

اس وقت ہم صفحات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ان چند مثالوں سے دونوں کی باہمی مماثلت و مشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منکرین حدیث کی وکالت کرنے والوں بالخصوص شورش صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیسا جذبہ ناموس رسالت اور حمیت دینی ہے اور ایسا کیوں ہے کہ ایک غلام احمد کے بارے میں تو آپ کی رائے بالکل صحیح رخ اختیار کرتی ہے مگر دوسرے میں آپ کو حسین رضؓ کی مظلومیت اور فضلائے امت کی عبقریت نظر آنے لگتی ہے۔

جہاں تک کسی حدیث کا بظاہر قرآن سے مخالفت یا آئمہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہ کا لاکھوں حدیث سے چند ہزار کا انتخاب اور اس جیسی دیگر باتوں کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ بلکہ حدیث کی جمع تدوین کتابت وغیرہ اور اس سے متعلقہ تمام مباحث اس حد تک علماء امت کے ذریعہ منقح ہو چکے ہیں کہ اس پر مزید اضافہ ممکن نہیں۔ علم و تحقیق کی یہ باتیں شورش صاحب نہ ہی چھیڑیں تو بہتر ہے اور اگر خواہ مخواہ شوق سخن ہے تو علماء ان سب کا

نہایت بسط و تفصیل سے صدیوں قبل فیصلہ کر چکے ہیں۔ ایک نظر اس پر ڈال کر اس میں اتریں اسلامی لٹریچر میں اب حجیت حدیث ایک مستقل علم بن چکا ہے اور ہندی نژاد پرویز تو کیا یورپ کے مستشرقین تک کے چھکے چھڑا دیئے گئے ہیں۔

اصولی طور پر شورش صاحب پرویز کا نبی کریم کے مقام و منصب اور تشریعی حیثیت کے بارہ میں بے لاگ لگی لپٹی کہے بغیر خیالات معلوم کر لیں اس کے بعد معاملہ صاف ہو جائے گا۔

رسول کا تشریعی منصب قرآن تو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بار بار رسول کی ان تمام حیثیتوں کو متعین کرا رہا ہے۔ یہاں ہم اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔

- رسول بحیثیت معلم و مربی۔ (بقرہ آیت ۱۲۹ — ۱۵۱ آل عمران ۱۶۴ وغیرہ)
- رسول کتاب اللہ کا شارح ہے۔ وہ قرآن کی تبیین پر مامور ہے (نحل آیت ۴۴)
- رسول پوری امت کے لئے پیشوا مقتدا، نمونہ، اسوہ اور واجب الاتباع ہیں (آل عمران آیت ۱۳۱، ۱۳۲)
- رسول خدا کی طرح شارع (LEGISLATOR) ہیں۔ (اعراف، آیت ۱۵۷، حشر، آیت ۷)
- رسول قاضی اور فیصلہ کن اتھارٹی ہیں۔ (النساء ۱۰۵، الشوریٰ ۱۵، النور ۵۱، النساء ۶۵)
- رسول اکرمؐ نبی ہی کی حیثیت سے اللہ کے مقرر شدہ حاکم اور فرمانروا ہیں۔ (النساء ۶۴، ۵۹، ۸۰ الفتح ۱۰، محمد ۳۰)

الغرض سنت اور اہل سنت کے بارے میں پرویز کا اصولی موقف کیا ہے جس کے ماخذ و مصدر قانون ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور جس کی اتباع و اطاعت ایمان کی اولین شرط ہے

اس بارہ میں امت کے واضح اور اجماعی طرز عمل قرآن کریم کی صریح ہدایات نبی کریمؐ کے کھلے ارشادات کے ہوتے ہوئے کسی منکر حدیث کے بارے میں شورش صاحب کس منصب کے زعم میں یہ حق رکھتے ہیں کہ ہر مکتب فکر کے اجماعی فتویٰ کو واپس لینے کا مشورہ دے سکیں جبکہ یہ حق امت کے کسی بڑے سے بڑے عالم اور رہنما کو بھی حاصل نہیں تو پھر کیا شورش صاحب اخلاص و خیر خواہی پر مبنی ان معروضات پر غور کرتے ہوئے اپنے نئے ناخوشگوار موقف پر نظر ثانی فرماویں گے۔ خدا کرے وہ اپنی جذباتی طبیعت پر مبنی اس موقف سے جلد ہی رجوع فرما لیں۔ (جمادی الاول ۹۴ھ)

متجدّدین اور منکرین حدیث

کا

جاہلانہ تصوّرِ سنّت

اسلام میں قرآن کریم کے بعد دوسرا مقام سنت اور حدیثِ نبوی کا ہے۔

منصبِ رسالت

قرآن کریم اول تا آخر سنتِ نبوی کی اس اہم ترین مرکزی اور بنیادی حیثیت پر زور دیتا ہے۔ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ایک ایسے رسول کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جو بیک وقت معلّم اور مربی بھی ہیں، شارح کتاب اللہ بھی اور تمام امت کے لئے پیشوا اور نمونۂ تقلید بھی۔ وہ رسول کی اتباع اور اطاعت کو محبتِ خداوندی اور یوم آخرت کی امیدواری کی علامت قرار دیتا ہے اور حضور کی زندگی اور آپ کے اقوال و افعال کو اپنا اسوۂ حسنہ نہ بنانے والوں کو کافرین کے زمرہ میں شمار کراتا ہے۔ اس کی بے شمار آیتیں ناطق ہیں کہ رسول کا کام صرف "کتاب" پہنچانا نہیں بلکہ اس کی تشریح و تعبیر اور اس کی تفسیر و تبیین بھی آپ کے فریضۂ نبوت میں شامل اور منصبِ رسالت کا تقاضا ہے کہ وہ جگہ جگہ رسول کو بحیثیت شارع پیش کر کے انہیں تشریعی اختیارات (LEGISLATIVE POWERS) دیتا ہے اور کبھی مختلف پیرایوں میں تصریح کرتا ہے کہ رسول کریم اللہ کے مقرر کئے ہوئے حاکم، فرمانروا اور قاضی درج ہیں ـــــ وہ ربِ رسول کی قسم کھا کر اعلان کرتا ہے کہ تیرے رب کی قسم جب تک یہ لوگ دل و جان سے تیرے فیصلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم نہ کر دیں یہ ہرگز ہرگز مومن نہیں ہو سکتے۔ تیری مرضی سے فیصلہ سے انکار تو کیا، اگر انہیں اپنے دلوں میں ذرا سی تنگی بھی محسوس ہو جائے تو یہ چیز متاعِ ایمان کے ضیاع اور دین و اسلام کی بربادی کا سبب ہو گی۔ مومنین کا شیوہ تو یہ ہے کہ جب اللہ اور رسول کی کسی بات اور فیصلہ کی طرف بلائے جائیں تو وہ دوڑتے چلے آئیں اور کہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے مان لیا (النور ۵۱) رہے کافر اور منافقین، تو ان کا حال یہ ہے کہ ایسے موقع پر رسول سے کنی کتراتے ہیں (النساء۔ ۶) وہی قرآن جس کی

آڑ لے کر آج دین اور ملتِ اسلامیہ پر شبخون کرنے والے یلغار کر رہے رہیں، اسی کتاب مبین کا اعلان ہے کہ رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت اور اس کے تشریعی منصب سے انکار خدا اور اس کی کتاب سے انکار ہے۔ وہی کتاب کہتی ہے کہ رسولؐ کی زبان خدا کی زبان۔ اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ۔ اس کا قول خدا کی وحی، اس کا عمل خدا کا منشا اور اس کا فیصلہ خدائے بزرگ و برتر کا اٹل قانون ہوتا ہے۔

پھر آہ! ان لوگوں کی نفسانی خباثتوں اور فطری کج فہمیوں کا ماتم کن الفاظ سے کیا جائے جو قرآن کا نام لے کر رسولِ اولین و آخرین سے یہ سارے مناصب دخاکم بدہن، چھین لینا چاہتے ہیں کہ "جو کچھ ہے کتاب اللہ میں ہے، رسولؐ کی اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، نہ اس کے ارشادات اور تشریحاتِ قرآن کو شریعت کا حصّہ قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں مسلمانوں کے قانون کا ماخذ سمجھا جا سکتا ہے"۔ حالانکہ سنّت کا دوسرا ماخذ قانون (SOURCE OF LAW) ہونے پر صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ کا اجماع چلا آ رہا ہے۔ مگر اسلام میں سنت کو جتنا اہم کردار اور اساسی حیثیت دی گئی ہے، اسلام اور رسولؐ اسلام کی ذاتِ اقدسؐ سے عناد رکھنے والے منافقین اور ملحدین نے سنت کی تشریعی حیثیت گھٹانے میں اتنا ہی زور لگایا ہے کہ جب رسولؐ کی تشریح اور تفسیر کو قرآنِ کریم کے احکام اور اصطلاحات سے الگ کر دیا جائے گا، تو اسلام اور قرآن کی من مانی تاویل بلکہ تحریف کے لئے راستہ کھل جائے گا۔ قرامطہ، باطنیہ، معتزلہ، خوارج اور اس طرح کے بے شمار فرقِ باطلہ میں یہ چیز آپ کو قدرِ مشترک کے طور پر ملے گی، خواہ یہ لوگ دعوی حدیث پر عمل کرنے کا کرتے رہے یا اعلانیہ انکار۔

سنتِ رسولؐ اور مستشرقین اور تجدد زدہ طبقہ | پچھلی دو صدیوں سے یورپ کے مستشرقین اور مسلمانوں کے تجدد زدہ طبقوں کے مساعی کا محور بھی زیادہ تر "سنتِ رسولؐ" ہی رہا۔ کبھی کھلے الفاظ میں اسے نشانۂ تحقیق بنایا گیا اور کبھی منافقانہ لبادہ اوڑھ کر سنت کی نئی نئی تعبیرات کرنے کی شکل میں، ہمارے ہاں کے تجدد زدہ حضرات جو نہ تو اپنی علمی و فکری قوتوں کو خدا اور رسولؐ کی مرضیات پر چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔ اور نہ مجبوری اور مصلحتوں کی وجہ سے واضح طور پر اسلام اور

ایمان سے انکار کر سکتے ہیں۔ ان کے مساعی کا تعلق بھی زیادہ تر سنتِ رسولؐ کی تشریعی حیثیت کو نقصان پہنچانے سے ہے۔ ایسے لوگ جن کی ساری علمی متاع اپنے پیشرو غیر مسلم مغربی اساتذہ کی تحقیق و ریسرچ ہے، ہمیشہ سنتِ نبویؐ کے مصداق اور اس کی اہمیت و استنادی حیثیت کو مجروح اور مشکوک کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ ان لوگوں میں سے غلام احمد پرویز اور اس کی جماعت تو کھلے بندوں احادیثِ رسولؐ سے انکار کی دعوت دیتی ہے۔

سنت اور حدیث کے بارہ میں منافقانہ کردار اور کچھ لوگ علانیہ انکار کئے بغیر سنت اور حدیث کو اپنی ملحدانہ اغراض کی بنا پر ایسے معانی پہنانا چاہتے ہیں جس سے سنت کی حقیقت تو مسخ ہو کر رہ جائے، مگر انکارِ حدیث کے الزام سے بھی ان کا دامن بچ جائے۔ اس "طرزِ تحقیق" کا سہرا رسوائے عالم یہودی مستشرق پروفیسر جوزف شاخت کے سر پہ ہے۔ اور ہمارے ہاں اس نظریہ کے فروغ و اشاعت کا فریضہ ان کے وفاشعار شاگرد ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور ان کی ہمنوا جماعت بجا لا رہی ہے۔ پہلی جماعت اپنی فاسد اغراض اور خواہشات کی راہ میں سنتِ رسولؐ کو سنگِ گراں سمجھ کر اسے راستہ ہی سے ہٹا دینا چاہتی ہے۔

نظریۂ سنتِ جاریہ و غیر جاریہ مگر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا نظریہ "سنتِ جاریہ و غیر جاریہ" وہ عیارانہ حربہ ہے جسے ہاتھ میں لے کر آپ ہر قسم کی رندی اور عیاری پر تقوے اور پارسائی کا غلاف چڑھا سکیں گے۔ اس نظریہ کا خلاصہ فضل الرحمٰن صاحب کے الفاظ ہی میں یہ ہے کہ "سنت درحقیقت ایک "تعاملی اصطلاح" ہے جس کی تشکیل "آزاد شخصی رائے" سے ہوتی ہے۔ اور "عوام الناس" یا "رائے عامہ" کے قبول کر لینے کے بعد وہی چیز "سنت" بن جاتی ہے اور رائے عامہ کے اس قبول کر لینے کا نام ہی "اجماع" ہے۔ جس کو وہ "آزاد اجماع" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق ملت مجموعی طور پر سنتِ نبویؐ کے مشمولات کی تخلیق کرنے کی مستحق ہے، ملت الفاظ پر زور نہیں دیتی بلکہ اس کی روح کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے[1] اور اس "تعاملی اصطلاح" کو جاری رکھنے کے لئے ڈاکٹر صاحب موصوف

---

[1] مذکورہ بالا نظریہ کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے ماہنامہ فکر و نظر جولائی، اگست ۱۹۶۳ء مقالہ تصورِ سنت اور دیگر مضامین

اس کا نام سنتِ جاریہ (زندہ سنت) رکھتے ہیں اور حضورؐ کی اصلی سنت کو سنتِ غیر جاریہ (مردہ سنت۔ معاذاللہ) قرار دیتے ہیں جس کی تشریح مختصراً یہ ہے کہ کتاب وسنت اور تعلیماتِ شریعت میں اتنی "توسیع" کر دی جائے کہ جدید تہذیب وتمدن کے پیدا کردہ تمام مسائل اور خرابیاں عامۃ الناس کی رائے اور تعامل کی وجہ سے حسبِ خواہش سنت اور شریعت میں سمائے جا سکیں۔

پرویزی نظریہ سے مہلک تحریف وتلبیس اور دین کی بنیادوں میں رخنہ اندازی کے لحاظ سے چودھویں صدی کی یہ تحقیق منکرینِ حدیث کے پہلے گروہ سے زیادہ مہلک اور خطرناک ہے، تعجب ہے کہ بعض سادہ لوح حضرات کی نظریں لاعلمی یا دینی بے حمیتی کی وجہ سے فضل الرحمٰن کی کی اس تکنیک پر نہیں جاتیں اور وہ "انکارِ حدیث" سے دوسری جماعت کی براءت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ فضل الرحمان یا اس کے ادارہ کی طرف سے اگر "پرویزی نظریہ" کے تعاقب میں کوئی مضمون آتا ہے تو وہ صرف اس وجہ سے کہ انہیں پرویزی اندازِ فکر مسلمانوں کے دینی احساسات اور جذبات کی وجہ سے اسلام کے حق میں کم خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ جبکہ یہ لوگ قصرِ اسلام کو خاکم بدہن جلد از جلد پیوندِ خاک دیکھنا چاہتے ہیں (ولا فعل اللّٰہ کذلک) یہ لوگ اپنے مقصد کے لئے چور اور منافق بن کر در پردہ حربوں سے اس قصر میں نقب زنی کو زیادہ مؤثر اور مفید سمجھتے ہیں۔ پرویز جیسا جارحانہ اور دوٹوک طریقہ نہیں۔ اگر پرویزی جماعت کھلے ارتداد اور کفرِ صریح کا راستہ چھوڑ کر ان کی طرح نفاق اور تلبیس کا راستہ اختیار کرے تو آج ہی یہ دونوں مکتبِ فکر گلے مل سکتے ہیں۔ پھر ان دونوں مکاتبِ فکر میں میدان الحاد وتجدد کی سیادت وقیادت کا جذبہ بھی کارفرما ہے جو انہیں ایک دوسرے کا رقیب اور حریف بنانے پر مجبور کرتا رہتا ہے۔ ورنہ فرقِ باطلہ کے نفسیاتی مطالعہ اور ارشاداتِ نبویؐ کی روشنی میں اصل اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں سب ایک ہیں، طریقِ کار، اندازِ بیان اور تعبیرات میں فرق ہے۔

آزاد اجماع اور شخصی رائے چودھویں صدی کے اباحیت زدہ لوگوں کو اسلامی اقدار سے فرار کے لئے مستشرقینِ یورپ، ہمارے ہاں کے اہلِ تجدد اور اسلام کے

تعمیرِ نو (NEW CONSTRUCTION) کا نعرہ لگانے والوں اور اس کو حالات اور ظروف کا تابع بنانے والوں کی یہ تحقیق خوب بھائی ہے کہ، ہوس زدہ عوام کی اکثریت اور دین سے عموماً بے خبر عامۃ الناس کی خواہشات اور فیصلوں کو دین میں سنتِ جاریہ، آزاد اجماع، شخصی اجتہاد وغیرہ کے نام سے حجت اور اتھارٹی کا مقام دے دو۔ پھر دیکھو کہ جو فواحش اور منکرات دین میں قطعی حرام تھے، کس طرح وہ یکایک عامۃ الناس کے اپنانے سے جائز اور حلال بلکہ قانون اور شریعت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔

عوام کو فیصلہ کرنے کا حق؟ اگر اس "آزاد اجماع" اور "شخصی رائے" کو احکام شرعیہ کا مأخذ اور "سنتِ جاریہ" مان لیا جائے تو پھر کون ہے جو سینما، بے پردگی، فحاشی، سود بنکنگ، جوا، الغرض یورپ کے تمام اخلاقی معاشرتی اور اقتصادی مسائل کو اسلام سے مخالف کہہ سکے۔ کل اگر آزاد شخصی رائے سے تشکیل پائی ہوئی "سنتِ جاریہ" سوشلزم کو پسند کرے، پرسوں کیمونزم یا کیپٹل ازم کو اور کچھ عرصہ بعد دجال اور اس کی لائی ہوئی یورپی تہذیب کو گلے لگالے تو ان میں سے ہر چیز کو سنتِ نبویؐ کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ والعیاذ باللہ۔

ذرا اور گہرائی میں جائیے تو نتیجہ کے لحاظ سے "سنت اور حدیث" سے تلاعب اور تمسخر کرنے والی دونوں جماعتیں اس نکتہ پر اکٹھی ہو جاتی ہیں کہ "اطاعتِ رسولؐ" اور شریعت کی بجائے ہر دور کے عوام کے فیصلوں کو وہی حیثیت دے دو جو رسولؐ اور اس کی سنت کو حاصل ہے۔ البتہ پرویزی مکتبِ فکر میں اس کی تعبیر "مرکزِ ملت" کے نام سے کی جاتی ہے اور متجددین کے ہاں "زندہ اور مردہ سنت" سے اور کبھی آزاد اجماع اور "اجتہاد کی آڑ میں عوام یا ان کی منتخب کردہ پارلیمنٹ" مقننہ۔ اگر اسے اسلامی نقطۂ نظر سے مقننہ کہنا جائز بھی ہو) کو ہر قسم کے فیصلوں کا حق دیا جاتا ہے۔ خواہ ان فیصلوں کا مقصد کتاب وسنت اور اس کے منصوص احکام کو "ویٹو" کرنا ہی کیوں نہ ہو اور اس خود ساختہ اجماع سے امت کے پچھلے تمام اجماعی مسائل کا توڑ کیوں نہ ہو رہا ہو۔

جمہوریت کے نام پر اجماع وغیرہ کے بارہ میں صدر ایوب کے غلط خیالات پھر اس غلط اور خطرناک تصورِ اجماع کا پروپیگنڈا اس زور شور سے کیا گیا ہے کہ بدقسمتی سے اور تو اور

ہمارے قابلِ احترام صدرِ مملکت تک اس نظریہ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ اپنی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز"[1] کے گیارھویں باب "آئین اور نظریہ حیات" میں انہوں نے "اجماع" کے اسی مفہوم کو اپنا لائحہ عمل بنانا چاہا ہے۔ اور چونکہ ملکی آئین اور ضابطۂ حیات کی تشکیل میں صدرِ محترم کو اہم ترین مقام حاصل ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ انہی خطوط پر وہ ملک کی قانون سازی کو پسندیدہ سمجھتے تھے جس کے اثرات مستقبل میں پورے ملک کے مسلمان اکثریت کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ اجماع کا وہ تصور جو اسلاف نے کتاب وسنّت کی روشنی میں ہمیں دیا ظاہر ہے کہ اس کے لئے جو اہلیت اور صلاحیت ملحوظ رکھی گئی تھی، عوام تو کیا اس دور کے خواصِ امت تک میں اس کا پایا جانا مشکل ہے۔ صدرِ محترم کے خیال میں ایسے اجماع سے جمہوری قدروں کی پائمالی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قانون و شریعت پر علماء یا دینی علوم سے وابستہ کسی خاص گروہ کی اجارہ داری ناجائز سمجھتے ہیں اور زمانہ جدید میں اجماع کا مصداق قانون ساز اداروں کی رائے ہی کو قرار دیتے ہیں۔

ملائیت یا پاپائیت نہیں

حالانکہ ظاہر ہے کہ اسلام میں "علماء اور ملا" کسی خاص رنگ ونسل یا کسی مخصوص پیشہ یا کسی خاص قوم ونسب سے نسبت رکھنے والی جماعت کا نام نہیں، نہ اسلام میں اس پاپائیت اور برہمنیت کی گنجائش ہے۔ بلکہ مسلمانوں کے ہر طبقہ میں سے جو بھی چاہے بلا امتیاز رنگ ونسل اور بلا تفریق قوم وپیشہ، کتاب وسنّت اور اسلامی علوم کا صحیح علم وفہم حاصل کر کے عالم بن کر منصبِ وراثت نبوت پر فائز ہو سکتا ہے۔ رنگ ونسل کا امتیاز تو کیا دین کی ترجمانی کا یہ منصب جلیل مسلمانوں کی عورتوں اور غلاموں تک کو نصیب ہو سکتا ہے۔ تو پھر اصل معاملہ "ملا" کی اجارہ داری کا کب رہ جاتا ہے؟ اس صورت میں اگر ہم "ملا" کا نام لے کر دین کی اجارہ داری اور تعبیر وترجمانی میں اپنے آپ کو شریک کرنا چاہیں تو درحقیقت ہم تشریع اور قانون سازی کے لئے کتاب وسنت کی بالادستی اور اجارہ داری کے روادار نہیں ہوں گے۔

---

[1] وقت کے صدر محمد ایوب خاں کی تصنیف جس کا اردو ترجمہ "جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی" کے نام سے شائع ہوا تھا۔

جمہور کی رائے اور جمہوریت کی کہاں تک اہمیت ہے بیشک اسلام نے جمہور امت اور مسلمانوں کے عمومی پسند اور انتخاب کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ یہاں تک کہ اسے اجماع، استحسان، عرف اور تعامل امت کے نام سے اسلامی قانون کا ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ اس نے یہ بھی لازم کر دیا ہے کہ جمہور کا کوئی فیصلہ نہ تو کتاب و سنت اور خدا اور رسولؐ کی مرضی اور دین کے عمومی مزاج سے متصادم ہو اور نہ کسی چیز کو اپنانے میں خواہش پرستی، نفس پروری اور دین سے گریز کا داعیہ شامل ہو۔

اجارہ داری نہیں مگر اہلیت شرط ہے جمہوریت کے نام سے دین اور شریعت میں عوام کو اس طرح کی آزاد قانون سازی کا حق دینا بالکل ہی ایسا ہے کہ ہم ملک کی تعمیری اور ترقیاتی منصوبوں میں کسی انجنیر کی رائے اور قابلیت سے استفادہ کی بجائے عام لوگوں کو جنہیں انجنیئرنگ کی معمولی شدبد بھی نہ ہو سارا کام سپرد کر دیں۔ کسی قابلیت اور صلاحیت کے بغیر عوام کو تربیلہ اور منگلہ جیسے بھاری بھرکم منصوبوں کی تعمیر و تشکیل کا کام سپرد کر دینا جمہوریت پروری نہیں بلکہ جمہور اور جمہوری اقدار سے دشمنی ہو گی۔ اسی طرح ڈاکٹری اور میڈیکل کو لیجئے، لوگوں کی صحت، بیماری اور خصوصاً اجسام انسانی کی چیر پھاڑ جیسا نازک کام عوام کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ کیا ملک کے ہر شخص کو جاں بلب مریضوں کے اپریشن کا حق اس لئے دیا جا سکتا ہے کہ اسے منع کرنا جمہوریت کی پائمالی ہو گی؟ نہیں! بلکہ سرجری کا نازک ترین کام وہی شخص انجام دے سکے گا جسے مطلوبہ قابلیت، تعلیم، ڈگری اور تجربہ پورے طور پر حاصل ہو۔ اور کیا ملک کے ہر شہری کو خواہ وہ مروجہ عدالتی قوانین اور عدالتی نظام سے معمولی آگاہی بھی نہ رکھتا ہو یہ حق دیا جا سکے گا کہ وہ چیف جسٹس یا پورے عدلیہ کے فیصلوں کو چیلنج دے سکے، یا قتل جیسے مقدموں کا فیصلہ کرتا پھرے، یا اسے وکالت کا اختیار دیا جائے ــــــ پس ظاہر ہے کہ جب دنیاوی علوم میں اس قسم کی اجارہ داری کو ہم حق تلفی قرار نہیں دے سکتے تو دین، شریعت، اور زندگی پر لاگو ہونے والے قوانین کے لئے مخصوص شرائط، قیودات، اور خاص قسم کی قابلیت اور اہلیت کے التزام کو کیوں جمہوری اقدار کی خلاف ورزی سمجھا جائے؟

اجتہاد اور اجماع پس بلاشبہ شریعت نے ہر کس وناقص کو نہ تو اجتہاد کا حق دیا ہے نہ شخصی رائے پر اٹھائے گئے آزاد اجماع کو وہ دین کا اصل قرار دیتا ہے۔ بلکہ اجماع ایسے لوگوں کا ہی معتبر ہوگا جو خدا ترسی، تقویٰ، خشیت، فراستِ ایمانی، بصیرتِ دینی، جذبۂ خیر خواہی و حق کوشی جیسی صفات سے مالا مال ہوں، علمی اور فنی لحاظ سے ہر طرح کامل مکمل جامع اور عبقری شخصیتیں ہوں۔ ان کا کوئی فیصلہ تعقب، تحزبِ عناد، جہل، خود غرضی اور خواہشاتِ نفسانی پر مبنی نہ ہو اور پھر ان کے فیصلوں کے لئے اللہ، رسولؐ اور عہدِ صحابہؓ و تابعین سے کوئی قوی سند بھی موجود ہو ـــــ ایسے ہی لوگ اجتہاد و استنباط کے اہل ہوں گے اور ایسے ہی تمام بزرگوں کا اتفاق "اجماع" قرار پائے گا۔ ممکن تھا کہ آج بھی ان شرائط اور قابلیتوں کے ساتھ اجتہاد کا دروازہ کھولا جا سکتا۔ مگر افسوس! کہ واقعاتی دنیا میں صدیاں ہوئیں وہ کنجی گم ہو چکی ہے جسے لے کر ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ احمد بن حنبل اور مالک رحمہم اللہ تعالےٰ جیسے اساطینِ علم وفضل یہ دروازہ کھولا کرتے تھے۔ ؏

اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لیکر

خلاصۂ بحث بہر تقدیر اسلام کی نظر میں اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسولؐ اور اصل مقام کتاب وسنت اور اس سے مستنبط احکام واصول کا ہے۔ اگر امت کی اکثریت یا مسلمانوں کی منتخب کردہ کوئی پارلیمنٹ کسی غیر شرعی فیصلہ یا کسی گمراہی پر متفق ہو بھی جائے تب بھی امت میں ایک مضبوط جماعت ہمیشہ ایسی پائی جائے گی جو اس "اجماع ضلالت" کی نہ صرف مخالفت بلکہ حق کی اعلان واشاعت کرتی رہے گی مجموعی امت گمراہی پر حسبِ بشارتِ نبویؐ (لا تجتمع امتی علی الضلالۃ) ہرگز متفق نہیں ہو سکتی، بنابریں نہ تو مرکزِ ملت یا قوتِ حاکمہ کو اطاعتِ رسولؐ سمجھا جا سکتا ہے۔ اور نہ، ہم یورپ کے اسلام دشمن یہود و نصاریٰ سے درآمد شدہ نظریات کو سنتِ جاریہ کہہ سکتے ہیں اور نہ زنا بالرضا جیسے صریح فاحشہ کو قانونی حیثیت دینے پر اتفاق کرنے والی پارلیمنٹ کے فیصلوں کو "اجماع" قرار دیا جا سکتا ہے۔ بلکہ جس طرح دیگر دینی اصطلاحات، صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ قربانی وغیرہ کا ایک خاص شرعی مفہوم ہے۔ جسے نہ تو بدلا جا سکتا ہے۔ نہ ان میں "توسیع" اور ترمیم ہو سکتی ہے

اور جس طرح "کتاب" سے مراد وہی قرآن ہوگا جسے امت اب تک متواتر آسمانی صحیفہ مانتی چلی آرہی ہے۔ اسی طرح سنت، اجماع، اور اجتہاد کے وہی معنی قابلِ قبول ہوں گے جو عہدِ صحابہؓ سے لے کر اب تک متواتر چلے آرہے ہیں اور جس طرح کتاب، وحی، نبوت، رسالت وغیرہ الفاظ کے شرعی مفہومات قطعی اور اس میں تحریف و تبدیل اور ظلی بروزی کی تفریق الحاد، کفر اور زندقہ ہے، اسی طرح اسلام کے اصول اربعہ کتاب و سنت، اجماع و اجتہاد کو اپنے اصلی معانی سے الگ کرنا اور اسے اپنے من مانی معانی پہنانا تحریف فی الدین اور دین سے تلاعب اور مذاق ہی سمجھا جائے گا، جسے امت کا عمومی دینی مزاج قیامت تک برداشت نہیں کرے گا۔

خواجہ شہاب الدین کی سادہ لوحی یا گمراہی

خواجہ شہاب الدین صاحب نے منکرینِ حدیث کی بزم طلوعِ اسلام لاہور کی ایک کنونشن میں دیگر خیالات کے ضمن میں مشہور منکرِ حدیث غلام احمد پرویز کی قرآنی خدمات پر انہیں خراجِ تحسین پیش کر کے مسلمانوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ غلام احمد پرویز کی قرآنی تحریفات دجل و تلبیس سے بھرپور لٹریچر اور حضور خاتم النبیینؐ کی تشریعی حیثیت کو چیلنج کرنا اگر خواجہ صاحب کی نگاہ میں قرآنی خدمت ہے تو ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اگر خواجہ صاحب کو خود پرویز کے ملحدانہ لٹریچر کا موقع نہیں ملا تو کم از کم اس بارہ میں انہیں ملک کے مختلف مکاتبِ فکر کے ایک ہزار جید علماء و مشائخ کے متفقہ فتویٰ پر اعتماد کرنا چاہیئے تھا جس میں اجماع اور اتفاق سے پرویز صاحب کو کافر اور مرتد قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح خواجہ صاحب نے بالواسطہ دین و شریعت کے حامل تمام علماء کی تغلیط و تضحیک کر کے اپنی آخری عمر میں عمر بھر کی اپنی نیک نامی کو دھچکا لگا دیا ہے جو ان کی سادہ لوحی یا ضرورت سے زیادہ رواداری کا ثبوت ہے اس سے زیادہ افسوس ریڈیو پاکستان لاہور پر ہے جس نے اپنی صوتی تصویر میں پرویز کے بارہ میں خواجہ صاحب کی تحسین و تکریم کی اشاعت کی اور ملک کی اکثریت کے احساسات کو مجروح کیا۔

(دسمبر ۱۹۸۶ء)

باب ۹
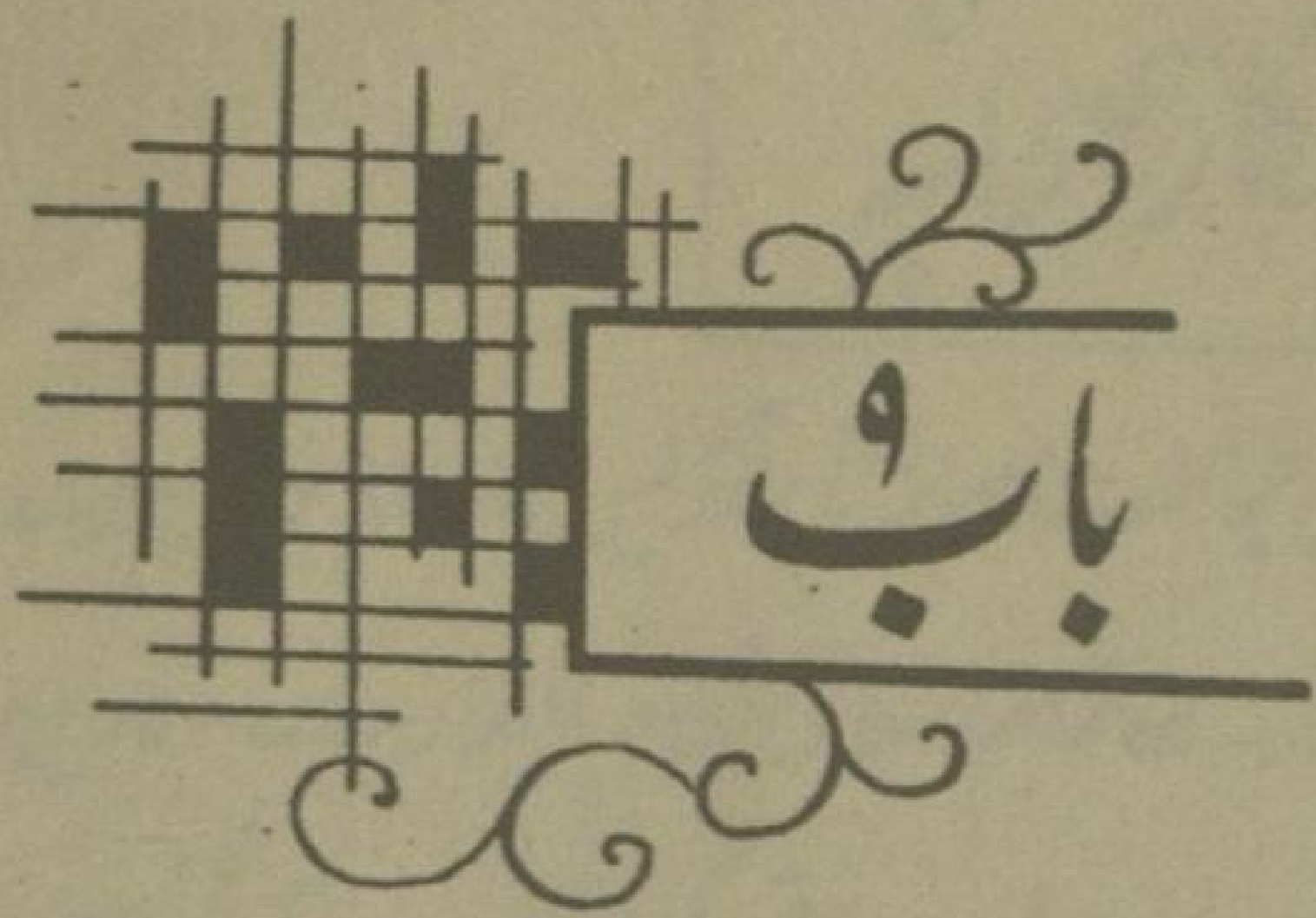
فتنۂ رفض و انکار صحابہؓ
عظمت و عدالتِ صحابہ کے تقاضے
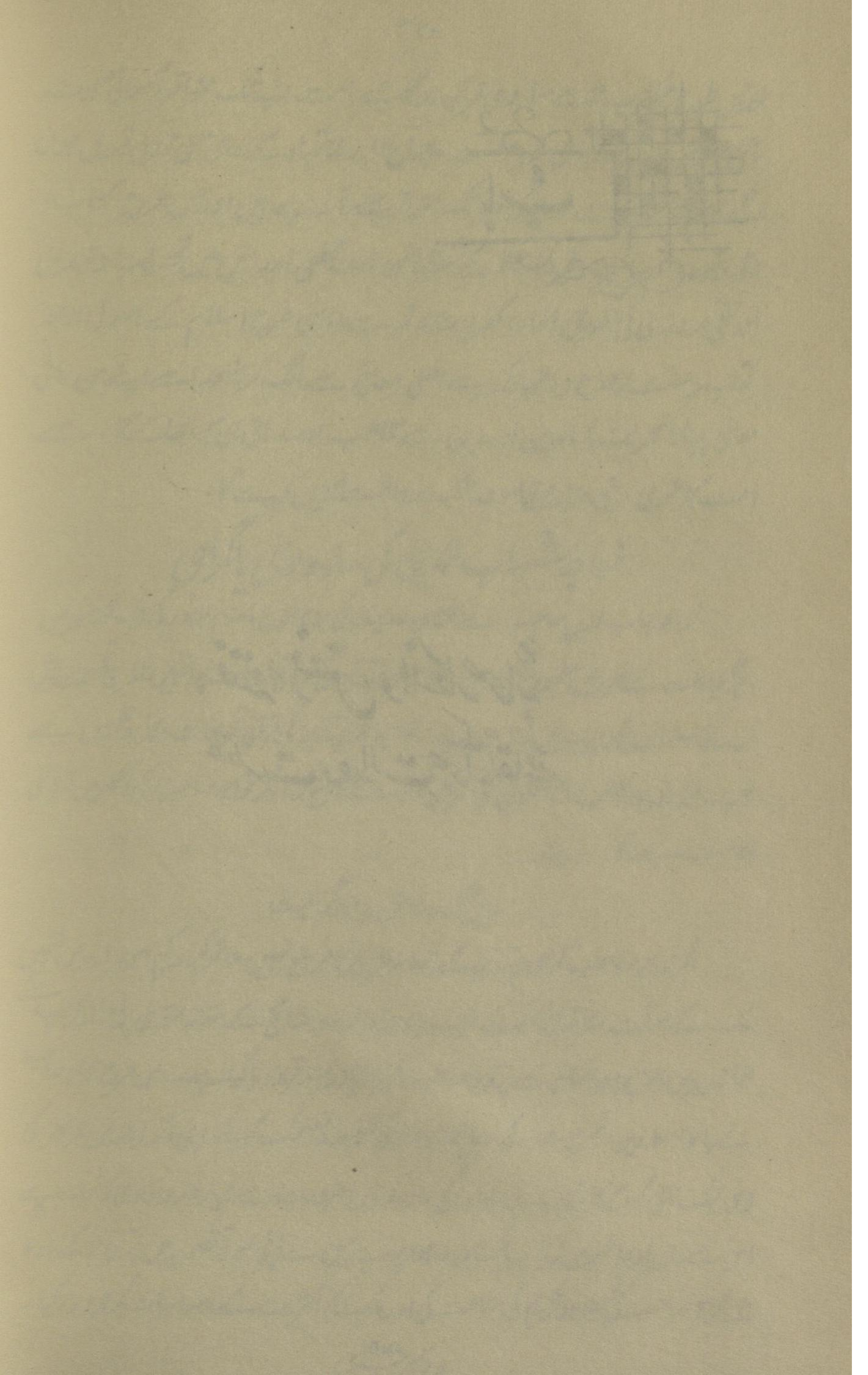
فتنۂ رفض و انکار صحابہؓ

تعدیل صحابہ مدار دین ہے قدوسیوں کی اس جماعت صحابہؓ کی تقدیس اور تعدیل پر ہمارے افکار و نظریات ہمارے قرآن، ہمارے سنت اور ہمارے تمام اسلامی نظام کا مدار ہے۔ وہ دین اور شریعت کی اساس ہیں۔ وہ ہمارے قرآن کی صداقت اور ہمارے پیغمبر کی حقانیت کے گواہ ہیں غیر تو غیر "اپنوں" میں سے بھی اگر کوئی اٹھ کر ان ستونوں کو گراتا ہے، ان کی عدالت مجروح کرنے کی مذموم سعی کرتا ہے۔ ان کی عظمت اور تقدس کو داغدار کرنا چاہتا ہے تو ہم اسے ملی خودکشی اور اپنے دین اور اپنے پیغمبر اپنی شریعت سے دشمنی ہی سمجھیں گے اور پوری خیر خواہی، اخلاق اور خدا ترسی سے اس ہاتھ، اس قلم اور اس زبان کو روکنے کی کوشش کریں گے کہ اگر دین کے یہ اولین محافظ (خاکم بدہن)، منافق، سازشی، منافق، پالیٹکس، خود غرض یا اقربا پرور اور معاذ اللہ جابر و ظالم تھے تو جو دین اور شریعت اور جو کتاب و سنت ان کے ذریعے ہم تک پہنچی اور جس پر دین کی عمارت کھڑی ہوئی۔ یہ ساری عمارت اور سارا ڈھانچہ خود بخود دھڑام سے گر پڑے گا۔ صحابہ کرام کی تقدس ثقاہت اور تعدل کا مسئلہ صرف جذبات اور نری عقیدت کا مسئلہ نہیں اور نہ اسے تعصب اور بد خواہی پر محمول کرنا چاہیئے۔ یہ پوری شریعت اور پیغمبر اسلام کی صداقت اور حقانیت کا سوال ہے جن لوگوں کی جانفشانی، اخلاص، علو ہمت، ایثار و جہاد کی بدولت آج ہم مسلمان ہیں اگر ہم "علم و تحقیق" یا عناد و تعصب کا تیشہ ان ہی پر چلانے لگیں تو اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں بقول امام شعبیؒ (جسے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں نقل کیا) ہم یہود و نصاریٰ سے بھی بدتر ثابت ہوں گے اور یہود و نصاریٰ ہمارے مقابلہ میں زیادہ مرتبہ شناس اور قدردان کہ جب ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری حق میں زیادہ بہتر کون لوگ ہیں۔؟ تو یہود نے کہا حضرت موسیٰ کے ساتھی اور عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کے حواری (صحابہؓ) اور ایک ہم ہیں کہ اپنے رسول کے صحابہؓ کو بدترین امت ثابت کرنے لگے ——" کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ اس طوفان نوحہ و ماتم میں ہمارا پورا گھر (دین و شریعت) تو نہیں ڈوب رہا۔؟ اور ہماری "تحقیق و اکتشاف" کی کلہاڑی سے قصر اسلام میں شگاف تو نہیں پڑ رہا ہے۔؟ ولا فعل اللہ ذالک فاعتبروا یا اولی الابصار

عظمتِ صحابہؓ اور شانِ عدالت پر حملے

صحابہ کرامؓ ہمارے دین کے سرکاری گواہ ہیں۔ جن کی عدالت اور صفائی خود خداوند کریم اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ قرآن وسنت اور دین وشریعت کے نام سے جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے۔ وہ اسی قدسی صفات جماعت کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے۔ ان کی بے لوث قربانی اور کوششوں کے نتیجہ میں ہمیں اور ہمارے اسلاف کو کفر وشرک اور ظلم وضلالت کی ظلمتوں کی جگہ ایمان ویقین اور عدل وانصاف کی روشنی نصیب ہوئی۔

علم وتحقیق کے نام پر پس یہ کیسی بدبختی اور شقاوت کی انتہا ہے کہ آج ہم میں سے ہی بعض ناعاقبت اندیش اور دولتِ خشیتِ خداوندی سے کورے ہاتھ انہی بنیادوں پر تیشہ چلا رہے ہیں اور وہی زبانیں جو "اقامتِ دین" اور اسلامی نظام کے احیاء کے نعرے لگاتے نہیں تھکتے اپنی ساری قوتِ گویائی صحابہؓ کی تعدیل وتقدیس کو مجروح کرنے میں خرچ کر رہی ہیں۔ اور صحابہؓ جیسی بیش قیمت متاعِ دین وایمان کی بولی اپنے جماعتی اخبارات اور رسالوں میں سرِ بازار لگائی جا رہی ہے۔ اگر علم وتحقیق کے نام پر اسلام دشمنی اور اپنے اوّلین محسنوں کی ناقدری کا یہ شغل جاری رہا تو دردمندانِ اسلام اور علمائے حق کا اوّلین فریضہ ہوگا کہ وہ متفق ہو کر اس لبادۂ عیّاری کو تار تار کر دیں۔ بلاشبہ ایسی گستاخ زبانیں گنگ اور ایسے مکار ہاتھ شل ہو جانے چاہئیں جس کی دست درازیوں سے عثمانؓ مظلوم اور معاویہؓ مرحوم کی قبائے عصمت وتقدیس اور صحابہؓ کی شانِ عدالت وتعدیل بھی محفوظ نہیں رہ سکی۔ مگر جو قلم شہیدِ عثمانؓ کے اس خون سے رنگا جا رہا ہے۔ جس نے حضرت عثمانؓ کے بدن سے گرتے وقت قرآن کریم کی آیت فسیکفیکھم اللہ کی فولادی ضمانت میں پناہ لی تھی۔ کیا آج اللہ کی کفایت اس خون کے تقدس کی حفاظت وضمانت سے مجبور و بے بس ہو سکتی ہے؟ حاشا وکلا، ہرگز نہیں، یہ خون آج بھی تازہ ہے۔ عثمانؓ کی مظلومیت اور شہیدِ دار کی بیکسی تمام صحابہؓ کی عظمتوں کی قسم کھا کر زبانِ حال سے ان نام نہاد اربابِ تحقیق پر خندہ زن ہے

اور پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم۔

اظہارِ برأت | عظمتِ صحابہؓ کو مجروح کرنے کی جو وبا ہمارے ہاں "خلافت وملوکیت" کے نام سے پھیلی اور پھیلائی گئی، افسوس کہ بعض ثقہ اور متدین ادارے بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ دہلی کے معروف ادارہ "ندوۃ المصنفین" کے آرگن برہان میں پچھلے ماہ کسی کیپٹن قطب الدین نے خلافتِ راشدہ کے ضمن میں حضرت امیر معاویہؓ کے بارہ میں نہایت ہرزہ سرائی کی بلکہ اصولی طور پر عدالتِ صحابہؓ پر بھی نہایت سخیف انداز میں طبع آزمائی کی۔ ندوۃ المصنفین ہمارا ہی ایک قابلِ فخر اشاعتی ادارہ ہے، پھر اس کے مدیر شہیر مولانا سعید احمد اکبر آبادی تو خود ایک ثقہ، متدین اور محقق صاحبِ قلم اور دیوبند سے وابستہ جید عالم ہیں۔ ایسے پرچہ میں اس قسم کا مضمون آنا نہایت تاسف اور حیرت کی بات تھی۔ چنانچہ مدیر برہان کو توجہ دلائی گئی جو ان دنوں علی گڑھ یونیورسٹی کے اسلامیات کے صدر اور وہاں مقیم ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ توقع کے مطابق مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے اپنے جوابی گرامی نامہ میں اس مضمون سے اپنی اور ادارہ کی طرف سے برأت ظاہر فرمائی۔ اور برہان میں بہت جلد اس کی تلافی فرمانے کا بھی وعدہ کیا۔

دفاعِ صحابہؓ اور ہمارا فرض

قومی یک جہتی، استحکام، باہمی رواداری اور اتحاد واتفاق کی ضرورت واہمیت سے کس باشعور شخص کو انکار ہو سکتا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں عنانِ اقتدار ہے ان کی طرف سے بھی ملکی سالمیت کی خاطر قومی یک جہتی، باہمی اتحاد اور حسنِ معاشرت پر زور دیا جارہا ہے۔ اس ملک کی غالب اکثریت اہل سنت والجماعۃ کی ہے جس کے ریشہ ریشہ میں صحابہ کرامؓ کی عظمت وتقدیس کے ساتھ ساتھ اہل بیتؓ اور ائمہ اطہارؒ کی محبت بھی رچی بسی ہے۔

دفاعِ صحابہؓ سنی مسلمانوں کا فریضہ ہے | ایک ایسی اکثریت اگر اپنے اساسی نظریات دینی معتقدات و مسلمات کے تحفظ اور دفاع کے لئے کسی اقلیتی فرقہ کی ان سرگرمیوں میں تدعن کرتی ہے، جس کی زد دینی عظمت وتقدس اور دینی افکار ونظریات پر پڑ

رہی ہے۔ یا جس سے ان کے مسلک و مذہب کے ان لوگوں کی عظمت مجروح ہوتی ہے۔ جن کا وجود دین میں اتھارٹی اور اسوہ کا مقام رکھے ــــ تو ایک اسلامی اور جمہوری ملک میں اسے ہرگز انتشار پسندی اور تفرقہ انگیزی پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اس اخلاقی، سیاسی، جمہوری اور دینی استحقاق کے باوجود یہاں کی اکثریت محض قومی یک جہتی اور ملکی استحکام کی خاطر (یا اپنی دینی اقدار و مسلمات سے غفلت اور بے حسی کی وجہ سے) اقلیتی طبقوں سے جس رواداری یا مساوات اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرتی ہے، چاہیئے تو یہ تھا کہ اس حسن معاشرت اور فراخدلی کا خیر مقدم کیا جاتا۔ اپنے دل آزار معتقدات کو اپنے تک محدود رکھا جاتا، نہ یہ کہ پورے ملک کے سواد اعظم پر اپنے جارحانہ عزائم اور توسیعی ارادے نافذ کرانے کی سعی کی جاتی اور اس کے لئے روش اختیار کی جاتی جو نہ تو پاکستان کی سالمیت اور بنیادی اصول سے جوڑ کھائے اور نہ اکثریت کا مسلک و مذہب اسے گوارا کر سکے۔

اہل الحاد و فتن کی سینہ زوری

مگر یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ کوئی فرقہ یا جماعت، تو کیا کوئی ایک فرد بھی اٹھ کر پورے ملک کے اعتقادات اور پاکستان کے اساسی نظریہ "اسلام" کو للکار سکتا ہے۔ اسے دین اور مذہب کے ایک ایک ستون گرانے اور اسلام کے پورے فکری نظام کو تہ و بالا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے۔ وہ ڈنکے کی چوٹ علم و مشیخت، مدرسہ و خانقاہ مسجد و مکتب، درس و تدریس، تصنیف و مطالعہ، ارشاد و تربیت، غرض اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام مظاہر، اداروں اور شخصیتوں کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی تبلیغ کرتا ہے۔ چند افراد کا ایک گروہ جدّت اور روشن خیالی کے پندار میں پورے دین فطرت، اسلام کو ملکی ترقی کے لئے "ریورس گیر" سمجھتا ہے اور اسلام کی ترجمانی کرنے والے تمام علماء حق کو "ملائیت" کے نام پر پابند طوق و سلاسل کرنے کے مشورے دے رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو نظر و فکر۔ اگست ۱۹۶۷ء) ایک شخص (غلام احمد پرویز) اٹھ کر اسلام کے پورے "حدیثی ذخیرہ" اور پیغمبر کی تشریعی حیثیت پر ہاتھ صاف کرتا ہے مگر اس تمام جارحانہ غیر جمہوری، غیر اخلاقی اور لادینی تحریر و تقریر کو قومی یکجہتی کے خلاف اور اکثریت کی دلآزاری قرار نہیں دیا جاتا بلکہ اسلام کی تحقیق و ریسرچ کے نام پر اس اسلام دشمنی اور سیکولر نوازی کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اگر اس ظلم و افراتفری کے خلاف اکثریت کوئی آواز اٹھاتی ہے تو

الٹا اسے انتشار پسند اور تفرقہ انگیز سمجھ لیا جاتا ہے۔

نبوت کاذبہ کا پرچار جعلی نبوت کی علمبردار ایک جماعت (جسے پوری اسلامی دنیا روز اوّل سے کافر، مرتد اور خارج اسلام سمجھتی ہے) بلا روک ٹوک اپنی نبوت کاذبہ کا پرچار اور مسلمانوں کے بنیادی عقیدہ ختم نبوت اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سالمیت کو چیلنج کرتی ہے۔ ملکی زرمبادلہ سے تبلیغ کے نام پر دیس ودیس میں اس کی خلاف اسلام مساعی جاری ہیں۔ اس کا امیر پورے طمطراق اور شان بان سے اسلام کا "نمائندہ" مسلمانوں کا "خلیفہ" اور پاکستان کا "مذہبی راہنما" بن کر یورپ کے سرکاری اور عوامی محافل میں پیش ہو رہا ہے۔ عالم اسلام کے بدترین دشمن اسرائیل تک میں اس جماعت کے مشن قائم ہیں جس کا اعلان وہ بلا کسی جھجک کے اپنے گوشواروں میں کر رہی ہے۔ مگر ارتداد کی اس مہم کو نہ تو قومی یکجہتی کے منافی سمجھا جاتا ہے اور نہ مسلمانوں کے عزیز ترین اعتقادات کے لئے چیلنج جبکہ اس ملک کی اکثریت کو اپنے دین اور پیغمبرؐ سے جذباتی اور فدائیانہ لگاؤ ہے۔

شیعہ معتقدات کا فروغ اہل سنت والجماعۃ (دوسرے الفاظ میں پاکستان کی غالب اکثریت) کی "فراخ حوصلگی" سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش ہمارے شیعہ حضرات نے بھی کچھ عرصہ سے شروع کر رکھی ہے۔ ان کے ایک بڑے گروہ کی جانب سے

۱۔ شیعہ مسلمانوں کے لئے الگ نصاب تعلیم وتربیت بنانے۔

۲۔ عزاداری (دوسرے الفاظ میں تبرا اور صحابہؓ کے سب وشتم)، کے جلوسوں کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کرانے۔

۳۔ اور شیعوں کے لئے ایک الگ اوقاف بورڈ قائم کرنے کے مطالبات پیش کئے جا رہے ہیں ان مطالبات کی خاطر "میدان کربلا" کی یاد تازہ کرنے تک کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ اب تک اکثریتی طبقہ کے علمی وفطری حلقوں نے ان انتشار انگیز باتوں کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھا کہ ملکی استحکام اور بقاء کو غتر بود کرنے والی ان فتنہ انگیز باتوں پر غور کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی ہلاکت آفرینی کا شیعہ حضرات کے سمجھ دار اور سنجیدہ حلقوں کو بھی احساس ہوگا کہ الگ تھلگ رہنے کا یہ احساس اور علیحدگی کی یہ جدوجہد اگر ایک طرف ملک کی سالمیت پر ایک کاری ضرب

ہے تو دوسری طرف عظیم اکثریت کے ردعمل کی شکل میں خود شیعوں کے لئے یہ انداز افتراق بے شمار مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔ علیحدگی کے ان رجحانات کا ردعمل پھر تعلیم اور اوقاف تک محدود نہ رہے گا بلکہ کئی دیگر ایسے امور میں اس کا ظہور ہو سکتا ہے، جس کا تصوّر بھی ملک وملت کے بہی خواہ نہیں کر سکتے۔

سرکاری نصاب سے خلافت راشدہ کا اخراج

ان وجوہات سے اہل سنت ان مطالبات کو "دیوانوں کی بڑ" سمجھتے رہے مگر بدقسمتی سے اونچی سطح پر بعض ایسی باتیں ظاہر ہونے لگیں جس سے اہل سنت کی خوش فہمی اور حسن ظن غلط ثابت ہونے لگا۔ مثال کے طور پر یہ المناک خبر کہ سرکاری مدارس کے نصاب اسلامیات میں سے خلافت راشدہ کا عنوان حذف کر دیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر سکولوں کو ایک سرکلر کے ذریعہ سیدنا ابوبکرؓ، سیدنا عمرؓ، سیدنا عثمانؓ جیسے معماران اسلام کے احوال وسوانح کی تعلیم سے روک دیا گیا ہے۔ (جن کی سوانح یورپ کی بعض یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل اور ان کے لئے مشعل راہ ہے) جن کی پاکیزہ معیاری سیرت ملک اور معاشرہ کی تشکیل کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری طرف جناب گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے شیعہ مطالبات پر غور کے لئے بورڈ کی نامزدگی کی خبریں آئیں۔ ان امور نے بجا طور پر اہل سنت کو چونکا دیا ہے اور یہ خبریں پورے ملک کے لئے مسئلہ فکریہ بن چکی ہیں۔ ایک ایسی تحریک جس کے نتیجہ میں ملک وملت ہمیشہ کے لئے دو گروہوں میں بٹ جائے اور نہ ختم ہونے والے افتراق کا سلسلہ شروع ہو، کوئی معمولی سانحہ نہیں جس سے اہل سنت اور ملک کے دوسرے خیر خواہ صرف نظر کر سکیں۔

سنی کنونشن

اس سلسلہ میں پچھلے دنوں ملتان میں تنظیم اہل سنت کی طرف سے سنی کنونشن کا انعقاد وقت کی اہم ضرورت اور ہر لحاظ سے موزوں اقدام ہے۔ اس کنونشن میں پورے مغربی پاکستان کے مختلف دینی عناصر نے بھاری تعداد میں شمولیت کی اور مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر غور کے بعد چند قرار دادیں پاس کیں جن میں ان امور کا سختی سے محاسبہ کیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں باہمی عناد و فساد اور فرقہ ورانہ تلخی اور تصادم پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس ضمن میں اہل سنت کے مختلف مکاتیب فکر سے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے باہمی اتحاد واتفاق کی اپیل اور شیعوں کے دلآزار مساعی۔

جلسے جلوسوں اور صحابہ کرامؓ کی بے حرمتی اور گستاخی پر پابندی کا مطالبہ اور نصاب میں خلفاء راشدین کی سیرت نکالنے کی سازش وغیرہ امور پر شدید احتجاج کیا گیا ہے۔ یہاں ان تمام قراردادوں پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں ـــــ یہ قراردادیں ملک کی خیر خواہی، دین کے تحفظ اور قومی سالمیت کی ترجمان ہیں اور ہر لحاظ سے تائید کی مستحق ـــــ ظاہر ہے کہ نہ تو ایک مٹھی بھر جماعت کی خاطر ملک وملت اس آشتت اور باہمی تقسیم کی متحمل ہے اور نہ اہل سنت اپنے ان بزرگوں اور مقدس اسلاف کی کھلم کھلا بے حرمتی، سب وشتم اور تبرّا بازی یا معاندانہ سلوک کو گوارا کر سکتے ہیں جنہیں خلفاء راشدین یا صحابہ کرامؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سنّی سوادِ اعظم پر صریح زیادتی

تعجب ہے کہ ایک طرف تو ملک کی اکثریت سے لاء اینڈ آرڈر قسم کے پریس نوٹوں اور آرڈی نینسوں کے ذریعہ دیگر فرقوں کا تحفظ کروایا جاتا ہے اور انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے دینی نظریات، اعتقادات اور قطعی مسلمات کی سرِراہ توہین اور تحقیر برداشت کرتے جائیں، مگر کسی قسم کا حرفِ شکایت زبان یا قلم پر نہ لائیں کہ اس سے دیگر فرقوں کا تحفظ مجروح ہوگا۔ مگر دوسری طرف فراخ دلی اور رواداری کا عجیب مظاہرہ ہو رہا ہے۔ اقلیتی فرقوں کو پورا حق ہے کہ وہ مسلمانوں کے اساسی عقیدہ ختم نبوت پر کلہاڑی چلائیں۔ انبیاء اور سلحائے امت کے بارہ میں نہایت گستاخانہ الہامات اور مکاشفات کا پرچار کریں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کنجریوں اور جنگلی سوروں کی اولاد سمجھیں۔ ملت محمدیہ کے تمام امتیازات اور خصوصیات کو ایک ایک کر کے مٹائیں اسلامی اصطلاحات اور شعائر کا اپنی "ملت اور امت" کو مصداق قرار دیں۔ ان لوگوں کو آزادی ہے کہ حضور اقدسؐ کی احادیث سے انکار کی برملا دعوت دیں۔ حضورؐ کی تشریعی حیثیت کا (نا کم بدہن) مذاق اڑائیں۔ اطاعت خدا اور رسول کو من مانے معنی پہنائیں۔ انہیں کھلی چھوٹ ہو کہ وحی، نبوت، جبرئیل کی جو چاہیں تاویل کریں۔ معراج جسمانی اور عقیدہ رفع مسیح کو افسانہ سمجھیں۔ شراب، جوا، سود کو حلال قرار دیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج جیسے ارکان اسلام کی مقدار میں کمی بیشی کریں اور چاہیں تو ڈنکے کی چوٹ اسلام کو کمیونزم یا سوشلزم کا لبادہ پہنائیں۔ انہیں تو بلا خوفِ احتساب یہ حق

حاصل ہو کہ مسلمانوں کے مسلّمہ بزرگوں، صحابہ کرامؓ اور خلافت راشدہ پر ہر قسم کی دست درازی کریں، مگر نہ تو ان لوگوں سے کوئی باز پرس ہو اور نہ ایسی حرکات سے ملک وملت کو انتشار و افتراق کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اس ملک کے اہل سنت والجماعت کی عظیم اکثریت کے یا تو کوئی عقائد ہی نہیں اور اگر ہیں تو یہ عقائد نہ تو مجروح ہوتے ہیں اور نہ ان پر مخالفین کی دست اندازیوں کی کوئی زد پڑتی ہے۔ پھر اگر ایسا نہیں تو کیا اس ملک کے سواد اعظم کے دینی معتقدات اور مسلمات کسی تحفظ اور احترام کے لائق نہیں ہیں؟ اگر حالات و واقعات نے یہ صورت اختیار کر لی ہے تو یہ اس ملک کے ان تمام مسلمانوں کے ساتھ ظلم ہو گا جنہوں نے اپنے دین و شریعت اور اپنے محبوب معتقدات کی حفاظت و ترویج اور باطل کی سرکوبی ہی کے لئے تاریخ کی لامثال قربانیاں دے کر یہ ملک حاصل کیا۔ اگر ان کے دین اور اعتقاد کو کسی غیر مسلم غالب اکثریت کے رحم و کرم پر رہنا تھا تو انہیں آگ اور خون کے دریا عبور کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ دین اور دینی اقدار کے خون ہونے کا یہ ہولناک نظارہ وہ کسی سیکولر سٹیٹ میں بھی دیکھ سکتے تھے ـــــ پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اس کی اساس کتاب و سنت اور ان کی وہی تشریح و تعبیر ہے جو چودہ سو سال سے مسلمانوں کے ہاں سند قبول و تسلیم پا چکی ہے۔ پس کیا ایک ایسا نظریہ جو کسی مملکت کے لئے ریڑھ کی ہڈی اور مرکز ثقل کی حیثیت رکھتا ہو اس طرح محفوظ رہ سکتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کو تو بے دست و پا بنا دیا جائے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے والوں کو کھلی چھٹی دی جائے بلکہ ان کے تحفظ اور مدافعت کا انتظام ہو۔ ایسی صورت حال سے کسی قوم یا کسی نظریاتی مملکت کا دوچار ہونا بصیرت اور تدبر کی موت ناعاقبت اندیشی کا بیّن ثبوت اور فہم سلیم سے محرومی کی علامت ہے اور ہمارا حق ہے کہ ملک و ملت کی خیر خواہی، دینی ذمہ داری اور اور ہمارے اساسی نظریات سے وفاداری کی بنا پر اس المناک صورتحال کا جائزہ لیتے رہیں۔

خلفاء ثلثہ کے بارہ میں شرانگیزی

مولانا عبدالماجد دریا بادی مدیر صدق لکھنؤ کے ایک تازہ گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ کراچی کے ایک اردو ماہنامہ ساقی نے پچھلے بعض شماروں میں خلفاء ثلثہ سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے بارہ میں ایک انتہائی شرانگیز مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون کی دلآزاری کا یہ عالم ہے کہ بعض منصف مزاج شیعہ حضرات بھی اس سے بیزاری ظاہر کر چکے ہیں۔ مضمون میں ان جلیل القدر صحابہؓ کی عظمت و تقدیس کو جس بے دردی سے مجروح کرنے کی سعی کی گئی ہے اس پر جتنا بھی اظہار نفرت ہو سکے کم ہے۔ مولانا دریا بادی صاحب نے یہاں کی دینی صحافت سے اس مضمون کا محاسبہ نہ کرنے پر دینی بے حسی کا شکوہ فرمایا ہے۔ جہاں تک الحق کا تعلق ہے دینی اقدار کی حرمت اور آئمہ سلف کی عظمت و تقدیس اور حریم اسلام کی قیادت میں خداوند قدوس کے فضل و کرم سے وہ ہرگز کسی مصلحت کوشی اور رعایت، مداہنت کا روادار نہیں اور نہ کسی قسم کا خوف و لالچ اسے کلمۂ حق کہنے سے باز رکھ سکتا ہے لیکن جہاں تک ساقی کے اس مضمون کا معاملہ ہے نہ تو ہماری نظر سے اب تک یہ پرچہ گزرا ہے اور نہ اس کا یہ قابل نفرین مضمون۔ غالباً یہی حال دیگر دینی پرچوں کا بھی ہے۔ ساقی کے اس پرچے پر حق تنقید محفوظ رکھتے ہوئے ہم اتنا عرض کریں گے کہ ملک کے سواد اعظم اور عالم اسلام کی اکثریت کے احساسات کو پامال کر کے اس قسم کے مضامین اور کتابوں سے سوائے انتشار و افتراق اور عاقبت کی بربادی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ جس جماعت کی تعدیل خدا اور اس کے رسول ؐ نے فرمائی ہو کسی بدباطن اور کج فہم کی بہتان تراشیوں سے اس کی شان نہیں گھٹ سکتی اور نہ اس کتاب کو کتاب و سنت اور اجماع امت کے بعد کسی اور تزکیہ کی ضرورت ہے۔

شیعہ سازشیں

ہم نے پچھلے شمارہ میں شیعہ نصاب کی علیحدگی اور شیعہ مطالبات کے خطرناک عواقب پر کچھ روشنی ڈالی تھی۔ اب حکومت کی تشکیل کردہ دینیات کمیٹی کے کچھ رہنما اصول سامنے آئے ہیں اور

کافی حد تک وہی ہو کر رہا جس کا ہمیں ڈر تھا۔ ہم تو اصولاً اس قسم کے مطالبات کو در خور اعتنا سمجھنا۔ اس کے لئے کمیٹی تشکیل کرنا اور اسے زیر غور لانا ہی ملک و ملت کے افتراق کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ پھر طرفہ تماشا یہ کہ کمیٹی اور اس کے ضمنی ورکنگ گروپ میں شیعہ سنی ارکان کو بالکل اسی طرح مساوی نمائندگی مل گئی کہ گویا شیعہ اس ملک کی نصف آبادی ہو۔ اس وقت کمیٹی کی تفصیلات ہمارے سامنے نہیں ہیں مگر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ان مطالبات کو اتنی اہمیت دیکر ملت کا شیرازہ منتشر کرنے کی سعی کر دی گئی ہے۔ اب ردعمل میں اہل سنت کے جائز حقوق اور مطالبات اور شیعہ حضرات کو اس ملک میں ان کے الگ مقام پر رکھنے کی جدوجہد کو بھی اسی تحمل اور رواداری سے برداشت کرنا چاہیئے نہ کہ علیحدگی، افتراق اور انتشار برپا کرنے کی ساری تہمتیں اکثریت پر لگادی جائیں۔ شیعہ کی اس قسم کی سرگرمیاں یا تو اس ملک کو شیعہ سٹیٹ بنانے کا پیش خیمہ ہیں یا شیعہ اپنے وقت کے ابن علقمی یحییٰ خان کے ادھورے منصوبے کو تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیں گے

خلافت راشدہ اور نصاب تعلیم

پچھلے کسی شمارہ میں میٹرک کے نصاب سے خلافت راشدہ کے باب کے اخراج سے متعلق محکمہ تعلیم کے اس اقدام کے عواقب پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اب وزیر تعلیم مغربی پاکستان کی طرف سے اس فیصلہ کے واپس لئے جانے کی اطلاع آئی ہے۔ ہم اس وضاحتی اعلان کا دلی خیر مقدم کرتے ہوئے توقع رکھتے ہیں کہ اس غلط اور ناعاقبت اندیشانہ اقدام کے محرکات کی نقاب کشائی کرائی جائے گی، خلافت راشدہ جس کی عظمت و تقدیس و تعدیل و تنزیہ قرآنی نصوص اور صریح ارشادات رسول ؐ پر مبنی ہے۔ یہ عہد سعادت اسلام کی اساس ہے اور گھر کبھی بھی بنیادوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک مسلمان ریاست کے لئے لازمی ہے کہ وہ نہ صرف اس عہد زریں کو اپنا اسوہ بنائے بلکہ اس کے احترام و تقدیس کو چیلنج کرنے والی کسی بھی علمی، عملی یا فکری سرگرمی کا بروقت سختی سے محاسبہ بھی کرتی رہے۔

شیعہ نصاب اور افتراق و انتشار کا راستہ

پچھلے دو تین سال سے شیعہ حضرات کی طرف سے شیعہ نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھایا جا رہا تھا اور یہ بات چونکہ ملک و ملت کی سالمیت، یکجہتی اور یہاں کے سواد اعظم اہل سنت والجماعت کے دینی اور مذہبی حیثیت پر صریح دست اندازی تھی۔

قومی اسمبلی میں ارباب اقتدار کا کردار

اس لئے اہل سنت کی طرف سے بجا طور پر علیحدگی کے اس مسئلہ پر نہ صرف تشویش کا اظہار کیا گیا بلکہ ۱۲ر اور ۲۵ر اگست ۱۹۷۲ء کو شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے اس مسئلہ پر قومی اسمبلی کے اجلاس میں اس مسئلہ پر بار بار تحریک التوا پیش کیں اور اسمبلی کے کئی علماء ارکان کی تائید سے سوال اٹھایا کہ یہ چیز نہ صرف ہماری اعتقادی اور فکری و مذہبی زندگی بلکہ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی زندگی کے لئے بھی تباہ کن ہے اور مسلمانوں کے فکری اتحاد کو نقصان پہنچا کر بالآخر ملک کے اتحاد و سالمیت کے لئے خطرات لاحق ہو سکتے ہیں۔ اس وقت کے وزیر قانون جناب پیرزادہ صاحب نے اس مسئلہ کو ٹالتے ہوئے مولانا سے کہا کہ یہ محض خبریں ہیں اور کوئی ایسا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جس میں اہل سنت والجماعت سنی مسلمانوں کی مرضی شامل نہ ہو۔ اس کے بعد مولانا نیازی صاحب کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس مشترکہ کمیٹی کی سفارشات کو نہ صرف یہ کہ کیبنٹ نے نامنظور کر دیا بلکہ خود شیعہ جماعتوں میں سے بھی بعض نے اسے رد کر دیا۔ رہے جمہور اہل سنت تو انہوں نے کسی موقع پر بھی ایسی کسی مشترکہ کمیٹی اور علیحدگی نصاب کے مسئلہ پر رضامندی ظاہر نہیں کی۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء کی مشترکہ کمیٹی میں جو دو ایک علماء اہل سنت شامل تھے انہوں نے خود بھی اسی رپورٹ کے خلاف

مطبوعہ مطالبات کی دستاویز پر دستخط ثبت کر دیئے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ شیعہ حضرات خاموش رہے اور اب جبکہ قادیانی مسئلہ پر مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں فکری اتحاد و یگانگت اور قومی یک جہتی کی ایک فضا قائم ہوئی تو نامعلوم اسباب کی بنا پر یکایک شیعہ حضرات کی طرف سے ایجی ٹیشن اور دھمکیوں کے انداز میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا۔ گویا بالواسطہ قادیانی محاذ پر مسلمانوں کی شاندار فتح کو شکست سے بدلنے کی سعی کی گئی اور بقول شیعہ اخبارات کے حکومت شیعہ عوام کے سامنے جھک گئی (ملاحظہ ہو ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم نومبر) اور ۳۱ اکتوبر کو لاہور میں جمہور اہل سنت کے حقوق و مطالبات اور ان سے استصواب رائے کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ اپریل ۱۹۷۵ء سے سکولوں کے نصاب اسلامیات میں آٹھویں تک مشترکہ نصاب جاری ہوگا (جس میں سوانح صحابہ و صحابیات کا ذکر نہیں ہوگا۔ نویں اور دسویں کلاسوں میں علیحدہ علیحدہ نصاب ہوگا جس میں عبادات اور سوانح شامل ہوں گی وغیرہ۔ الخ

سنی اکثریت سے ظالمانہ مذاق

اس فیصلہ کی تفصیلات میں گئے بغیر ہم کم از کم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ فیصلہ خالص یکطرفہ، غیر منصفانہ اور شیعہ حضرات کے حق میں ہے یہ تصفیہ اگر ہوا ہے تو حکومت اور شیعوں کے درمیان نہ کہ سنی اور شیعہ فرقوں میں اور اس ملک کے جمہور اہل سنت کے ساتھ ایک ظالمانہ مذاق ہے کہ حکومت ان کی مرضی حاصل کئے بغیر اس ناجائز عقد کی خوشی میں مسلمانوں کو بھی شریک ٹھہرا رہی ہے۔ جہاں تک جمہور اہل سنت کے اکثر علماء، اصحاب فکر و نظر اور ارباب حل و عقد اداروں اور تنظیموں کا اہم ترین نازک مسئلہ میں غفلت، سکوت اور بے حسی کا معاملہ ہے تو ہم اپنے قومی تشخص سے غفلت اور حمیت دینی کے فقدان پر انا للہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔

یہاں اس حقیقت کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ قادیانیوں کو چھوڑ کر جو ہر لحاظ سے ایک الگ غیر مسلم جماعت ہے اور جو عملاً خود بھی ہر میدان میں اپنے آپ کو الگ کر چکے تھے۔ ہم مسلمانوں کے اندر موجودہ فرقوں کی علیحدگی پسندی کے ایسے رجحانات کے سخت خلاف ہیں —— شیعہ نصاب کے مسئلہ میں علیحدگی اور تفریق کی روش اختیار کرنے کی ابتدا بھی جمہور مسلمانوں سے نہیں، مٹھی بھر تعداد رکھنے والے شیعہ بھائیوں سے ہوئی ہے مگر ہمیں ڈر

ہے کہ طعن و تشنیع اور الزامات کا نشانہ اب بھی ملک کے سواد اعظم جمہور اہل سنت کو بنایا جائیگا۔ (اور یہ ساری مظلومیت اور بے بسی محض ان کی بے حسی اور قومی ذہن کے فقدان کی وجہ سے ہے) اور روشن خیال دانشوروں اور ارباب اقتدار کو نہ تو علیحدگی اور افتراق کی ان سازشوں میں ملک کی سالمیت اور بقاء کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ نہ کہیں مذہبی تعصب اور جاہلانہ گروہی طرز عمل نظر آتا ہے لیکن اگر جمہور کے لبوں کو ذرہ بھی جنبش ہوئی اور ظلم پر آہ بھی ہوئی تو سب کی رگ وفاداری پھڑک اٹھے گی اور وسیع النظرفی، رواداری اور روشن خیالی کا جذبہ بھڑک جائے گا

بہرحال ہم آج کی صحبت میں اس فیصلہ کے بعض دور رس اور خطرناک نتائج پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ مقصد ملک کی سالمیت اور ملی یک جہتی ہے اور تمنا ملک کی گاڑی کو اس مہلک راہ سے بچانے کی ہے، جس پر اس ناعاقبت اندیشانہ فیصلہ کی صورت میں ملک کو ڈالا جا رہا ہے۔

ملک کے سیاسی تقاضوں، اقتصادی ضرورتوں اور سواد اعظم کی دینی اور معتقداتی نزاکتوں کے لحاظ سے حکومت کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ ایسے اہم مسئلہ پر عجلت میں کئے گئے فیصلہ پر نظر ثانی کرتے ہوئے اکثریتی طبقہ سنی مسلمانوں کو اعتماد میں لے اور ان کے معتمد علماء اور ارباب فکر سے مشورہ کرے۔

قومی یکجہتی پر ضرب کاری

سیاسی لحاظ سے ملک کو اس وقت جس فکری سلامتی، اتحاد اور قومی یک جہتی اور نظریاتی یگانگت کی ضرورت ہے اتنی کبھی نہ تھی۔ ملی اتحاد پر آئندہ رہے سہے ملک کی بقاء کا دارومدار ہے۔ اب تک خوش قسمتی سے شیعہ سنی طبقوں میں یہ فضا قائم رہی۔ باہمی منافرت اور اجنبیت کا احساس یا شدت احساس کم ہی رہا۔ سنی مسلمانوں نے تو تحریک پاکستان کے آغاز سے لے کر اب تک اس سلسلہ میں نہایت فراخدلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا اور بارہا اپنی قسمت کی باگ ڈور بھی ایسے ہاتھوں میں دے کر مضائقہ محسوس نہ کیا جن ہاتھوں نے آگے چل کر ملت مسلمہ کا گلا گھونٹنے میں کوئی کسر نہ اٹھائی اور بالآخر مسلمانوں کے اس حصار پاکستان کو پاش پاش کر کے ہی چھوڑا ــــ بہرحال اس باہمی رواداری اور حسن معاشرت کے بنیادی عوامل میں اہم چیز موجودہ متحدہ دینی نصاب

بھی رہا کہ سکول اور تعلیم گاہ کے ماحول میں بچوں کے اذہان ایک دوسرے سے علیحدگی اور جداگانہ گروہی وجود کی تربیت سے محفوظ رہیں اور اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے کہ بحمد اللہ کہ قیام پاکستان کے بعد ہمارے تعلیمی ادارے، شیعہ سنی نظریاتی تصادم کی لپیٹ میں نہیں آئے اور نہ اکثریتی فرقہ کی دینیات شیعہ بچوں کے جذبات مجروح کرنے کا ذریعہ بنی۔ تعلیمی اداروں سے باہر بھی ہماری زندگی اس کھچاؤ سے کافی حد تک محفوظ رہی بلکہ تعلیمی نصاب اور نظام کی یگانگت کافی حد تک بچوں کے ناپختہ اذہان میں باہمی الفت و تعلق اور نظریاتی اعتدال پیدا کرنے کا موجب بنتی رہی۔

اب جب نصاب کی علیحدگی کی صورت میں بچپن ہی سے بچوں کے اذہان میں ان کے جداگانہ خیالات اور نظریات اور علیحدہ علیحدہ حیثیت کا شعور اجاگر کیا جائے گا تو یہ احساس علیحدگی آگے چل کر باہمی منافرت کی کتنی خطرناک شکل اختیار کر سکے گا اور قومی یکجہتی اور فکری یگانگت کس بے دردی سے انتشار و افتراق میں بدل جائے گی۔

نہ ختم ہونیوالا سلسلہ

پھر دیکھئے کہ علیحدگی کا یہ سلسلہ آخر کہیں جا کر رک بھی سکے گا یا نہیں اس ملک میں دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والی کئی غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں جو شیعہ حضرات کے اپنے مطالبات کے حق میں دیئے گئے دلائل سے زیادہ وزنی دلائل کے ساتھ ایسے مطالبات کر سکتے ہیں۔ پھر کیا ہمیں ان مٹھی بھر غیر مسلم اقلیتوں ہندو، عیسائی، سکھ، پارسی بدھسٹ، بہائی یا قادیانی فرقوں کے لئے بھی ایک الگ الگ نصاب رکھنا ہوگا اور ہر فرقہ کی خواہش پر نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کی از سر نو تنظیم کرنا ہوگی۔ ایک نہایت نامعقول رسم ڈالنے کے بعد ہم ایسے مطالبات کو کس طرح ناقابل تسلیم اور نامعقول کہہ کر مسترد کر سکیں گے۔ اتحاد کی رسی ہاتھ سے چھوٹ جانے کے بعد ملک و ملت کی شیرازہ بندی کس بنیاد پر ممکن ہو سکے گی۔

وسعت ظرفی یا ملّی بے حسی

شیعہ حضرات اگر اس طرح اپنا ایک علیحدہ تشخص قائم کرنے پر بضد ہیں تو یہ بنیادی سوال اٹھ سکتا ہے کہ کیا وہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے ایک جداگانہ قومیت تصور کرتے ہیں۔؟ جہاں تک مسلمانوں کے سواد اعظم کا تعلق ہے اس کی طرف سے ایسی کوئی آواز شیعوں کی علیحدگی کی نہیں اٹھائی گئی اور اس سلسلہ میں اب تک

نہایت فراخدلی بلکہ مسرفانہ رواداری کے نتیجے میں ملک کے بعض حصوں کے نصاب تعلیم سے حضرت ابوبکرؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے قابل فخر رہنماؤں کے احوال و سوانح بھی حذف کئے جاچکے ہیں اور سنّی اپنی روایتی وسعت ظرف یا ملّی بے حسی کی وجہ سے یہ سب کچھ گوارا کرتے چلے آئے ہیں لیکن کیا شیعہ حضرات کے موجودہ مطالبات کے بعد یہ سوال نہیں پیدا ہوسکتا کہ جب اکثریت انہیں اپنی طرح مسلمان سمجھتی ہے تو یہ لوگ بلاوجہ اپنے آپ کو مسلمانوں سے علیحدہ کرانے پر کیوں بضد ہیں شیعہ سنّی معتقدات میں بعض اصولی اختلافات کے باوجود بعض شیعہ فرقوں کو چھوڑ کر عام طور پر اس اختلاف کو فروعی سمجھا جارہا ہے (جبکہ بعض اخباری مراسلات میں شیعہ حضرات اسے اصولی قرار دینے پر اصرار کررہے ہیں)

دیگر مسلم فرقے بالفرض اگر اختلاف فروعی ہے اور فروعی اختلافات بھی اس علیحدگی کا سبب بن سکتے ہیں تو خود اہل سنت کے اندر کتنے مکاتب فکر ہیں جو آگے چل کر جداگانہ حقوق اور مطالبات کا ہنگامہ اٹھا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے لیکن کیا فروعی اختلافات کی وجہ سے دیوبندی اور بریلوی الگ الگ دینی نصاب کا مطالبہ نہیں کرسکیں گے۔؟

پھر حنفی اور غیر حنفی تقسیم کریں تو مقلّد اور غیر مقلّد کی بنیاد پر علیحدگی کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اہل حدیث ایک الگ جماعت ہے جو کسی امام کی مقلّد نہیں۔

تقلید کے دائرہ میں بھی یہاں دیگر آئمہ کرام کے پیرو موجود ہیں۔ شافعی بھی ہیں، مالکی اور حنبلی بھی، کیا ہمیں ان سب کے لئے الگ الگ نصاب بنانا پڑے گا اور سب کے لئے مساجد اور مدارس، امامت اور خطابت اور ملک کے قانون و آئین میں الگ انتظامات کرنے ہوں گے اور کیا کسی بھی مختلف مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے دو چار افراد کی خاطر یہاں کی اکثریت حنفی مسلمانوں کی دینیات، ان کی فقہ، ان کے آئین و قانون کو مشق ستم بنایا جائے گا۔

کیا شیعہ اپنے فرقوں کو علیحدگی کا حق دیں گے ؟ اگر شیعہ فروعی اختلاف کی بنا پر علیحدگی کے حق دار ہیں تو خود شیعوں کے اندر آپس میں کتنی فروعی بلکہ اصولی اختلافات موجود ہیں۔ پھر کیا وہ اپنے دیگر مکاتب فکر اور گروہ در گروہ فرقوں کو بھی علیحدگی کا یہ حق

دینے پر تیار ہوں گے۔ یہ صرف خدشات نہیں وزیر تعلیم پیرزادہ نے ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۴ء کے اجلاس لاہور میں یہ اشکال پیش کر دیا ہے۔ ہم جب اس مسئلہ کو اٹھاتے ہیں تو دوسری طرف سے بھی مطالبے کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسماعیلیوں اور بوہروں کی طرف سے بھی ہم سے مطالبے کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ نوائے وقت راولپنڈی ۷ مئی ۱۹۷۳ء عیسائیوں کی طرف سے بھی ہر تعلیمی ادارہ میں بائبل ٹیچر رکھنے کا مطالبہ شائع ہوا ہے۔

اہل سنت کا مسلک حق | عقائد اور نظریات کے لحاظ سے اس فیصلے کا جائزہ لیں تو نہیں کہا جا سکتا کہ اہل سنت والجماعۃ اس صورتحال کو کس طرح برداشت کر سکیں گے۔ جہاں تک اہل سنت کا تعلق ہے وہ تمام صحابہؓ کو سرچشمہ ہدایت اور معیار حق سمجھتے ہیں۔ بالخصوص شیخین (حضرت صدیقؓ و حضرت فاروقؓ) کی افضلیت انکا عقیدہ ہے۔ تمام صحابہؓ کرام (بشمول حضرت علیؓ و امامین ہمامین حسنؓ و حسینؓ) کی عظمت و حرمت اور ان کی تعدیل و تقدیس جزء ایمان سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ اہل بیت اطہار و ابرار کی قدر و منزلت بھی لازمۂ ایمان ہے۔

الغرض یہاں مثبت ہی مثبت پہلو ہے۔ کوئی منفیانہ ذہنیت کی بات نہیں۔ امام علی مقام علی المرتضیٰ کی حیثیت سنی نصاب میں خلیفہ راشد کی ہے۔ حضرات اہل بیت ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہیں۔ فاطمہ بتول کی حرمت پر مرمٹنا ہم سعادت دارین سمجھتے ہیں۔ کسی بھی صحابیؓ کی بے ادبی کرنا ضیاع ایمان اور حبط اعمال اور دائمی خسران کا باعث سمجھتے ہیں۔ الغرض سنی نصاب میں اہل بیت اور آئمہ اطہار کی ادنیٰ گستاخی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس نصاب میں کسی کو غاصب کہا جاتا ہے نہ کسی کے حق کو غصب شدہ۔ نہ کوئی ظالم ہے نہ مظلوم، سب ابرار و اخیار، مقرب بارگاہ خداوندی اور "رحماء بینھم" کے مصداق ہیں۔ موجودہ مروج نصاب دینیات کی کسی کتاب کے کسی ورق اور کسی سطر سے شیعہ حضرات کی دلآزاری ہو جانے کی مثال نہیں دی جا سکتی۔

شیعہ معتقدات | اب شیعہ معتقدات کو دیکھئے تو وہ سراسر اس کے خلاف ہیں۔ ان کے علمی اور دینی کلچر میں چند ایک حضرات کو چھوڑ کر صحابہؓ کی اکثریت اسلام اور ایمان کے معیار پر بھی پوری نہیں اترتی (معاذ اللہ) صدیقؓ و فاروقؓ اور عثمان غنیؓ سمیت سب اجلّہ صحابہ نعوذ باللہ غاصب اور ظالم تھے۔ حضرت عائشہؓ اور دیگر امہات المومنین (رضی اللہ عنہن) کے بارہ میں انکے

عقائد کو کوئی غیور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ خلافت میں ان کے ہاں صدیق رضؓ و فاروق رضؓ کی حیثیت ثانوی بھی نہیں بلکہ حضرت علی رضؓ خلیفہ بلا فصل ہیں اور العیاذ باللہ نتیجۃً ان سے پہلے کے تینوں خلفاء ظالم و غاصب تھے۔ شیعہ کے نزدیک ائمہ اثنا عشریہ سالقہ تمام انبیاءؑ سے بھی افضل ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک نبوت و رسالت کا مقام سب سے بلند و برتر ہے۔ عبادات میں نماز، آذان، اور وضو تک کے احکام میں کافی اختلاف ہے۔ تقیہ (بوقت ضرورت جھوٹ) اور متعہ (مرد و زن کی باہمی رضامندی سے شہوت رانی) ان کے دین کے بنیادی اصول ہیں۔ صحابہؓ کرام پر لعن طعن اور تبرّا بازی ان کا جزو دین ہے۔ "عقیدہ بدا" قرآن کی ابدیت و شریعت کے ناقابل تنسیخ ہونے کے سراسر نفی کرتی ہے اور اس طرح بیسیوں دیگر مسائل اور نظریات ہیں جو ان کے ہاں دین کی اساس کا درجہ رکھتے ہیں۔

آگ اور پانی کا نباہ یہاں ان نظریات کی اچھائی یا برائی کی بحث میں پڑے بغیر ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا اہل سنت والجماعت مسلمان اپنے نونہال بچوں کے لئے ایک ہی سکول ایک ہی کلاس کی ایک ہی صف میں ایسی کتابوں، ایسے لٹریچر اور ایسے اساتذہ کی ایسی تعلیمات کو ایک لمحہ کے لئے گوارا کر سکیں گے جس میں ان کے محبوب اسلاف پر تبرّا بازی کی گئی ہو۔ ان کو ظالم اور غاصب کہا گیا ہو، تقیہ اور متعہ کی شکل میں ان کے بچوں کی اخلاقی اور سماجی حالت بربادی کے خطرہ میں ہو آگ اور پانی کا یہ نباہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ کیا اس طرح ہر سکول کے اکثریتی طبقہ کے بچوں کے دینی جذبات و معتقدات مجروح نہیں ہوں گے۔ اس کا نتیجہ جس ہولناک اور بھیانک شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ چند وقتی مصلحتوں کی خاطر اس سے صرف نظر کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ حقیقت بین نگاہوں کا یہ اندازہ بجا طور پر درست ہے کہ اس طرح پوری سنی آبادی شیعہ معتقدات کی لپیٹ میں آسکتی ہے اور شیعہ عقائد کی بنیادی اور اہم سطح پر اشاعت اور تبلیغ کا دروازہ کھولا جا رہا ہے۔ پوری امت مسلمہ چند گنے چنے حضرات کی خاطر شیعیت کی بھینٹ نہیں چڑھائی جا سکتی۔

اگر شیعہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نصاب میں ایسی کوئی دلآزار بات نہیں ہو گی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نصاب کی علیحدگی کی ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔ اگر نصاب ایسے

اختلافی مسائل اور معتقدات سے دور رکھنا ہے تو پھر کروڑوں روپے کا بوجھ ڈال کر الگ نصاب جاری کرنے میں ان کا مقصد کیا رہ جاتا ہے۔ بہر حال ایک دفعہ الگ نصاب کی داغ بیل ڈال دینے کے بعد اس کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ اسے سنی بچوں کے عقائد کی دلآزارانہ الائشوں سے دور رکھا جا سکے گا۔

ہر شعبہ میں علیحدگی کا دروازہ

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا علیحدگی کا یہ مطالبہ صرف نصاب تعلیم تک محدود رہ سکتا ہے؟ شیعہ کمیٹی کے مطالبات میں اوقاف کی علیحدگی بھی شامل ہے۔ تبرا بازی (بر سر عام صحابہؓ پر سب و شتم) کی کھلی چھوٹ دیئے جانے پر اصرار ہے۔ چنانچہ جداگانہ نصاب دینیات کے فیصلہ کے بعد ہفت روزہ شیعہ لاہور یکم نومبر ۱۹۷۴ء اور شیعہ مطالبات کمیٹی کے صدر نے واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ ابھی ہم فارغ نہیں ہوئے بلکہ زرداری کی سہولتیں حاصل کرنا اور اس کی پابندیاں ختم کرانی ہیں ـــــ آگے چل کر ان مطالبات کا دائرہ اور وسیع ہو سکتا ہے۔ فوج کی ہر یونٹ میں دو ایک شیعہ افراد کے لئے وہ سنی امام اور خطیب کے ساتھ شیعہ مجتہد اور امام کا بھی مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح فوج بھی نظریاتی جنگ و جدال کا اکھاڑہ بن سکتی ہے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دیگر غیر مسلم اقلیتیں اور قادیانی بھی فوج میں اپنے مذہبی معاملات کے لئے الگ انتظام اور الگ الگ محکموں کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ ہماری ذاتی معلومات کی بنا پر ایک ذمہ دار عیسائی افسر فوج کے ہر یونٹ میں مسلمان عالم کے ساتھ ایک پادری کے تقرر کی خواہش کر بھی چکے ہیں۔ قادیانیوں کو جو عمل دخل اور رسوخ حاصل ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اس رسوخ کی بنا پر مرزائی اپنے مبلغین کی تقرری کا سوال بھی اٹھا سکتے ہیں۔ کیا یہ صورتحال ملک کے دفاع، سالمیت اور افواج کی یک جہتی و یگانگت کے لئے مضر نہیں ہو گی۔

مزید آگے چل کر شیعہ اقلیت اپنے لئے سنی آبادی کے ہر محلہ اور ہر گاؤں میں الگ امام اور مجتہد کی تقرری کا ناقابل برداشت بوجھ بھی محکمہ اوقاف پر ڈال سکتی ہے۔

دو قومی نظریہ کا حشر

آزادی رائے اور سیکولر ذہنیت سے متاثر اذہان کو شاید یہ صورتحال بہت پسند آئے کہ ہر سکول اور تعلیمی ادارہ کی ۹۰، ۹۵ فیصد اکثریت سنی مسلمانوں کے ساتھ ۵، ۱۰ اقلیتی بچوں کی خاطر پانچ دس الگ الگ نصاب بھی رکھے جائیں لیکن اس طرح اس نظریہ کا

کیا حشر ہوگا جو قیام پاکستان کا باعث بنا اور جسے اب کافی حد تک ہم خود اپنی ستم کاریوں ہی سے نیم مردہ اور بے جان کر چکے ہیں۔ یعنی —— دو قومی نظریہ —— ملک جس اکثریت کے نام پر بنا ہے اگر پاکستان میں اس اکثریت اور مجارٹی کو تعلیم جیسے بنیادی مسئلہ میں بھی قوت حاکمہ کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی اور اسے چھوٹی چھوٹی اقلیتوں کے مساوی حصہ دینا تھا تو کیا یہ مقصد ایک متحدہ سیکولر سٹیٹ کی شکل میں حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیا مسلمان برصغیر کی اقلیت رہ کر اس طرح مطالبات سے اپنے الگ تشخص کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ پس بلاشبہ اگر یہاں مجارٹی اور مینارٹی کا کوئی امتیاز نہیں ہے تو مسلمانوں کو ایک مستقل ریاست کے نام پر تاریخ کی لامثال قربانیوں اور مصیبتوں کا سامنا کیوں کرنا پڑا۔

الغرض جب ملک اکثریت کے نام پر بنا ہے۔ اقلیتی طبقات کے نام پر نہیں تو ایسے فیصلے ملک کی رہی سہی اساس اور بنیاد دو قومی نظریہ کو منہدم کرنے کے مترادف ہوں گے۔

صحیح طریق کار

بلاشبہ ایک اسلامی مملکت میں اقلیتی فرقوں کو اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے اور اپنے کلچر و تمدن کو برقرار رکھنے کی اجازت ہے لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ اگر شیعہ وغیرہ کو سنی نصاب تعلیم پر اعتماد نہیں تو وہ اپنے لیے پرائیویٹ اداروں اور تعلیم گاہوں کی شکل میں اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔ کوئی اسلامی مملکت انہیں نہیں روکتی لیکن وہ اس آڑ میں پورے ملک کے دینی نصاب کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتے نہ اکثریت پر اپنے عقائد کی تبلیغ کا جبری راستہ نکال سکتے ہیں۔ بھارت کی مثال ہمارے سامنے ہے جو نام نہاد سیکولر سٹیٹ ہونے کا دعویدار ہے لیکن وہاں کے تعلیمی اداروں کے نصاب میں ہندوانہ ذہنیت اور ہندو رسم و رواج اور تعلیمات سے مسلمان بچوں کے دین کو خطرہ لاحق ہوگیا تو مسلمانوں نے اس کے لئے الگ مکاتب کھولے، پرائیویٹ ادارے قائم کئے۔ مگر وہ بھارت کو مجبور نہیں کر سکے کہ ان کے لئے ہر سکول اور ادارہ میں الگ نصاب رکھا جائے۔

اقتصادی لحاظ سے

اقتصادی اور معاشی لحاظ سے اس فیصلہ کا جائزہ لیجئے تو کیا ایک ایسا ملک جس کی ۸۰ فیصد آبادی اقتصادی بدحالی اور پسماندگی کی وجہ سے لازمی بنیادی تعلیمی سہولتوں سے بھی محروم ہے۔ جہاں کی دور افتادہ دیہاتی آبادیاں پرائمری تعلیم سے بھی

ناآشنا ہیں۔ کسی ایسے دوہرے نصاب اور نظام تعلیم کی متحمل ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے تعلیمی مصارف دوگنا ہو جائیں۔ چنانچہ وفاقی وزیر تعلیم نے ۱۳ اکتوبر کے اس فیصلہ کے بارے میں اپنے بیان میں خود اعتراف کیا ہے کہ دینیات پڑھانے کے لئے الگ الگ استادوں کے انتظام کرنے کی صورت میں ملک بھر کے صرف سرکاری سکولوں پر دس کروڑ چھبیس ۲۶ لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔

ہم موجودہ سکولوں کو فرنیچر، بنیادی سامان اور ضروری سٹاف مہیا نہیں کر سکتے تو چند ایک بچوں کی خاطر الگ نصاب، اس کے لئے الگ اساتذہ اور کتابوں کے اخراجات کہاں سے پورے کر سکیں گے۔ ان عظیم اخراجات اور مصارف کے نتیجہ میں فائدہ کتنا حاصل ہو گا۔؟

سروسز کے لحاظ سے | ہمارے خیال میں ملک کی ۸۰ فیصد بالخصوص دیہاتی آبادی ایسی ہے جہاں کسی سکول میں آپ کو ایک بھی شیعہ بچہ نہیں مل سکے گا۔ ۲۰ فیصد تعلیمی ادارے اور سکول ایسے ہوں گے جہاں ایسے بچوں کی شرح دس فیصد سے کسی طرح زیادہ نہیں ہو گی لیکن ایک پالیسی کے تحت ہر سکول کو نہ صرف دو نصاب فراہم کرنے ہوں گے بلکہ متصادم نظریات اور تعلیم کے لئے الگ الگ اساتذہ بھی، اس لئے کہ نہ تو کوئی سنی شیعہ نصاب پڑھانے پر آمادہ ہو گا، نہ شیعہ حضرات ایسے اساتذہ سے پڑھنا گوارا کریں گے۔ پھر جب دینیات کے اساتذہ دونوں نصابوں کے لئے ضروری ٹھہرے تو فرض کیجئے ملک کی ۹۵ فیصد آبادی کے لئے ہمیں ۱۰ ہزار اساتذہ رکھنے ہیں تو ہم اتنی ہی تعداد ۵ فیصد آبادی کے لئے بھی رکھنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ صورتحال ملازمتوں کے تناسب سے کتنی قابل افسوس ہو گی۔

دورخی پالیسی | ایک اور زاویہ سے دیکھئے تو قومی یکجہتی کے ساتھ حکومت کی دورخی پالیسی پر حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ جب مسلمانوں کی اکثریت ایک مدت سے قادیانیوں کو الگ غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کرتی رہی تو اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا رہا ہے کہ اس طرح قومی اتحاد مجروح ہوتا ہے اور افتراق وانتشار کی راہ کھلتی ہے۔ یہاں تک کہ قادیانیوں کو دانستہ یا نادانستہ تحفظ دینے کی خاطر آئین میں نہایت اصولی مطالبہ "مسلمان کی تعریف اور مسلم کا تعین اور تشخص" کو بھی ایک عرصہ تک بے دردی سے ٹالا جاتا رہا لیکن دوسری طرف ایک ایسے فرقہ کو علیحدگی کی راہ پر ڈال دیا جاتا ہے جس کی علیحدگی کا مطالبہ مسلمانوں کی طرف سے

کبھی نہیں ہوا بلکہ وہ اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ پہلا مطالبہ قادیانیوں کی علیحدگی، قومی یکجہتی کے تحفظ اور سالمیت کی خاطر نہایت اصولی، معقول اور ضروری تھا، جبکہ دوسرے مطالبے (شیعوں کی علیحدگی) سے قومی یکجہتی پاش پاش ہو جاتی ہے۔ گویا نہ تو قومی اتحاد برقرار رکھنے میں مسلمانوں کے مطالبات قابل اعتنا ہیں اور نہ اس کے ٹوٹ جانے پر مسلمانوں کے اندیشے لائق التفات ہیں۔ ایسی دورنگی اور دورخی پالیسی پر سوائے حیرت کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

اہل تشیع کی ناعاقبت اندیشی

ایک بات اور شیعہ حضرات کے لئے ان مطالبات کے ردعمل کی شکل میں قابل غور ہے۔ اگر ایسے مطالبات سنی مسلمانوں کی طرف سے شروع ہو جائیں کہ آئندہ الگ تشخص کی وجہ سے شیعہ حضرات کو سول سروس فوج وغیرہ کی ملازمتوں اور دیگر حقوق و رعایات میں بھی شرح آبادی کے تناسب سے کوٹہ مقرر کیا جائے تو کیا اس مطالبہ کو نامعقول کہا جا سکے گا۔ اس طرح اگر شیعہ حضرات اہل سنت سے اپنے اختلافات کو اصولی قرار دینے پر مصر رہے تو مسلمانوں کے لئے سوچنا ہوگا کہ ایسے اصولی اختلافات کے ساتھ کوئی شخص مسلمان کے دائرہ میں رہ سکتا ہے یا نہیں یا ایسے اصولی اختلافات کے ہوتے ہوئے کوئی اقلیت ملک کے کلیدی مناصب بشمول صدارت وغیرہ پر فائز رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار مسائل اس کے ردعمل میں ظاہر ہو سکتے ہیں ——— پھر شیعہ حضرات شاید اسے گھاٹے کا سودا سمجھ کر پچھتانے لگ جائیں مگر موقع ہاتھ سے جا چکا ہوگا۔

ناقابلِ عمل فیصلہ

آخر میں اس فیصلہ کو قابل عمل ہونے کے لحاظ سے دیکھئے کہ یہ جبری طور پر کہاں تک نافذ ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں تعلیم کا مسئلہ زیادہ تر صوبائی حکومتوں سے وابستہ ہے۔ فرض کیجئے صوبہ سرحد یا بلوچستان اور ان کی دیکھا دیکھی کوئی اور صوبہ جداگانہ نصاب کے اس فیصلہ کو مسترد کر دیتی ہیں تو مرکز اسے جبراً ٹھونس کر کتنے خطرات میں ملک کو ڈال سکتی ہے؟ اور اگر صوبائی حکومتیں اسے نافذ کر بھی دیں لیکن جیسا کہ شیعہ حضرات کو اپنے عقائد اور نظریات عزیز ہیں۔ گروہی حمیت انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ سنی مسلمانوں

کے بچوں اور تعلیمی اداروں کے اہل سنت نوجوانوں میں دینی وملی احساسات کا شعور بیدار ہوا اور ۹۵ فیصد لڑکوں نے اس فیصلہ کو مسترد کرنا چاہا تو ملک کے امن وامان کا کیا بنے گا جس کی ملک کی تعمیر نو کے لئے اشد ضرورت ہے۔ ان خطرات کو دیکھتے ہوئے ملک کے اتحاد اور سالمیت کی خاطر ہماری دردمندانہ گذارش ہے کہ اس فیصلہ پر نظر ثانی کر کے ملک کو منافرت، افتراق اور خانہ جنگی کے راستوں پر نہ ڈالا جائے۔ پہلے سے لسانی، علاقائی اور قومی مسائل کا عفریت ہمیں ہڑپ کر رہا ہے۔ اگر ملت کی شیرازہ بندی کرنے کی بجائے ایسے دیگر مسائل کو ہوا دی گئی تو اسے کسی سوچی سمجھی سازش کی ایک کڑی ہی سمجھا جائے گا۔ اور ملک کے باشندوں میں باہمی اعتماد اور خیر سگالی کی فضا قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ خدا اس روز بد اور اس کے نتائج سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

اختلافی معتقدات پر مبنی کلمۂ اسلام

ملک میں شیعہ سنی نصاب کی علیحدگی کا مسئلہ اٹھا تو ہم نے بار بار اس فیصلہ کے قومی وملی خطرناک عواقب پر ارباب اختیار کو تنبیہ کیا، سنجیدہ طبقوں نے اضطراب اور تشویش ظاہر کی اسمبلی میں آواز اٹھائی گئی مگر یہ سب کچھ صدا بصحرا ثابت ہوا اور مشترکہ اور علیحدہ علیحدہ نصابوں کے ذریعہ قوم میں تفریق وانتشار کی نیو ڈالی گئی اور اب وہی کچھ سامنے آنے لگا جس کا خطرہ تھا، دینی نصاب کو متصادم خیالات اور نظریات کا ملغوبہ بنا دیا گیا اور ایک خاص گروہ کے معتقدات کو سوادِ اعظم کے سر منڈھنے کا آغاز ہو گیا۔ قومی ادارہ نصاب ودرسی کتب وزارتِ تعلیم وصوبائی رابطہ اسلام آباد کی مطبوعہ کتاب رہنمائے اساتذہ اسلامیات جماعت نہم ودہم سکولوں میں آگئی، سنی مسلمانوں اور علماء کو بجا طور پر حیرت وتشویش ہوئی کہ جب انہوں نے کتاب کے حصہ سوم میں کلمہ اسلام تک کو نئے انداز میں پایا، شیعہ حضرات سے متعلق اس باب میں علیؑ ولی اللہ وصی رسول اللہ اور خلیفۃ بلافصل کے ذریعہ امامت وخلافت کے جھگڑوں کو کلمۂ اسلام کا جزو بنا دیا گیا، اور اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ ایسے ہی کلمہ کو اسلام کا معیار قرار دیا گیا ہے۔ اور ان عقیدوں کو ذریعۂ ایمان و اسلام

ملاحظہ ہو (ص۳۵) مسلک و مشرب کے امتیاز کے لئے اگر یہ لکھ دیا جاتا کہ معیارِ اسلام کلمہ طیبہ ہی ہے مگر شیعہ معتقدات میں امامت و خلافتِ بلافصل کا بھی اضافہ ہوتا ہے تب بھی کچھ بات ہوتی مگر یہاں ان اختلافی معتقدات پر مبنی مسائل کو کلمۂ اسلام قرار دینا اور یہ کہ اس کے پڑھنے سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔ نہ عقلاً اور نقلاً صحیح ہے نہ ملک کے سوادِ اعظم کو تحت السطور اور اشارات و تلمیحات میں کافر قرار دینا ملک و ملّت کی خیر خواہی ہے —— ان حضرات کو خود بھی معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں داخلۂ اسلام کی علامت صرف کلمۂ طیبہ رہا ہے۔ اور عہدِ صحابہؓ خیر القرون میں کلمۂ طیبہ ہی کلمۂ اسلام سمجھا جاتا رہا۔ خود شیعہ روایات بھی اس باب میں بے شمار ہیں۔ اس لئے ایک ایسی بات کو جو امتِ مسلمہ کی عظیم اکثریت کے ہاں نزاعی اور ناقابلِ تسلیم ہے ایک ایسے نصاب میں شامل کر دینا جو اکثریتی طبقہ کے سامنے بھی بجبر و اکراہ رکھا جا رہا ہے۔ نہایت ناعاقبت اندیشی ہے، ملک میں جگہ جگہ اس مسئلہ پر بے چینی کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ لاہور میں ایک عدالت کے سامنے بھی یہ مسئلہ رکھ دیا گیا ہے۔ چکوال میں تو کشیدگی کی حد ہو گئی ہے کہ مسجد کا تقدس مجروح کر کے پولیس نے داخل ہو کر نمازیوں پر ظلم کیا۔ ممتاز عالم قاضی مظہر حسین صاحب اور دیگر لوگ گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب چکوال کے واقعہ کے ضمن میں اس مسئلہ کے محرکات پر تحریکِ التواء پیش کر چکے ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ وہ نصابِ دینیات کی شکل میں جو آگ سلگ اٹھی ہے خدا را ملک و ملّت کی سالمیّت کی خاطر اس کے خطرناک عواقب کو سوچے اور اس کے بھڑک جانے سے پہلے اسے بجھا دینے کے اقدامات کرے! (مارچ ۱۹۷۶ء)

باب ۱۰
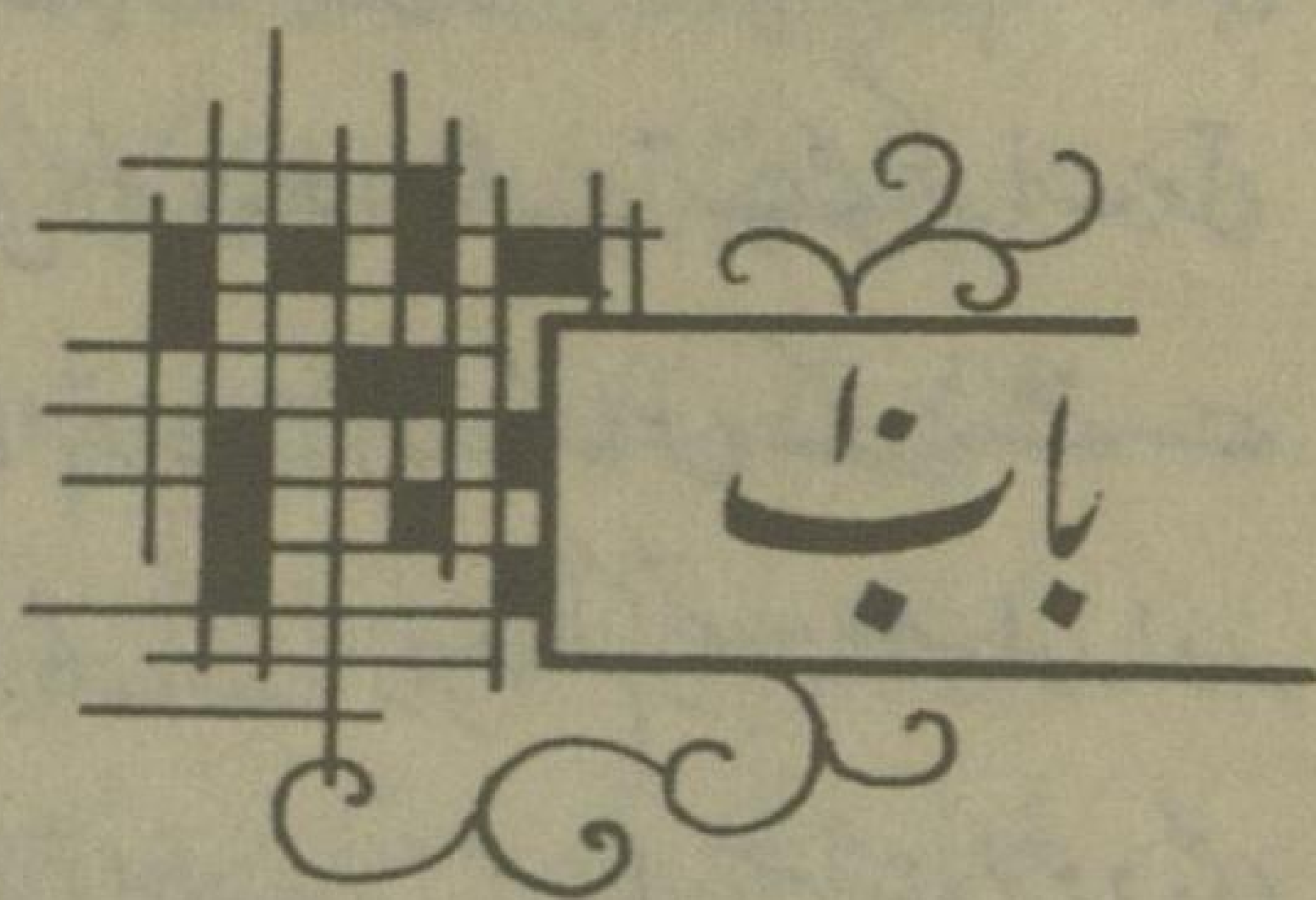
بہائیت

بہائیت

قاہرہ سے عرب لیگ نے اسرائیل سے ہر شعبۂ زندگی میں بائیکاٹ کے اداروں ـــــ مکاتب المقاطعة العربية لاسرائيل ـــــ کی طرف سے اپنی ایک نہایت اہم اور قابل توجہ قرارداد نشر کی ہے جو سارے اسلامی ممالک کی فوری توجہ کی مستحق ہے۔

غیر اسلامی صیہونی فرقہ

قرارداد میں کہا گیا ہے کہ بہائی فرقہ کے بارے میں ایسے قطعی شواہد مل چکے ہیں کہ وہ درپردہ عالم عرب اور مسلمانوں کے خلاف اسرائیل اور صیہونیت کا آلہ کار ہے اور اسرائیل میں قائم کردہ اپنے مرکز کے ذریعے پورے عالم عرب میں سازشوں کا جال بچھا رہا ہے۔ یہ لوگ اسرائیل کی مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ قرارداد میں بہائیت کو قطعی غیر اسلامی صیہونی فرقہ قرار دیتے ہوئے بلیک لسٹ میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اور عرب ممالک میں اس کی تمام سرگرمیوں پر پابندی لگانے کا کہا گیا ہے۔ عرب پریس اور علمی و سیاسی شخصیتوں نے اس قرارداد کا بجا طور پر زبردست خیر مقدم کیا ہے۔ سعودی عرب اور رابطہ عالم اسلامی نے اس بروقت تنبیہہ پر عرب لیگ کے جنرل سیکرٹری اور برسر پیکار عرب اداروں کو مبارکباد دی ہے۔ اس سے قبل پچھلے سال مکہ مکرمہ میں دنیا بھر کی اسلامی تنظیموں نے بھی اپنے اجلاس اپریل ۱۹۷۴ء میں بہائیت کے بارہ میں ایسی ہی واضح اور غیر مبہم قرارداد میں مسلمانوں سے مطالبہ کیا تھا کہ بہائی تنظیم کے تمام مراکز، لٹریچر اور سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے۔ اس اجلاس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت اور ان سے کلی مقاطعہ کرنے کی وہ تاریخی قرارداد بھی پاس ہوئی تھی جو بعد میں قادیانی تحریک کے دوران مسلمانوں کے کاز کو تقویت پہنچانے کا باعث بنی۔ عرب

پر لیس بہائیت کے بارہ میں اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے اس فرقہ کی بہت سی صیہونی اور اسلام دشمن سرگرمیوں سے پردہ اٹھارہی ہے۔

مذہب سے زیادہ صیہونی سیاسی جماعت

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بہائی فرقہ ایک مذہب اور فرقہ ہے بھی نہیں بلکہ دراصل وہ اس پردہ میں اسلام اور عالم اسلام کے خلاف صیہونی پروٹوکولات اور سامراجی و یہودی منصوبوں کی تکمیل ہی کی ایک اہم کڑی ہے۔ یہی منصوبے ہیں جو ایک طرف تو عالمی تنظیم فری میسن روٹری کلب، لائنز کلب، غیر مسلم مشنری ادارول فحش جنسی لٹریچر اور استشراق و تحقیق کے نام نہاد اداروں کی شکل میں مسلمانوں میں انسانی اور اخلاقی قدروں کی تباہی، فکری انتشار و اختلاف، سیاسی ضعف و اضمحلال برپا کرنے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف بہائیت، قادیانیت اور اس طرح کے کئی ایک فرقوں اور جماعتوں کے لبادہ میں ملت مسلمہ پر شب خون کا کام کرتے ہیں۔ بہائیت کے آغاز، محرکات، عقائد و اعمال اور سرگرمیوں میں گئے بغیر ایک سطحی نظر سے بھی اس کے اصل عزائم اور مقاصد کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بہائیت کا سرچشمہ اور مقاصد

بہائیت نے شیعیت سے جنم لیا اور اس کے بانی مرزا علی محمد باب شیرازی (۱۸۲۰ء) نے شیعی غلو محبت اور اعتقاد کی آڑ لے کر اس مذہب کو فروغ دیا اور عقائد و اعمال، اوہام و خرافات کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کر کے پیش کیا جسے اسلام سے تو کیا کسی بھی آسمانی مذہب کے دعویدار نظام ہدایت و ارشاد سے دور کا بھی تعلق نہ رہا۔ چونکہ اس کی تاسیس ہی درحقیقت مذہب کی آڑ میں مسلمانوں کی عداوت پر رکھی گئی تھی تو اس کے علمبرداروں نے بھی کسی اخلاقی مجد و شرف، انسانی اقدار شرافت، عقل و فکر کی پختگی، عقیدہ و عمل کی اصابت کا لحاظ کئے بغیر اس ملغوبہ میں ہر وہ عنصر شامل کر دیا جو کسی نہ کسی طرح بھی اخلاقی و مذہبی اقدار سے باغی اباحیت زدہ انسانوں کے لئے باعث کشش بن سکے۔ اس سلسلہ میں حیاد شرافت، حلال و حرام، جائز و ناجائز، عقیدہ اور اوہام، عقل اور نجاوت کا کوئی سوال نہ تھا۔ اباحیت کے مارے ہوئے یہود و نصاریٰ نے اسے اپنی تشنگی کا علاج اور صیہونیت و استعمار نے اسے مسلمانوں کے خلاف شرمناک مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ سمجھا اور اس طرح وہ مغرب کے یہود و نصاریٰ، مشرق کی مجوسی اور مریض ذہنیتوں کا مرکز نظر بن گیا۔

اہل یورپ اس میں دھڑا دھڑ شامل ہونے لگے۔

مشہور مستشرق گولڈزیہر کا اعتراف ہے کہ:۔

امریکہ میں قائم ہونے والی علمی اور ادبی انجمنوں نے اس کے اصول و ضوابط کے استحکام و فروغ میں نہایت بھرپور حصہ لیا۔ (انہی اصول و ضوابط کے استحکام نے ہمارے ہاں روٹری کلب اور لائنز کلب جیسی انجمنوں کا روپ دھار لیا۔ راقم) طبعی طور پر بہائیت اپنے سرپرستوں کے دیس امریکہ کے دور افتادہ علاقوں تک پھیل گئی اور شکاگو کو مرکز بنا لیا گیا۔ (العقیدۃ الشرلعیۃ ص۲۵۰)

استعماری مقاصد کا آلہ کار پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد عالمی استعمار کو عالم اسلام کی بیداری سے خطرہ لاحق ہوا تو ٹھیک یہی زمانہ دنیا میں بہائیت کے فروغ اور ترویج کے لئے نہایت سازگار ثابت ہوا۔ کافی عرصہ قبل جب حکومت مصر کے سامنے اس فرقہ کی غیر اسلامی، غیر انسانی اور صیہونی تصویر آگئی تو وہاں کے محکمۂ قضا یہاں تک کہ پارلیمنٹ اور وزارت داخلہ نے بھی اس فرقہ کو پر امن اور مسلمان شہریوں کے حقوق دینے سے انکار کر دیا۔

اسلامی حکومتوں کا فرض اب جبکہ عالم عرب کی نہایت اہم کمان عرب لیگ نے اتنی ذمہ داری سے بہائیت سے عرب ممالک کو متنبہ کرایا ہے تو اس کے پاس قطعی اور کھلے شواہد ہوں گے۔ (گنجائش ہوتی تو ہم خود بھی اس کی نقاب کشائی میں تفصیل میں جاتے) تو نہ صرف عالم عرب بلکہ تمام اسلامی حکومتوں کی غیرت ملی، حمیت دینی اور قومی و سیاسی مقاصد کا تقاضا ہے کہ اس قرارداد پر لبیک کہتے ہوئے بہائیت کی تمام دعوتی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا جائے۔

فری میسن روٹری اور لائنز کلب عرب پریس میں اس قرارداد کے ساتھ فری میسن، روٹری اور لائنز کلب کا بھی ذکر آ رہا ہے اور قادیانیت کی ریشہ دوانیوں کا بھی۔ اول الذکر پر پاکستان میں رسمی اور قانونی پابندی لگ چکی ہے۔ گو اس کی سرگرمیاں اب تک جاری اور مشتبہ ہیں۔ روٹری اور لائنز کلب کا مسئلہ بھی ۵ جولائی ۱۹۷۳ء کو قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قرارداد کے ضمن میں زیر بحث آیا تو حکومت نے انہیں علمی اور ثقافتی ادارے قرار دیتے ہوئے ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے

لاعلمی کا اظہار کیا، مگر اب جبکہ ان اداروں اور فرقوں کی سرگرمیاں پورے عالم اسلام کے لئے لمحہ فکریہ بن چکی ہیں تو حکومت کو بھی نہایت دانشمندی سے ان اداروں کے بارہ میں نظرثانی کرنی چاہیئے۔ بدقسمتی سے ہمارا ملک ان تمام ملت کش عناصر کے لئے نہایت زرخیز ثابت ہو رہا ہے اور بہائی فرقہ بھی منظم شکل میں اپنی کوششوں میں مصروف ہے۔ ملک کے بڑے بڑے شہروں میں اس کے مراکز ہیں اور لٹریچر تقسیم ہو رہا ہے۔ کراچی، لاہور، لائلپور میں اس کی تبلیغی سرگرمیاں زوروں پر ہیں۔ اب حکومت اور تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ ایسے تمام عناصر کا قلع قمع کر دے جو مار آستین بن کر ملک و ملت کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں۔

باب ۱۱
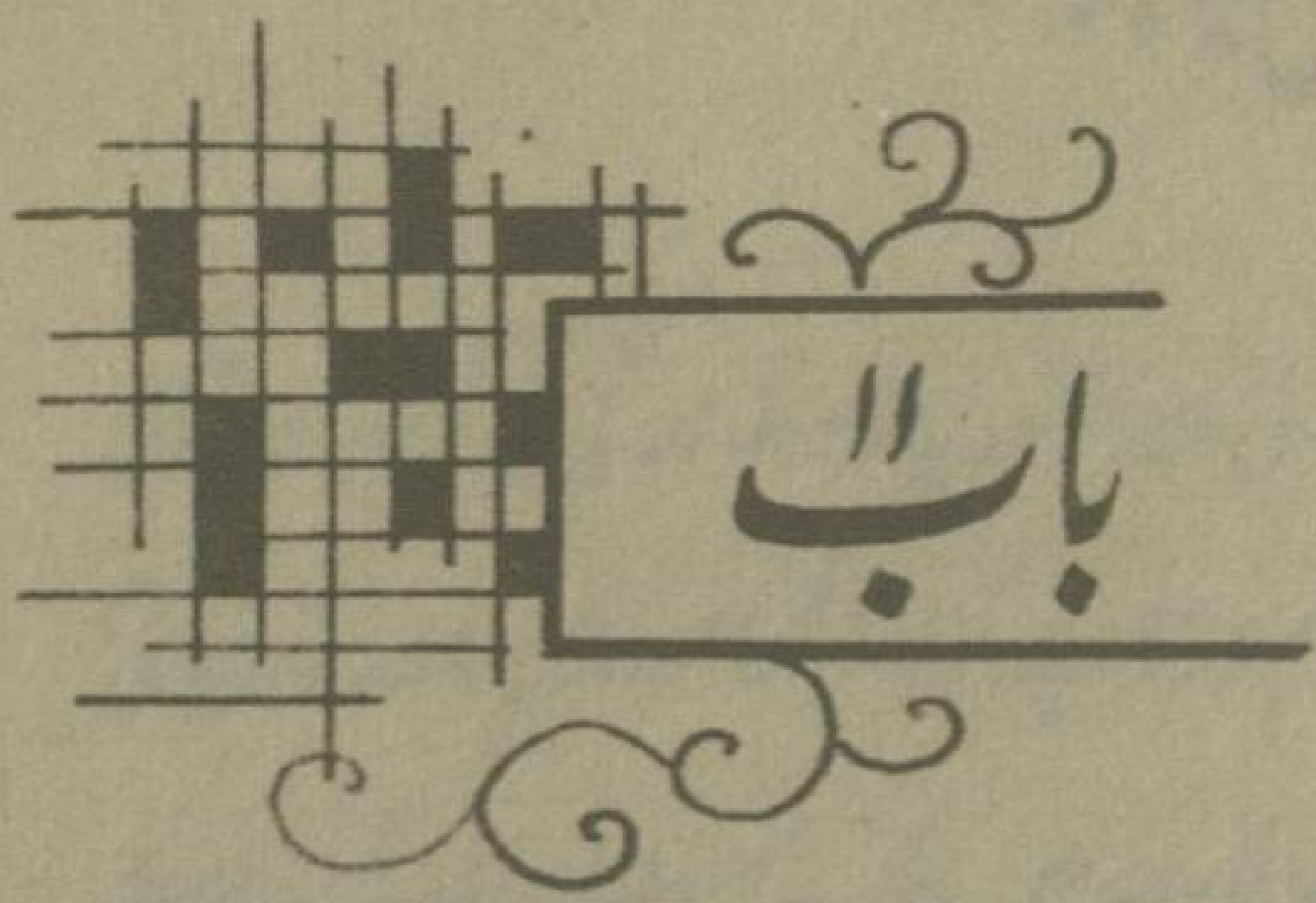
اسلامی معاشیات

اسلامی اور ایمانی پہلو کی کچھ جھلکیاں

معاشیات کا ایمانی پہلو

اس وقت ملک میں قحط سالی کے آثار ہیں، خشک سالی اور ضروریاتِ زندگی کی گرانی اور نایابی ایک بھیانک صورت اختیار کر رہی ہے، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدانخواستہ ہمارے ترقیاتی، زراعتی اور معاشی منصوبے ناکام ہو رہے ہیں۔ ایسے حالات میں ایک مسلمان اپنے ایمان و یقین کی روشنی میں صرف یہی کہہ سکتا ہے کہ ہماری نظریں وسائل معاش کے خالق سے ہٹ گئی ہیں۔ ہمارا بھروسہ ترقیاتی منصوبوں پر ہے اور ہمارا سہارا صرف وسائل و اسباب ہی پر رہ گیا ہے۔ بلاشبہ ان اسباب کی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ اور حسبِ ارشادِ خداوندی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (تمہارے نفع کے لئے خدا نے زمین کا سب کچھ پیدا کیا) خدا کی دی ہوئی طاقت و قوت اور وسائل کو کام میں نہ لانا منشاءِ قدرت کی خلاف ورزی اور احسانِ تسخیرِ کائنات کی ناشکری ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ حقیقت کسی لمحہ بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونی چاہیئے کہ ہماری تمام معاشی اور اقتصادی قوتوں کا سرچشمہ خالقِ کائنات ہی ہے، اور ہم کسی بھی لمحہ اس کے جود و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ کہ اسباب کا مسبب اور وسائل کا کارساز وہی ہے ـــ پس جس طرح کہ ہماری بجلی پاور ہاؤس کے بغیر کچھ بھی نہیں، اسی طرح اس کی مرضی اور خوشنودی کے بغیر ہمارے سارے منصوبے، ہماری زراعتی اسکیمیں اور ترقیاتی پنجسالے ہیچ اور بے کار ہیں۔ ایک پانی ہی کو لے لیجئے اگر وہ بارش نہ برسائے تو زمین میں پانی کے چشمے کہاں سے پھوٹیں؟ پھر کون ہوگا جو آپ کے لئے صاف ستھرا پانی لائے (فمن یأتیکم بماءٍ معین) اور جب پانی نہ ہو تو یہ ٹیوب ویل کس کام کے؟ اور اگر دریا خشک ہوں تو ان دیو ہیکل ڈیم اور اور پاور ہاؤسوں کی کیا قدر و قیمت ہوگی؟ ـــ قرآن کہتا ہے کہ نظر مسبب الاسباب پر رکھو، اسباب پر نہیں۔ کیونکہ اسباب میں زندگی وہی ڈالتا ہے۔ زندگی اور ہلاکت کے سب اسباب اسی کی قدرت میں ہیں ـــ دیکھئے وہ کتنے صاف اور دو ٹوک الفاظ میں اعلان کر رہا ہے۔

امّن ھٰذا الّذی یرزقکم ان امسک رزقہٗ بل لجّوا فی عتوٍّ و نفور۔ وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر وہ روزی کے اسباب بند کر دے، کوئی نہیں مگر یہ لوگ اپنی شرارت اور سرکشی پر اڑے ہوئے ہیں۔

ہمارے رزق و معاش کا حقیقی سامان تو آسمانوں ہی پہ ہوتا ہے۔ وفی السّماء رزقکم وما توعدون۔ پھر یہ آسمانی خیر و برکت اور خلاقِ کائنات کی رحمتیں ہماری طرف کیسے متوجہ ہوں؟ اس کا جواب بھی قرآنِ حکیم ہمیں ایک برگزیدہ پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی دے رہا ہے۔ استغفروا ربکم انّہٗ کان غفّاراً یرسل السّماء علیکم مدراراً و یمددکم باموالٍ و بنین ویجعل لکم جنّٰت و یجعل لکم انھاراً۔ (پس اے لوگو! گناہ بخشواؤ اپنے رب سے بے شک وہی ہے بخشنے والا۔ وہ آسمان کی دھاریں تم پر کھول دے گا اور بڑھا دے گا تم کو مال اور بیٹوں کے اعتبار سے اور مہیا کر دے گا تمہارے لئے باغات اور نہریں۔) ——— (فروری ۱۹۴۷ء)

کُفرانِ نعمت کا وبال

اللہ اکبر۔ ملک و قوم کی یہ غیر یقینی اضطراب انگیز حالت، غربت و افلاس، مہنگائی اور بدحالی، باہمی جنگ و جدال، بے گناہ انسانوں کے خون کی ارزانی، یہ دھماکے، یہ ظلم و ستم، یہ قید و بند، الغرض چاروں طرف بربادی اور شر و فساد کا دور دورہ ہے، پوری قوم اعمال و افعال کی مکافاتی چکیوں میں پستی چلی جا رہی ہے۔ گویا اس بستی کی پوری تصویر ہمارے سامنے ہے جس کی مثال قرآنِ حکیم نے دی ہے جسے خدا نے ہر طرح کی عافیت، سکون، خوش حالی اور فارغ البالی سے نوازا مگر بستی والوں نے نہایت بے دردی سے اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتوں کی ناشکری کی۔ پھر خدا نے یکایک اس ساری آسودگی کو بدحالی اور بھوک و افلاس سے بدل دیا امن و عافیت کی جگہ خوف و اضطراب نے لے لی۔ فاذاقھا اللہ لباس الجوع والخوف

اس مثال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو تنبیہہ فرمائی جو خدا کی نعمتوں کو خیر کی بجائے شر کا ذریعہ بنا کر خدا کی بستیوں کو امن و سکون کی بجائے انتشار و اضطراب سے بھر دیتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر ایسے واقعات کا ذکر کر کے انہیں للکارتا ہے کہ خدائے حیّ و قیوم اس پر قادر ہے کہ وہ دن کو ہنستے کھیلتے ہوئے اور راتوں کو میٹھی نیند سوتے ہوئے انہیں اپنے اعمال کا مزہ چکھا دے ـــــ اِنا منوا مکر اللہ ان یا تیھم بأسنا ضحیً وھم یلعبون۔ اِنا منوا مکر اللہ ان یأتیھم بأسنا بیاتاً وھم نائمون۔

پھر کیا اس بدنصیب ملک کے یہ آئے دن کے انقلابات اور تنبیہات قرآنِ کریم کی اس ابدی صداقت کی تائیدِ مزید نہیں کر رہے۔ ملک کی شکست و ریخت پھر لاکھ سوا لاکھ افراد کا ہندو کے ہاتھوں قید و بند کے المیہ نے اس تذلیل کی یاد تازہ نہیں کی جو بخت نصر کے ہاتھوں یہود کو اٹھانی پڑی تھی۔ سیلابوں نے کیا طوفانِ نوحؑ کا سماں نہیں باندھا اور قراقرم کے پہاڑوں کا ارتعاش تو ابھی ختم بھی نہیں ہوا۔ ان کوہستانی زلزلوں کے بعد بھی کسی باشعور قوم کو عاد و ثمود کی ہلاکت و بربادی کے قصے دہرانے کی ضرورت رہ جاتی ہے۔؟

یہ سب کچھ ہوتا رہا مگر غفلت و سرکشی کے حجاب اور بھی دبیز ہوتے چلے گئے۔ سنگدلی اور شقاوت کی گہرائیوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا، انفرادی اور اجتماعی حقوق اور مراتب پامال ہوتے رہے۔ تمام عمرانی اور معاشرتی تقاضوں کو روند ڈالا گیا، ملّی اور اخلاقی اقدار تہس نہس کر دی گئیں، اسلام، جمہوریت، مساوات، اخلاق و اقدار، عدل و انصاف، حقوق اور ذمہ داریوں کی دھجیاں اڑا دی گئیں۔ خدا طلبی کی جگہ خدا فراموشی، حیاء اور عفت کی جگہ بے حیائی اور فحاشی، ضبط و اطاعت کی جگہ بدنظمی اور انارکی، خوفِ آخرت کی جگہ مادہ پرستی نے لے لی ہوس زر کے عفریت نے حلال و حرام کی ساری حدود توڑ کر رکھ دیں۔ راعی رعیت کے حقوق سے غافل اور رعیت راعی کے آداب سے بے خبر!

ظلم نے عدالت اور فریب و عیاری نے سیاست کا روپ دھارا۔ الغرض ملک کی حالت ایک بھٹی جیسی ہو گئی جس میں کود کر اب پوری قوم اضطراب، بدگمانی، خوف و لالچ، ہوس بھوک اور تنگدستی اور باہمی جنگ و جدال کی آگ میں سلگ اور سسک رہی ہے۔ آبروئے

جان و مال کا اعتماد ختم ہوا، اطمینان و عافیت کے سارے سہارے ٹوٹتے چلے گئے۔ آسائش اور خوشحالی تو بڑی بات ہے۔ ایک بڑی اکثریت کے لئے زندگی کا سدِ رمق قائم رکھنا وبالِ جان بن گیا اور ارشادِ ربانی:۔ فکفرت بانعم اللہ فاذاقہا اللہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یکسبون۔ کا بدرجۂ اتم ظہور ہوگیا ——— (مارچ ۱۹۷۵ء)

ہولناک سیلابِ نوح

ایمانی جائزہ کی ضرورت

بدقسمتی سے مسلمانوں کی فطرت بھی زمانہ کے اثرات سے کتنی عجیب ہوگئی ہے کہ دو اور دو چار کی طرح کھلی حقیقتیں اور صداقتیں بھی اب ہماری مسلم اکثریت کے لئے ناقابلِ فہم ہوگئی ہیں مسلمان کی طبیعت جب تک ایمانی قوت کی گرفت میں رہی تو احساس اتنا حساس اور شعور و ادراک اتنا تیز ہوتا کہ اردگرد کے معمولی تغیرات اور چھوٹے چھوٹے انقلابات و حوادث بھی اس کے لئے صد ہزار عبرت و نصیحت کا سامان بن جاتے وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی ماحول کا جائزہ لیتا اعمال و کردار کا محاسبہ کرتا اور آفات و مصائب کی کسوٹی پر اپنے اور اپنے معاشرہ کو پرکھتا، کسی ایک عزیز کسی ایک فرد کی موت سے بھی اس کی غفلتوں کے پردے چاک ہوجاتے اور سارے حقائق سامنے آجاتے۔ اس لئے تو حضرت عمرؓ نے اپنی مُہر کی انگوٹھی میں یہ الفاظ کندہ کرائے تھے کہ کفی المرء بالموت واعظاً ——— انسان کیلئے موت سے بڑھ کر واعظ نہیں۔ ہمارے ایک بزرگ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

انقلاباتِ جہاں واعظِ رب ہیں سن لو
ہر تغیر سے صدا آتی ہے نافہم نافہم

ایک دوسری حقیقت انسانوں کی مشترکہ اور مجموعی کمزوری اسباب سے غفلت برتنا

ہے۔ پھر جب وہ نتائج دیکھتا ہے تو اپنی غفلتوں کا ماتم کرنے کی بجائے نتائج کی ہولناکیوں پر چین بجبین ہونے لگتا ہے۔ اور جب نتائج کی تلخی اسے اپنی گرفت میں لے لیتی ہے تو اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو چھپانے کے لئے حالات کی ایسی توجیہہ کرتا ہے جو نتائج اور اسباب سے قطعی جوڑ نہ کھا سکیں، نتیجتہً اصل اسباب تباہی و بربادی اسی طرح مستور و محجوب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ یہ بات قوموں کی ذلت و ادبار اور نہ سنبھل سکنے کے لئے خطرے کا آخری نشان ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی ذمہ داری تو اس بارہ میں دوہری ہے، وہ نہ صرف نتائج کا رشتہ اسباب سے جوڑے گا بلکہ اسباب کی تلاش میں مومنانہ فکر و نظر سے بھی کام لے گا کہ جب تک بیماری کی اصل وجوہات نگاہ میں نہ لائی جائیں مریض کا مرض اسباب و علاج کی فراوانی کے باوجود جان لیوا ہی ثابت ہوگا۔ مومن حالات و حوادث کی مادی تاویل کی بجائے ایمانی اور حقیقی توجیہہ کرتا ہے اور یہی وہ فرق ہے جو ایک مومن قوم کو مادہ پرست اقوام سے ممتاز کرتا ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں پاکستان کے موجودہ ہولناک ترین طوفانِ کرب و بلا اور سیلابِ نوحؑ کا جائزہ لیجئے، اس کی وسعت اس کی ہمہ گیری اس کی گہرائی اس کی شدت اور امتداد اس کی تباہ کاریوں کو نگاہ میں رکھ کر بحیثیتِ مسلمان قوم قرآن کو اول تا آخر نہ سہی کسی بھی ہلاک اور معذب قوم سے متعلقہ چند آیات ہی کو پڑھ لیجئے اور پھر اس پر اپنی حالت قیاس کیجئے ساری حقیقت سامنے آجائے گی۔ مادی نظریات کی کوتاہ نظریوں سے حقائق کا ادراک کبھی نہیں ہو سکتا نہ مصیبت کا ازالہ بجز ایمانی طرزِ فکر کے ممکن ہے۔ قرآنِ کریم ایسے ہی سیلاب اور اس کے بندوں اور ہیڈ ورکسوں سے تباہ ہونے والی خوش عیش و خوشحال ایک قوم کی تباہی کا ذکر کرتا ہے کہ ان پر یمن میں سدِ مآرب توڑ کر ترسیلِ عرم چھوڑ دیا گیا، گھڑیوں اور منٹوں میں سب لہلہاتے ہوئے باغات اور پھولوں سے لدے ہوئے گلزار چٹیل میدان بن گئے اور یہ اس لئے کر۔ فَاَعْرَضُوْا کہ انہوں نے اپنے رب سے اور اس کے عہد و پیمان سے اپنا رشتہ توڑ دیا تھا اور یہ تباہی و بربادی کیوں آئی اس لئے کہ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ

یہ سب ان کی خرمستیوں اور ناشکریوں کا نتیجہ تھا اور کیا ہم کفرانِ نعمت کرنے والوں کے علاوہ کسی اور سے بھی یہ سلوک کر سکتے ہیں؟ یمن کی یہ مضبوط اور سرسبز و شاداب آبادی کہاں گئی اور مٹے ناموں کے نشاں کیسے کیسے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور ہم نے بھی ان کو قصے کہانیاں بنا کر رکھ دیا۔ وظلموا انفسھم فجعلناھم احادیث ومزقناھم کل ممزق ان فی ذالک لآیات لکل صبارٍ شکور۔

مادی اور معاشی کفر و شرک کا انجام قرآن کہتا ہے کہ یہ انجام ہر اس قوم کا ہوتا ہے جو اپنے مادی تہذیب و تمدن میں اتنی مدہوش ہو جاتی ہے کہ مادی، عمرانی اور اقتصادی منصوبوں کے علاوہ ارادتِ الٰہی پر ایمان و اعتماد اور اسباب کے خالق اور مسبّبِ حقیقی پر یقین و ایمان کے سارے راستے اس کیلئے بند ہو جاتے ہیں۔ اس قوم کے لیڈر اہلِ حکومت اربابِ اقتدار، صنعت کار، کارخانہ دار اور فوجی طاقت سب کے نعرے اور دعوے مادی دائرہ میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ بڑے دیو ہیکل منصوبوں اور اسکیموں کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہتے ہیں، وہ مادی اسباب و وسائل میں خود کفیل ہونے کے بلند بانگ دعوے کرتے پھرتے ہیں۔ وہ بیرونی امداد پر انحصار ختم ہو جانے کے مژدے سناتے ہیں، لیکن یکایک ارادۂ الٰہی ان کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ اور سارے دعوے ذلت و پستی، قحط و افلاس، تنگدستی و مہنگائی، سیلاب و طوفان، جانی و مالی مصائب اور بربادیوں کی سرکش موجوں میں نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے دو باغ والوں کے قصے میں جس کفر اور شرک کا ذکر کیا ہے وہ یہی مادی کفر و شرک ہے جس کا ارتکاب حالات کی سنگینیوں کے دوران بھی ہم سے ہوتا رہا۔

مبغوض اقوام کا شیوہ ہم نے ٹھیک ان ہی معذب اور مردود و مبغوض اقوام کا شیوہ اختیار کیا جو عین حالتِ عذاب میں بھی اپنے فکر و عمل کی گمراہیوں کا تدارک نہ کر سکے نہ ایسے حالات میں بھی استکانت آئی نہ رجوع و انابت نہ استغفار و تضرع نہ اعمال پر اشکِ ندامت نہ توبہ کی توفیق نہ اپنے اور اپنے گردو پیش کا احتساب اور موازنہ، بلکہ ہم نے اور ہماری بڑی سے بڑی اونچی ذمہ دار شخصیت وزیر اعظم تک نے جو انداز فکر اختیار کیا وہ یہ تھا کہ بڑی سختی

سے سیلاب کا مقابلہ کیا جائے گا ــــ ہمیں کوئی شکست نہیں دے سکتا ــــ پانی کیا حیثیت رکھتا ہے۔ (مساوات) ہم اس سے نمٹنے کے لئے تمام وسائل استعمال کریں گے۔ (امروز) ہمارے ذرائع ابلاغ بھی مسلسل یہ تلقین کرتے رہے کہ سیلاب کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جائیے۔ کہیں سے بھی اس کے اسبابِ حقیقی، مکافاتِ عمل کے نتائج اور شامتِ اعمال کے ظہور کی طرف قوم کے دل و دماغ کا رُخ پھیرنے کی صدا نہ آئی۔ اور معاشرہ کی حالت کیا تھی؟ اس کی کچھ جھلکیاں پردوں سے چھن چھن کر دیکھی گئیں تو کیسی قبیح اور گھناؤنی، کہ کئی جگہ اپنی بستیوں آبادیوں، املاک و باغات کو بچانے کی خاطر پانی کا رُخ ہرے بھرے شہروں کی طرف پھیر کر انہیں غرق کر دیا گیا۔

عذاب بھی ذریعۂ تفریح راوی کے کنارے اجڑے ہوئے انسانوں کی حالتِ زار دیکھتے ہوئے امراء اور اہلِ دولت کے طور طریقے ایسے تھے کہ پکنک منانے آئے ہوں۔ وہ لٹے پٹے انسانوں سے سستے داموں اشیاء خریدنے کے درپے رہے۔ ڈوبتے ہوئے شہروں اور اس کے مکینوں کے مال و متاع کو لوٹا گیا۔ خالی شہروں میں چوری کا بازار گرم ہو گیا اور یہاں تک کہ اس قوم کے بعض "غیور و جسور فرزندوں" نے طوفان میں گھری ہوئی بہنوں اور بیٹیوں کے اغوا، آبروریزی، عصمت دری اور چھیڑ خوانی میں بھی کوئی کسر نہ اٹھائی۔ بعض کیمپوں میں محصور خواتین نے ایسی دست درازیوں کے خوف سے راتیں آنکھوں میں کاٹیں اور کچھ غلط لوگوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سیلاب کے نام پر چندے اور امداد کا جعلی دھندا شروع کیا۔ اور یہ بھی کہ بھری بستیاں ڈوب رہی تھیں لیکن کئی جگہ مدد کے لئے چیخ و پکار پر کسی نے لبیک نہ کہی، سب کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔ اور اس آسمان نے اپنی کھلی فضاؤں میں حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے انسانوں کے لٹے پٹے قافلوں کے ساتھ ۱۴ اگست کی رات کو کتنی "رقص و سرود" کی محفلیں بھی دیکھیں کہ یومِ آئین کی تقریبات کی منسوخی کے اعلان کے باوجود کئی اعلیٰ حکام نے ہوٹلوں میں رقص و سرود کی محفلوں کی شان و شوکت میں اضافہ کیا۔ جمہور لاہور کی رپورٹ کے مطابق لاہور سے باہر انسان طوفانِ نوح کی لپیٹ میں تھے اور ادھر ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں رقص و موسیقی اور شراب کا سیلاب آیا ہوا تھا ــــ ادھر قدرت کا پیمانۂ صبر چھلک رہا تھا، ادھر قدرت کے یہ

باغی اور سرکش جام پر جام لنڈھا کر اپنے جام کی ہر چھلک سے اس کا مذاق اڑا رہے تھے اور یہ سب ایک "مسلم قوم" کی "اسلامی مملکت" کے "اسلامی آئین" کی خوشی میں ہو رہا تھا۔ شاعر نے ایسے ہی موقعہ پر کہا ہوگا ؎

طوفانِ نوح نے تو ڈبوئی زمین فقط
میں ننگِ خلق ساری خدائی ڈبو گیا

شقاوت کی انتہا کیا یہ سب کچھ اس ارشادِ ربانی کی ہو بہو تصویر نہیں جس میں کہا گیا تھا کہ ولقد اخذناھم بالعذاب فما استکانوا لربھم وما یتضرعون ان کی حالت یہ ہے کہ ہم نے انہیں عذاب کی گرفت میں لے لیا مگر نہ وہ پروردگار کے آگے جھکے نہ ہی عاجزی اختیار کی۔ کیا پاکستان کو سقوطِ بنگال کے واقعۂ ہائلہ اور قیامتِ کبریٰ کے بعد اتنی جلد اتنی بڑی دوسری ہولناک نصیحت کی بھی ضرورت تھی۔ کیا ہماری غفلت موت سے بھی بدتر ہو چکی ہے؟ آئیے اپنے حالات کا محاسبہ کریں اور اپنے طرزِ عمل سے ان سوالات کا جواب مہیا کریں۔ اگر جواب نہیں ملتا تو خدا کی ناطق اور زندۂ جاوید کتاب سے سنیئے: اولا یرون انھم یُفتنُونَ فی کلّ عامٍ مرۃً او مرتین ثم لا یتوبون ولاھم یذکرون ـــ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ انہیں ہر مرتبہ سال میں ایک یا دو مرتبہ ابتلاء اور آزمائش میں ڈالا جاتا ہے لیکن وہ پھر بھی نہ تو توبہ کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں ـــ (ستمبر ۱۹۷۳ء)

خیر و برکت کے معنوی اسباب

مرکزی حکومت کا نیا بجٹ (میزانیہ) ہر لحاظ سے مایوس کن ہے۔ اس کے ظاہری اسباب تو سامنے ہیں، کامیابی اور خیر و برکت کے جو معنوی وجوہات ہوتے ہیں، دین کی اشاعت، اسلامی اقدار کے فروغ اور ملک اور معاشرہ کے اخلاقی اور عملی تطہیر، کیا اس کے لئے اربہا ارب کے میزانیوں میں کبھی ایک پیسہ بھی رکھا گیا ہے۔ دین اور علومِ دین کے بارہ میں

یہی بے اعتنائی موجودہ بجٹ میں بھی موجود ہے۔ مگر کیا قدرت خاموش تماشائی بنی رہے گی؟ نہیں۔ بجٹ بڑھتے رہیں گے، غریبوں کی کمر ٹوٹتی رہے گی، پریشانی، ہیجان، بحران اور معاشی تعطل، گرانی اور کاروبار میں بے ایمانی کا دور دورہ بھی بڑھتا جائے گا۔ کہ مسلمان قوم کا کوئی منصوبہ، اور میزانیہ صرف ظاہری اسباب پر کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک قدرت کی غیبی مدد شاملِ حال نہ ہو ——— (جولائی ۷۸ء)

سُود کے ہولناک نتائج

پاکستانی وزیرِ خزانہ نے قومی اسمبلی میں ایک سوال کے جواب میں کہا کہ پچھلے دس سالوں میں غیر ملکی قرضوں کا سود ایک ارب ۴۳ کروڑ ۸۳ لاکھ روپیہ بنتا ہے۔ یہ سود کی تباہ کاریوں کی ایک ادنیٰ مثال ہے، انفرادی حیثیت سے ہو یا قومی پیمانہ پر سود کا نتیجہ بہرحال استحصال و استعمار، پوری قوم کے افلاس و ادبار اور معاشی لحاظ سے دوسروں کی کاسہ لیسی ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، قومی حیثیت سے تو اس کے اثرات پورے ملک کی اقتصادی اور معاشی بدحالی کی صورت میں اور بھی شدید ہوتے ہیں، اس کے ظاہری فوائد اور منافع اگر کچھ ہوں تو چند روزہ ہوتے ہیں۔ امریکہ کی مثال لیجئے جس نے سود کے بل بوتے پر پوری انسانیت پر غلبہ اور استعمار کی عمارت کھڑی کی، مگر اسی نظام کی بدولت آج اس کا محفوظ سرمایہ صرف آدھا رہ گیا ہے، اور اکثر مغربی ممالک معاشی بحران سے دوچار ہیں۔ کیا اتنے بڑے پیمانے پر اس سے پہلے کبھی ارشادِ خداوندی یمحق اللہ الربوا (اور اللہ تبارک و تعالےٰ مٹاتا ہے سود کو) کی صداقت ظاہر ہوئی تھی۔؟

(مارچ ۷۹ء)

غیر اسلامی معاشی اصطلاحات

صدرِ محترم نے مغربی جرمنی کے انٹرویو نگار کو انٹرویو کے دوران اور پھر طویل حالیہ سفر میں بعض تقاریب میں سوشلزم کے ساتھ مارکسزم کی اصطلاح بھی استعمال کی اور ایسا "مژدہ" سنایا کہ گویا وہ اسلام کے ساتھ اب مارکس ازم کی پیوند کاری بھی کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ظلمت و نور، حق و باطل، مذہب و الحاد، مادیت اور روحانیت کا اجتماع ہر حالت میں ناقابلِ فہم ہے۔ مساوات کے بعد سوشلزم اور اب سوشلزم کے بعد مارکس ازم! ناللہ... سقوطِ مشرقی پاکستان کے بعد کتنے اور "تجربات" کرانے ہیں؟ ان غیر محتاط اصطلاحات اور دعوؤں نے ہمیں کہاں پہنچا دیا پھر عبرت کی نگاہوں کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں کھلتیں کیا ہمارے قلوب بالکل مسخ ہو چکے ہیں؟ اور اللہ کے قانونِ احتساب اور اعمال کی شامت کا ہمیں کوئی احساس نہیں رہا؟ اور ہمیں اس سے بھی بدتر یوم الحساب کا انتظار کرنا پڑے گا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ——— (جون ۷۲ء)

سوشلزم کے دعویدار مگر سود کی وکالت

ہمارے وفاقی وزیرِ خزانہ رانا محمد حنیف صاحب نے بجٹ ۷۵ء پر تقریر کے دوران یہ مژدہ سنایا کہ حکومت "ربا" کو ختم کرنے کے سوال پر غور کر رہی ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ یہ سوال ابھی زیرِ غور ہے کہ موجودہ سود اور سودی نظام "ربا" کے تحت آتا بھی ہے یا نہیں ——— اس کے جواب میں سوائے انا للہ وانا الیہ راجعون کے اور کیا کہا جائے۔ "ربا" کے خاتمہ پر "غور" کا سلسلہ تو اس "عوامی اور اسلامی حکومت" کے قیام سے لے کر اب تک جاری ہے۔ مگر اب تو سرے سے موجودہ سودی نظام کی غیر اسلامی اور

تجبر انسانی حیثیت بھی مشتبہ بنادی گئی اور یہ ان لوگوں کی زبان سے جو دعویدار تو سوشلزم کے ہیں۔ مگر آج وکالت مغرب کے ملعون سرمایہ دارانہ نظام کی سودی معیشت کی کر رہے ہیں یہی لوگ تھے جو دو سال قبل اسمبلی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی سود کی بندش سے متعلق قرارداد کو "بھاری اکثریت" سے مسترد کر چکے ہیں۔ اگر سودی نظام ختم کرنے کی بات ہے تو اس کے لئے نہ تو اندیشہ ہائے دور دراز کی ضرورت ہے نہ شیطان کی آنتوں سے بھی لمبے غور و فکر کی۔ بس ایک مومنانہ جرأت اور ایمان و یقین سے بھرپور پیشقدمی کی ضرورت ہے۔ متبادل راہیں خود بخود آگے بڑھ کر ہمارے قدم چومیں گی۔ (رجب ۹۵ھ)

انفرادی اور شخصی ملکیت

جذبۂ نصح و خیر خواہی کی بناء پر "جماعت اسلامی" سے ایک گذارش کرنی ہے جو کسی قومی و ملی موڑ پر حکمتِ عملی کا سہارا لے لیتی ہے۔ حالانکہ ان کے قائد مودودی صاحب کے الفاظ میں "کسی مقصد کی برتری کے لئے صرف مقصد کا اعلیٰ ہونا کافی نہیں بلکہ اس تک پہنچنے کے ذرائع اور خطوط بھی بے لاگ اور پاکیزہ ہونے چاہئیں"۔ مگر عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ مقصد برآری کی خاطر جماعت نہ صرف یہ کہ طریقِ کار کی صحت کا خیال نہیں رکھتی بلکہ دین کے ایک ایک اصول کو سیاست کے خراد پر چڑھا دیتی ہے۔ اس وقت جماعت اسلامی کا انتخابی منشور سامنے آچکا ہے۔ اس میں زراعت کے عنوان میں زمین کی ملکیت مغربی پاکستان میں سو اور دو سو ایکڑ کے درمیان اور مشرقی پاکستان میں ۰۰ا بگھہ تک محدود کردی گئی ہے اور تمہید میں کہا گیا ہے کہ

"غیر معمولی حالات میں ایسی غیر معمولی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں جو اسلام کے اصولوں سے متصادم نہ ہوں"۔ قطع نظر اس بات کے کہ شریعت کا مذکورہ قاعدہ کن حالات اور کن غیر معمولی تدابیر پر منطبق ہوتا ہے۔ ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ نے نہ تو زمین کے بارہ میں کسی قسم کی تحدید کی ہے اور نہ دیگر اموال و املاک میں انفرادی اور شخصی ملکیت کی کسی قسم کی

حد بندی گوارا کی ہے۔ جائز اور حلال ذرائع سے جتنی بھی ملکیت حاصل کی جائے شریعت نہ صرف اسے جائز بلکہ اللہ تعالےٰ کی ایک نعمت قرار دیتی ہے۔ قرآن و حدیث ایسے نصوص و شواہد سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہم نہ تو حالات کی نزاکت اور وقت کی رو میں بہہ کر ان کی تاویل کر سکتے ہیں اور نہ سوشلزم کا ہوا کھڑا کر کے اس کے ڈر سے اسلام کے کسی مسئلہ میں تحریف اور تجدید کر سکتے ہیں۔ اسلام غیر محدود ملکیت سے نہیں روکتا، البتہ وہ مالک کو اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کا پابند بنا کر ایک خاص منصوبہ بندی کے تحت ملکیت کی تحدید کرتا جاتا ہے، یہ زکوٰۃ و عشر، یہ صدقات اور ہبات اور سب سے بڑھ کر اسلام کا قانونِ میراث تحدیدِ ملکیت نہیں تو اور کیا ہے مگر لامحدود کو محدود بنانے کا یہ منصوبہ قدرت کا بنایا ہوا ہے۔ ہم اس میں اضافہ کر سکتے ہیں نہ کمی، ہم مجرموں اور معاشرہ کی حق تلفی کرنے والوں کا ہاتھ توڑ سکتے ہیں، مگر انہیں کسی حلال کمائی کے ایک پیسہ سے نہیں روک سکتے۔

حکمتِ عملی کی پالیسی ہمیں حالات کا مقابلہ اور خرابیوں کی اصلاح کرنی ہے۔ مگر یہ اصلاح ایسی نہیں کہ دین کے کسی اصول پر قینچی چلا کر فساد کا ایک اور دروازہ کھول بیٹھیں۔ دین کا مسئلہ بہر حال اپنی جگہ رہے گا۔ جماعت اسلامی اسے ہماری ناعاقبت اندیشی سمجھے یا کچھ اور ہم تو اس "حکمتِ عملی" کو بہر حال دین کے لئے زہرِ قاتل سمجھیں گے۔ اگر جماعت اسلامی غیر معمولی حالات کی وجہ سے ۲۰۰ ایکڑ تک زمین کی تحدید کو غیر معمولی تدبیر اور دین کے اصول سے غیر متصادم سمجھتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ کل سوشلسٹ اور کمیونسٹ اسی دلیل سے ملکیتِ زمین کا حق قطعی طور پر چھین کر اسے "غیر معمولی تدبیر" اور دین کے اصول سے "غیر متصادم" قرار نہ دے بیٹھیں، اگر جماعت کی طرف سے دین کے اصول کی کوئی واضح تشریح بھی ہو جائے تو معاملہ صاف ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جب بھی چاہا اس نے کسی چیز کو اصول اور پھر جب چاہا تو "اسلام کے اصولوں سے غیر متصادم" کا فتویٰ لگا کر اسی اصول کو حکمتِ عملی کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ آہ! اصولِ اسلام کی اس بے دردی سے پائمالی۔ جنگِ آزادی میں جمہوریت اور پارلیمانی نظام کو لات اور منات کہا گیا، مگر بعد میں یہی چیز اصل الاصول بن گئی۔ عورت

کی امارت اور حکومت کو ہر حال میں اسلام سے متصادم کہا گیا، پھر یہی چیز وقت کا اہم ترین جہاد قرار پایا، انتخابی جدوجہد کو خلافِ شریعت کہا گیا، پھر یہی مشغلۂ روزگار بن گیا، مقصد کے حصول کے لئے ذرائع کی تقدیس ہر حال میں قائم رکھنے پر زور دیا گیا، مگر پھر اس راہ کی ہر گری پڑی چیز کو گلے سے لگا کر رفیقِ جادۂ منزل بتایا گیا، اور اب مسئلہ ملکیت زمین میں گو (اسے عارضی کہا گیا) ایک ایسا مؤقف اختیار کیا گیا جس کی مخالفت خود عمر بھر کا شیوہ بنا رہا تھا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا معلوم نہیں جماعت کے عمائدین اس نئے اجتہاد اور حکمتِ عملی کی کیا توجیہہ کریں، تاویل جو بھی مگر یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ فلاں فلاں جماعتوں نے بھی ایسا کیا اور فلاں بزرگ نے بھی ایسا کہا ہے۔ اگر ایک چیز کا برائی ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے وزن میں اس بات سے کمی نہیں آسکتی کہ اور لوگ بھی ایسا کرتے ہیں، ایسی بات تو جرائم کی تاریخ میں بھی کسی نے نہیں کہی کہ میں اگرچہ مجرم ہوں مگر یہ تو ایک ایسا جرم ہے کہ ع درشہرِ شمار وز کنند — اور نہ کسی عدالت نے مجرم کے اس مؤقف کو قابلِ تسلیم قرار دیا ہے۔ تعدیل صحابہؓ، اور دیگر علمی وفقہی مسائل اور اب لاہوری مرزائیوں[۱] کے بارہ میں جماعت کا یہی عذرِ گناہ سامنے آچکا ہے۔ مگر غلط بات غلط ہے خواہ اس کا کہنے والا کتنا بڑا آدمی کیوں نہ ہو یہ تو ایک ضمنی بات تھی، اب رہا ملکیتِ شخصی کو سلب کرنا یا اسے محدود کرنا۔

شخصی ملکیت کے شواہد تو جہاں تک اصل مسئلہ انفرادی اور شخصی ملکیت کا تعلق ہے، خواہ املاک منقولہ ہوں یا غیر منقولہ ہوں اسلام نے اسے انسان کا فطری حق بنایا ہے نہ تو اس کی تحدید کی جاسکتی ہے اور نہ عصرِ حاضر کے لادینی اقتصادی نظاموں کے علمبردار اس میں قطع برید کر سکتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے آیت اولم یروا انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا انعاما فھم لھا مالکون میں انسان کی شخصی ملکیت پر مہر ثبت کر دی ہے اور

---

[۱] مولانا مودودی نے ایک مکتوب میں لکھا تھا کہ لاہوری پارٹی کے مرزائی نہ مسلمان ہیں نہ کافر (س)

قرآن کی بے شمار آئتیں اس جملہ فھم لھا مالکون (پس وہ اس کے مالک ہیں) کی تائید کرتی ہیں۔ جو لوگ ان الارض للہ (زمین اللہ کی ہے) قسم کی آیات کو آگے پیچھے سے کاٹ کر اپنے مدعی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہاں متصلاً اللہ نے خود یورثھا من یشاء (وہ جسے چاہے زمین کا وارث بنا دے) یا اس کے ہم معنی الفاظ میں انفرادی ملکیت بیان کر کے ایسے لوگوں کا مذاق اڑایا ہے۔ قل اللّٰھم مالک الملک کے ساتھ توتی الملک من تشاء بھی ہے اور والذین یکنزون الذھب والفضۃ کے ساتھ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ کی قید انسان کی انفرادی مالکیت کا اعلان کر رہی ہے، پھر وہ اسے اپنی ملکیت میں ہر جائز تصرّف کرنے اور اسے اپنی ملکیت سے منتقل کرنے کا حق بھی دیتا ہے۔ چنانچہ بیع، شراء، ہبہ، تملیک، اعتاق، تدبیر، کتابت، اجارہ، اعارہ، مزارعت، وقف، رہن، قرض، صدقہ، وصیت، میراث وغیرہ اس تصرّف کے شواہد عدل ہیں۔ اسی طرح وہ کسی دوسرے مسلمان کے مال و دولت میں ناجائز دست اندازی سے بچنے کو ایمان کی اوّلین علامت قرار دیتا ہے۔ ظلم و تعدی، چوری، ڈاکہ، خیانت، غصب، لوٹ کھسوٹ، جبر و استحصال کو حرام قرار دے کر اسلام انسان کے شخصی ملکیت کا تحفظ کرنا چاہتا ہے۔ وہ یکساں طور پر سرمایہ دار اور غریب دونوں کو ولا تأکلوا اموالکم بینکم بالباطل (ایک دوسرے کے مال کو ناحق نہ کھاؤ) سے مخاطب کرتا ہے۔ الا لا یحلّ مال امرئٍ الّا بطیب نفسٍ منہ (الحدیث) (خبردار کسی ایک کا مال دوسرے کو بغیر اس کی مرضی کے حلال نہیں) "ارشاد نبوی ہے"

سوشلزم کی بنیاد ظلم و استحصال اور مادیت

پس جو لوگ سوشلزم کو تمام معاشی خرابیوں کا مداوا سمجھتے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ اللہ بھیجے ہوئے عادلانہ نظام اسلام کے تمام اصول و فروع کو تہس نہس کرنا چاہتے ہیں، بلکہ وہ لوٹ کھسوٹ اور انسان کے تمام حقوق کی پائمالی و بربادی کا ایک ایسا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں جس میں نہ صرف غریب اپنے رہے سہے سکھ اور چین سے محروم ہو جائے بلکہ پوری قوم چند خونخوار درندوں کی جماعت کے رحم و کرم پر رہ جاتی ہے، اسلام کے مذکورہ تمام اصول کو ایک طرف رکھ کر ایک لمحہ کے لئے فرض کر لیں کہ سوشلزم آجاتا ہے اور وہ پوری قوم کو حقِ ملکیت سے محروم کر کے اللہ کی دی ہوئی تمام دولت

اور وسائلِ معاش کو ایک پارٹی کے حوالے کر دیتا ہے، تو کیا وہ پارٹی انسانیت کو اسکے تمام حقوق دلا دے گی۔ اور کیا وہ پارٹی موجودہ معاشرہ ہی سے ابھر کر سامنے آئی ہوگی یا آسمان سے فرشتوں کی شکل میں اترے گی۔ لیکن اگر اس کی اٹھان اس معاشرہ سے ہو جس کا مشت نمونہ خروار ۳۰۳ بدعنوان افسروں کی شکل میں سامنے آچکا ہے اور اس کا حل و عقد اس بیوروکریسی کے ہاتھوں میں ہو جو فائل کی سطح پر بڑے بڑے پراجیکٹ کھڑے کر کے پھر اُسے نذرِ سیلاب بھی کر دیتی ہے، اور اس طرح کروڑوں روپے ہضم کر کے فائل داخل دفتر کر دیتی ہے — تو خدارا ذرا سوچیئے کہ ایسے لوگوں کا لایا ہوا سوشلزم یا کوئی بھی معاشی نظام انسان کے مال و جان اور اس کے حقوق میں مساوات قائم رکھ سکے گا — ؟ ہرگز نہیں۔ سوشلزم کی بنیاد تاریخ کی مادی تعبیر پر ہے جس میں نہ خوفِ خدا کی گنجائش ہے، نہ محاسبۂ آخرت کی، اور نہ کسی کو تنقید اور نصیحت کی۔

مساوات یعنی مواسات استحصال نہیں احتساب اس کے مقابلہ میں اسلام ہے جو ایک ایسا معاشرہ تعبیر کرتا ہے جو ہر لمحہ اور ہر عمل میں خدا کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، آخرت کا محاسبہ اس کے دل میں رچا بسا ہوتا ہے، ہر فرد کو دوسرے پر ظلم و غصب اور ہر برائی سے روکنے کا پورا حق ہے، اور وہ امیر کو بھی چاہے تو تلوار سے درست کر سکتا ہے، وہ اگر اسلامی قلمرو کے دوسرے سرے پر کسی کتے کے بھوک و پیاس سے مرجانے کی خبر سنتا ہے تو اللہ کے سامنے جواب دہی کے تصور سے تڑپنے لگتا ہے وہ ہر انسان کی بھوک و پیاس کو اپنی حاجت سمجھتا ہے اور جذبۂ ایثار سے خود فقیر رہ کر دوسروں کو اپنی متاع کا مالک بنا دیتا ہے اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام نے معاشی مسائل کی بنیاد مساوات پر نہیں بلکہ مؤاسات پر رکھی، وہ معاشی ناہمواری کو جبر سے نہیں بلکہ ایمان اور یقین کی بیداری سے حل کرنا چاہتا ہے۔ اسلام نے ایسا معاشرہ قائم کیا خلافتِ راشدہ اس کی واضح مثال ہے۔

سوشلزم گھر گھر کا بھیدی دوسری طرف سوشلسٹوں کے طور طریقے تھے، اور جبر و ظلم کی اساس پر ایک ایسی عمارت اٹھائی گئی جو نصف صدی میں دم توڑتی نظر آنے لگی ہے۔ "تاریخ کی اس مادی تعبیر" پر تازہ چانٹا حال ہی میں روس کے سیکرٹری جنرل برزنیف نے یہ کہہ کر رسید کیا

کہ روس میں سوشلسٹ نظام عملاً ناکام ہو چکا ہے۔ اور اس طرح فشھد شاھدٌ من اھلھا کا ایک نمونہ سامنے آگیا ــــ الغرض ہمارے پاس معاشی اور معاشرتی یگانگت کے لئے اسلام جیسا نسخۂ کیمیا موجود ہے، مگر افسوس اور صد افسوس کہ نہ تو ہم نے اسے سمجھا نہ پرکھا اور نہ کبھی آزمایا ومن لم یذق لم یدر۔ ؏

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

سوشلزم عیار لیڈروں کا دامِ فریب ہماری اس بے علمی اور حقیقت سے بیخبری سے موجودہ دور کے ابن الوقت سیاست دانوں نے خوب فائدہ اٹھایا بیچارے عوام اسے اپنی ساری بربادیوں کا تریاق سمجھ کر ان کے پیچھے دوڑنے لگے اور اس حقیقت سے غافل ہو گئے کہ چور اپنی کمین گاہ تک پہنچا کر رہی سہی پونجی سے بھی ہمیں محروم کر دے گا۔ بات ناشائستہ سی ہے مگر مثال خوب چسپاں رہے گی کہ ہمارے علاقہ میں بچے کا ختنہ کراتے وقت عموماً بچے کو اِدھر اُدھر کی بھول بھلیوں میں بہلایا جاتا ہے اور ختنہ کا عین موقعہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں وہ دیکھو سونے کی چڑیا اڑ رہی ہے اور ابھی تیرے قدموں میں ہے۔ بچہ شوق سے نگاہ اٹھاتا ہے اور ادھر اپنے جسم کے ایک حصہ سے محروم۔ تو ہمارے ہاں سوشلزم کی مثال اُسی "سونے کی چڑیا" کی سی ہے جس سے عیار لیڈر خوب خوب فائدہ اٹھا رہے ہیں ــــ (فروری ۱۹۷۰ء)

اسلام اور دیگر معاشی ازم

ریشم میں ٹاٹ کے پیوند

کتنا بڑا ظلم ہے غریب اسلام پر جو غیروں سے نہیں، نام نہاد پیروؤں کے ہاتھوں اس پر ہو رہا ہے۔ جو لوگ "اسلامی سوشلزم" اور "اسلامی کیپٹل ازم" کے نعرے لگا رہے ہیں، وہ اسلام کو ہرگز ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہے ہے۔ یہ محض ان لوگوں کی ذہنی غلامی، احساس کمتری، فکری بے مائگی اور اسلام سے بے خبری کا ثبوت ہے کہ اسلام کی جامعیت اور

ہمہ گیری، اس کی صداقت اور عدالت ثابت کرنے کے لئے اس پر اشتمالیت اور اشتراکیت یعنی بالشوسٹ ازم یا استحصال و سرمایہ داری یعنی بورژوائی کیپٹل ازم کا پٹہ لگا رہے ہیں۔ یہ اسلام کی خیر خواہی نہیں تحقیر ہے۔ ایک "خدائی دین" جو نہ صرف معاشی بلکہ مذہبی، اخلاقی اور معاشرتی ہر لحاظ سے کامل و مکمل "عادلانہ نظام" ہے۔ اس کا رشتہ نہ تو مہاجنی نظام سے جوڑا جا سکتا ہے جس کی بنیاد غریبوں کی خون کی کمائی کے جبری استحصال پر ہو، اس کی ساری رونق سود خواری، ساہوکاری، ذخیرہ اندوزی اور ظلم و استبداد سے ہو اور نہ تو اسلام کی کڑیاں اس نام نہاد سوشلزم سے ملائی جا سکتی ہیں جو محض اس "مہاجنی نظام" کا طبعی ردِ عمل انسانی ذہنوں کی پیداوار اور معاشی بدعنوانیوں کا غیر فطری ظہور ہے۔ جو سلطنت اور سٹیٹ کو رب العالمین کا درجہ دیتی ہے اور زندگی کے میدان میں ہرگز قابلِ عمل نہیں۔ اسلام کی حقیقت سے بے خبر دوستو! کبھی اُس سرخ دیوار کے اندر جھانک کر بھی تم نے اس غیر فطری نظام (کمیونزم) کو دیکھا ہے؟ اُدھر سرمایہ داری کے علمبردار یورپ میں انسانی اقدار کا جو خون ہو رہا ہے کیا تم اس سے بے خبر ہو؟ کیپٹل ازم کا یہ دیس تو آج موت اور خودکشی کے چوراہے پر کھڑا ہے۔ انسانیت وہاں سسک رہی ہے۔ کیا ہمدردی اور اخوت، اخلاقی اور نسلی رشتے وہاں موجود ہیں؟ ان کے معاشی نظام نے انہیں چین و سکون کی دولت بخشی ہے؟ کیا ساری دنیا اس کی معاشی دستبرد سے نالاں نہیں؟ ان سفید فام "درندوں" اور انسان نما "چوپایوں" کی بستی میں انسانیت اور انسانی عظمت او تقدیس کس بری طرح ذلیل و خوار ہو رہی ہے؟ پھر اسلام پر بھی تو ایک نگاہ ڈالو۔ قرآن و حدیث کے جھروکوں میں ذرا جھانک کر تو دیکھو۔ تمہیں توازن و اعتدال، ایثار و محبت، عدل و انصاف، پاسداری حقوق، سکون و اطمینان کی ایک جنت نظیر زندگی نظر آئے گی جو خالقِ کائنات کی "لاہوتی ہدایات" سے جگمگا رہی ہے۔ تمہاری معاشیات و اقتصادیات کا وہ کون سا عقدہ ہے جس کی گرہ اسلام نے نہیں کھولی؟ اور جس کے لئے تم غیروں کی کاسہ لیسی کرتے پھرو اخلاق و معاشی اور مبدء و معاد کا وہ کون سا مسئلہ ہے جس کو اسلام نے الجھا چھوڑا ہو کہ تم اشتراکیت اور سرمایہ داری کے ذریعہ اسے سلجھانا چاہتے ہو۔ اسلام ایک مستقل نظریۂ حیات اور لائحہ عمل رکھتا ہے۔ وہ ایک کامل، معتدل فطری نظام ہے جسے نہ تو سوشلزم سے کوئی نسبت ہے اور نہ سرمایہ داری سے آخر ریشم میں ٹاٹ کے یہ پیوند کب تک لگاتے رہو گے؟

ع چوں نہ دیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

(دسمبر ۶۶ء)

پیٹ اور رزق کا مسئلہ

"پیٹ اور رزق" عصرِ حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ گویا ڈیڑھ بالشت، پیٹ اور معدہ نے پوری دنیا اور اس کی اخلاقی اور دینی اقدار کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ کمیونزم، سرمایہ داری، سوشلزم وغیرہ خوش نما ناموں کے ذریعہ اسے سلجھانے کی سعی کی جا رہی ہے۔ مگر مسئلہ نہ صرف اپنے حال پر قائم بلکہ دن بدن الجھتا جا رہا ہے۔ اگر ایک طرف مغربی سرمایہ دارانہ نظام کا عفریت "انسانیت" کو ہڑپ کر رہا ہے تو دوسری طرف مشرق کی اشتراکیت اپنے حقیقی رنگ و روپ میں سامنے آ رہی ہے۔ جو مساوات کے پردہ میں استحصال، اجتماعی سرمایہ داری اور استبداد و استعمار کے سوا کیا ہے؟ ایک مرکوز اور جابرانہ نظام، زرعی صنعتی غرض انسان کی ہمہ جہتی ترقی میں زبردست رکاوٹ کے سوا اور کیا ہے؟ اشتراکیت یورپ کی غیر فطری معاشیات کا ردِ عمل تھا۔ مگر دم توڑتی ہوئی اشتراکیت کا ردعمل کتنا شدید اور ہولناک ہوگا؟ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ جن لوگوں کی نظر اسلام کے معتدلانہ نظامِ معیشت اور فطری اقتصاد کے بارہ میں بالکل سطحی ہے یا جو اپنی فکری کج روی اور سلامتِ طبع سے محرومی کی بنا پر اسلام کے بارہ میں ارتیابیت یا لاادریت کا شکار ہیں ان کی نگاہیں بھی ان غیر فطری نظامہائے معیشت کی طرف اٹھتی ہیں فکرِ سلیم سے محرومی کی وجہ سے نگاہوں پر جو خول چڑھ گئے ہیں اس کے اندر جھانک کر کوئی مغربی اکتنازیت کو اسلام سمجھ بیٹھا ہے اور کوئی کمیونزم کو اسلام کے معاشی تقاضوں کی تکمیل سمجھ رہا ہے۔ (اکتوبر ۱۹۷۸ء)

یہ ظالمانہ سرمایہ داری نظام

ہم سوشلزم اور اشتراکیت پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں، مگر کیا یورپ کا وہ ظالمانہ سرمایہ داری نظام کسی ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا کیا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے معاشرہ کے

چند افراد کی مترفانہ فضول خرچیوں کے سامنے تو قرونِ مظلمہ کی الف لیلوی داستان بھی ماند پڑ جائے مگر انسانوں کی اکثریت نانِ جویں کے لئے ترستی رہے۔ پڑھئے اور اندازہ لگائیے:۔

"یونان کے ارب پتی اناسس اور ان کی نو بیاہتا بیوی جیکولین نے گذشتہ سال اپنی شادی سے آج تک سات کروڑ سے دس کروڑ تک روپے خرچ کئے۔ امریکی اخبارات نے اپنے اس انکشاف میں لکھا ہے، کہ اناسس کی رہائش گاہوں کی تعداد ۹ ہے۔ ان میں مونٹے کارلو، پیرس، مونٹے ویڈو ٹا، یونان، نیویارک کی رہائشگاہ اور ہوٹلوں کے مستقل کمرے، جہاز کرلیتا اور یونانی جزیرہ اسکورپس شامل ہیں۔ یہ جوڑا ۱۱ لاکھ روپیہ فی ہفتہ کس طرح خرچ کر رہا ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی خاتون جیکولین نے گلائی ماوا کے مکان کی جدید آرائش پر پچاس لاکھ تک روپیہ خرچ کیا ـــــ کاش! مسلمان خلفاء و سلاطین کے محلاتی افسانوں اور عرب شیوخ کے حرم سراؤں کے درونِ خانہ افسانوں کو گھڑنے اور بڑھا چڑھا کر پیش کرنیوالا اعیار یورپ اپنی ایک فاحشہ خاتون کی اس بیرونِ خانہ پرعیش زندگی سے بھی کچھ عبرت لے اسراف و تبذیر کی یہ ایک ادنیٰ جھلک امریکہ کی خاتونِ اوّل کی ہے جہاں کا سب سے بڑا مسئلہ اب بھی وہاں کے ذمہ دار اخبار "ٹائم" کے نزدیک افلاس اور غربت ہے۔"

مسلمان تو کیا دنیا کی ساری اقوام نے مل کر بھی فرومستی اور طبقاتی تفاوت کا اتنا سیاہ مظاہرہ نہ کیا ہوگا۔ یہ سہرا بھی اسی امریکہ کے سر ہے، جو آج انسان کے بنیادی حقوق کا سب سے بڑا دعویدار بن کر انسانی لاشوں پر دندناتا پھر رہا ہے۔

یہ تو معاشی عدم توازن کی ایک مثال تھی، اخلاق اور انسانی اقدار کی پامالی جس بے دردی سے ہو رہی ہے، اس کی کچھ جھلک وہاں کے جنسی اور اخلاقی جرائم کے بڑھتے ہوئے اعداد و شمار سے دیکھی جاسکتی ہے، یورپ خلاؤں میں جتنا بڑھتا جا رہا ہے، اتنا ہی اخلاق اور انسانیت کے لحاظ سے قعرِ ذلت میں گرتا جا رہا ہے۔ اُسے کون سمجھائے کہ انسانی کرامت و شرافت کا معیار تسخیرِ ماہتاب نہیں بلکہ تسخیرِ نفس ہے۔ (اکتوبر ۱۹۶۹ء)

باب ۱۲
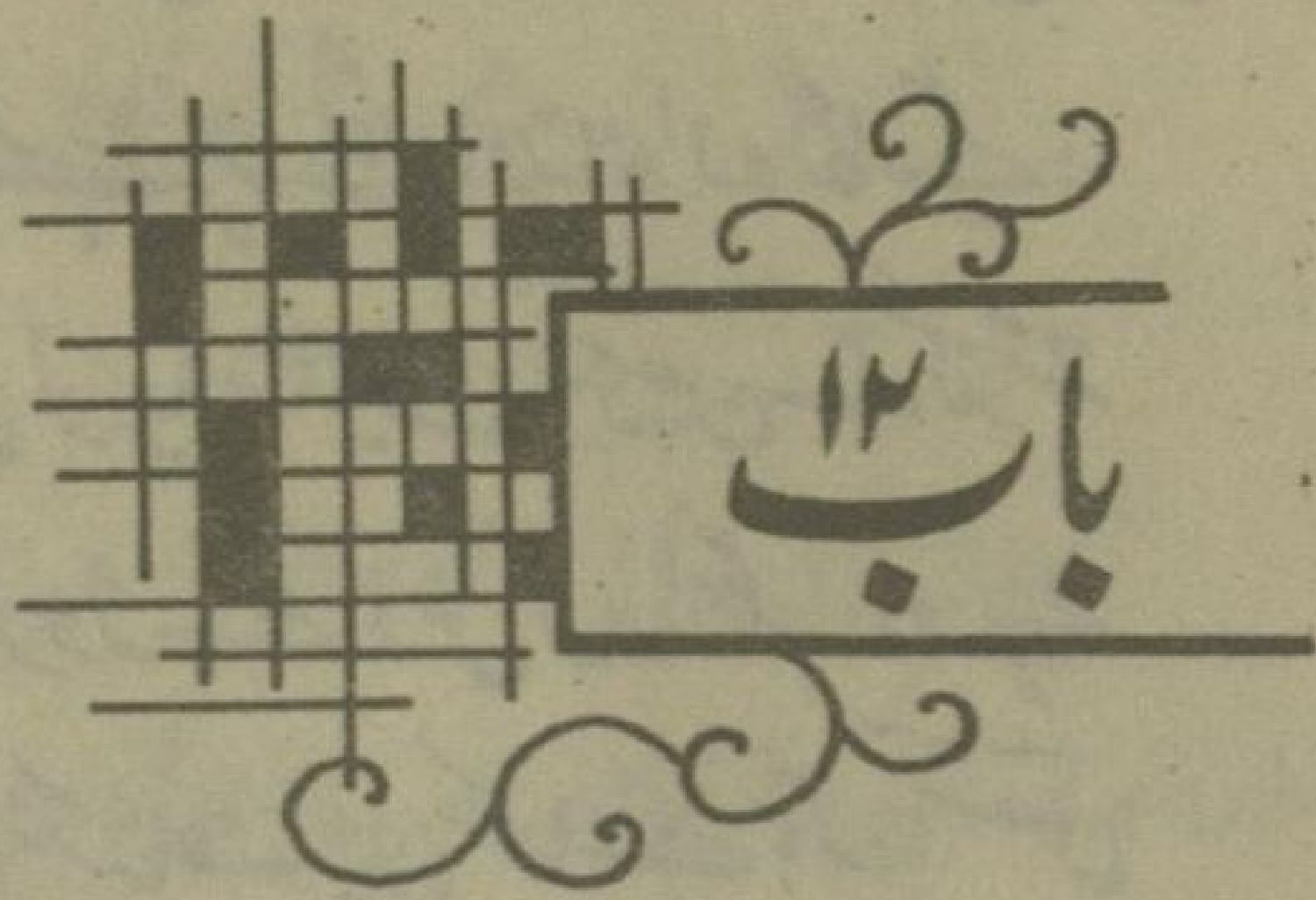
قرآنِ حکیم اور سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اصل وابستگی اور حقیقی یاد

نزولِ قرآن کا حقیقی جشن

اسلامی دنیا آج کل نزولِ قرآن کا چودہ سو سالہ جشن منا رہی ہے۔ قرآن حکیم کی شکل میں نعمتِ خداوندی اور دین کی تکمیل بلاشبہ مسلمانوں پر خداوند کریم کا خاص احسان ہے۔ جس کی وجہ سے اگر زندگی کا ہر لحظہ خوشی سے معمور ہے تو اس کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔ اس نعمت کا بدلہ اور شکر یہ صرف یہی ہے کہ اپنی زندگی کو اس کے احکامات کے مطابق بنایا جائے۔ قرآن کا تقاضا ایک ہی ہے۔ چودہ سو سال قبل بھی یہی پیغام تھا۔ آج بھی ہے اور قیامت تک یہی مطالبہ رہے گا۔ کہ اس سچائیوں اور صداقتوں کا صدقِ دل سے اعتراف کر لو۔ اور پھر اپنی ہر خواہش اور صلاحیت اس کی مرضی پر ڈال دو۔ وہ ہم سے تسلیم تام اور انقیادِ کامل چاہتا ہے۔ اس نے ہمیں مسلمان کا نام دیا ہے۔ یعنی سب کچھ اسی کی مرضی پر قربان کرنے والا۔ یہی قرآن کا جشن ہے، اور یہی اس کی یاد۔ اگر ہماری زندگی اس پر عمل سے خالی ہے تو نرے جشنوں، نعرہ بازیوں اور نمائشوں کی خدا کی بارگاہ میں کوئی وقعت نہیں۔ مگر جو قومیں عمل سے محروم ہو جاتی ہیں وہ ہمیشہ اپنی روح اور اپنے ضمیر کو ان ظاہری فریب کاریوں کا سہارا دینا چاہتی ہیں۔ یہی معاملہ آج قرآن کریم سے ہے، اور ٹھیک حضورؐ کی اس پیشینگوئی کا ظہور ہو رہا ہے کہ قرآن کا صرف نام اور رسم رہ جائے گا ولم یبق من القراٰن الا رسمہٗ ہر چند کہ قرآن کے ساتھ یہ ظاہری تعلق بھی مذہب سے لگاؤ کی علامت ہے اور اس لحاظ سے خوشی کا مستحق۔ مگر حقیقی مسرت تو جب ہونی چاہیئے کہ ہر مسلمان اپنے عمل اور کردار سے قرآن کا جشن منانے لگے۔

قرآن سے انکار مگر جشن میں پیش پیش جشنِ قرآن کی تقریبات میں بعض ایسے افراد اور ادارے بھی حصہ لے رہے ہیں جنہیں قرآنِ حکیم کی چودہ سو سالہ تشریح اور تعبیر سے اتفاق نہیں اور

وہ اسے راسخ العقیدہ گروہ کی روایات پرستی اور رجعت پسندی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اور نئے تقاضوں کی روشنی میں قرآن مجید کی نئی تعبیر کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ اگر انہیں جشن منانا تھا تو کچھ عرصہ انہیں اور انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ تاکہ نزولِ قرآن پر کم سے کم چودہ سو ایک (۱۴۰۱) سال گزرنے کے بعد نئی تعبیرات کا "یک سالہ" جشن منا لیا جاتا۔ اب جب قرآن کی تعبیرات اتنی سخت جان ہیں کہ چودہ سو سال کے طویل عرصہ میں انہیں مٹایا نہیں جا سکا۔ تو ان لوگوں کا ایسے جشن منانا کیا منافقانہ چال تو نہیں؟ انہیں تو دراصل ماتم اور یاس کی محفلیں لگانی چاہیئے تھیں ایسے جشن و مسرت کا حقدار تو وہی راسخ العقیدہ گروہ ہے۔ جسکی انتھک جدوجہد، علمی جانکاہی، دینی ثقافت، خداداد فہم و فراست اور تقویٰ اور تدین کے صدقے اہلِ زیغ والحاد کی دست اندازیوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود قرآن حکیم اپنے معانی اور تشریحات کے ساتھ محفوظ رہا۔ اور جس نے قرآن کریم کے منقول و متوارث مفہوم اور تعبیر کو جان و مال سے زیادہ عزیز سمجھا۔ قرآنِ کریم کی حفاظت جس کا وعدہ ہو چکا ہے۔ دراصل اس کے معانی، تشریحات اور سنت و حکمتِ نبوی ؐ ہی کی شکل میں ہے۔ اگر دین و شریعت کی شکل میں قرآن کے مطالب محفوظ نہ ہوتے اور ہر شخص اسے اپنی من مانی تاویلات اور تعبیرات کا جامہ پہنا سکتا تو صرف الفاظ کی حفاظت کا کوئی فائدہ نہ رہتا۔

قرآن بیزار نصاب تعلیم پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر چوہدری محمد علی صاحب کا یہ بیان پوری قوم کو چونکا دینے والا ہے کہ اس مرتبہ یونیورسٹی کے ٹیچر ٹریننگ سنٹر میں داخلہ لینے کے لئے جتنے مرد اور خاتون امیدوار آئے، ان میں سے ایک کو بھی قرآن مجید کا پڑھنا نہیں آتا تھا۔ ان میں سے بعض نے اپنے والدین کو بھی قصوروار ٹھہرایا، جنہوں نے انہیں اسلامی مبادیات اور قرآنِ مجید کی تعلیم سے کورا رکھا۔

اگر مسلمانوں میں کچھ بھی جذبۂ ملی باقی ہے تو دل ہلا دینے والی یہ خبر لادینی کے تدارک اور تلافی کے لئے کافی ہے۔ اور یہ حالت تو قوم کے اس طبقہ (طلبہ) کی ہے جنہیں مستقبل میں ایک اسلامی ریاست پاکستان کی باگ ڈور سنبھالنی ہے۔ اور جو ثانوی تعلیم گاہوں دہائی اور مڈل سکولوں کے تمام مراحل سے گزر کر تعلیمی فرائض معلمی اور ٹیچنگ کی امیدوار ہے۔

مذہب سے یہ مجرمانہ غفلت جہاں بچوں کے سرپرستوں اور پوری قوم کی دین سے عمومی بیزاری کی دلیل ہے، وہاں یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے، کہ اس خرابی کا بنیادی سبب وہ ناقص اور مذہب بیزار نصابِ تعلیم ہے، جو ہماری عصری تعلیم گاہوں میں رائج ہے اور جس میں زندگی کے بارہ تیرہ سال کھپانے کے بعد بھی قوم کے نونہال اپنی بنیادی کتاب قرآنِ مجید کے ناظرہ تک پڑھنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ چوہدری صاحب کا یہ انکشاف اس حقیقت کا غماز ہے کہ نصاب میں "لازمی دینیات" کے نعرے محض "وزنِ بیت" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چوہدری صاحب کا یہ بیان پوری قوم کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

قرآنِ مجید کا بطور فیشن استعمال

پچھلے سال کی طرح اس دفعہ بھی پشاور میں "جشنِ خیبر" کے نام سے ایک نمائش ہو رہی ہے۔ جس کا افتتاح ڈویژنل کمشنر کی خواہش پر مجلسِ قرأت سے ہوا۔ کمشنر صاحب نے افتتاحی تقریر میں قرآن مجید کے "کتابِ ہدایت" ہونے کا پُرسوز الفاظ میں ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ قرآنِ مجید رہتی دنیا تک انسانی فلاح اور سعادت کا ذریعہ ہے"۔ جہاں تک ان پاکیزہ خیالات اور جذبے کا تعلق ہے۔ اس کی ستائش و تحسین کرتے ہوئے ہم اس شدید درد و غم کو چھپائے نہیں چھپا سکتے، جو ہمیں اس جشن کے پروگراموں کی تفصیلات معلوم ہونے پر ہوا۔ جس تقریب کا افتتاح تلاوتِ قرآنِ پاک سے کیا گیا۔ بعد میں اس کی کئی کئی راتیں موسیقی اور رقص و سرود کے محافل کی نذر ہوئیں۔ حیا سوختہ طوائفیں اسی سٹیج پر عمائدینِ ملک اور ممتاز شہریوں کے سامنے آکر گاتی اور ناچتی رہیں۔ تھرک تھرک کر کلچر اور ثقافت کے نام کو چار چاند لگایا جاتا رہا۔ پہلوانوں کے دنگل ہوتے رہے۔ آرٹ کی نمائش جاری رہی، پورے رقبہ میں سرکسوں باجوں گاجوں کا طوفان برپا رہا۔ پھر ایک ایک سٹال پر مردوں اور عورتوں کا بے تحاشا اختلاط اور ہجوم، غرض عفت و عصمت کا آبگینہ ہر طرح سے چُور چُور ہوتا رہا۔ اور معلوم نہیں یہ سلسلہ مزید کتنے دن تک جاری رہے گا۔ اگر اس تقریب کا مقصد صرف ملک کی صنعتی ترقیات

کی نمائش اور قومی روایات کا ابھارنا ہوتا تو اس کی افادیت میں کسے کلام ہو سکتا تھا؟ جب اس جشن کا ہیولیٰ ان عناصر سے تیار کیا گیا تھا تو کاش اس کا افتتاح بھی قرآنِ مجید سے نہ کیا جاتا۔ جب تک قرآنِ مجید ہمارے عمل و کردار کے ایوانوں سے خارج ہے۔ اور ہمارے دلوں کی دنیا اس کی روشنی سے معمور نہیں اس وقت تک قرآن مجید کا یوں بطور فیشن استعمال دعوتِ ربانی اور حجتِ الٰہی کے اتمام کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور اتمامِ حجت کے بعد ایسی فروگذاشتیں قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیتی ہیں۔

کاش! اس صحیفۂ ہدایت کو ہم واقعی معنوں میں اپنی زندگی کے لئے ضابطۂ عمل اور مینارِ ہدایت بنا سکیں۔ جون ۱۹۶۶ء

مجالس قرأت یا خدائی عدالت

پچھلے دنوں ملک کے مختلف گوشوں میں قرأت کی محفلیں منعقد ہوئیں، قرآن کریم سننے کے لئے مسلمانوں کا ذوق وشوق قابلِ دید تھا، قرآن کا پڑھنا اور سننا افضل عبادت ہے کہ وہ خدا کی آخری کتاب ہے، اب آئندہ کوئی روشنی کوئی دوسرا پیغامِ حیات آنے والا نہیں مشیتِ ایزدی چاہتی ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ خدا کی اس آواز سے محروم نہ رہے تاکہ کل کسی کو عذر نہ ہو کہ ہمیں حق کی روشنی نہ پہنچی۔ کہ وہ کسی کو عذاب نہیں دے گا جب تک یہ پیغامِ رسالت اس تک پہنچا نہ دے ــــ یہ قرأت کا اہتمام ــــ یہ دنیا بھر کے نشریاتی سٹیشنوں سے اس کی اشاعت ــــ یہ خدا فراموش بندوں کی بستیوں میں اس کی تلاوت کے اجتماعات ــــ قدرت کی طرف سے اپنی حجت کا اتمام ہے۔ اس لئے یہ ماسکو سے بھی نشر ہو رہا ہے اور لندن سے بھی، بیکنگ سے بھی سنایا جا رہا ہے اور واشنگٹن سے بھی۔ لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ اس کی قرأت کا یہ عالمگیر انتظام اس منشاءِ ربانی کی تکمیل ہے، کہ کل قرآن ان پر گواہِ استغاثہ بن سکے ان سننے والوں پر جنہوں نے اس کی پُر تاثیر اعجاز اور طرز بیان کا لطف اٹھایا، سارے ماحول کو جگمگایا، مگر دل کی دنیا روشن نہ کی، نہ اس کی روشنی میں اعمال و کردار کو سنوارا ــــ یہ اُن پڑھنے والوں پر بھی حجتِ الٰہیہ ہے جن کے اندازِ بیان پر سارا ماحول پگھل گیا، کائنات تھم گئی، مگر خود ان کے گلوں کے نیچے من کی دنیا میں کوئی اضطراب نہ اٹھا کہ وہ سیرت تو کیا کم از کم صورت کو تو اس کے سانچے میں ڈھال دیتے ــــ یہ قرآن ان علماء و مشائخ کے خلاف استغاثہ ہو گا جو اس کے اسرار و معارف اور لامتناہی رموز و حکم پر سر دھنتے رہے مگر اس کی روح اور تقاضوں کو یکسر فراموش کر بیٹھے ــــ یہ اُن حکام اور امراء کے خلاف حجت ہو گا جنہوں نے ان مبارک مجالس کے انتظام میں بڑی دلچسپی دکھائی مگر اس کے احکام و تعلیمات پر عمل کرنے اور کروانے سے گریز کرتے رہے۔

قرآن کا ہرجائی عاشق یہاں تک کہ چند ہی دنوں بعد انہوں نے انہی شہروں جو قرآن کی آواز سے گونج اٹھے تھے، روسی ثقافتی طائفہ کی رقاصائیں نچوائیں۔ ان کے رقص و سرود کا

اہتمام کیا اور جس کی آفرین وستائش، استقبال وتحسین میں قوم کی اکثریت اور وہ صحافت بھی شریک ہوئی جو دو ہفتے قبل قرآن سے اپنی شیفتگی اور وارفتگی کا اظہار کر چکی تھی ــــ عمل و کردار کے ایسے ہی تضاد کے موقع پر کہا گیا ہے کہ ؎

معشوقِ ما بہ شیوہ ہر کس برابر ست　　　　با ما شراب خورد و بہ زاہد نماز کرد

محفلِ تلاوت یا خدائی عدالت یہ تلاوتِ قرآن کی محفلیں خدائی عدالتیں ہیں۔ اس دور میں مشیتِ ایزدی نے پوری دنیا کو اس کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے، تاکہ وہ "مالکِ یوم الدین" قیامت کے دن اتمامِ حجت کے بعد اپنا فیصلہ سنا سکے اور قرآن کا استغاثہ اس کو سن کر ٹھکرانے والوں کے خلاف ظاہر ہے ــــ یا رب[1] ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجوراً (الآیۃ)

وقال علیہ السلام ان اللّٰہ یرفع بھذا الکتاب اقواماً ویضع بہ آخرین[2] (مالک عن نافع عن ابن عمرؓ) ــــ وقال انسؓ بن مالک رُبّ تالٍ للقرآن والقرآن یلعنہ[3] (احیاء العلوم ج ۱ ص۲۸۱) ــــ وقال علیہ السلام اقرأ القرآن ما نہاک فان لم ینہک فلست تقرؤہ[4] (احیاء العلوم ج ۱ ص۲۸۱) ــــ وقال علیہ السلام ما آمن بالقرآن من استحل محارمہ[5] (احیاء العلوم ج ۱ ص۲۸۱)

(ج ۲۔ ش ۶، مارچ ۱۹۶۷ء، ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ)

---

[1] رسول بارگاہ رب میں شکایت کرے گا کہ میری قوم نے اس قرآن کو پسِ پشت ڈال دیا تھا۔ [2] حضورؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے بعض اقوام کو بلندی دیتا ہے اور اسی کتاب کو بعض اقوام کے ہلاکت وزوال کا موجب بناتا ہے [3] حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایک شخص تلاوت کرتا ہے اور قرآنِ کریم اس پر لعنت بھیجتا ہے [4] قرآن جب تک تمہیں برائیوں سے روکتا ہے تو تُو واقعی اس کی تلاوت کرتا ہے اگر ایسا نہیں تو تلاوت بھی تلاوت نہیں ہے [5] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن کے محرمات سے حلال چیزوں کا برتاؤ کیا وہ درحقیقت قرآن پر ایمان نہیں لایا۔

سیرت کی اہمیّت اور جامعیّت

رسولؐ اور امّت کے باہمی حقوق

سیرت طیبہ کے ایک اجتماع میں کی گئی تقریر جسے ٹیپ سے من وعن ضبط کیا گیا ہے

یا ایھا النبی انا ارسلناک شاھداً و مبشراً ونذیراً وداعیاً الی اللہ باذنہٖ وسراجاً منیرا۔ لتومنوا باللہ ورسولہٖ وتعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃً واصیلاً۔ وما ارسلناک الا رحمۃً للعالمین۔

محترم بھائیو! آج اس تقریب کی شکل میں ہم سرورِ کائنات رحمۃٌ للعالمین کی بارگاہ اقدس میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہیں۔ اور یہ خراجِ عقیدت کیا چیز ہے؟ اگر آج کے دن محمدِ عربیؐ کے ایک ارب غلام مل کر اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیں اور سب کے سب حضورؐ پر نثار ہوں تب بھی حضورؐ کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔

سیرت کی وسعت اور ہمہ گیری محترم دوستو! آج ہم اس تقریبِ سیرت میں نبی کریم علیہ السلام کی سیرتِ مطہرہ کے بارہ میں کچھ کہنے کچھ سننے کے لئے جمع ہوئے ہیں اور میں حیران ہوں کہ حضور نبی کریمؐ کی سیرتِ مطہرہ کے بارہ میں اس مختصر وقت میں محدود علم کے ساتھ کیا کہوں۔ اور یہ تو وہ مقام اور موضوع ہے، جہاں جنیدؒ و شبلیؒ اور عطارؒ و جامیؒ کی سانس رک جاتی ہے۔ اور جہاں امام رازیؒ اور امام غزالی جیسے بزرگانِ امت بھی محوِ حیرت ہو جاتے تھے۔ تو ہم سب مل کر بھی حضورؐ کی سیرت بیان کرنا چاہیں تو کچھ بھی حق ادا نہیں ہو سکتا ؎

دفتر تمام گشت و بپایاں رسیدٔ عمر　　ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

ہمارے سامنے حضورؐ نے ایک پورا نظام رکھ دیا ہے جسے اسلام سے، دین سے، شریعت سے، اور سیرتِ مطہرہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم اور سنتِ نبویؐ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور ان تمام باتوں کا اگر خلاصہ کسی لفظ میں نکل سکتا ہے تو وہ ہے سیرت۔ اب ایک طرف شریعتِ اسلامیہ کی جامعیت، ہمہ گیری، تعلیمات نبویؐ کی وسعت، قرآن کریم کا اعجاز

عالمگیری اور ہمہ گیری، ان ساری چیزوں کو سامنے رکھ کر کیا کوئی مختصر وقت میں ہزرواں لاکھواں حصہ بھی بیان کر سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ ام المؤمنین سے کسی نے دریافت کیا کہ حضورؐ کے اخلاق مبارکہ کیا تھے؟ فرمایا: کہ تم قرآن کریم نہیں پڑھتے وکان خلقه القرآن۔ حضورؐ کی سیرت وحالات حضورؐ کے اخلاق، یہ سارے کے سارے تو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ الٓمٓ سے والناس تک قرآن حضورؐ کی سیرتِ مطہرہ ہے۔ اب قرآن کیا ہے؟ فرمایا۔ لا ینقضی عجائبہٗ۔ اس کے مضامین اس کے علوم ومعارف قیامت تک ختم نہیں ہو سکتے۔ چودہ سو برس سے صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ کرامؒ، علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء طرح طرح سے اس کی شرح وتفسیر کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہر نیا مفسر اس بحرِ مواج سے وہ وہ نکتے اور موتی نکالتا ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے کہ چودہ سو برس میں اس نکتہ کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا۔ اس کے علوم ومضامین قیامت تک کے لئے چیلنج بنے رہیں گے۔

جامع کامل اور لافانی اسوہ اب جب قرآن حضورؐ کی سیرت ہے تو حضورؐ کی سیرت بھی اپنی ظاہری و باطنی وسعتوں کے باوجود قیامت تک مشعلِ راہ بنائی گئی۔ اب قیامت تک ہزاروں سال ہیں۔؟ لاکھوں کروڑوں سال ہیں۔ خدا کے علم میں ہے۔ تغیرات، تبدلات، انقلابات آتے رہیں گے، تہذیب اور تمدن بدلتے رہیں گے۔ علوم میں، سائنس میں، انکشافات میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ اور یہی سیرت ہی رہنمائی کرے گی۔ حضورؐ کا لایا ہوا قرآن ہی رہنمائی کرتا رہے گا۔ اور انبیاء کرام کی سیرتیں محدود مدتوں کے لئے مشعلِ راہ بنائی جاتیں سو سال، دو سو سال، پانچ سو سال، ہزار سال تک امتوں کی رہنمائی کرتی تھی۔ مگر جو قیامت تک نبی بنا کر بھیجا گیا جو عرب وعجم جو افریقہ اور جو ایشیا کے لئے اور جو کالے اور گوروں کے لئے اور جو ہر دور ہر زمانہ کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا، ان کی سیرت کے ارتقائی پہلو کا کوئی حد وحساب ہو سکتا ہے؟ آسمانوں پر انسان پہنچنے کی کوشش کرے گا، ستاروں پر کمند ڈالے گا، چاند کو مسخر کرے گا سورج پہ کمند ڈالنے کا سوچے گا۔ یہ سب کچھ ہونا تھا آپؐ کے بعد۔ اور جب علم وفن اور انکشاف کے ایسے دور آنے تھے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ کی سیرت ہر لحاظ سے جامع اور مکمل کیوں نہ بنائی جاتی۔ اسی

لئے تو فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔

تعلیماتِ الٰہی کا جو سلسلہ حضرت آدمؑ سے چلا تھا۔ تو آج نواسیس نبوت کی تکمیل ہو گئی۔ اور خداؑ نے حضورؐ اور ان کی تعلیمات اور سیرت کے ذریعہ اپنی نعمتیں مکمل فرما دیں۔ اب کسی اور سیرت کی ہرگز ضرورت نہیں اس لئے ساری سیرتیں خدا نے معدوم کر دیں اور ایک ہی سیرت کو مکمل و محفوظ بنا دیا۔ کسی اور کتاب ہدایت کی ضرورت نہیں، اب کوئی دوسرا نسخۂ فلاح و نجات نہیں آئے گا۔ تو جن چیزوں سے خدا نے نعمتوں کی تکمیل فرما دی، اس کی تعبیر آپ سیرت سے کریں، قرآن و سنت سے کریں، شریعت سے کریں، اسلام اور دین سے کریں تو کر سکتے ہیں۔

قرآن مجسّم | تو جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا خوب فرمایا کہ حضورؐ کو قرآن مجسم بنا کر اللہ تعالےٰ نے ہمارے سامنے رکھ دیا آلمٓ سے والناس تک کتابی قرآن تھا۔ تو حضورؐ چلتا پھرتا قرآن بنے، زندۂ جاوید اور متحرک قرآن، بولتا ہوا قرآن۔ کیوں؟ اس لئے کہ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر ہے۔ اور جو آیات ذات و صفات سے تعلق رکھتی ہیں وہ نبی کریمؐ کے عقائد ہیں۔ جو آیات حلال و حرام اور احکام سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کے اعمال اور قوانین ہیں۔ جو آیات حسنِ خلق سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کا حسنِ معیشت ہیں۔ جو معاملات سے متعلق ہیں وہ آپؐ کا حسنِ معاشرت ہے۔ جو آیات توجہ الی اللہ، انابت الی اللہ، روحانیت اور تصوف سے تعلق رکھتی ہیں وہ حضورؐ کی خلوت ہے۔ جو آیات انبیاء کے قُرب، قربانیوں اور کمالات سے متعلق ہیں وہ حضورؐ کی عبدیت ہے۔ جو آیات خشوع و خضوع سے متعلق ہیں وہ حضورؐ کی شانِ عبدیت ہیں۔ جن آیات میں دعوت الی الخلق، تہذیبِ نفس، تربیتِ اخلاق کا ذکر ہے وہ حضورؐ کی جلوت ہیں۔ جن آیات میں خلافت و حکومت کا ذکر ہے وہ آپؐ کی سیاست ہے۔ جن آیات میں کفر و باطل کی کشمکش کا ذکر ہے وہ حضورؐ کا جہاد ہے۔

الغرض قرآن حکیم کی زندہ اور عملی تفسیر حضورؐ نے اپنی ذات کی شکل میں پیش کر دی۔ لقد کان فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃٌ۔ آپؐ کی سیرت کے بغیر نہ ہمیں قرآن کام دے سکتا ہے نہ ہم اچھے بُرے کی تمیز کر سکتے ہیں۔

ضرورتِ نبوت | نبی نہ ہوتے تو بڑے بڑے عقلاء اور فلاسفہ کو ہدایت کے راستے معلوم نہ ہو

سکتے نہ سائنس اور مشاہدہ سے منطق اور فلسفہ سے انسان کی رہنمائی ہو سکتی۔ خدا نے فرمایا کہ:
وقضیٰ ربك الّا تعبد والّا ایاہ۔ تمام انسانوں کو اللہ کی مخلوق کو صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ کسی مخلوق کے آگے سر نہیں جھکانا ہے۔ عبادت، بندگی اور پرستش کی مستحق صرف ایک ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ ہوگی۔ اب عبادت کا مقصد؟ اس کی حقیقت کیا ہے، طریقے کیا ہیں، یعنی کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے معبود خوش ہوتا ہے اور وہ اس کی پسندیدہ ہیں کچھ ناپسندیدہ۔ کچھ کاموں سے وہ راضی ہوتا ہے، کچھ کاموں اور باتوں سے ناخوش۔ پہلے کو مرضیات کہیں گے، دوسرے کو نامرضیات تو ایک صورت تو یہ تھی کہ خداوند تعالیٰ گھر گھر، گلی گلی، کوچے کوچے اعلان کرتے پھرتے کہ ان باتوں سے خوش ہوتا ہوں اور ان باتوں سے ناخوش۔ اور دنیا کا ایک معمولی حکمران مختصر دائرے کا افسر بھی ایسا نہیں کرتا کہ ہر شخص کے پاس چل کر اپنی مرضیات اور نامرضیات بیان کرتا پھرے۔ بلکہ ایک اعلان جاری ہوتا ہے، فرمان جاری ہوتا ہے بادشاہ کی طرف سے اور وہ سب کے لئے برابر ہوتا ہے یا دوسری صورت یہ ہوئی کہ ہر شخص یہ کہتا کہ میں خود نبی کے بغیر خدا کی پسند اور ناپسند معلوم کر لیتا ہوں اس کی کوئی صورت بھی نہیں تھی ہم انسانی عقل کی ٹکریں آئے دن دیکھتے رہتے ہیں۔

ایک شخص حقیر اور فانی انسان خدا کی مرضیات خود کیسے معلوم کر سکتا ہے۔ آج ہم اپنے بنی نوع انسان کے بہت قریب ہو جائیں، اٹھنا بیٹھنا، رہنا سہنا سب کچھ ہوتا ہو مگر یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کن باتوں سے خوش کن باتوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ جب تک وہ خود اظہار نہ کر دے۔ ایک دوست مہمان بن کر آتا ہے آپ اس سے معانقہ کر لیتے ہیں، دل سے دل ملا لیتے ہیں۔ مگر آپ یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ وہ کون سے کھانے پینے اور کون سی چیز کا خواہشمند ہے۔ کن باتوں سے ناراض ہوگا کن چیزوں سے خوش۔ تو اللہ تعالےٰ کا پسند و ناپسند جو رب العالمین واجب الوجود ہے اور انسان ایک فانی مخلوق کیسے معلوم کیا جا سکے گا۔

تو خدا ہر ایک کے ساتھ نہ تو دل ملا سکتا ہے نہ خدا ہر ایک کے ساتھ بات کرتا پھرے گا، نہ خدا ہر گلی کوچے میں ہر ایک کو بتاتا پھرے گا کہ ان باتوں سے خوش اور ان سے ناخوش ہوتا ہوں نہ ہماری عقل میں اتنی طاقت ہے کہ خدا کی پسند اور ناپسند ہمیں معلوم ہو۔ اب اس کے

اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا کہ خداوند قدوس ایک نبی کو بھیج کر کسی ذاتِ مقدس کو منتخب کرکے اس کو اپنی مرضیات اور نامرضیات سے آگاہ کرے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا نے منتخب کیا نبوت، رسالت اور وحی کے ذریعہ اپنی مرضیات سے آگاہ کیا۔ نماز سے، روزہ سے، زکوٰۃ اور حج سے خوش ہوتا ہوں، اتحاد و اتفاق اور محبت سے خوش ہوتا ہوں۔ جوا سے، شراب سے، مارنے پیٹنے سے، باہمی شر و فساد سے ناراض ہوتا ہوں۔ یہ مرضیات اور نامرضیات سب کے سب نبی کریمؐ کے ذریعہ سے انسانوں کو معلوم ہو سکتے ہیں۔

اس ذاتِ مقدس کو خدا نے چن لیا تھا۔ اب اس نے جو کچھ کیا وہ اس بات کی دلیل ہے کہ خدا ان کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ اور جن باتوں سے منع کیا جن سے گریز کیا وہ اس بات کی دلیل کہ خدا ان کاموں سے ناراض ہوتا ہے۔ تو حضور اقدسؐ کے اقوال و افعال، حرکات و سکنات، حضورؐ کی تقاریر، یہ سب کچھ سیرت اور شریعت کہلائیں گے۔ اب وقضیٰ ربك الا تعبدوا الا ایاہ۔ آیتِ کریمہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ آپ کو نبی کریمؐ کے اقوال و افعال اور حرکات و سکنات کو دیکھ کر عبادت کے طریقے اختیار کرنے ہوں گے۔ مرضیات پر چلنا اور نامرضیات سے بچنا چاہو تو آپ کے لئے ایک ماڈل، ایک نمونہ، ایک اسوۂ حسنہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی ذات ہے ——— تو شریعت اور سیرت اتنی ہمہ گیر اور جامع چیز ہے کہ سیرت کا بیان گویا پورے اسلام، پوری شریعت اور پورے قرآن و سنت کا بیان کرنا ہوا۔ اور یہ کسی کے بس کی بات نہیں۔

زمانۂ بعثت نبویؐ | مختصراً اتنا عرض کرنا ہے کہ حضورؐ نے کیسے کیسے حالات میں اپنی سیرتِ مقدسہ کے ذریعہ انقلاب پیدا کیا اور دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور حضورؐ نے دنیا کو کن طریقوں سے تبدیل کیا، تہذیب و تمدن اور یہ شرافت پیدا کی۔ بعثت کے وقت آپ عرب کو، عجم کو، ہند کو، چین کو، یورپ کو دیکھ سکتے ہیں۔ یعنی دنیا کی حالت ایسی تھی کہ گویا ایک عظیم الشان محل جس کی ہر چیز اپنی جگہ سے ہٹ گئی ہو اور کچھ ظالموں نے ہر چیز الٹ پلٹ کر رکھ دی ہو۔ سونے کے کمرے کا سامان لیٹرین میں ہو، لیٹرین کا سامان سونے کے کمرے میں رکھ دیا گیا ہو۔ گویا ہر چیز اپنے محل اور اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی اور اس طرح انسانوں کے ہاتھوں خدا کی کائنات

ظلم و وحشت اور بربریت سے بھر گئی تھی۔ اب حضورؐ نے آکر کیا کیا؟ ہر چیز کو اپنی اپنی جگہ پر سیٹ کر دیا۔ ہر چیز کو اس کا اصل مقام دے دیا۔

اور دنیا میں ہر طبقہ کے کچھ حقوق ہوتے ہیں ہم میں سے ہر ایک پر ایک دوسرے کے کچھ حقوق ہیں۔ بیٹا ہے تو اس پر باپ کے حقوق، باپ ہے تو اس پر اولاد کا حق کہ اس کی اچھی پرورش کرے، والدین کا حق یہ ہے کہ اولاد اس کے آرام و راحت کا خیال رکھے، اس کے احسانات کا بدلہ دے۔ شاگرد کا استاد پر حق، ہر استاد کا شاگرد پر، رعیت کا حاکم پر حاکم کا رعایا پر حق ہے۔ کوئی طبقہ انسانوں کا ایسا نہیں کہ دوسرے کے حقوق اس سے وابستہ نہ ہوں اور وہ فارغ البال ہو۔

رسول اور امت کا رشتہ آج یہی کوتاہی ہے کہ ہر شخص صرف اپنے حقوق کو دیکھتا ہے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے۔ لیکن یہ نہیں سوچتا کہ ہم پر بھی کسی کا حق ہے اور کچھ فرائض بھی ادا کرنے ہیں۔ اسی طرح رسول اور امت کا رشتہ ہے۔ ان کے بھی ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ رسول کو خدا نے امت کے پاس بھیجا تو امت کے کچھ حقوق ہیں رسول پر۔ اور خدا نے وہ حقوق رسول کے ذمہ لگا دیئے ہیں کہ یہ حق امت کا پورا کرنا ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں رسول کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ یہ نہیں کہ رسول تو تمام حقوق پورے کر کے چلا گیا اور امت پر کوئی حق نہیں ـــ تو امت کا رسول پر یہ حق تھا کہ وہ اسے ہلاکت کی گہرائیوں سے نکال دے امت کو ظلمتوں سے نکال کر صراطِ مستقیم پر ڈال دے اور ہلاکت کی بجائے نجات دے دے۔ اچھے اور برے کی تمیز سکھا دے۔ کیا حضورؐ نے یہ حق پورا کیا یا نہیں؟

رسولِ کریمؐ اور امت کے حق کی ادائیگی تو آپ میں سے سب کو معلوم ہے کہ نبیؐ نے ہمارا، امتوں کا، بنی نوع انسان کا حق ایسے اچھے طریقے سے پورا کر دیا کہ اس طرح دنیا میں، کائنات میں کسی نے نہیں کیا، نبوت و رسالت کی ادائیگی اور دعوت کا کام جس انداز میں حضورؐ نے کیا کسی نبی نے اتنا نہیں کیا ہوگا۔ اوذیت فی اللہ مالم یوذ احد۔ امت کے غم میں ایک ایک انسان کے غم میں حضورؐ دن رات روتے رہتے، درد و سوز میں رہتے، ایک عجیب بے چینی اور گھٹن کی سالت طاری ہو جاتی۔ خدا نے کہا کہ: ولعلک باخع نفسک علیٰ آثارھم۔ میرے محبوب کیا تو غم کے مارے اپنے آپ کو مارنا چاہتا ہے، تیرا تو گلا اس غم سے گھٹ جائے گا اس بوجھ تلے

احساس کی وجہ سے کہ انسانوں کا کیا ہوگا، امت کا کیا ہوگا، کیسے خدا کے در پر آئیں گے، ایسی حالت ہوگئی جیسے کسی کا گلا گھونٹ دو۔ اس کو عربی میں باخعٌ کہتے ہیں۔ فرمایا کہ تو نے تو فریضہ ادا کر دیا کچھ احساسِ غم میں کمی پیدا کرو۔ فریضہ کی ادائیگی تو فرمادی آپؐ نے اور فرمایا: انا ارسلناك شاهداً ومبشراً ونذيراً وداعياً الى الله باذنه وسراجاً منيرا۔ ہم نے تمہیں بشیر بنا کر بھیجا، ڈرانے والا، اللہ کی طرف پکارنے والا، اور ایک روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

چراغ سے تشبیہہ | چراغ سے تشبیہہ دی، تو چراغ کیا کرتا ہے۔ وہ ظلمتوں کا دشمن ہے۔ وہ رات کی ظلمتیں اپنی ضیاء باریوں سے منور کرنا چاہتا ہے۔ وہ جلتا رہتا ہے، کڑھتا رہتا ہے۔ اپنی توانائی جب تک ختم نہ ہو۔ تیل سارا ختم نہ ہو، بتی میں ذرا بھی سکت باقی ہو چراغ جلتا رہے گا۔ سورج سے بھی تشبیہہ دی گئی ہے کہ مراد سراج سے سورج ہی ہے وجعلنا الشمس سراجاً وهاجا۔ آپؐ آفتابِ نبوت ہیں مگر تعبیر یہاں سراج سے اسی لئے کی گئی کہ ع

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

تو چراغ سے تشبیہہ میں عجیب فصاحت و بلاغت ہے و تو نبیؐ کریم اپنی ضیاء باریوں سے تاریکیاں مٹاتے رہے ایک درد و سوز میں مبتلا رہتے کہ کسی طرح اس جاہلیت کی ظلمتیں مٹ جائیں اور سپیدۂ سحر جب تک طلوع نہ ہوا اس وقت تک اپنے کام میں وقفہ اور آرام نہیں فرمایا امت کے لئے رات بھر کھڑے روتے رہے۔ حدیث میں ہے کہ ایسی حالت ہو جاتی کہ — له ازيزٌ كازيز المرجلٖ۔ سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی تھی جیسے ہانڈی جوش مارتی ہو، رونے کی، کڑھنے کی، امت کے بارہ میں ایسی حالت ہو جاتی۔

انسانیت کا نجات دہندہ | خود فرمایا کہ میری اور آپ کی مثال ایسی ہے کہ ایک بہت بڑا لاوا دہک رہا ہو۔ اور یہ انسان پروانوں کی طرح آ آ کر اس آگ میں کود رہے ہوں۔ جیسا کہ اب ہم اپنے اچھے اور برے کو نہیں پہچانتے اپنی ہلاکت اور نجات کو نہیں سمجھتے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں ایک ایک انسان کو پیچھے سے آ کر پکڑنا چاہتا ہوں وانا آخذٌ بحجز كم کمر سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا ہوں۔ وانا انقذ كم منها۔ اور یہ اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ،

کنتم علیٰ شفا حفرۃ من النار فانقذ کم منھا۔ تم تو آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ گئے تھے۔ کوئی نجات کا راستہ نہیں تھا۔ خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ نجات دی۔ آپؐ ایک ایک کے پاس گئے۔ اپنوں کے پاس، غیروں کے پاس، رشتہ داروں کے پاس گئے، ابو طالب اپنے چچا کو وفات کے وقت بھی کہا کہ میرے چچا میرے کانوں میں چپکے سے لا الٰہ الا اللہ کہہ دے کہ میں قیامت کے دن تیری سفارش کر سکوں۔ اپنی بیٹی فاطمہؓ کو کہا یا فاطمۃ انقذی نفسک من النار۔ اپنی جان کو آگ سے خود بچالے، بیویوں کے پاس بچوں کے پاس گئے۔

اُمت کی فکر ایک ایک فرد کی فکر ہے، امت کی فکر ہے، ایک حدیث میں ہے کہ ایک رات نماز میں یہ آیت تلاوت فرمائی ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک عزیز حکیم۔ تو صبح تک یہی آیت دہراتے رہے۔ جو خدا سے ایک خاص انداز میں رحم اور مغفرت کی درخواست ہے، کہ اگر تو ان انسانوں کو عذاب دے، آگ میں ڈالے تو ڈال سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب تیرے غلام ہیں، تیرے بندے ہیں۔ بندہ مالک کے سامنے کیا کر سکتا ہے۔ لیکن اگر تو ان کو بخش دے تو بے شک کوئی تیرے آڑے نہیں آسکتا۔ تو عزیز ہے، اپنے ارادوں کو پورا کر سکتا ہے کوئی روک نہیں سکتا اور تو حکمتوں والا ہے۔ تو حضورؐ رات بھر اس آیت کو رو رو کر دہراتے رہے اور خدا سے امت کے لئے مغفرت کی طلب فرماتے رہے۔ کہیں سُنا کہ جلسہ ہو رہا ہے، کہیں میلہ لگا ہوا ہے، کہیں مجلس میں لوگ جمع ہیں، وہاں پہنچ گئے۔ لوگوں کے گالی گلوچ کی پرواہ نہ کی، پتھروں کی پرواہ نہ کی۔

طائف کا واقعہ طائف کا واقعہ تو معلوم ہے کہ کس کس طریقہ سے اللہ کے رسولؐ نے حق ادا کیا۔ طائف جاتے ہیں جو حجاز کا گرم مقام ہے، خاص موسم میں عمائدین ملک، قوم کے بڑے بڑے جمع ہوتے تھے۔ ایک خادم حضرت زیدؓ کو ساتھ لے کر طائف پہنچے ایک ایک مجلس میں، بیٹھک میں گئے۔ لا الٰہ الا اللہ کی دعوت پیش کرتے رہے۔ ہر جگہ طعن و تشنیع کی بوچھاڑ ہوئی، لوگ مذاق اڑاتے۔ ایک بدبخت عبد یالیل نے تو حد کر دی مذاق کی، اور کہا کہ اپنے میلے کچیلے

کپڑوں کو تو دیکھو نبوت کے لئے خدا کو وہ شخص ملا جس کے پاس سواری کے لئے ایک گدھا بھی نہیں، اور وہ پیدل پھرتا ہے۔ شہر کے غنڈے اور اوباش پیچھے لگا دیئے اور حضورؐ پر پتھراؤ کیا کیا گیا۔ مگر وہ کہتے رہے کہ یاایھا الناس قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ۔ ادھر سے صرف یہی دعوت تھی کہ کوئی معبود نہیں سوائے رب العالمین کے، ادھر سے بوچھاڑ ہوتی حضرت زیدؓ خادم خاص ساتھ ہیں فرماتے ہیں کہ جسم لہولہان ہو گیا اور جوتے مبارک خون سے بھر گئے اس حالت میں حضورؐ کو شہر سے نکالا گیا۔ یہاں تک کہ سر کے بل گرا دیا گیا۔ حضرت زیدؓ نے حضورؐ کو اٹھایا، ایک پہاڑی موڑ قرون الثعلب تک اٹھا کر لے آئے وہاں ایک باغ تھا، جا کر حضورؐ کو وہاں لٹا دیا۔ حضورؐ کو ناتوانی اور خون نکلنے کی وجہ سے بے ہوشی آگئی!

صبر و تحمل کے سمندر میں طوفان حضرت زیدؓ نے پانی وغیرہ ڈال دیا، جسم مبارک دھویا اور آپؐ کو کچھ ہوش آیا، آنکھیں کھولیں تو اپنی بے کسی اور اپنی امت کے ہاتھوں سب کچھ جو حضورؐ پر گزر رہا تھا اس کا خیال آیا اور وہ جو صبر و تحمل کے سمندر تھے، لیکن آج آخر اس سمندر میں طوفان آہی گیا۔ اور خدائے ذوالجلال کے سامنے صبر و شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوٹ تو حضرت زیدؓ نے اس طوفان کے چند قطرے نقل کئے ہیں جو کتابوں میں محفوظ رہ گئے ہیں۔ ورنہ کیا کچھ حضورؐ نے اللہ سے مناجات کی ہو گی۔ کیا راز و نیاز ہوا ہو گا۔ کیا شکوے اور شکایات ہوئے ہوں گے۔ اس طوفان کے چند قطرے حضرت زیدؓ نے نقل کئے ہیں کہ حضورؐ نے ہوش میں آنے کے بعد فرمایا: اللّٰھم الیک اشکو بثی وحزنی وھوانی علی الناس۔ اے اللہ تو دیکھ رہا ہے میری پراگندہ حالی اور غم، اور یہ سب کچھ تیری بارگاہ میں پیش کرتا ہوں "وھوانی علی الناس۔ میں تو لوگوں پر ہلکا ہو گیا ہوں، انسانوں نے تو مجھے بہت ہلکا سمجھ لیا ہے۔ اور میری ظاہری و باطنی سب کچھ تو جانتا ہے۔

آگے فرمایا: الیٰ من تکلنی الیٰ عدو یتھجمنی اوالی صدیق ملکتہ امری۔ اے اللہ تو کن لوگوں کو مجھے سپرد کرتا ہے۔ دشمنوں کے سپرد کرتا ہے جو ہر طرف سے مجھ پر ہجوم کرنے لگے ہیں یا چاہے اپنے دوستوں کے حوالے کر دے، اب آگے حضورؐ کو خیال آیا کہ کہیں اللہ تعالےٰ ناراض نہ ہو جائے۔ کہ میں ان مصائب اور تکالیف کا شکوہ کرنے لگا ہوں

تو دعا کا رخ بدل دیا اور فرمایا: اعوذ بنور وجھك الکریم الذی اضاءت له السّمٰوات والارضین۔ اے اللہ تیرے چہرے کے نور اور جگمگاہٹ کی پناہ مانگتا ہوں وہ چہرہ انور جس سے کائنات قائم اور روشن ہیں۔ میں اس ذات کی پناہ مانگتا ہوں جس سے ظلمتیں روشنی میں بدل جاتی ہیں۔ تیری مغفرت اور خوشنودی ہی میں میری عافیت ہے، کہیں تیرا غضب مجھ پر نہ ٹوٹے۔ ولك العتبیٰ حتّی ترضی۔ اے اللہ مجھے تو منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہوگا۔ میں اسی طرح پہاڑوں میں، صحراؤں میں، جنگلوں میں تیری آواز پہنچاتا رہوں گا۔ اسی طرح گالی گلوچ اور اسی طرح پتھر کھا کھا کر تیرا پیغام پہنچاتا رہوں گا۔ میرا تیرے اوپر کوئی احسان نہیں تیرا ہی مجھ پر کرم ہے کہ مجھے اس کام کے لئے چن لیا۔

اب یہ طوفان ذرا تھم گیا تو حضرت جبرائیل نمودار ہوئے اور فرمایا کہ سن لیا سن لیا تیرے رب نے۔ وہ تیری نگہبانی کر رہا ہے۔ جنہوں نے تجھے رد کر دیا وہ بھی اس کی نگاہوں سے مخفی نہ تھے، تیری فریاد نے پوری کائنات کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اب اللہ تعالےٰ نے آپ کے پاس ان پہاڑی لوگوں کے لئے پہاڑوں کا فرشتہ بھیج دیا ہے۔ قد بعث الیك ملك الجبال۔ کہ دنیا کے پہاڑ اس کے ایک اشارے پر اٹھتے ہیں۔ اور آبادیوں کو ریزہ ریزہ کر سکتے ہیں۔ اب یہ طائف کے بڑے بڑے پہاڑ جن کے درمیان یہ بستی محصور ہے یہ فرشتہ تیرے ایک اشارہ پر اٹھا کر اس بستی پر الٹ سکتا ہے۔ پہاڑوں کے فرشتے نے خود آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا یا محمد ذٰلك لك: اے محمدؐ یہ سب تیرے اختیار میں ہے، جیسے مرضی ہو تعمیل ہوگی۔ گویا اشارہ تھا کہ اے محبوب تو نے شکوہ کیا کہ میں ہلکا ہو گیا ہوں مگر تُو تو ساری کائنات پر بھاری ہے۔ اگر کوئی چیز بھاری ہوگی تو منوں سے ٹنوں سے تولی جائے گی مگر آپؐ تو پہاڑوں کے وزن سے بھی بڑھ کر ہیں۔ آپؐ تو ہمالیہ پر بھی بھاری ہیں یہ سارے پہاڑ اب آپؐ کے ایک اشارہ پر اٹھائے جا سکتے ہیں تو آپؐ کیسے ہلکے ہو سکتے ہیں۔ آپؐ تو اتنے بھاری ہیں کہ یہ پوری کائنات اور زمین و آسمان بھی آپؐ کے وزن کے برابر نہیں ہو سکتے۔ بڑے بڑے ایٹم بم وہ کام نہیں کر سکتے جو تیرے ایک اشارہ سے انجام پا سکتے ہیں۔ اگر تیری مرضی ہو تو یہ ساری آبادی اور زمین تہس نہس کر کے رکھ دی جائے۔ حضورؐ نے پہاڑ

کے فرشتے کے جواب میں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ اے اللہ یہ نادان ہیں۔ نادانی کی وجہ سے میری عظمت اور حقیقت سے بے خبر ہیں نادانی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ اور فرشتوں سے فرمایا کہ میں مایوس نہیں ہوں کہ ان لوگوں کی پشتوں اور نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو صرف اللہ رب العالمین کی عبادت کریں[1]۔

بدر میں چند ساتھی ہیں تو حضورؐ رو رو کر گڑگڑاتے ہیں کہ اے اللہ یہ مٹھی بھر جماعت بھی اگر آج مٹ گئی تو کس نانز سے حضورؐ نے فرمایا کہ لن تعبد اے رب پھر قیامت تک تیری پرستش نہیں کی جائے گی بعلوم تھا کہ نبی آخر الزمان ہوں، میرے بعد کوئی نبی، کوئی صحابہؓ، کوئی جماعت، کوئی امت تو آئے گی نہیں، اب اگر بدر میں یہ مختصر جماعت بھی ختم ہو گئی تو پھر عبادت کرنے والا کون آئے گا۔ بہر حال حضورؐ نے کیسے کیسے انداز میں امت دعوت و اجابت کا حق پورا کیا۔ اس کا تو کوئی حد و حساب نہیں۔

حجۃ الوداع میں امت کا اقرار و اعتراف حجۃ الوداع میں آپؐ نے اپنے آخری خطبہ میں امت سے بھی اس بات پر گواہی دلوائی، ایک لاکھ سے اوپر صحابہؓ سے دریافت کیا ھل بلغت۔ کیا میں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا؟ ذمہ داری سے سبکدوش ہو گیا یا نہیں؟ فریضۂ نبوت ادا کر دیا یا نہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا ادیت الامانۃ تو نے امانت ادا فرما دی۔ ووفیت العھد۔ اور تو نے اسے کیا گیا عہد پورا کر دکھایا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے فرمایا اللھم اشھد انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا: اے اللہ ان لوگوں کی گواہی پر گواہ ہو جا یہ سب میرے حق میں گواہی دیتے ہیں۔

شہادت حق اتنی جرأت اور شرح صدر سے فرمائی کہ خود فخر کے طور پر کہا کہ اے اللہ گواہ ہو جا کہ میں اپنی ذمہ داری پوری کر چکا۔ تو جو حق تھا حضورؐ پر انسانوں کا اسے بھی پورا فرمایا حیوانات کا بھی اور فرشتوں کا بھی، اور جنات کا حق بھی متعین کر دیا اور انسانوں کے مختلف طبقات کے باہمی حقوق بھی واضح کر دیئے۔

شان رحمۃ للعالمینی اور یہ تو الگ موضوع ہے وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعالمین کہ وہ رحمت

[1] حاصل مطالعہ "النبی الخاتم" از مناظر احسن گیلانی

ہیں۔ تو صرف انسانوں کے لئے نہیں، صرف جنات کے لئے نہیں بلکہ عالمین کے لئے۔ اور خدا کے سوا کل مخلوقات یعنی ماسوائے اللہ کو عالمین کہتے ہیں، آسمانوں کی کائنات، زمین کی کائنات، چاند اور سورج کی کائنات، فرشتوں کی کائنات، حیوانات چرند اور پرند کی کائنات یہ سب الگ الگ عالم ہیں۔ اور قرآن کہتا ہے کہ یہ رسول ان تمام کائنات کے لئے نبی رحمت ہیں۔ ـــــ اب رحمت کیا چیز ہوتی ہے۔ رحمت، جیسے ہمارے لئے ہوا ہے، ہم ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ مچھلیوں کے لئے پانی ہے۔ مچھلی پانی میں ہے تو رحمت ہے اسے پانی سے نکال دو تو رحمت ختم۔

الغرض رحمت اتنی قیمتی چیز ہے جسے کائنات کا ہر ذرہ محتاج ہے۔ اس لئے اللہ رحمٰن و رحیم کی رحمت وسیع ہے وسعت رحمتی کل شئ ـــ وسعت کل شئی رحمۃ وعلماً تو حضورؐ کی ذات بھی کائنات کے لئے ایسی ہے جیسے مچھلی کے لئے پانی اور دیگر جانداروں کے لئے ہوا جس کے بغیر کائنات کی بقار ہو ہی نہیں سکتی۔

ہر طبقہ کے حقوق کا تعین احادیث اور فقہ پڑھیں تو آپ کو گائے اور بیل کا حق جانوروں کا حق۔ ایک ایک حق تفصیل سے ملے گا۔ فرشتوں کے بھی حقوق، جنات کے بھی حقوق سے ذخیرۂ کتب بھرا ہوا ہے۔ پھر مردوں کے حقوق الگ، عورتوں کے الگ، بچوں کے الگ، بوڑھوں اور مریضوں کے الگ۔ کون سا طبقہ ہے انسانوں کا جس کا حق متعین نہ ہو چکا ہو۔ اس سے پہلے بنی نوع انسانیت کس ظلم اور جہالت میں مبتلا تھی کہ ہر شخص صرف اپنے کو انسان سمجھ رہا تھا دوسروں کو نہیں۔ ہر ایک نے الگ الگ خدائیاں قائم کر رکھی تھیں۔ کہیں رنگ کے نام پر تفاوت کہیں قوم کے نام پر امتیازات، کہیں زبان کے نام پر جھگڑے۔

منشور انسانیت حضورؐ نے اپنے آخری خطبہ میں بھی جو منشور ہے انسانیت کا سب چیزیں ایک بار پھر واضح کر دیں۔ فرمایا کلکم بنو آدم وآدم من تراب اے بنی نوع انسان تم آدمؑ کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔ اب جب کہ انسانوں کی سرشت مٹی سے ہے کوئی سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے نہیں بنا نہ اس کے خمیر میں یہ چیزیں شامل تھیں۔ تو انسانیت کی سرشت کے لحاظ سے سب برابر ہو گئے۔ تو اب یہ امتیازات کہاں

سے آگئے۔ اگر کوئی یورپ کا ہے یا امریکہ کا، افریقہ کا ہے یا ایشیا کا، سب کی نوع ایک ہے اور سب اس میں برابر۔

رنگ و نسل کے جھگڑے اور فرمایا لا فضل لعربی علی عجمی اب نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر ـــــ آج جو قومیت کی لعنت پوری دنیا پر مسلط ہے۔ اور مسلمان بھی اس بت کی پوجا کرنے لگے ہیں۔ حضورؐ نے اس خطبہ میں اس بت کو بھی پاش پاش کر دیا۔ اور آج جو سیاہ و سفید کے جھگڑے ہیں، کالے گورے کے امتیازات ہیں تو حضورؐ نے اس کو بھی ختم کراتے ہوئے فرمایا ولا للاسود علی لاحمر ولا للابیض علی الاسود۔ کالے پر گورے کو کوئی فضیلت حاصل نہیں نہ کالے کو گورے پر ـــــ آج بڑے فخر سے امریکہ والے دعویٰ کرتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ علمبردار بنتی پھرتی ہے کہ ہم نے بنیادی انسانی حقوق دنیا کو دیئے، تو غلط کہتے ہیں۔ حضورؐ نے چودہ سو سال پہلے اس سے اعلےٰ و اکمل ترین بنیادی حقوق انسانوں کو عطا فرمائے یورپ والوں نے جھوٹ کہا انہوں نے عمل نہیں کیا۔ آج بھی امریکہ میں سفید فام اور سیاہ فام کے جھگڑے چل رہے ہیں وہاں کالوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک نہیں کیا جاتا۔ ان کے چڑھنے کی لفٹ تک الگ ہیں۔ ہسپتال اور سکول بھی الگ ہیں۔ گاڑیاں اور گاڑیوں کے راستے الگ ہیں۔ آئے دن کالے اور گورے پر فسادات ہوتے رہتے ہیں۔ اور حضورؐ کے ہاں ایک کالا تھا۔ حضرت سیدنا بلال حبشیؓ اور حضورؐ نے فرمایا کہ گورے کو کالے پر فضیلت نہیں۔ تو عملاً بلالؓ کو کتنا بڑا مقام دیا؟ ایک رات صبح اٹھ کر فرمایا اے بلالؓ تو کون سا عمل کرتا ہے کہ میں نے تجھے خواب میں جنت میں دیکھا کہ تو مجھ سے آگے آگے جا رہا ہے۔ میں تیرے جوتوں کی آہٹ سن رہا تھا۔ گو وہ سبقت خادمِ خاص کی سبقت تھی جو مخدوم سے آگے آگے جاتا ہے۔ تو اس قربِ خاص کی انہیں بشارت دی گئی۔ اس کالے کو قریش کے سردار حضرت سیدنا عمر فاروقؓ جن کے نام سے قیصر و کسریٰ لرزتے تھے۔ انہیں حضرت عمرؓ مخاطب کرتے تو یا سیدنا کہتے اے ہمارے سردار۔ تو صہیب کو بلال کو عمار کو، فاروق اور صدیق عثمان غنی اور حیدر کرار کے ساتھ ایک صف میں کھڑا کر دیا۔ یہ امتیازات عملاً مٹا کر دیئے۔

مساوات مگر کون سی؟ قانون کی بات آئی، آئین اور سیاست کی بات آئی تو فرمایا کہ اس میں

بھی مساواتِ انسانی ہے۔ یعنی انسانی مساوات، معاشرتی مساوات، قانونی مساوات۔ آج بھی ہم مساوات کے نعرے سن رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مساوات یہی ہے کہ ایک کا مال چھین کر دوسروں کو دے دو دوسرے کا تیسرے کو دے دو یہ معیشت کی مساوات، جبر و ظلم، غصب و نہب کی مساوات، مال و دولت کی مساوات اسلام میں نہیں باقی ساری مساوات تھیں آج ساری انسانی مساوات ختم ہو گئیں اور ایک مادی مساوات کا نعرہ باقی رہ گیا۔ انسانی قدروں کی مساوات فنا ہو گئیں، معاشرتی مساوات ختم ہو گئی۔

حضورؐ کی معاشرتی مساوات نبی کریمؐ راستہ میں چلتے پھرتے ہیں۔ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ کبھی ہم سے آگے ہیں کبھی برابر کبھی پیچھے پیچھے جا رہے ہیں۔ یہ نہیں کہ ہٹو بچو کے نعرے ہوں گے اور آگے ہی ہیں گے۔ کوئی خاص مسند نہیں نشست کے لئے۔ جہاں جگہ مل گئی وہیں بیٹھ گئے۔ سفر میں کام کاج کا وقت آیا ساتھیوں کے ہاتھ بٹانے لگے، برابر کام بانٹ دیا خود بھی حصہ رکھا۔ تو نشست و برخاست، چال ڈھال میں کہیں بھی فضیلت اور برتری نہیں کہ میں حاکم ہوں، باقی محکوم:

حضرت انسؓ جان نثار خادم ہیں فرماتے ہیں کہ دس سال میں حضورؐ کی خدمت میں رہا ہوں ان دس سال میں بھی حضور علیہ السلام نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ کیوں ایسا کیا۔ ما قال لی فی شئ لم فعلت۔ کچھ غلطی ہو گئی کام میں گڑبڑ ہو گئی، مگر حضورؐ نے کیوں تک نہیں کہا۔

قانونی مساوات اور جہاں خدا کے حکم قائم کرنے، حدود قائم کرنے کا موقع آتا ہے تو فرماتے ہیں: اقیموا حدود اللہ علی القریب والبعید۔ اے لوگو! اللہ کا حکم ہے جو حد ہے اسے اپنے پرائے سب پر لاگو کرنا ہے۔ ایک عورت فاطمہ نامی بنی مخزوم سے ہے، جو ایک بزور آور قبیلہ تھا، اس نے چوری کی اب خدا کا حکم تھا کہ چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دیجائے بنی مخزوم کو یہ بات بڑی ناگوار گزری کہ ہم شرفا ہیں اور اتنے بڑے خاندان کی ایک خاتون کا ہاتھ کاٹنا تو بڑے عار کی بات ہو گی۔ سب پریشان تھے۔ سفارش کے لئے کسی کو ڈھونڈنے لگے کہ حضورؐ سے سفارش کرے کسی کو اتنی جرأت کہاں کہ حضورؐ سے سفارش کر سکے

حضرت اسامہؓ جو خادم خاص حضرت زیدؓ کے صاحبزادے ہیں، جس سے محبت اولاد کی طرح ہے تو سب نے حضرت اسامہؓ سے سفارش کروانا چاہی، ان کے پاس جا کر منت سماجت کی، راضی کیا۔ حضرت اسامہؓ نے سفارش کی مگر ان کی بات سنتے ہی حضورؐ کا چہرۂ انور سُرخ ہو گیا اور فرمایا: انی حقیون حدود اللہ۔ کیا اب خدا کی حدود میں، قوانین میں اور عدالت کے فیصلوں میں بھی سفارشیں ہونے لگیں۔ حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ پچھلے لوگ بھی اسی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ اپنوں کو بچاتے تھے اور صرف غریب اور ضعفاء پر حدود قائم کرتے تھے، کسی شان و شوکت والے، خاندان اور قبیلے والے کو جرم کرنے پر معاف کر دیا جاتا تھا اور تاریخی جملہ تو آگے ارشاد فرمایا کہ: واللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔ یہ تو فاطمہ بنی مخزوم ہے۔ اگر معاذ اللہ فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میری صاحبزادی میری لختِ جگر سے بھی یہ غلطی سرزد ہو جاتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ تو بہر حال حضورؐ نے امت کے حقوق پورے فرما دیئے، کوئی کسر نہیں چھوڑی، اب ہم پر بھی کوئی حق ہے یا نہیں؟

حضورؐ کا اولین حق امت پر | تو امت پر حضورؐ کا کیا حق ہے؟ ایک تو یہ کہ امت حضورؐ سے محبت کرے۔ جذباتی محبت والہانہ شیفتگی اور قلبی تعلق۔ اور حضورؐ سے جو محبت ہوگی وہ ساری کائنات سے بڑھ کر ہونی چاہیئے، خود آپؐ نے فرمایا کہ: لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ جب تک اپنے والدین سے اپنی اولاد سے ساری بنی نوع انسان سے بڑھ کر مجھے محبوب نہیں سمجھے گا۔ تو وہ مؤمن نہیں کہلا سکے گا۔ پھر یہی نہیں بلکہ اپنے خواہشات اپنی تمناؤں اپنی امیدوں اپنے خیالات کے بارہ میں کیا کرے گا؟ ایک صحابیؓ نے آکر کہا یا رسول اللہؐ! مجھے آپؐ سے محبت ہے۔ فرمایا سوچ لو یہ معمولی بات نہیں ہے، پھر کہا مجھے آپؐ سے محبت ہے تو فرمایا: دع نفسک ثم تعال۔ کہ نفس کو خواہشات کو اپنے سے الگ کر دے پھر دعویٰ محبت کر کے آ، اپنی ناجائز خواہشات، نفسانی تمناؤں کی قربانی دینی ہوگی۔ اور محبت حقیقی تو وہ ہے کہ جس کے ساتھ خود بخود اطاعت آجائے۔

دوسرا حق | تو حضورؐ کا دوسرا حق اطاعت ہے۔ دعویٰ تو محبت کا سب کو ہے۔ مگر محبت تب صحیح ہو گی کہ اس کے ساتھ اطاعت ہو، ایک شخص کہتا ہے کہ میں تو ہر وقت روتا پیٹتا ہوں آپؐ کے عشق میں تڑپتا اور مرتا ہوں مگر کسی کام میں آپؐ کی اطاعت اور تابعداری نہ کرے آپؐ کی کوئی ادا اور طرز اور طریقہ اس کو پسند نہ آئے کوئی سنت اس کو محبوب نہ ہو تو آپ کہیں گے کہ یہ تو مذاق کرتا ہے۔ تو محبت صرف رونے پیٹنے کی محبت جس میں اطاعت نہ ہو نجات نہیں دے سکتی۔ آپ کو معلوم ہے حضرت ابو طالب کو کتنی محبت تھی آپؐ کے ساتھ مسلمانوں میں سب سے زیادہ محبت حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تھی اور ایمان نہ لانے والوں میں سب سے بڑے عاشق حضورؐ کے چچا ابو طالب تھے، بچپن سے پالا پوسا، گود میں لیا، کاندھوں پر اٹھایا، کتنی مشقتیں آپؐ کی وجہ سے حضرت ابو طالب نے جھیلیں، ساری عمر دشمنوں سے مقابلے کئے آپؐ کی خاطر تین سال تک شعب ابی طالب میں گرفتار رہے۔ عشق تھا محبت تھی، خدمت کی بھتیجے کی، مگر کیا ابو طالب کو ایسی محبت سے نجات مل گئی؟ نہیں حضورؐ نے وفات کے وقت بھی کہا کہ چپکے سے میرے کان میں لا الٰہ الا اللہ کہہ دو۔ تو اللہ کے ہاں میرے لئے شفاعت کا راستہ کھل جائے گا۔ کہا جانتا ہوں کہ تو سچا ہے، تیرے ساتھ محبت بھی ہے لیکن یہ ابو جہل، ابو لہب یہ بڑے سرغنہ جو جمع ہیں وہ ہنسیں گے کہ بڈھا ڈر گیا موت کے وقت، تو جہالت آڑے آگئی کہ موت کی سختیوں سے ڈر کر باپ دادا کا دین چھوڑ دیا۔ اس لئے ایمان نہ لائے، محبت کتنی تھی مگر ایمان میں حضورؐ کی پیروی نہ ہوئی۔ تو مسلم شریف میں ہے کہ ابو طالب کے بارہ میں حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے اسے جہنم میں دیکھا۔ مگر وہاں بھی عشق و محبت کی وجہ سے خدا نے اتنی لاج رکھ دی تھی کہ آپؐ نے فرمایا کہ ابو طالب کا سارا جسم آگ سے بچا ہوا ہے لیکن جوتوں کے جو تسمے ہیں وہ جہنم کی آگ کے ہیں۔ جو دنیا کی آگ سے ہزار گنا زیادہ ہے ایک ذرہ بھی جہنم کی آگ کا اگر دنیا میں آجائے تو ساری دنیا بھسم ہو جائے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ صرف جوتوں کے تسموں کی وجہ سے بھی ابو طالب کا دماغ کھول رہا ہے۔ قیام تو بہر حال جہنم میں ہے۔ ایمان نہ لا کر نری محبت سے نجات نہ ہو سکی۔ گو جہنم میں آپ کو اے کلاس دی گئی۔ مگر ٹھکانا وہی جہنم رہا۔ تو جس محبت میں اطاعت اور تابعداری نہ ہو گی وہ کافی

نہیں ہو گی۔

محبت کا معیار | محبت کا معیار یہ ہے کہ حضورؐ کی ادائیں ہمیں پسند ہیں یا ناپسند۔ حضورؐ کی بھی تو ادائیں تھیں، چلنے میں، پھرنے میں، کھانے پینے میں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں حضورؐ کا بھی کوئی طریقہ تھا۔ وہ ادائیں محبوب ہیں یا نہیں؟

اگر ان طریقوں سے اور اداؤں سے محبت نہیں نفرت ہے تو معلوم ہؤا کہ زبانی محبت ہے حقیقی نہیں، ورنہ محبوب کی ہر ادا خود بخود انسان اپناتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ کتنے بڑے بڑے بزرگ تھے جو ہر قدم رکھنے میں، لباس پہننے میں، کھانے پینے میں دیکھتے تھے کہ حضورؐ کی سنت کی مخالفت نہ ہو جائے۔ ایک بزرگ کو تو اتنا اہتمام تھا کہ ایک دفعہ غلطی سے موزہ پہلے بائیں پاؤں میں پہن لیا۔ تو رسول اللہ کے عاشق تھے غلطی ہو گئی کہ حضورؐ کی ادا پہلے دائیں پاؤں میں پہننے کی تھی تو انہیں اتنا دکھ ہؤا کہ تقریباً ۲ من گندم اس نادانستہ غلطی کی سزا میں بطور کفارہ ادا کر دیا۔ اپنے اوپر جرمانہ لگایا۔ ایک اور عالم محمد بن اسلم نے ساری زندگی تربوز نہ کھایا۔ کتنا میٹھا لذیز پھل ہے۔ حلال چیز ہے مگر انہوں نے اس لئے نہ کھایا کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضورؐ نے کھایا تو سہی مگر کس طرح کھایا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھایا یا کیسے؟ کتابوں سے ان کو کیفیت معلوم نہ ہو سکی تو اب سوچتے تھے کہ اگر تربوز کھاؤں اور حضورؐ کا طریقہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے نادانستہ مخالفت کر بیٹھوں۔ یہ ادائیں تھیں ان لوگوں کی، وہ حلال خواہشات اور تمناؤں سے بھی دستبردار ہو جاتے کہ کہیں حضورؐ کی سنت کی مخالفت نہ ہو جائے ——— حضرت شبلیؒ معروف صوفی اور بزرگ گزرے ہیں، بحالتِ نزع میں ہیں کمزور اور بیمار ہیں، نحیف و نزار ہیں نماز کا وقت آگیا، شبلیؒ نے فرمایا کہ مجھے وضوء کرا دیا جائے ساتھیوں نے بڑی تکالیف سے آپ کو وضوء کرایا، سکراتِ موت طاری تھے۔ پھر بعد میں خیال آیا کہ مجھ سے تو خلال رہ گیا خلال ایک سنت ہے۔ تو دکھ ہؤا کہ مجھے خلال کیوں نہیں کرایا گیا اب دوبارہ وضوء کراؤ۔ سب نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو معذور ہیں، بیمار ہیں، حرکت سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ بڑی مشکلات سے ایک دفعہ وضوء کرا دیا ہے۔ مگر کہا کہ مجھ پر جب سکراتِ موت طاری ہیں تو ہو سکتا ہے کہ عنقریب میں حضورؐ کے پاس چلا جاؤں

اور اب جب اپنے محبوب سے ملوں گا تو یہ نہیں چاہتا کہ ایسے وضوء سے چلا جاؤں جس میں آپؐ کی کوئی سنت چھوٹی ہوئی ہو۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ بغیر خلال کے وضوء پر اکتفا کروں چنانچہ دوبارہ بڑی تکلیف سے حضرت شبلیؒ کو وضوء کرایا گیا۔ خلال کرلیا گیا اور اس کے بعد شبلیؒ کی روح پرواز کر گئی ؎

دی کس طرح سے جان تہِ تیغ داغ نے لب پر تبسم اور نظر یار کی طرف

یہ کیسے لوگ تھے کہ تہ تیغ بھی محبوب کی طرف نظریں اٹھائے ہوئے تھے کہ محبوب کی ایک ایک حرکت اور جنبشِ ابرو پر اپنی حالت بدل دیتے تھے۔

صحابہؓ کا جذبۂ اطاعت یہ محبت کی خاصیت ہے کہ جہاں حقیقی محبت آجائے تو اطاعت و تسلیم کے لئے فوج کی، پولیس کی، قانون اور عدالت کی ضرورت نہیں ہوتی جب ایک آواز گونجی ہے مدینہ کی گلیوں میں کہ: یا ایہا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم ترحمون۔ اے مومنو! یہ شراب، یہ جؤا اور قمار یہ سب غلط اور شیطانی کام ہیں۔ پس اسے چھوڑ دو، اس طرح اللہ کی رحمت کے سزاوار بن جاؤ گے۔

آیت مسلمانوں کے کان میں پڑتی ہے اور وہ لوگ جو صدیوں سے شراب پیتے چلے آرہے تھے معاشرے میں شراب رچی بسی تھی مگر منادی حضرت علیؓ مدینہ کی گلیوں میں گھومتے ہوئے اعلان کرتے ہیں تو جس کے کان میں آواز آئی وہیں اس کے ہاتھ سے شراب کا پیالہ گر پڑا حکم آیا کہ شراب حرام ہے۔ تو جس نے ہونٹ میں شراب لی ہے تو یہ نہیں کہ چلئے یہ گھونٹ تو نگل لوں۔ بلکہ اسے اسی وقت تھوک دیا۔ ہم تو مٹکے بھی اذان سنتے سنتے پورا کر لیتے کہ چلو ابھی تو اذان اور اعلان ختم نہیں ہوا۔ ان کے گلے میں بے اختیار شراب اٹک کر رہ گئی اسے تھوک بیٹھے، مدینہ کی گلیاں شراب کے ٹوٹے ہوئے برتنوں سے بھر گئیں، نالیوں میں شراب بہنے لگی۔ اس واقعہ سے پروفیسر ٹوائن بی جیسے متعصب دشمن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور کہا کہ اسلام کے صرف اس ایک واقعہ کا بھی جواب نہیں۔ تحریم خمر جیسے واقعہ جیسا ضبط و نظم اور ڈسپلن کا نمونہ کوئی اور امت پیش نہیں کر سکتی۔ عورتیں راستے میں چلتے ہوئے جا رہی ہیں بازاروں میں،

گلیوں میں کہ حجاب اور پردے کی آیت ابھی نہیں اتری تھی اس دوران آیت اُتری حجاب کا حکم آیا تو جو عورت جہاں تھی وہیں سر پہ دوپٹہ ڈال دیا منہ چھپا دیا۔ اور راستوں میں جو عورت جہاں تھی آیت سنتے ہی وہاں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی یا دیوار وغیرہ کی آڑ میں چھپ گئی کہ اب ایک قدم بھی بے حجابی میں آگے نہ اٹھا سکیں۔

یہ حجاب کا واقعہ یہ تحریم خمر کا واقعہ یہ سب حقیقی محبت کے ساتھ سچی اطاعت کی نظیریں ہیں۔ بہر حال وقت کم ہے اس لئے حضورِ اقدس ﷺ کے ان دو حقوق پر ہی اکتفاء کرتا ہوں ایک محبت حقیقی دوسرا اطاعت جو محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حضورؐ کی اصل یاد

اس وقت دنیا کے مسلمان عید میلاد النبیؐ منا رہے ہیں، اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی نبوت و رسالت کا کوئی بھی واضح یا مبہم دعوے تسلیم کرنے کے لئے ہم قطعاً تیار نہیں ہیں جیسا کہ ہمارا عقیدہ اور ایمان ہے، تو اسی طرح ہم خود بخود قیامت تک حضورؐ کی تعلیماتِ مقدسہ اور سیرتِ مطہرہ کی اہمیت اور ضرورت پر بھی مُہر لگا لیتے ہیں۔ حضورؐ کے بعد ہر مدعی نبوت کذاب اور دجال ہے تو اس سے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ آج کی پُر ظلمت دُنیا کی روشنی اور ہدایت بھی حضور اقدسؐ کے قول و عمل اور اخلاق و کردار سے ہی ہو سکتی ہے، جسے ہم سیرت کا نام دیتے ہیں۔ مگر کیا یہ حق صرف دو چار دن کے جلسے جلوسوں، چراغاں اور آرائشی دروازوں سے ادا ہو جاتا ہے، افسوس کہ عمل اور کردار سے عاری قوموں کی طرح مسلمان بھی صرف ان ظاہری اور رسمی رسومات میں اپنے لئے سامانِ تسکین ڈھونڈ رہے ہیں۔ حضورؐ کی اصل یاد تو یہی تھی کہ ہماری زندگی کا ہر لمحہ ہر عمل اور ہر سانس سیرت کا عملی نمونہ بن جاتا۔ اگر ایسا نہیں ہوتا تو ہزار بار ہم اپنی آبادیوں کی ہر اینٹ کو چراغاں سے روشن کیوں نہ کر دیں ہمارے قلوب سیاہ اور عمل و کردار کی دنیا اجڑی رہے گی۔

سیرت کی ضرورت اور اہمیت کبھی اتنی نہ تھی اس وقت جبکہ جاہلیت کا عفریت عالمی پیمانہ پر پوری انسانیت کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے، دنیا تباہی کے دہانہ پر کھڑی ہے۔ انسانی قدریں پامال ہو کر اس کی جگہ حیوانی اقدار لے رہی ہیں۔ پوری انسانیت خدا فراموشی، وحشت اور بربریت کے پنجہ میں ہے، اور نتیجہ بھی عالمی پیمانہ پر ظلم و استبداد، بے چینی اور اضطراب کی صورت میں ہمارے سامنے آ رہا ہے، ایسے وقت میں حضور انورؐ کی سیرتِ مطہرہ معلوم کرنے، اس پر عمل پیرا ہونے اور دنیا کے سامنے اس کا عملی نمونہ بن کر دعوت دینے، الغرض اسے چاند کی روشنی، سورج کی تپش، دریاؤں کی سخاوت اور ہواؤں کی روانی سے زیادہ عام کرنے

کی جتنی ضرورت ہے۔ اس سے قبل تاریخ کے کسی دور میں بھی اتنی نہ رہی ہوگی ظلمتوں میں ڈوبی ہوئی یہ دنیا حضورؐ کی روشن اور بے داغ زندگی ہر لحاظ سے کامل اور جامع اسوۂ حسنہ اور فطرت سے ہمکنار تعلیمات ہی کے ذریعہ روشنیوں سے جگمگا سکتی ہے۔ ہمارے مرض کا علاج سیرتِ نبویؐ میں ہے اور ہماری دین و دنیا کی سرخروئی کا راز حضورؐ کی اتباع اور پیروی سے وابستہ ہے۔ اگر ہمیں امن و سلامتی سے مالا مال حیاتِ جاوداں درکار ہے تو آئیے نئے ولولہ، نئے عزم اور نئے جوشِ ایمانی سے سرشار ہو کر اس رحمتِ کائناتؐ علیہ السلام کی طرف پلٹ جائیں جس نے غبارِ راہ کو فروغِ وادیٔ سینا عطا فرمایا۔ مظلوم و مقہور انسانیت کو ہم دوشِ ثریا کر دیا۔ اور مخلوق کی بندگی اور پرستش جیسی ذلتوں سے اٹھا کر ایک خالقِ حقیقی کی بندگی کے طریقے بتلا دیئے، اور ہمارے لئے حق و باطل کے درمیان ایک ایسی سرحد کھڑی کر دی جسے قیامت تک کوئی دجّال اور کذاب پھاند نہیں سکے گا۔

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔۔۔ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

حق و صداقت کے اس آخری پیغمبرؐ، ابدی صداقتوں کے امین، کائنات کی آبرو اور عالم کی جان پر لاکھوں لاکھ صلوٰۃ و سلام ہو۔

محمد عربی کہ آبروئے ہر دو سرا ست
کسے کہ خاکِ درت نیست خاک بر سرِ او

اخلاقی اور معاشرتی بحران

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک موقعہ پر صدرِ پاکستان جناب محمد یحییٰ خان کا پیغام مملکتِ پاکستان کی نظریاتی اساس کے لحاظ سے ملک کی تعمیر اور تشکیلِ جدید کے لئے روشنی کا مینار اور واضح ترین "لیگل فریم ورک" کا کام دے سکتا ہے۔ اب ضرورت ایسے مومنانہ اقدامات کی ہے جو ملک کے ہر شعبہ میں اس پیغام کی روح کو لئے ہوئے فوری طور پر نافذ العمل کئے جا سکیں۔ قول اور پیغام وعظ و تبلیغ کی حد تک کوئی بھی رہنما اصول نہ تو کبھی معاشرہ میں انقلاب برپا کر سکا ہے اور نہ اس سے کوئی قوم پیش آمدہ حوادثات اور بحرانوں سے نکل سکی ہے۔ صدرِ

پاکستان نے اپنے مؤثر اور جامع پیغام میں فرمایا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ اسی لئے کیا تھا کہ وہ اپنی مملکت میں آزادانہ طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو سکیں۔

کردار کا محاسبہ | صدر صاحب نے آگے چل کر کہا کہ ہمیں اپنے دلوں کو ٹٹولنا چاہیئے کہ اسلام کے جن ارفع و اعلیٰ اصولوں کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ہم نے اپنے لئے علیحدہ وطن حاصل کیا تھا انفرادی یا اجتماعی طور پر ہم نے ان اصولوں کا کس حد تک احترام کیا ہے۔ صدرِ محترم نے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخوت و انصاف کے ابدی اصولوں پر مبنی ایک ایسا نظام عطا کیا جس نے انسانوں کو علاقائی، جغرافیائی اور نسلی وفاداریوں کے تنگ دائرے سے نجات دلا دی۔ آیئے! ہم متحد و متفق ہو کر اس نظام پر عمل پیرا ہونے کا عہد و پیمان کریں۔

صدرِ محترم کے ان پاکیزہ جذبات اور احساسات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ مصائب اور آزمائشوں میں مبتلا قوم کی بیماری کی صحیح تشخیص کر لی گئی ہے۔ اور ذاتی اطلاعات کی حد تک اقتدار کے اونچے ایوانوں میں بھی آج کل یہ تاثر بجا طور پر عام ہے کہ ملک کی سالمیت اور بقا اور ہماری باہمی اتحاد اور یگانگت کی اگر کوئی صورت رہ گئی ہے تو وہ صرف اور صرف اسلام اور حضور خاتم النبیینؐ کا لایا ہوا لائحہ عمل ہے۔ جذبات، احساسات اور زبانی حد تک یہ انقلاب بھی الحمد للہ نہایت خوش آئند ہے۔ قدرت کی اتنی عظیم ابتلاء اور آزمائش کے باوجود بھی یہ احساس اور شعور اگر پیدا نہ ہو سکا تو، ہم کسی طرح بھی زندہ اور باشعور قوم کہلانے کے مستحق نہ رہیں گے۔ اب ضرورت صرف یہ رہ گئی ہے کہ:۔

نسخۂ شفا کے ورد کی نہیں استعمال کی ضرورت | صدرِ محترم کی قیادت میں پوری حکومت جرأت مؤمنانہ اور جذبۂ ایمانی سے کام لے کر ملک کے ہر شعبہ میں تعلیماتِ نبوی کی روشنی میں انقلابی اصلاحی اقدامات نافذ فرما دیں، ورنہ یہ بات ناقابلِ فہم اور نہایت افسوسناک ہو گی کہ مریض جان بلب ہو، مرض جانگسل ہو، مرض کی تشخیص ہو چکی ہو۔ علاج کے لئے قوت و وسائل

اور اسباب سب کچھ موجود ہوں مگر نسخۂ شفا کے استعمال کی بجائے اس کے ورد پر اکتفا کیا جائے اور مریض جان توڑ دے۔ اس وقت پوری قوم کو اجتماعی طور پر گھن لگ چکا ہے اور برسر اقتدار طبقہ کو اللہ تعالیٰ نے قوت و حاکمیت کے وسیع اختیارات دیئے ہیں اگر یہ طبقہ چاہے تو ان وسیع اختیارات سے کام لے کر قومی زندگی کے ہر شعبہ میں دوررس نتائج اور برکات کی حامل تبدیلیاں لا سکتا ہے۔ اگر کسی علاقہ یا خطہ کی حفاظت یا کسی ملکی و ملی مفاد پر مبنی احکامات آرڈیننس کی شکل میں نافذ ہو سکتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ پورے ملک اور قوم کی بقاء اور حفاظت کے لئے ایسے اقدامات میں پس و پیش کیا جا سکے۔ اگر "جمہوریت" غداروں کو تحفظ نہیں دے سکتی تو کیا وجہ ہے کہ اس جمہوریت کے نام پر ہم کسی گروہ کو نظریۂ پاکستان ــــ اسلام اور اسلامی حاکمیت کو مجروح کرنے یا اسے پس منظر میں ڈالنے کی اجازت دیں۔ تو پھر جمہوریت بھی اتنی موہوم جس کے انتظار میں کسی قوم کے عروج و ارتقاء کا بنیادی زمانہ اور اہم صلاحیتیں ہی ضائع ہو جائیں۔

اس وقت اللہ نے اپنے فضل و کرم اور ملک کی مایۂ ناز افواج اور مشرقی پاکستان کے غیور محب اسلام باشندوں کی مشترکہ مساعی ہے ہمیں سوچ کر اپنی لغزشوں کی تلافی کرنے کا ایک موقع دے دیا ہے۔ اسے گنوانا ہماری قومی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی ہوگی۔ اس وقت بلاشبہ ملک سیاسی بے یقینی اور بہت حد تک اقتصادی بحران میں مبتلا ہے، ہر طرف سے قومی مسائل ہمیں گھیرے ہوئے ہیں۔

اخلاقی زوال مسلمانوں کا اہم ترین مسئلہ ہے

لیکن سب سے اہم اور نازک مسئلہ جو پوری قوم کو ہلاکت اور تباہی کی طرف لے جا رہا ہے، وہ اس ملک کے باشندوں کا اخلاقی مسئلہ ہے، اور پورے ملک کو معاشی اور سیاسی دلدل میں پھنسا دینے میں اخلاقی اور معاشرتی مسئلے کا بنیادی حصہ ہے، اجتماعی حیثیت سے قوم کی غالب اکثریت نبی کریم علیہ السلام کی اخلاقی اقدار اور اسلام کے نظام تمدن و معاشرت سے ہٹ چکی ہے۔ نوجوان طبقہ میں اباحیت انارکی اور آزادروی کا دور دورہ ہے۔

عید میلاد النبی ﷺ کے نام پر اخلاقی قدروں کی پامالی

اور اخلاقی قدروں کی پامالی کی یہ جرأت

یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ انہی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد النبیؐ کے نام پر جس کی مناسبت سے صدر پاکستان نے مذکورہ بالا پیغام دیا ہے۔ جلسے اور جلوسوں میں وہ سب کچھ کیا گیا جو کسی مسلمان اور حیادار شخص کو نجی سے نجی مجلسوں میں بھی زیب نہیں دیتا۔ میلاد النبیؐ کے جلوسوں میں جنسیت زدہ فحش سفلی، فلمی گانوں کے ریکارڈ سنائے گئے۔ شراب پی کر عورتوں کو چھیڑنے کے واقعات، بھنگڑا ناچ، "ہے جمالو" کی تان پر غل غپاڑہ اور یہاں تک کہ شب میلاد کے ایک پروگرام کے تحت لاہور کے جمخانہ کلب میں اونچے طبقے والے لڑکوں اور لڑکیوں کا رقص۔ اس صاحب سیرت مطہرہؐ کے نام پر جو عصمت وعفت کا علمبردار اور اخلاق طیبہ کا پیکر اور حیا و وقار کا صورت مجسم بن کر دنیا کو اخلاق کا درس دینے آئے تھے۔

اخلاقی زوال کے چند بولتے نمونے ہمارے نوجوان طبقہ کی جرأت رندانہ کا یہ عالم کہ آزاد کشمیر سے مخلوط تعلیم پر پابندی کی خبر آئی تو یہ خبر مغرب زدگان پر بجلی بن کر گری۔ جامعہ کراچی نے طلبہ وطالبات کو اتنی سی ہدایت کی کہ وہ آپس میں زیادہ اختلاط نہ رکھیں تو اس پر واویلا شروع ہوا کہ یہ رجعت پسندی اور فطری آزادی پر پابندی ہے۔ پیٹ کی پجاری ذہنیت نے تو اسے سیاسی سٹنٹ بنا دیا کہ ایسی پابندیوں سے افلاس کا مسئلہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ اور یہ تو اخلاقی زوال کے چند بولتے نمونے ہیں۔ کوئی اخبار اٹھا کر دیکھئے دن دہاڑے قتل وغارت گری اور بھرے بازاروں میں لڑکیوں کا اغواء، دھوکہ، فریب، سمگلنگ، ملاوٹ اور دیگر معاشرتی خرابیوں کے علاوہ اور کچھ نظر ہی نہ آئے گا، اخبارات کے فلمی ضمیمے تو چھوڑیے ہر سنجیدہ اخبار کا آدھا حصہ فلم سے متعلق فحش ترین اشتہارات سے دعوت فحاشی دیتا ہوا ملے گا۔ ٹیلیویژن پروگراموں نے تو گھر گھر پہنچ کر فلمی خرابیوں کی کسر پوری کر دی ہے۔ ریڈیو سے مروجہ فحش فلمی گانوں اور جنس آلود ڈراموں کی بھرمار ہے۔ سڑک اور بازار فحش تصاویر سائن بورڈوں سے اٹے پڑے ہیں۔ جدھر نگاہ دوڑایئے اور جدھر کان لگایئے عفت اور عصمت اور اخلاق وحیاء کے لٹنے اور لٹانے کی

صلائے عام ہے۔ یہ حالات نہ تو یکایک پیدا ہوئے ہیں نہ خود بخود ہی تعلیم گاہوں سے نوجوان پود تربیت پا کر نکل رہی ہے وہاں کی تعلیمی اور تربیتی نظام پر ایک نگاہ دوڑائیے ثانوی اداروں سے لے کر اعلٰے سے اعلٰے یونیورسٹی تک سب کچھ موجود ہے مگر اسلامی علوم، قرآن وسنت، اخلاقِ نبویؐ اور معاشرتِ اسلامی کی تعلیم کا نام ونشان نہیں جو کچھ ہے صفر کے برابر ہے، پبلک اور مشنری سکولوں سے جو پود نکل نکل کر "ہپی ازم" کی گود میں جا رہی ہے آخر اس کی ذمہ دار ہم ناپختہ نوجوان ذہنیت کو کیوں ٹھہرائیں۔

الغرض ان ناگفتہ بہ حالات اور خرابیوں کی اصلاح صرف زبانی اور تحریری پیغامات سے ہو سکتی ہے؟ اور کیا اتنی خرابیٔ بسیار کے بعد بھی ہمیں ......۔ اسلامی معاشرت اور کتاب وسنت پر مبنی لائحہ حیات اپنانے میں پس وپیش ہے۔ یا پھر ہمارا مرض لاعلاج ہو چکا ہے اور ہماری محرومی اور بدقسمتی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔؟

واذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینہم —— الی قولہٗ —— فی قلوبہم مرضٌ ام ارتابوا ام یخافون ان یحیف اللہ علیہم ورسولہ بل اولئک ہم الظلمون۔

واللہ یقول الحق وھو یہدی السبیل

(ج ۶۔ ش ۹۔ جون ۱۹۷۱ء۔ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ)

ربیع الاوّل کی رسومات اور بدعات

ربیع الاول کا مہینہ گزر چکا —— وہ مبارک ماہ جس میں فخرِ کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر خداوندِ عالمین نے اس عالمِ ہست وبلود پر اپنی رحمتوں اور نعمتوں کی تکمیل فرمائی، وہ ذات قدسی صفات جن کے ذریعہ دنیا سے نہ صرف شرک وجہل کا قلع قمع ہوا۔ بلکہ ظاہر پرستی کی تمام انواع، رسوماتِ باطلہ، لہو ولعب اور بدعات وخرافات کی تمام اقسام کی

بیخ کنی بھی کی گئی۔

ذکرِ رسولؐ اور حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ اس رسولِ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حق ہے کہ اس کے نام لیواؤں کی زندگی کا ہر لحظہ اس کی عظمت و احترام سے معمور اور دل کی ہر دھڑکن اس کی توقیر و تکریم کی ترجمان ہو کہ امتِ مرحومہ کی نجات اور فلاح تو صرف اسی کی اتباع پر موقوف ہے۔ اس لحاظ سے ایک مسلمان کی حیاتِ مستعار کا ہر لمحہ اس کے لئے عید میلاد اور تذکارِ رسولؐ ہے نہ کہ سال بھر کے چند ایام کی دو چار مجلسیں اور محفلیں ــــ مگر صد حیف و افسوس کہ آج محمد عربیؐ کے عشق و محبت کے دعویدار "عید میلاد النبیؐ" پر یہ وقتی اور سطحی ذکر و تذکار بھی کس طرح منا رہے ہیں؟ اس کی کچھ جھلکیاں ہر سال سیرتِ مقدسہ کے نام پر جلسوں، جلوسوں کی روئیدادوں میں قوم کے سامنے آجاتی ہیں، بازاروں میں شور و غل، فلمی دھنوں اور گانوں کی بھرمار، رسم و رواج کی یلغار اور فسق و فجور کا طوفان، مردوں اور عورتوں کی ہڑبونگ۔

باہر چراغاں مگر دل کی دنیا تاریک غرض دلوں کی دنیا سیاہ اور تاریک، عظمت و تقدیس کا شائبہ تک معدوم، مگر گلیاں اور کوچے قمقموں اور جھنڈیوں سے آراستہ ــــ ہائے ملتِ محمدیہ کی حرماں نصیبی کہ محمد عربی علیہ السلام (فداہ الثقلین) کے نام پر ٹوئسٹ ناچ اور مردوں کا عورتوں پر یلغار، نہ فکرِ ننگ و ناموس، نہ احساسِ صوم و صلوٰۃ گویا رسول الثقلین کی یاد نہ ہوئی بلکہ یہود و نصاریٰ کا کرسمس اور عہدِ جاہلیت کا جشنِ نوروز کہ پوری قوم اس مبارک دن اپنے آپ کو اخلاق و شرافت، وقار و تمکنت، سنت و شریعت کی تمام بندشوں سے آزاد سمجھنے لگی۔ اپنے محسنین کی یاد کا یہ انداز تو مادر پدر آزاد فرنگ کا ہے، مسلمانوں کا نہیں۔

محبت یا ہوسناکی محسنِ کائنات کے عشق و محبت کے دعویدارو کچھ تو ہوش کے ناخن لو۔ سندانِ عشق کے ساتھ جامِ شریعت تھامنا بھی ضروری ہے وہ عشق و محبت تو نری ہوسناکی ہے جو محبت، اطاعت اور عظمت سے خالی ہو۔ تمہاری زبانوں پر تو محبوبؐ کا ورد ہے مگر عملاً تمام طور طریقے محبوبؐ کے دشمنوں کے اختیار کر رکھے ہیں، تم ان کی تعلیمات اور ہدایات کا ایک ایک بقعہ ادھیڑ اور اس کی سنتوں کی بنیادیں ڈھا رہے ہو اور پھر یہ سب کچھ

اس کی یاد منانے کے نام پر۔

صاحبِ سیرت کی تعلیمات سے بغاوت اس عہدِ شقاوت میں کیا سیرت نام صرف غل غپاڑہ، رقص و سرود اور بازاروں کے ہڑبونگ کا رہ گیا ہے؟ تم میں سے کتنے تھے جنہوں نے سات سات گھنٹے حضورؐ کے نام پر جلوس میں تو گزار دیے مگر کیا اوّلین رکنِ اسلام نماز کا خیال تک بھی ہوا؟ جب کہ عالمِ نزع میں تمہارے آقا کی ڈوبتی ہوئی روح سے بھی۔ الصلوٰۃ الصلوٰۃ کی صدائیں آرہی تھیں۔ تعلیم تو تمہارے آقا کی یہ تھی کہ راہ چلتے نگاہیں نیچی رکھو، اکڑ کر نہ چلو، اس نے فرمایا کہ نامحرموں کی طرف نگاہ اٹھانا بھی ضیاعِ دین و ایمان ہے۔ انہوں نے چاہا کہ تم ایک باوقار اور سنجیدہ امت بن جاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ خواہ نماز جماعت تم سے فوت بھی ہو جائے مگر اس کے لئے اچھل کو دکر دوڑنا نہیں۔ فرمایا کہ کسی حال میں بھی وقار و سکینت کے رشتے تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائیں۔ پھر ان کی عظمت و تقدیس کا تو یہ عالم تھا کہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ جیسے صحابہ کی آوازیں آپؐ کی مجلس میں پست ہو جاتیں کہ ان کے رب نے اُن کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کرنے والوں کو بھی حبطِ اعمال (اعمال کی بربادی) کی وعید سنائی تھی تو کیا تمہارا یہ دھوم دھڑکا اور یہ چیخ و پکار تمہارے حبطِ اعمال کا موجب نہ بنے گا؟

بدعت کی ہلاکت آفرینیاں تمہارے رسولِ اعظمؐ نے تو ہر لمحہ تمہیں بدعت سے روکا کہ بدعت بظاہر کتنی بھی دلکش و دلآویز ہو مگر بالآخر یہ لعنت ملت کے لئے زہرِ ہلاہل ثابت ہو کر رہتی ہے۔ اور یہ بدعت کی ہلاکت آفرینی ہی تو تھی جس کی تان بالآخر ٹوئسٹ ناچ پر ٹوٹی اور بدعت ہی ہوگی جو تم سے سیرتِ رسولؐ کے نام پر آئندہ مسجدوں میں چا چا چا ناچ اور راک این رول کروا کر رہے گی۔ اب تم نے روضۂ اطہر کی شبیہہ بنا کر اس کے ساتھ حقیقی مزار مبارک کا معاملہ شروع کر دیا ہے۔ اور آئندہ چل کر تم بیت اللہ کی تمثال کا طواف و زیارت بھی کر بیٹھو گے متاعِ دین و خرد ایسی غارت ہوئی کہ بدعت کی یہ تباہ کاریاں امت کی اکثریت کی نظروں سے اوجھل ہیں اور شیطان نے ہمارے اعمال کو سجا سجا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ وہ بھی کیا وقت تھا کہ حضرت حسن بصریؒ نے ایک بار کوئی بدعت دیکھی تو شدتِ غم کی وجہ سے

کئی دن تک انہیں پیشاب کی بجائے خون آتا رہا۔

عشقِ رسولؐ کے نام پر سوداگری ہمارے اکابر اور محققینِ امت کی یہی دور اندیشی اور فراستِ ایمانی تھی کہ انہوں نے میلاد النبی کے نام پر اس سوداگری کی سختی سے مخالفت کی مگر انہیں "دشمنِ رسولؐ"، اور کن کن القاب سے نوازا گیا۔ مگر آج تم خود سر پکڑ کر بیٹھ گئے ہو کہ اس کا کیا علاج و تدارک ہو؟ خدا کرے ربیع الاول کے ایسے تلخ واقعات ہمارے دل و دماغ کے لئے تازیانۂ عبرت بن جائیں۔ اور اگر دلوں میں ایمان کی کوئی چنگاری باقی ہو تو پھر سلگ اُٹھے اور ہمارے اعمال و افعال رسولؐ کی سچی محبت، اطاعت و اتباع کے نور سے جگمگا اٹھیں۔ ورنہ یاد رکھو! بازاروں کے اس ہڑبونگ، جھنڈوں اور باجوں کی اس جھنکار گانوں اور نعروں کے ان ہنگاموں سے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک خوش تو کیا ہوگی بلکہ بار بار انہیں تمہاری ان مذموم حرکات سے جو روحانی اذیت پہنچ رہی ہے اس کے وبال سے بالآخر ساری کائنات اجڑ جائے گی اور عرش و فرش بھی لرز اٹھے گا۔ کیا ان حالات میں ملتِ محمدیؐ کے سنبھلنے کا کوئی امکان ہے؟ کیا ہمارے دلوں کے قفل کبھی ٹوٹ بھی جائیں گے؟ وہ اجنبی جو دلوں کے اندھے ہیں لیکن سائنس و حکمت کے زور سے لوگوں کی گئی ہوئی بینائی لوٹا رہے ہیں، مگر ہماری کوتاہ بینی کا یہ عالم ہے کہ دلوں کی تاریکی کے ساتھ ہماری آنکھیں بھی اندھی ہو رہی ہیں۔ اور عشقِ رسولؐ کے نام پر یہ کھلی ہوئی تضحیک اور گستاخیاں ہمیں عظمت و احترام کے مظاہرے دکھائی دیتے ہیں۔ فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور ونعوذ باللہ من الحور بعد الکور اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ۔

بین الاقوامی سیرت کانگرس

۳ مارچ سے پاکستان میں ہمدرد فاؤنڈیشن اور وزارتِ مذہبی امور کے زیر اہتمام سیرت کانگریس منعقد ہو رہی ہے۔ دنیا کے کئی مسلمان ممالک کے مندوبین کے علاوہ یورپ

کے کئی ایک غیر مسلم مستشرقین بھی اس کانگریس میں شرکت کر رہے ہیں۔ اب تک جتنی تقاریر، مقالات اور پیغامات سامنے آچکے ہیں، بشمول وزیر اعظم پاکستان، سب میں اسلام ہی کو ذریعۂ کامیابی اور نبیٔ کریمؐ کے راستہ پر چلنے کو فلاح و نجاح کا ضامن قرار دیا جا چکا ہے۔ اسلام اور سیرتِ طیبہ کی اس اٹل اور غیر فانی صداقتوں اور برکتوں سے انکار کی کس کو مجال ہے؟ غیر مسلم مستشرقین بھی اپنے مقالات میں اسلام کی خوبیوں کے بارے میں رطب اللسان ہیں۔

سیرتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کا اہتمام بھی قدر و تحسین کا سزاوار، لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ دنیوی و اخروی سرخروئیوں کی ضامن تعلیماتِ نبویؐ اور انہیں دستورِ حیات اور لائحہ عمل بنانے میں مسلمان ممالک کے لئے آخر کون سی چیز رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ سیرت کانگریس میں جب برطانیہ کے مستشرق منٹگمری واٹ نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے بارہ میں اپنی بڑی عقیدت کا اظہار کیا تو لبنان کے مفتیٔ اعظم نے ان سے دریافت کیا کہ ان اعترافات کے ہوتے ہوئے کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ اسلام قبول کر لیں؟ مستشرق نے تو وحدت ادیان اور سارے مذاہب کی تعظیم کی آڑ لے کر اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ مگر کیا یہی استفہام سارے اسلامی مندوبین اور تمام مسلمان ممالک اور کانگریس کا انعقاد کرنے والے پاکستان کے لئے سوالیہ نشان اور لمحۂ فکریہ نہیں ہے؟ لبنان کے مفتیٔ اعظم یا کسی اسلامی ملک کے مندوب نے اپنی مسلمان حکومتوں سے کیوں ایسا سوال نہ کیا کہ جب آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ کو نسخۂ نجات بھی سمجھتے ہیں، عقیدت اور محبت کے دعویدار بھی ہیں، آزاد اور بااختیار بھی ہیں تو زندگی کے کسی شعبہ میں بھی آپؐ کی تعلیمات اور سیرت کی جھلک کیوں نظر نہیں آرہی۔ ہمارے دستور و سیاست، تمدن و معاشرت، معیشت و اخلاق کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں حضورؐ کے اتباع و اطاعت کو اپنایا گیا ہو۔ کیا سیرت کا فلسفہ صرف تقریبات، پارٹیوں اور جلوسوں پر منحصر ہو کر رہ گیا ہے۔ کیا حضورؐ کی تعلیمات سے غیر اللہ کی حاکمیت، خواہشات کی پیروی، یہود و نصاریٰ کی تقلید، اسلامی اقدار، حیا و عفت سے بغاوت، خلقِ خدا پر ظلم و عدوان، نظامِ عدل و انصاف کی پائمالی، ناصحین و ناقدین کی سرکوبی اور استیصال کا کوئی جواز مل سکتا ہے۔

ایمان وعقیدہ کی دنیا میں دینی حمیت وغیرت کا حصّہ کتنا ہے؟ مخالفین سے حضورؐ کا برتاؤ کیسا رہا، حضورؐ کے آدابِ حکمرانی کیا تھے۔ تمدن وتہذیب اور معیشت وسیاست میں حضور علیہ السلام کن کن راہوں پر چلے۔ یہ سب سوالات جذباتِ محبت وعقیدت کے ایسے مظاہر اور تقریبات کے موقع پر ابھرنے اور نمایاں ہونے چاہئیں اور سیرت منانے والوں کو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ کیا عمل سے عاری یہ زبانی محبّت اور دعوے انہیں شافع محشر حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے سامنے سرخروئی بخش سکیں گے۔ مسلمانوں کی اطاعت وعمل سے خالی یہ کھوکھلے نعرے سیاسی مقاصد برآری اور اپنے نفس وضمیر کی فریب دہی کا ذریعہ تو بن سکتے ہیں مگر اسلام کے نشاۃ ثانیہ اور اصلاح وفلاح امت کا ہرگز نہیں۔ (مارچ ۶۶ء)

لندن کا اسلامی جشن یا اسلام کے خلاف گھناؤنی سازش

برطانیہ میں منعقد ہونے والے اسلامی جشن یا ثقافتی میلے (؟) کے بارہ میں تحسین و ستائش کا طوفان ذرا تھم گیا تو پردہ کے پیچھے سے اصل حقائق چھن چھن کر سامنے آنے لگے۔ ۲۵ مئی کے اخبارات میں ان سرخیوں سے خبر آئی کہ "برطانیہ میں مقیم مسلمانوں نے اس میلہ کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا اور کہا کہ اس میلے سے اسلام کو غلط رنگ میں اور توڑ مروڑ کر پیش کیا جا رہا ہے۔ انہوں نے میلے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خیالی تصویر ہٹا دینے اور اسلام کے نام پر رقص و سرود پر پابندی لگا دینے کا بھی مطالبہ کیا کہ نہ یہ باتیں اسلام ہیں اور نہ اسلامی ثقافت میں اس کے لئے کوئی جگہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ اسلام کو مسخ کر کے غلط رنگ میں پیش کرنے کی ایک سازش ہے"۔ اس عام بے چینی اور احتجاج کے علاوہ دیگر عربی اخبارات اور رپورٹوں کے ذریعہ بھی میلہ کا پس منظر اور محرکات و مقاصد واضح ہوتے جا رہے ہیں۔

اسلام کے تعارف اور تبلیغ کے نام پر منعقد اس جشن میں ناچ گانے کے رنگا رنگ پروگرام دکھائے جا رہے ہیں۔ کلاسیکی موسیقی کے مظاہرے ہو رہے ہیں۔ اسلام کی غلط فلمیں پیش ہو رہی ہیں۔ تیمم جیسے معروف اسلامی حکم کو وضوء کی طرح کلی (مضمضہ) اور پاؤں پر مسح کرتے ہوئے یورپی ٹیلیوژن پر دکھایا گیا۔ الغرض یہ بات اب واضح ہو گئی ہے کہ یورپ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور لوگوں کے جذبہ تجسس کے پیش نظر یورپ نے خود چاہا کہ اسلام کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ ابدی روحانی سکون کے متلاشی یورپی اقوام اسے بھی ہوا و ہوس، طاؤس و رباب اور رقص و غناء کا ایک مذہب سمجھ لیں اور اسلام کی اصل تعلیمات اور اصول اس کی نگاہوں سے مستور رہ جائیں۔

اس میلہ کے انعقاد کی خبر گرم ہوئی تو ہمارا دل دھڑکا اور یہی تاثر ہوا کہ یہ اسلام کو مسخ کرنے

کی ایک گھناؤنی سازش ہے ـــــــ اور بحمداللہ یہ شرف پورے ملک میں صرف الحق کو حاصل رہا کہ ہم نے برملا فروری اور مارچ کے الحق میں اپنے خدشات کا اظہار ان الفاظ میں کیا اور کارپردازانِ جشن کو ان الفاظ میں متنبہ کیا ہ۔

"کچھ لوگ اسے مغربی دنیا میں اسلام کے بہترین ہمہ گیر تعارف کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ مگر ہم اسلام کے بارہ میں مغرب کے معاندانہ اور شرمناک رویہ مستشرقین کی طویل سازشوں اور عملی کاموں میں درپردہ اسلام دشمن منصوبوں اور عزائم کو دیکھتے ہوئے اس فیسٹول کے بارہ میں چوکنا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے (آگے چل کر) ہمیں اتنا خوش فہم بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ گویا راتوں رات اسلام کے بدترین دشمن مغرب اور برطانیہ کو اسلام کی تبلیغ و تعارف کا شوق لگ گیا اور اس کی ابدی صداقتوں کے سامنے گردن نہاد ہو کر یورپ کے دروازے اسلام کے خیر خواہوں کے لئے چوپٹ کھول دیئے نہ ہم اسلام کو ایسا معجونِ مرکب سمجھتے ہیں جس کے خمیر کا قوام نام نہاد آرٹ کلچر، رقص و موسیقی اور تصویر سازی سے اٹھایا گیا ہے۔ اسلامی دنیا کے جو اہل خیر اور ارباب علم و فضل اپنی نیک نیتی سے اس پروگرام میں حصہ لے رہے ہیں ان کی ذمہ داری بڑی نازک ہے ۔ دنیا کے کروڑوں مسلمان، اہل علم اور اسلامی ادارے اس میلہ پر گہری نگاہ رکھیں ـــــــ یہودیت اور استشراق حالات کے ساتھ سانپ کی مانند اپنی کینچلی بدلتی رہتی ہے۔

(نقشِ آغاز، فروری، مارچ ۱۹۷۶ء)

مسلمانوں کا افسوسناک طرز عمل مگر حیرت اور افسوس تو مسلمانوں کی اس عام سادہ دلی، خوش فہمی اور ظاہر پرستی کا ہے کہ وہ کہیں بھی اسلام کے نام پر کوئی بھی دعوت، پروگرام اور منصوبہ سنتے ہی خوشی سے ناچنے کودنے لگتے ہیں، حقیقت بینی، دور اندیشی اور غور و فکر، پس و پیش کا جائزہ، ماضی کے تجربات سے سبق، یہ چیزیں مسلمانوں میں ایسے موقعوں پر بہت کم دیکھنے میں آئی ہیں۔ ایک غیر مسلم تنظیم نے میلے کا ڈھونگ رچایا تو اسلامی ممالک نے کروڑوں کا سرمایہ پیش کر دیا۔ ہمارے بعض سکالر اور علماء و

مفکرین جو ایسی ہر تقریب کے لئے صرف ہوائی ٹکٹ کے منتظر رہتے ہیں اور سال بھر ایسے جشنوں کے بہانے اعلےٰ ہوٹلوں میں قیام اور سفرخرچ وصول کرنا ان کا مشغلۂ حیات ہے۔ علم و ثقافت اور اسلام کے نام پر کہیں جہنم سے بھی ہوائی ٹکٹ اور دعوت آ جائے تو مستعد رکاب ہو جائیں گے ان کا خیال ہے کہ اسلام کی تبلیغ و تعارف کے لئے اسلاف کی طرح پردیس اور سفر کی مشقتیں اٹھا اٹھا کر صحراؤں کی خاک چھاننا ضروری نہیں نہ مومنانہ کردار و عمل اقوام عالم میں اسلامی انقلاب کا ذریعہ بنا ہے۔ بس کہیں کلوکیم، کانگریس اور ثقافتی تقریب میں ایک آدھ مقالہ محاسنِ اسلام پر سننا سنانا ہی کفایت کرتا ہے۔

یہی حال بعض اسلامی تنظیموں اور جماعتوں کا ہے جس میں ہمارے ہاں کی ایک جماعت بھی پیش پیش ہے۔ جو پروپیگنڈہ کی کوئی ایسی تقریب ہاتھ سے جانے نہیں دیتی اور عواقب و محرکات سے بے نیاز ہو کر پورے صحافت اور قلم کے لاؤڈ سپیکر کے ساتھ اس کی تائید و تحسین میں شریک ہو جاتی ہے۔ سعودی عرب کی حکومت جو اسلام کے فروغ و اشاعت کے سچے درد کی وجہ سے کہیں بھی موقع ملے خزانے کھول دیتی ہے، اس نے بھی اس کانفرنس کے انعقاد میں بھرپور حصہ لیا، مگر اب حقائق سامنے آنے پر سعودی عرب کے اخبارات اسے "باسم الاسلام رقص و غناء و نساء" (اسلام کے نام پر رقص و سرود اور عورتیں) قرار دے رہے ہیں! ور مسلمانوں کی عام سادہ لوحی کا ماتم ان الفاظ میں کر رہے ہیں کہ — ھکذا نحن المسلمین نفرح و نرقص طرباً عند ما نسمع ای خبر عن مھرجان او احتفال باسم الاسلام۔ (المدینۃ۔ سعودی عرب)

بہر حال یہ انداز فکر اور طرز عمل مسلمانوں کو ہر دور میں نقصان پہنچانے کا باعث ہوا ہے مگر ہزار تجربوں کے بعد بھی ہمیں تنبیہ نہیں ہوتی۔ کاش! ہم نے سوچا ہوتا کہ اسلام کا ازلی دشمن یورپ اور غیر مسلم تنظیم اسلام پیش کرنے میں کہاں تک انصاف سے کام لے گی؟ اور کاش! ہم سوچیں کہ ہمارے اسلاف نے چین سے لے کر کاشغر تک دنیائے کفر و ضلال کو سیرت و کردار، ایمان و یقین، جہاد و عزیمت، ایثار و قربانی کے کن ایٹمی ہتھیاروں سے مسخر کر دیا تھا اور انکے تعارف و تبلیغ اسلام کے طریقے کیا تھے۔ واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

باب ۱۳
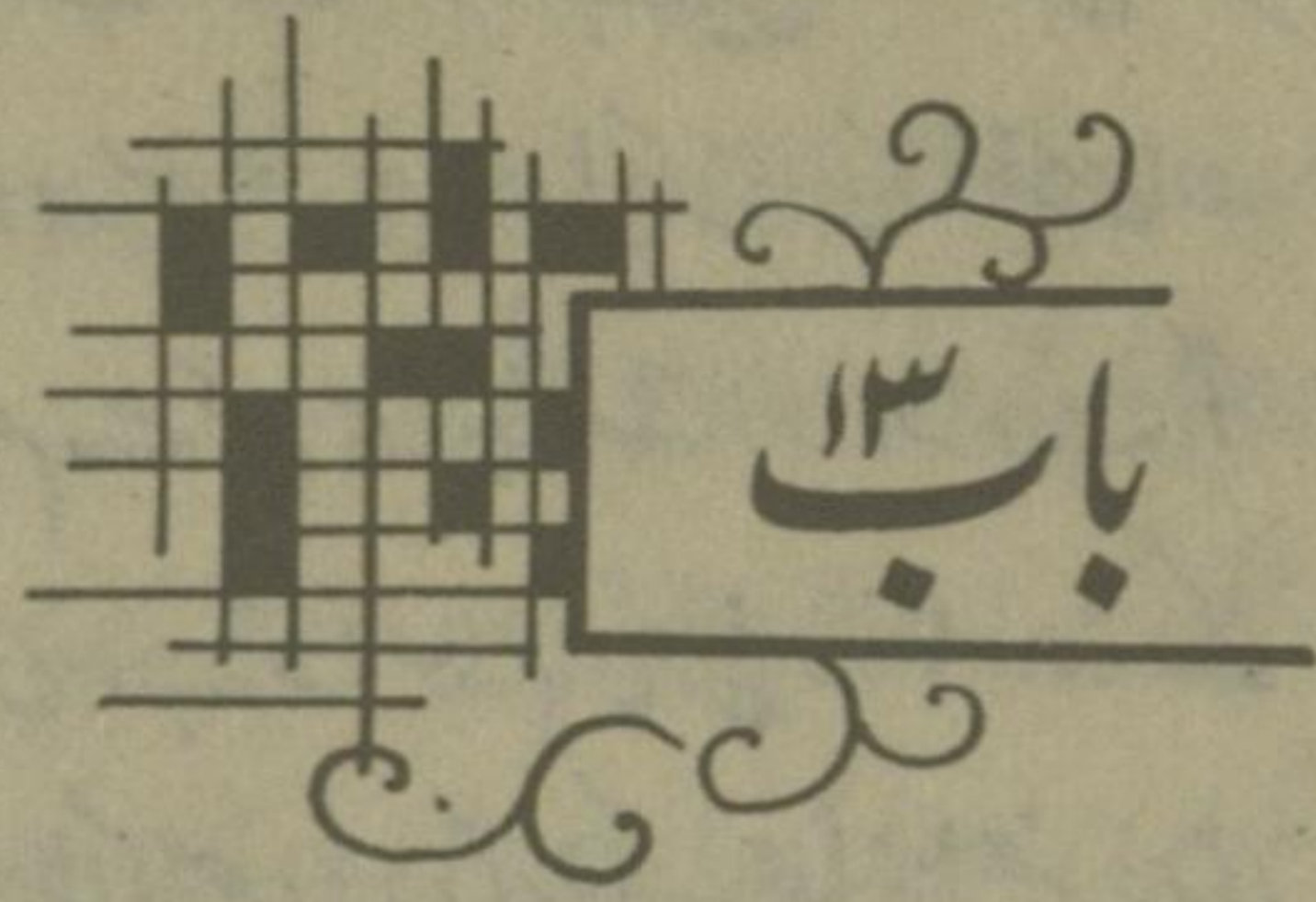
اسلامی دستور اور قانون

حدود و تعزیرات، قانون سازی اور تدوین آئین اسلامی

کی

جد و جہد

اسلامی آئین کی تدوین اور نفاذ کا مسئلہ

مرکزی وزیرِ قانون مسٹر ایس ایم ظفر صاحب نے ایک پریس کانفرنس میں انکشاف کیا کہ حکومت "اسلامی تحقیقاتی ادارہ" (اسلامک انسٹی ٹیوٹ) کے ذریعہ اسلامی قوانین و احکام سے متعلق ایک جامع کتاب مرتب کروا رہی ہے۔ یہ کتاب چار سال کے اندر مکمل ہو کر عدالتوں کی رہنمائی کے لئے استعمال ہو سکے گی۔ نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اس جامع اور اساسی کتاب میں "جدید علماء" کے افکار کو بھی جگہ دی جائے گی"۔ جہاں تک اسلامی قوانین کی ترتیب و تدوین کا سوال ہے، ہم اس کی ہر لحاظ سے تحسین کریں گے۔ کیونکہ پاکستان بجائے خود منزل نہیں بلکہ حصولِ مقصد (اسلامی نظام اور کتاب و سنت کے نفاذ) کا ذریعہ ہے۔ اور جتنا بھی جلد ہو سکے اس ملک میں کتاب و سنت کی حکمرانی اور انہی بنیادوں پر اسلامی معاشرہ برپا ہونا چاہئے لیکن "اسلامی قانون" پر مشتمل یہ کتاب اگر اُس "اسلامی تحقیقاتی ادارہ" کے ذریعہ مدون جس کا مشغلہ آج تک دین کے مسلمات سے تلاعب، تمسخر اور اسے مشقِ تحریف بنانے کے سوا کچھ نہیں رہا تو اسلامیانِ پاکستان اسے ہرگز قبول نہیں کر سکیں گے۔ ان "جدید علماء محققین" کے مشاغل و عزائم کی کچھ جھلکیاں، ہم وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہتے ہیں۔ اس ادارہ کے "شہرۂ آفاق محقق" ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا اصل روپ بھی اب مسلمانوں سے مخفی نہیں رہا ——— یہ بات بالکل واضح اور قطعی ہے۔ کہ مسلمانوں کو وہ اسلام درکار ہے، جو محمد عربی علیہ السلام سے خلفاءِ راشدین رضی، صحابہ کرام رضی، تابعین، ائمہ اربعہ (ابو حنیفہ، شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، مالکؒ) غزالی و رازی اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ رحمہم اللہ کی وساطت سے پہنچا۔ وہ اسلام ہرگز نہیں جو عیسائی اور یہودی مستشرقین، شاخت، اسمتھ اور گولڈ تسیہر اور ان کے "شاگردانِ رشید" پیش کریں۔ ہم مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کا اسلام چاہتے ہیں۔ نہ کہ میکگل اور مانٹیال کی یونیورسٹیوں کا۔ اگر واقعی حکومت اسلامی قوانین اور اسلامی اقدار کا نفاذ چاہتی ہے تو یہ کام ہرگز ایسے اداروں سے نہ ہو سکے۔ جن کے مساعی کا نتیجہ سوائے ضیاعِ وقت و سرمایہ کے اور کچھ نہیں نکلتا اور جن کی تحقیقات مسلمانوں کی مزید دل شکنی اور نظریہ پاکستان سے انحراف، باہمی تفریق و انتشار اور

پاکستان کی سالمیت کو نقصان کا باعث بن رہی ہیں۔ اگر صاف دلی اور اخلاص سے اسلام کی بالاتری گوارا اور مطلوب ہے تو اُس اسلام کو، اُس اسلامی قانون کو میدان میں لائیے جس کی صداقت اور سچائی پر چودہ سو سال سے مسلمانوں کا ایمان ہے۔ نہ وہ اسلام جو بیسویں صدی کے مغرب زدہ ٹیڑھے دماغ اور گمراہ قلوب کی پیداوار ہے۔ اور اگر اس قسم کے اعلانات اور منصوبوں سے محض دفع الوقتی مقصود ہے تو خدارا اسلام کو ماڈرن بنانے اور اس کا حلیہ بگاڑنے کا یہ شغلہ بند کروا دیجئے۔ ہمیں یقین ہے جس خدا نے اسلام کو تاقیامت پسندیدہ دین قرار دیا وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ وان تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم ۔۔۔۔۔۔ (۷ اکتوبر ۶۶ء)

بحرانوں کا حل۔ اسلامی آئین پر اتفاق کی ضرورت

اس وقت پاکستان کا اہم ترین مسئلہ "آئین سازی کا مسئلہ ہے۔ جس پر تمام مسلمانوں کو سیاسی اور گروہی نقطۂ نظر سے ہٹ کر نگاہ رکھنی چاہیئے، بظاہر اسمبلی کا آغاز ہونے والا ہے مگر آئین کے بارہ میں کوئی واضح اور غیر مبہم صورت حال اب تک سامنے نہیں آسکی، دو اکثریتی پارٹیوں کے سربراہوں کے درمیان ڈھاکہ میں ہونے والے مذاکرات کو بھی اس لحاظ سے خوش آئند نہیں کہا جاسکتا۔ دوسری طرف اسلام اور نظریۂ پاکستان کی دعویدار جماعتیں ہیں جن میں باہمی اتحاد اور مفاہمت کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جب کہ ایک معمولی اقلیت میں ہونے کی وجہ سے مفاہمت اور یگانگت کا معاملہ فوری توجہ کا مستحق تھا جس انتشار، خلفشار اور باہمی غلط فہمیوں کی وجہ سے محب اسلام طاقتوں کو، فیصد اکثریت کو بھی دستور ساز اسمبلی میں اقلیت بننا پڑا۔ آج بھی اگر وہ اقلیت بے شمار اکائیوں میں بٹی رہی تو اسلامی آئین کا مسئلہ ایک مذاق بن جائے گا، اور پوری ملت کو اس شامتِ اعمال کی سزا بھگتنی ہوگی۔

ہمیں اکثریت حاصل کرنے والے زعماء کے اس سکوتِ مجرمانہ پر بھی حیرت ہے۔ جو کل تک اقتدار اور کامیابی حاصل کرنے کے خیال سے اپنے دیگر دعوؤں کے ساتھ ساتھ

قرآن وسنت اور اسلامی آئین کی بالادستی کا اعلان بھی کرتے رہے مگر انتخابات کے بعد وہ اس معاملہ میں خاموش ہیں۔ اگر خدانخواستہ ان کا ذہن اس معاملہ میں صاف نہیں ہے اور وہ اسلامی آئین کو اپنے خودساختہ معاشی یا اقتصادی وانتظامی نکات کے لئے ایک رکاوٹ سمجھ کر اس سے گریز کرنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ حقیقت نہیں بھولنی چاہیئے کہ یہاں کے غیور اور جمہور مسلمانوں کی ایک عظیم اکثریت اسلامی آئین کے معاملہ میں اب بھی اُن چند گنے چُنے علماء حق اور محبِ وطن وملت افراد کی پُشت پر ہے جن کی ایک معمولی اقلیت دستور ساز اسمبلی تک پہنچ چکی ہے۔ ہماری دلی تمنا ہے کہ اکثریتی پارٹیوں کی آئین کے مسئلہ پر مفاہمت اور اتفاق رائے ہو جائے اور اس بدقسمت ملک کا یہ بحرانی دور جلد از جلد ختم ہو جائے۔

لیکن یہ حقیقت مدِنظر رہنی چاہیئے کہ ایسی کوئی مفاہمت یا گٹھ جوڑ یہاں کی تمام اسلامی قوتوں کے لئے ناقابلِ قبول ہو گی جس میں پاکستان کی اساس اسلامی آئین کے بنیادی اصول کو بالائے طاق رکھا گیا ہو۔ ایسی قابلِ قبول مفاہمت اگر ہو سکتی ہے تو علماء اور اسلامی ذہن رکھنے والی ان تمام پارٹیوں کا اعتماد دے کر ہو سکتی ہے جنہیں قوم نے اسلامی آئین کی تمنا لے کر منتخب کیا ہے ہمیں خوشی ہے کہ جمعیت العلماء اسلام بھی قابل اور چیدہ چیدہ علماء اور قانوندان حضرات کے تعاون سے اپنا ایک مسودہ اسمبلی میں پیش کر رہی ہے مگر اس بارہ میں بھی ہماری مخلصانہ اور نیاز مندانہ گذارش یہی ہے کہ جمعیت کے زعماء بالخصوص قائدِ جمعیت حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اس مسودہ کو اسمبلی میں پیش کرنے سے قبل اس کے بارہ میں ملک کے مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اسلامی جماعتوں اور مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش فرماویں اسی طرح منتخب علماء کی دوسری جماعت جمعیت العلماء پاکستان کے اکابر کا بھی۔ باہمی بحث اور غور وفکر کے بعد ایک ہی مسودہ پر اتفاق رائے ہو جائے۔ اور اسلامی جذبہ سے معمور دیگر منتخب افراد سے

گو موجودہ اسمبلی ملک کو ایک آئین دے چکی ہے مگر ایک مکمل صحیح اور جامع اسلامی آئین اور اس کے حصول کے لئے اس اتفاق واتحاد کی ضرورت باقی رہے گی جس کا ذکر اس شذرہ میں کیا گیا تھا۔

بھی اس مسودہ پر مشورہ کر لیا جائے تو ایسا کرنا پوری ملت اور پاکستان کے حق میں بہتر ہوگا۔

اگر خدانخواستہ اسلامی آئین کے نام سے کئی ایک الگ الگ مسودے پیش کئے گئے اور اسمبلی میں بھی اسی انتشار اور باہمی اختلاف کا مظاہرہ ہوا تو یہ بات نہ صرف پاکستان بلکہ پوری اسلامی دنیا میں ہمارے "اسلامی آئین" کے مؤقف کو نقصان پہنچائے گی۔

اس وقت انتخابی سیاست اور گروہی نعروں کا وقت گزر چکا ہے۔ پوری ملت کے لئے آئین اور اسلامی آئین کا مرحلہ درپیش ہے، جس کے بارہ میں وقتی اور جزوی باتوں کو بالائے طاق رکھ کر پورے ایمانی جذبۂ اخلاص اور دلسوزی سے سوچنا اور قدم اٹھانا ہے آج نہ صرف پاکستان کے ہر اس دردمند شہری کی نگاہیں منتخب ہونے والی پارلیمنٹ پر لگی ہوئی ہیں جس کا دل لا الٰہ الا اللہ کی آواز پر دھڑکتا ہے بلکہ پوری اسلامی دنیا اس نازک امتحان میں پاکستان کی ملتِ مسلمہ کی طرف نگاہیں اٹھائے ہوئے ہے۔ فروری ۱۹۷۱ء

آئین ساز اسمبلی

اہل افراد کی ضرورت

جیسا کہ موجودہ حکومت (صدر یحییٰ کا دور) کے واضح اور دو ٹوک اعلانات سے ثابت ہو چکا ہے کہ آنے والے آئین ساز اسمبلی کے انتخابات کا اوّلین مقصد ملک کے لئے دستور تیار کرنا ہے۔ دستور بھی ایسا جو نظریۂ پاکستان اسلام کے تحفظ پر مبنی اور خالص اسلامی نظام کی ضمانت دیتا ہو اس مقصد کے حصول کا بے خطر راستہ ایک تو وہ ہے جسے ہم نے کئی ماہ قبل شرح و بسط سے انہی کالموں میں پیش کیا تھا کہ دستور سازی کا مسئلہ مختلف نظریات سے تشکیل پانے والی اسمبلی پر چھوڑنے کی بجائے حکومت جرأتِ مؤمنانہ سے کام لے کر ایک آرڈیننس کے ذریعہ ایسا دستور نافذ کر دے جو خالص اسلامی دستور ہو۔ اس طرح ملک ان خطرات سے نکل سکتا ہے جس میں وہ گھرا ہوا ہے اگر ون یونٹ کی تنسیخ بالغ رائے دہی اور مساوی نمائندگی کی بنیاد پر انتخابات کا فیصلہ غیر جمہوری نہیں بلکہ جمہوریت کی پاسداری ہے۔ تو جس ملک کے جمہور کی عظیم اکثریت اوّل دن سے لے کر اب تک اسلامی آئین اور اسلامی نظامِ حیات کے لئے تڑپ رہی ہو اسے ایک قطعی اعلان کے ذریعہ اسلامی اور عوامی آئین مہیا کرنا ہرگز غیر جمہوری اقدام نہ ہوگا بلکہ وہ موجودہ حکومت کا ایک ایسا کارنامہ ہوگا جسے رہتی دنیا تک سراہا جائے گا۔

یہ صرف ہماری رائے نہیں بلکہ بہت سے رہنماؤں اور لیڈروں نے بھی اس قسم کا مطالبہ کیا۔

اسلامی آئین کی تدوین کے لئے علم اور تقویٰ کے بنیادی شرائط مگر اب جب کہ آئین سازی کا کام آئین ساز اسمبلی کو سپرد کیا گیا ہے تو اس مقصد کے حصول کی ایک ہی

صورت نظر آتی ہے کہ اسمبلی میں ایسے علماء حق کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھیجا جائے جن کے علمی تبحر، دینی مقام، دیانت، تقویٰ اور اسوۂ سلف کی پیروی اور راسخ العقیدہ ہونے پر عامۃ المسلمین کا اعتماد ہو۔ ان کا مشغلہ شب و روز قرآن و سنت اور اسلامی علوم کے درس و تدریس اور اشاعت و ترویج ہو اور جو غالب اکثریت میں اسمبلی میں پہنچ کر پاکستان کو ایک ایسا آئین دے سکیں جو تمام بیرونی اثرات سے پاک ہو اور قرآن و سنت آثار صحابہؓ و سلف پر مبنی ہو۔ ظاہر ہے کہ جب دنیا کے تمام معاملات کے لئے ہم متعلقہ امور ان ہی لوگوں کے سپرد کرتے ہیں جن میں اس کام کی اہلیت تجربہ اور مہارت موجود ہو۔ میز کرسی بنوانے کے لئے بڑھئی، مشین کی خرابی کے لئے مستری اور انجنیئر کی تلاش کرتے ہیں۔ برٹش لاء کے لئے کسی ایل ایل بی ایڈوکیٹ کو اور اپریشن کے لئے ماہر سے ماہر سرجن کو دیکھتے ہیں۔ تو اسلامی اصولوں پر مبنی آئین کوئی ایسا مذاق نہیں جس کے لئے نہ تو کوئی اہلیت و صلاحیت ضروری ہو نہ اسلامی اور عربی علوم کی مہارت اور نہ خود ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے معیار کا لحاظ لازمی ہو ہر وہ جماعت جو اسلام اسلام کا نعرہ پکارتی ہے مگر اسمبلی میں ایسے راسخ العقیدہ علماءِ حق کو غالب اکثریت میں بھیجنے کے لئے تیار نہیں تو ان کا نعرہ محض فریب اور حصولِ اقتدار کا ایک ذریعہ ہے۔

آج مسلمانوں کے پاس تمام سیاسی جماعتوں کی اسلامیت جانچنے کی ایک ہی کسوٹی ہے۔ کہ جس اسلام کی وہ دن رات رٹ لگاتے ہیں کیا اس کی خاطر وہ آئین سازی کے لئے خدا ترس متدین اور مسلمانوں کے قابلِ احترام علماءِ حق کو بھیجنے کے لئے تیار ہیں یا پھر وہ اپنی اسلام پسندی کے نعروں کے باوجود اپنی پارٹی، جتھہ اور گروہ بندی کی پوجا پاٹ کرتے ہوئے ایسے لوگوں کو نامزد کر رہے ہیں جنہیں اسلامی علوم کے ابجد سے بھی واقفیت نہیں نہ ان کا عقیدہ اور ایمان اسلامی آئین کے اجزاء پر راسخ ہے بلکہ ان کا عمل بھی سر سے پاؤں تک اسلامی آئین سے بیزاری اور بغاوت کا کھلا اعلان کر رہا ہے۔ اگر ایسی ہی صورت سامنے آتی ہے تو ظاہر ہے کہ

آئندہ اسمبلی میں بھی اسلام کا وہی حشر ہوگا جو اس سے پہلی اسمبلیوں میں ہوا اور نتیجہ میں وہ خلفشار اور سر پھٹول نمایاں ہوگا جس کا خمیازہ نہایت بھیانک شکل میں پوری قوم کو بھگتنا پڑے گا۔

آئین اسلامی کے لئے علماء کا عملی سیاست میں حصہ | الحمد للہ کہ اسلامی آئین کے مقصدِ عزیز کی خاطر ملک کے دونوں حصوں کے تقریباً ہر خطہ سے ممتاز، جیّد، خدا ترس علماء، اکابرِ وقت بزرگ اور مشائخ اپنی عزّت اور آبرو وسائل و اسباب کی فکر سے بے نیاز ہو کر الیکشن کے اس خارزار اور پُر خطر وادی میں کود پڑے ہیں۔ اور مرکزی اسمبلی کے لئے الیکشن میں حصہ لے رہے ہیں۔ تاکہ اس طرح وہ اس امت پر اتمام حجت کر کے اللہ تبارک و تعالےٰ کی بارگاہ میں خود تو سرخرو ہو جائیں: فریضۂ نیابتِ نبوّت کی اس ادائیگی کے بعد اب قوم کے لئے کوئی حیل وحجت اور عذر و بہانہ نہیں رہے گا۔ اور نہ آئندہ یہاں کے مسلمان کوئی شکوہ و شکایت کر سکیں گے کہ علماء حق نے براہِ راست قوم کی رہنمائی کے لئے میدانِ سیاست میں کودنے سے دریغ کیا۔ علماء حق کے بس میں یہی ہے۔ آگے فیصلہ قوم پر ہے کہ وہ سیاست کی شعبدہ بازیوں میں پھنس کر قدرت کے دیئے ہوئے اس سنہری موقع کو ضائع کرتے ہیں یا پھر سنبھل کر قرآن وسنت کو عملاً نافذ کرانے کے لئے علماء حق کی عظیم اکثریت کو اسمبلی میں پہنچاتے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں علماء کرام و مشائخ کا اپنے دینی، علمی اور روحانی مشاغل اور مصروفیات چھوڑ کر اور گوشۂ خلوت سے نکل کر انتخابی میدان میں حصہ لینا شاید اس ملک کی تاریخ میں پہلا موقع ہے اگر یہ موقع بھی قوم ضائع کرتی ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس اتمام حجت کے بعد آئندہ اس ملک کے قائم رہنے کی کیا صورت ہو گی۔

یہ حضرات علماء کرام اور اکابر وقت مشائخ بارگاہِ ایزدی میں یہ تو کہہ سکیں گے کہ ہم نے تو دریغ نہ کی جو ہم سے ہو سکا کیا۔

عام سیاسی حالت، مسلمانوں کی دین سے برگشتگی، سیاست دانوں کی اسلام کے بارہ میں غیر مخلصانہ بلکہ منافقانہ روش، پارٹی اور جماعت کے نام پر گروہ بندیاں، باہمی تعصب و تحزب کی بناء پر نہیں کہا جا سکتا کہ علماء حق آئین ساز اسمبلی تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو سکیں گے یا نہیں ـــ مگر حصول رضائے الٰہی، دین حق کے فروغ کے لئے جہاد، اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جد و جہد اور وراثتِ نبوت کی بناء پر فریضہ کی ادائیگی کے لئے تو ایسے لوگ ہر صورت میں اس میدان میں کامیاب اور سرخرو ہوں گے کہ اصل کامیابی تو یہی ہے۔ اگر خدانخواستہ ظاہری حالات میں کوئی دوسری صورت ہو جاتی ہے تو اس کی ذمہ داری قوم پر ہو گی اور روسیاہی بھی اگر ہو گی تو پوری قوم کی اور علماء حق کہہ سکیں گے۔ کہ ؎

سودا قمارِ عشق میں شیریں سے کوہکن
بازی اگرچہ پے نہ سکا سر تو کھو سکا
کس رو سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

ہمیں اسلام اور وطنِ عزیز کے نام پر اور خدائے حی و قیوم سے کئے گئے عہدِ میثاق کے واسطہ سے پوری توقع ہے کہ وہ جہاں بھی ہوں جس پارٹی اور جتھہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں ہر قسم کی گروہ بندی، اقرباء پروری، قبیلہ اور قوم علاقائی اور وطنی یا نظریاتی بندھنوں سے آزاد ہو کر آنے والی مرکزی اسمبلی کے لئے اپنے ووٹ کی امانت اپنے علاقہ کے اُن امیدواروں کے حق میں استعمال کریں گے جو قرآن و سنت کے مستند عالم ہیں۔ دینی فرائض اور وظائف کی ادائیگی ان کا شیوہ ہے۔ عوام کو ان کی رسوخ علمی اور خشیت خداوندی پر اعتماد ہے۔ اور خود ان کا یقین بھی صرف اور صرف اسلام پر ہے جو خیر القرون کا اسلام، صحابہؓ کرام اور تابعینؒ ائمہ عظام کا اسلام تھا۔ کتاب و سنت اور قضایائے سلف پر مبنی اسلام

یہی لوگ آئین سازی کے اہل ہیں اور ان لوگوں کا ترتیب دیا ہوا آئین ہی ملک کی کشتی کو موجود منجدھار سے نکال کر ساحل تک پہنچا سکتا ہے ۔

آئین سازی کے محدود وقت کے پیشِ نظر علماء کرام پر بھی ایک نازک ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ علمی اور سیاسی مشاغل سے کچھ وقت نکال کر اور باہمی رنجشوں کو بھول کر آئین سازی کے بنیادی خطوط، طریقِ کار پر بھی ابھی سے غور و فکر شروع فرما لیں ۔ بنیادی اور اصولی چیزوں کا خاکہ تیار کر لیں ۔

اسلامی آئین اور علماء کے فرقہ بندی کے افسانے | جہاں تک اسلامی آئین کا تعلق ہے ۔ بحمد اللہ اس کے اصول تو کیا تفصیلات تک میں علماء کرام کے مکاتبِ فکر اور مختلف طبقے متفق ہیں ۔ اس بارہ میں اختلاف اور افتراق کا افسانہ کھڑا کر کے تجدد پسند اور لادین عناصر اسلامی آئین سے فرار کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں ۔ علماءِ حق چاہیں تو آپس میں قرارداد، مقاصد اور متفقہ بائیس نکات پر ابھی سے آئین کے لئے از سرِ نو تجدیدِ عہد کر سکتے ہیں ۔ اور انہی چیزوں کو بنیاد بنا کر ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء کے آئینوں سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں جو چیزیں قرآن و سنت کے مطابق نظر آئیں انہیں لے لیا جائے اور جو بائیں اسلامی اور عوامی اقدار کے منافی یا کسی شخصی یا گروہی اغراض پر مبنی نظر آئیں انہیں چھوڑ دیا جائے اگر ابھی سے اس کام کو زیرِ غور رکھا گیا اور تیاری شروع کر لی گئی اور اسمبلی میں جانے والے تمام افراد نے آئین کے حق میں مخلصانہ اور خیر خواہانہ روش اختیار کی تو انشاء اللہ ۱۲۰ دن نہیں، دس دن میں ملک کو اسلامی آئین مل سکے گا! اور اگر ارکان کے انتخاب، آئین کی ترتیب و تدوین وغیرہ میں قوم اور اسمبلی اپنی اسی روش پر چلی جو پچھلے ۲۳ سال کا شیوہ رہا تو ۱۲۰ دن کو کیا ایک سو بیس سال میں بھی یہ قوم کسی پائیدار اور مستحکم اسلامی آئین اور اس کی برکات سے مالا مال نہیں ہو سکے گی ۔۔۔ حق تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو ۔

(دسمبر ۱۹۷۰ء)

۲۸ر جون ۱۹۷۱ء کی شام کو پوری قوم صدر یحییٰ صاحب کی تقریر کے لئے گوش بر آواز تھی، صدر کی تقریر موجودہ حالات میں بہت حد تک جاندار سیاسی تعطل میں ارتعاش پیدا کرنے والی تھی۔ اکثر لیڈروں کا فوری ردِ عمل اظہارِ اطمینان تھا اور اس میں شک نہیں کہ مشروط غیر ملکی امداد کے بارہ میں خود دارانہ رویّہ، نظریۂ پاکستان اور اسلامی آئین سے وفاداری کا عہد، بھارت کے مذموم ارادوں کے سامنے عشقِ نبویؐ سے سرشار ہو کر ڈٹے رہنے کا عزم، بحالیٔ جمہوریت و انتقالِ اقتدار کے راستے پر گامزن رہنے کے عہد کی تجدید۔ یہ سب باتیں سراہنے کے قابل تھیں مگر ہمارے خیال میں تقریر کا اہم اور بنیادی حصہ وہی ہے جس کا تعلق آئین کے لئے نئے طریقِ کار سے ہے۔

قومی زندگی میں آئین کی اہمیت | آئین کسی قوم کی اخلاقی، سماجی، معاشی اور معاشرتی زندگی کا سرچشمہ اور کسی قوم کی تشکیل اور عروج وارتقاء میں اس کا حصہ ریڑھ کی ہڈی بلکہ روح جیسا ہوتا ہے۔ اس لئے آئین سے متعلق کوئی اقدام پوری قوم کی نظری وفکری قوتوں کا محور ہونا چاہیئے اور آئین کا نام آتے ہی پوری قوم کے دل کی دھڑکن تیز ہونی چاہیئے کہ ؎

عشق است وہزار بدگمانی

آئین کے موجودہ منصوبے نے ہمارے ان خدشات کو ثابت کر دکھایا کہ قوم کی اکثریت کا موجودہ جمہوری مزاج ایسے نازک ترین کام کا متحمل نہیں نہ تو وہ جذبات اور پُرفریب تصوّرات سے ہٹ کر صحیح پارلیمنٹ کا انتخاب کر سکتی ہے۔ نہ موجودہ شکل میں منتخب پارلیمنٹ خلوص، للّٰہیت سے کام لے کر اسلامی تقاضوں اور ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی اسلامی آئین ملک کو دے سکتی ہے۔

اسلامی آئین کی تشریع اور آئین سازی کو تو چھوڑ یئے جس کا حق مخلوق کے خالق نے کسی کو دیا ہی نہیں کہ خلق کے ساتھ امر[1] کا رشتہ بھی اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جدید تقاضوں کے مطابق آئین کی تشریح وتعبیر اور تدوین وتشخیص بھی اتنا معمولی کام نہیں جسے "جمہوریت" کی پیداوار ایک ایسی پارلیمنٹ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جائے جس کی اکثریت کی دین سے وفاداری تو کیا ملک وملت سے "وفاداری" کا مسئلہ بھی پوری قوم کے لئے المناک بحران کا سبب بن جائے۔

ایسے حالات میں کسی مسلمان قوم کا خدا ترس اور غیور حکمران اگر کرنا چاہے تو یہی صورت ہے کہ تمام تعصبات اور اختلافات سے بے نیاز ہو کر اللہ کے بھیجے ہوئے دین اسلام کو جو سراپا عدل وانصاف اور ابدی فلاح وسعادت کا موجودہ دنیا میں واحد کفیل ہے، ایک آرڈیننس کے ذریعہ نافذ کر دے، موجودہ دور میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر نمائندگی، انتخابات اور اس کے لئے رہنما بنیادی اصول، ملک کی بقاء کی خاطر جمہوریت کا تعطل اور بالآخر فوجی آپریشن، معاشی بحران کی وجہ سے کرنسی نوٹوں کی تنسیخ کا حکم یہ سب ایسے فیصلے ہیں جو قوم کی پسند وناپسند کے مرہون نہیں ہوتے بلکہ حالات کا تقاضا اور پوری قوم کے لئے واجب العمل بن جاتے ہیں۔

آئین اور یورپ کا تصورِ جمہوریت یہی صورت ہمارے اہم اور بنیادی مسئلہ آئین کی بھی ہے اگر اس کے بارہ میں ہمارا طرزِ عمل یورپی قوم جیسا نہ ہوتا تو اب تک ہماری قومی زندگی کا بہترین حصہ ضائع نہ ہوتا۔ یورپ جو آئین کے معاملہ میں کسی آسمانی مذہب یا اخلاقی اور روحانی قدروں کا پابند نہیں۔ وہ اگر چاہے تو لواطت اور زنا کو بھی قانونی شکل دے کر تالیاں پیٹے، پارلیمنٹ کی خاتون لیڈر کھلے ایوان میں ناجائز حمل سے بھرے پیٹ کو لے کر اعلان کرے کہ اخلاق کا تعلق نجی زندگی سے ہے اس کا تعلق سیاسی زندگی سے کچھ بھی نہیں۔ تو اسے زیب دیتا ہے کہ آئین سازی کا کام انسانوں کے منتخب کسی

---

[1] الا لہ الخلق والامر

ادارہ پر چھوڑ دے۔

تشریع نہیں تشریح مگر جو قوم مسلمان کہلائے اس کے پاس تو بنا بنایا قانون کتاب و سنت اور اس کے متعلقات کی شکل میں موجود ہے جس پر فیصلہ اور عمل درآمد اسلام کی شرطِ اوّلین ہے۔ ایسی قوم کو کب جائز ہے کہ خود "آئین سازی" کا دعویدار بن کر مغرب کے نقشِ قدم پر آئین جیسی مقدس آسمانی امانت کو بازیچۂ ہوٰی و ہوس بنا دے۔ ہاں معاملہ آئین دانی اور پھر اس کی روشنی میں جدید حوادث و نوازل اور حالات اور تقاضوں کے مطابق قانون سازی کا ہے جس کے لئے اگر قوم چاہتی تو بہتر صلاحیت کے رجال کار منتخب کر کے ملک و ملّت کی گاڑی ہلاکت اور بربادی کی دلدل سے نکال دیتی مگر صد حیف کہ وہ موقع بھی ضائع کر دیا گیا اور تیر کمان سے نکل چکا ہے اور شاید مجموعی قوم کی غیرت ملّی کے جنازہ کو کندھا دینے کے لئے غیر مسلم افراد ہی آگے بڑھنے لگ جائیں۔ یہ مکافاتِ عمل ہے اور قدرت کی طرف سے تازیانہ۔

ایسے حالات میں آئین کے لئے کمیٹی کا تقرر اور نیا طریقِ کار کافی حد تک غنیمت ہے، بشرطیکہ چند امور کا خاص خیال رکھا جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ایسے نازک اور اجتماعی کام کے لئے صدر محترم کی کوششیں جتنی بھی بے لوث اور مخلصانہ کیوں نہ ہوں ایک عادلانہ اسلامی آئین کے سلسلہ میں تب بار آور ہو سکتی ہیں کہ آئین کی تدوین و تشکیل کے لئے صحیح اور اہل رجال کار کا انتخاب کیا جائے۔ کوئی ادارہ ہزار نیک نیتی خلوص اور پاکیزگی مقصد کے باوجود اہل افراد کے بغیر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ گو ہمیں اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آئین کمیٹی میں کن لوگوں کو لیا گیا ہے؟ مگر اسلامی آئین کے تحفظ و اہمیت کے بارہ میں جناب صدر کی بار بار یقین دہانیوں کو دیکھتے ہوئے غالب گمان یہ ہے کہ انہوں نے نہایت احتیاط سے کام لیا ہو گا، اور پچھلے ۲۰ سال کے مختلف آئینی بورڈوں اور کمیشنوں کے عبرتناک انجام کو نگاہ میں رکھا ہو گا جو اسلام کے بارہ میں خام خیالی اور تجدد زدگی کی وجہ سے الحاد و تحریف کی رو میں بہہ کر حکومت اور رعایا کے درمیان نفرت اور بعد کا سبب بنے اور بدقسمتی سے اسلامی قانون کی سمت قوم کا ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کا بنیادی سبب اگر تھا

تو یہی کہ ایسے کمیشنوں کے ارکان کو وہ صلاحیت، استعداد اور اخلاص میسر نہ ہوسکی تھی جو کتاب وسنت کے مطابق آئین سازی کے لئے ضروری تھی، نہ وہ اسلامی شریعت کے مزاج کے واقف تھے نہ اسلام کی معاشرتی اور سماجی حکمتوں پران کی نظر تھی اور نہ ان کا کردار وعمل اس پیمانے پر پورا اترتا تھا۔ نتیجتہً وہ قوم کے دینی احساس، گرویدگی اور اسلام سے لگن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے نئے زمانہ کی رو میں بہہ گئے اور اسلام کو ماڈرن شکل میں پیش کرنے میں روشن خیالی اور ترقی کا معیار سمجھنے لگے۔ فطری طور پر قوم کے باشعور اور دیندار طبقہ نے اسے مسترد کردیا اور قوم کے اجتماعی معدہ نے ان سب چیزوں کو قے کردیا۔۔۔ پچھلے طویل عرصہ کا یہ تلخ اور طویل تجربہ صدر صاحب کے سامنے ہے۔ اور وہ یقیناً نہیں چاہتے ہوں گے کہ قومی زندگی کے مزید قیمتی لمحات اس سبق اور تجربہ کے دہرانے میں گنوا دیئے جائیں۔

اس احساس اور جذبۂ خیر خواہی کی بنا پر چند معروضات آئینی کمیٹی کے انتخاب کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں جن کی رعایت ایک قابلِ قبول آئین اور ملت کی بقا وسلامتی کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے۔

(۱) ضروری ہے کہ آئین کمیٹی کے تمام افراد اسلامی آئین کو موجودہ تقاضوں اور نئے مسائل کی روشنی میں مدوّن کرنے کی ہر طرح اہلیت رکھتے ہوں اور انہیں اسلامی آئین کی جامعیت، اعتدال اور سراپا عدل وانصاف ہونے کا پختہ یقین ہو۔

(۲) اگر ایک طرف وہ عصرِ حاضر کے مسائل اور جدید علوم ونظریات پر نظر رکھتے ہوں تو دوسری طرف استدلال اور تشریح وتعبیر کی اسلامی حدود اور نزاکتوں سے بھی آگاہ ہوں۔

(۳) قرآن وسنت اور اسلامی قانون (فقہ اسلامی) پر انہیں نہ صرف مطالعاتی بلکہ تحصیلی دسترس ہو۔

(۴) عصرِ حاضر کی عملی اور علمی مشکلات کے حل کے لئے وہ دینی بصیرت، فراستِ ایمانی،

سلامت فکر، دینی پختگی، ملی غیرت، خدا ترسی، تقویٰ اور جذبۂ خیر خواہی و حق کوشی جیسی صفات سے مالا مال ہوں۔

(۵) ان کا کوئی فیصلہ تعصب، تحزّب، عناد، جہل، خود غرضی اور خواہشات نفسانی پر مبنی نہ ہو بلکہ اپنے تمام فیصلوں کے لئے اللہ، رسولؐ، صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ فقہ اور تعامل سلف میں سے کوئی قوی بنیاد اور سند موجود ہو۔

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ مغربی افکار و نظریات اور نئے ازموں سے ان کا ذہن مرعوب نہ ہو تاکہ نہ تو وہ اسلام میں تحریف و ترمیم کی جرأت کرسکیں اور نہ وہ اسلام کو ماڈرن بنانے اور خود بدلنے کی بجائے قرآن بدلنے کے جذبہ سے کام کریں۔

(۷) ایک اہم بات یہ کہ ایسے لوگوں کو پاکستان کے نظریاتی پس منظر کا نہ صرف احساس ہو بلکہ انہیں اسلام اور لا الٰہ الا اللہ کے نام پر مسلمانوں کی ان بے مثال قربانیوں سے جذباتی تعلق ہو جو پاکستان کی تشکیل و تعمیر کے نام پر دی گئیں۔ اگر ایسے افراد پاکستان کو کسی سماجی یا معاشی اور جغرافیائی مسئلے کا پیدا وار سمجھتے ہوں تو وہ ہرگز کوئی مفید آئین نہیں دے سکیں گے۔

(۸) آخری بات یہ کہ تمام ارکان کو اس نازک ترین کام کے تقدس اور عظمت کا نہ صرف لحاظ ہو بلکہ ملک کی صحیح تعمیر اور قوم کی نیا پار لگانے کے لئے وہ اپنے اندر دیوانہ وار جذبۂ لگن عشق اور جوشِ عمل بھی رکھتے ہوں۔

ہمیں پورا احساس ہے کہ پچھلے دورِ غلامی نے قدیم و جدید کی جو دوئی پیدا کی ہے، پھر اپنی ستم کاریوں کی وجہ سے قحط الرجال کی جو صورت پیدا ہو چکی ہے کیٹی میں بیک وقت ایسے جامع الصفات افراد کا مہیا ہونا مشکل ہے مگر اس مشکل کو قدیم و جدید دونوں قسم کے موزوں افراد کے حسین امتزاج ہی سے حل کیا جا سکتا ہے۔ جدید ماہرینِ قانون کے پہلو بہ پہلو اسلامی علوم و فنون کی حامل شخصیتیں اگر اس کام میں شریک کی جائیں تو پوری قوم

کے لئے ایک قابلِ قبول آئین تیار کیا جا سکتا ہے۔ گاڑی کبھی بھی ایک پہیہ سے نہیں چل سکی۔ اس معاملہ میں بے احتیاطی ہمیشہ ہماری مشکلات میں اضافے کا سبب بنتی چلی آ رہی ہے۔

اسلامی آئین اور دورِ حاضر کے تقاضے رہ گئی اسلامی آئین کی تدوین اور اس کے قابلِ عمل ہونے کی بات تو یہ اب ایک ایسی کھلی حقیقت بن چکی ہے جس سے انکار سوائے عناد، ہٹ دھرمی اور اسلام کے بارہ میں کافرانہ ذہن کا نتیجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ علماء نے مختلف پیرایوں میں اسے بارہا ثابت کیا ہے، جسے ہم کسی دوسری فرصت میں بیان کریں گے۔ مغرب کا کوئی تمدنی اور معاشرتی یا سائنسی و فنی ایجاد و انکشاف اسلام کے ابدی اصولوں کو چیلنج نہیں کر سکتا، خرابی ہوگی تو ان طور طریقوں کی ذاتی ہوگی، جنہیں ہمیں یکلخت چھوڑ دینا ہوگا۔ جائز حدود میں کسی ترقی اور استفادہ سے اسلام ہمیں نہیں روکتا۔ اسی طرح اسلامی آئین ہی اس ملک کے واحد ذریعۂ نجات و بقاء ہونے پر بھی تازہ حالات نے مہر ثبت کر دیا ہے اس سلسلہ میں اہلِ زیغ والحاد اور تجدّد زدہ افراد کے اٹھائے ہوئے شبہات پر توجہ دینا قیمتی وقت ضائع کرنا ہے۔ ضرورت بس اللہ کا نام لے کر پورے ایمان و یقین اور مؤمنانہ عزم و ہمت سے کام کرنے کی ہے۔ پھر دیکھئے فلاح و سعادت کا کیسا ابدی نسخۂ اکسیر ہمارے ہاتھ آتا ہے اور ہماری تمام مصیبتیں کتنی جلد کافور ہوتی ہیں اور اللہ کی مدد کس کس طرح شریکِ حال ہوتی ہے۔

تدوینِ آئین میں پچھلے مفید کام سے استفادہ آئین کمیٹی کے لئے ضروری ہے کہ تدوین و تشکیل آئینِ اسلامی کے لئے وہ تمام مفید مواد بھی سامنے رکھے جو پچھلے ۲۳ سال میں اہلِ حق علماء اور خدا ترس افراد کے بہترین دماغوں نے سفارشات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ قرار دادِ مقاصد اور اس دور کی "تعلیمات اسلامیہ بورڈ" کی سفارشات، مختلف مکاتبِ فکر کے متفقہ ۲۲ نکات، تعلیمی اصلاحات کے بارہ میں مختلف رپوٹیں، عائلی رپورٹیں، معاشی اصلاحات کے بارہ میں ہر مکتبِ فکر کے ۱۱۸ علماء کی اصلاحات کا خاکہ یہ سب چیزیں آئین

میں بہترین رہنما اصول ثابت ہوسکتی ہیں اس کے علاوہ علماء کی ان مختلف جماعتوں سے سے بھی اگر آئین کی تدوین و ترتیب کے لئے سفارشات طلب کی جائیں جو موجودہ پارلیمنٹ میں سیٹیں حاصل کر چکی ہیں اور جنہیں اسمبلی میں آئین کے بارہ میں رائے اور مشورے کا موقع دینے کا وعدہ کیا گیا ہے تو آئین سازی کا کام بہت حد تک سہل ہوسکتا ہے۔ جمعیت العلماء اسلام کی مثال ہمارے سامنے ہے جو ملک کے برگزیدہ علماء و مشائخ کی بہت بڑی جماعت ہے۔ اس جماعت کے بہترین ماہرین اور جیّد علماء کے ایک بورڈ نے اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے ایک آئینی مسودہ تیار کر لیا ہے۔ اگر آئین کمیٹی اس سے بھی استفادہ کرے تو اس جماعت کے منتخب علماء آئندہ اسمبلی میں ترمیم اور اضافہ کی مساعی سے بچ جائیں گے۔

ہماری دعا ہے کہ خداوند تعالےٰ کمیٹی کے صحیح انتخاب اور آئین کی تیاری میں موجودہ حکومت کی دستگیری فرمائے اور قوم موجودہ غیر یقینی بحرانی کیفیت سے نکل کر یقین و اطمینان اور عزم و عمل کی دولت سے سرشار ہو۔ جولائی ۱۹۷۱ء

مغربی جمہوریت اور آئین سازی

ہمارے ہاں عموماً کچھ سیاست دان اسلام اور نظریۂ پاکستان کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں اور کچھ لوگ غریب عوام کو ایک تصوراتی جنّت دکھا کر سوشلزم یا اس کے ہم رنگ سنہری زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں۔ اوّل الذکر طبقہ کے گزشتہ طویل کارناموں، اسلام کے بارہ میں ان کا خام تصور اور معاندانہ روش کو سامنے رکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ واقعی معنوں میں ان لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس اور اسلام کی اہمیت اور ضرورت کا شعور پیدا ہُوا ہو۔ اور آئندہ اگر وہ کامیاب ہو جائے تو وہی پرانا سبق دہرا کر ملک و ملّت کو ایک بار پھر ہیجان اور اضطراب سے دوچار نہیں کریں گے۔ بلکہ پوری ایمان داری اور دیانت داری سے کتاب و سنت پر مبنی اسلامی دستور پر

اتفاق کر سکیں گے۔

رہا دوسرا ذہن تو وہ بھی دعوؤں میں جو چاہے کہے اور جس طرح چاہے اپنے لادینی نعروں سوشلزم وغیرہ پر اسلام کی مہر لگائیں مگر یہ حقیقت ہے کہ ایسی ارتیابی ذہنیت بھی ہرگز ہرگز ملک کو اسلام کا عادلانہ معاشی و معاشرتی نظام دینے پر آمادہ نہیں ہو سکتی۔

نفاق اور فکری کجروی پہلی ذہنیت نفاق اور دوسری فکری کجروی اور گمراہی کی غماز ہے۔ اور نتیجۃً اسمبلی میں جاکر ان کا اتفاق اگر ہو سکتا ہے تو اسی مغربی تہذیب اور نظامِ حیات پر جس میں ہوئی وہوس اور نفس پرستی کی تسکین کا پورا سامان موجود ہے یا پھر کسی سوشلسٹ لائحہ عمل پر اس لئے کہ وہ بھی اخلاقی اور دینی قدروں سے آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ رہا اسلام کا نعرہ تو اس کی اثر پذیری تو اس وقت قائم رہ سکتی ہے جب اسے اس کے مکمل مفہوم اور مصداق میں لے کر تمام بیرونی اور خارجی اثرات سے قطعی آزاد رکھا جائے۔

اسلام کے لئے جامعیت اور مانعیت دونوں ضروری ہیں دنیا میں کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت تب موجود ہو سکتی ہے کہ اس چیز کی جامعیت اور مانعیت دونوں کو ملحوظ رکھا جائے اگر ایک شخص کا تصور اسلام کی پوری حقیقت کا احاطہ کئے ہے اور اس کی عملی زندگی اسلام کے تمام تقاضوں کو جامع ہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ تصور اور عقیدہ کی حد تک غیر اسلامی نظریات کو بھی ذہن و فکر میں جگہ دیتا ہے تو اس کا اسلام جامع ہے مگر مانع نہیں یا اگر ایک شخص اپنے ذہن و فکر کو ہر بیرونی ازم سے پاک رکھتا ہے مگر خود اسلام یا اس کے کسی جزء کے بارہ میں اس کا عقیدہ درست نہیں تو اس کا اسلام مانع ہے مگر جامع نہیں تو نہ پہلی صورت میں، ہم ایسے شخص کو مسلمان اور اس کے اسلام کو اسلام کہہ سکتے ہیں نہ دوسری صورت میں، ایک شخص اسلام کے تمام بنیادی اصول عقیدۂ توحید و رسالت، آخرت وغیرہ پر ایمان لا چکا ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ کسی معاشرتی یا معاشی مسئلہ میں دیگر نظریات پر ایمان رکھتا ہے یا دنیا کے ہر ازم سے اسے نفرت ہے مگر خود اسلام کے بارہ میں

اس کا تصور ادھورا ہے تو دونوں صورتوں میں ہم اس کے اسلام کو کامل اور حقیقی اسلام نہیں کہہ سکتے، گاندھی اسلام کی بہت تعریف کیا کرتا تھا مگر وہ مسلمان نہیں تھا اس لئے کہ اس کے لئے مانعیت بھی ضروری تھی۔ مرزا غلام احمد اسلام کا مناد بنا پھرتا تھا مگر وہ بھی مسلمان نہیں تھا، کیونکہ اس کے لئے مانعیت اور جامعیت کی بھی ضرورت تھی اور اسلام کی حقیقت اور ماہیت کے لئے دونوں چیزیں لازمی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے عوام کی غالب اکثریت اسلام کو اس کے مکمل معنوں میں چاہتی ہے اور پچھلے تلخ تجربات نے بہت سے ابن الوقت مذہب بیزار لیڈروں کو بھی اس نعرہ کی اہمیت اور انتخابات کے موقعہ پر اس کی افادیت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے مگر کچھ تو علاقائی اور گروہی عصبیت نے اور کچھ بے شمار نظریات اور سیاست دانوں کے سرخ و سفید نعروں کی یلغار اور تصوراتی دنیا کے حسین اور سنہری وعدوں کی کیفیت آفرینی نے عوام کے لئے بہت مشکل بنا دیا ہے کہ وہ اپنے لئے کسی صحیح مخلص اور ایماندار قیادت کا انتخاب کر سکیں۔ ان حالات میں اگر بظاہر قوم ایک منتخب مجلس آئین بنانے میں کامیاب ہو بھی جاتی ہے تو اتنے گوناگوں اختلافات اور نظریات لئے ہوئے پارلیمنٹ کو کسی محدود عرصہ میں کسی ایسے آئین پر اتفاق کرنا ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے جو قوم کے دینی مزاج اور فکری و دینی و معاشی ضرورتوں پر پورا اتر سکتا ہو۔ اور یہی صورت سامنے آتی ہے تو واضح ہے کہ اس کے نتیجہ میں قوم کو پہلے سے زیادہ شدید بحرانی اور غیر یقینی حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور اس کے تلخ نتائج نہایت بھیانک شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اس وقت کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو واقعی معنوں میں تن من دھن کی بازی لگا کر خلافت علیٰ منہاج النبوت اور اسلام کا غلبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایسا اسلام جو سلف کی تشریح و ترجمانی پر مبنی ہو اور جو کسی بھی خارجی اثرات اور نظریات کا منت پذیر نہ ہو مگر کیا موجودہ صورت حال میں ان کی یہ سعی انتخابی میدان میں بارآور

بھی ہو سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب نہ صرف پوری ملت کے دینی شعور، ملی احساسات اور جذبۂ ایمان و اخلاص کے لئے لمحۂ فکریہ ہے، بلکہ یہ سوال خود علماء حق کے باہمی افتراق اور انتشار کے لئے بھی ایک تازیانہ ہے اور بظاہر پورے ملک کی غیرت وحمیت کے لئے ایک ایسا چیلنج ہے جسے کیا عوام کیا علماء اور کیا سیاسی قائدین سب اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔

مغرب کی پارلیمانی جمہوریت سے اسلامی آئین کی توقع موقع اور حالات کی نزاکت اگر کچھ لوگوں کے احساس اور بُرے بھلے کی تمیز کو جھنجھوڑ دیتی ہے اور کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی کے اہل دو چار افراد اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں تو موجودہ مغربی جمہوریت کے دائرہ میں وہ یہ تو کر سکتے ہیں کہ پیش آمدہ مسائل کے بارہ میں اسلام کے نقطۂ نظر سے ایوان کو آگاہ کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں اور قوم پر اتمام حجت کرادیں۔ مگر اس مغرب کے ملعون جمہوری نظام نے یہ راستہ تو یقیناً مسدود کرلیا ہے۔ کہ کسی معاملہ میں فیصلہ اکثریت کی رائے اور ووٹ پر نہیں بلکہ خیر و بھلائی اور حق پر کیا جا سکے کیا پچھلے دور میں ایسے بے شمار مواقع نہیں آئے کہ ایوان کی اکثریت کسی مخالف مؤقف اور استدلال کو حق اور قرینِ صواب سمجھتے ہوئے بھی جماعتی اور شخصی مفاد، گروہی تعصب یا نفس اور خواہشات کی وجہ سے اپنے غلط اور غیر اسلامی موقف پر ڈٹی رہی اور نتیجۃً فیصلہ ملک و ملت کے اخلاق، تمدن اور معاشرت کو نقصان پہنچانے والی بات کے حق میں ہوا۔

بلاشبہ سوشلزم کفر پر مبنی ایک نظام حیات ہے مگر مغربی جمہوریت جس شکل میں ہمارے اوپر مسلط ہے اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہمیں صحیح اسلامی نظام حکومت بھی دے سکتی ہے، اس بات سے کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ہم کمیونزم، سوشلزم یا مغرب کے کسی لادینی نظام سے یہ امید وابستہ کر دیں۔ ہمیں اسلامی دستور العمل مہیا کر دے گا۔

مغربی جمہوریت کے بارہ میں سطحی نقطۂ نظر اس میں شک نہیں کہ سوشلزم کا فلسفۂ حیات

مذہب اور دین سے قطعی ایک متصادم فلسفہ ہے مگر "جمہوریت" بھی اگرچہ وہ براہ راست اسلام کی مدمقابل نہ بنے پھر بھی عملاً اور نتیجتہً وہ بھی اسلام کے نفاذ کی راہ میں سدِّراہ بننے والی چیز ہے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ بعض ثقہ اور معاملہ فہم سنجیدہ اہل علم اور اصحاب فہم بھی سوشلزم کی بجا طور پر مخالفت کرتے ہوئے جمہوریت کے بارہ میں مغالطہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس بارہ میں ان کا نقطۂ نظر یا تو محض سطحی یا پھر رواداری کا ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تو محض ایک طرز حکومت ہے مگر یہ سوال اپنی جگہ باقی رہ جاتا ہے کہ کیا یہ طرز حکومت اسلامی ہے یا کافرانہ؟ مان لیا کہ جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے مگر کیا مسلمانوں کی زندگی کے متعلق تمام مسائل از قسم معاملات، معاشرت، معاش اور تمدن اس طرزِ حکومت ہی کی گرفت میں نہیں آئیں گے اور کیا اس طرزِ حکومت میں یورپ کی طرح صرف ملک اور زمین خدا کی اور حکم بجائے بادشاہ کے عوام کا نہ ہوگا؟

اسلامی نظامِ حکومت اور جمہوریت، دو متوازی راستے | اسلامی نظام حکومت میں زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جو اس کی اثر اندازی سے باہر رہ سکے نہ اس میں دین اور سیاست کے خانے الگ الگ ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر کسی طرز حکومت کا غیر اسلامی ہونا پورے نظامِ زندگی کے کافرانہ ہونے کے لئے کافی ہوگا، اور سوشلزم اور جمہوریت میں کچھ فرق نہیں کیا جا سکے گا۔ اور یہ ہم نے اس لئے کہا کہ یہ بات تو بالکل بے لاگ ہے۔ کہ اسلام میں اصل حاکمیت اور فیصلہ کا حق خدا اور اس کے رسولؐ کو ہے صرف وہی قانون سازی کا حقدار ہے مگر مغرب کے جمہوری نظام میں قانون سازی کا حق صرف عوام اور رعیت کو دیا گیا ہے۔ مگر اسلام پوری ملت کو مل کر بھی شریعت سے متصادم کسی بات پر قانون سازی کرنے کا حق نہیں دیتا۔ اور نہ وہ منصوص احکام اور قطعی معروفات یا منکرات کی قانونی حیثیت بدلنے پر ووٹنگ کرنے کا روادار ہے، بخلاف اس کے جمہوریت ایک ووٹ کی اکثریت سے بھی کسی حرام اور قطعی ناجائز بات کے حق میں فیصلہ دے سکتی ہے۔ اسلام کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات پر اثر انداز ہونے والے کسی مجلس میں نمائندگی کا حق نہیں دیتا، نہ عورتوں کے نازک کاندھوں پر یہ عظیم کام

ڈالنا چاہتا ہے، جب کہ جمہوریت کسی عیسائی اور قادیانی تک کو ملک کے اہم ترین منصب وزارت، صدارت یا عدالتِ عالیہ کے سب سے بڑے عہدہ چیف جسٹس پر فائز کرانے سے نہیں جھجکتی اور وہ عورتوں تک کو ایوان میں ایک اہم حصہ دیتی ہے۔ اسی طرح اسلام کسی منصب یا عہدہ کے لئے کسی مسلمان کا از خود اپنے آپ کو پیش کرنے اور اس کے لئے جدوجہد کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ جب کہ جمہوریت کی ساری اسی "من چو دیگرے نیست" پر کھڑی ہے۔ اسلام میں کسی عہدہ کا استحقاق ایک شخص کی ذاتی اہلیت اور صلاحیت پر ہے۔ اگر اس میں یہ اہلیت نہیں تو عہدہ کے قابل نہیں اور اگر اس میں یہ تمام شرائط موجود ہیں، تو وہ اسے ایک مقررہ مدت گزرنے پر بلا وجہ معزول نہیں کرتا، مگر موجودہ جمہوریت معیارِ استحقاق ووٹوں کی اکثریت کو قرار دیتی ہے خواہ وہ اہلیت کے لحاظ سے صفر کیوں نہ ہو۔ اسی طرح وہ ایک خاص میعاد گزرنے پر اسے معزول کر دیتی ہے خواہ وہ عدالت اور صلاحیت کے لحاظ سے ہر طرح پورا کیوں نہ ہو۔ اس میں اسلام پوچھتا ہے کہ اگر یہ شخص نا اہل ہے تو اسے حاکم کیوں بنایا گیا اور اگر اہل ہے تو اب اسے معزول کرنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ اس صورت میں تو وہ ایک با اختیار حاکم نہیں بلکہ بے دست و پا محکوم بن جاتا ہے کہ مقررہ مدت گزرنے پر بلا وجہ اسے سبکدوش کر دیا جاتا ہے۔ اسلام حکومت کو ایسا بے دست و پا نہیں بنانا چاہتا، نہ خلافت کی عظیم امانت اتنی ہلکی ہے کہ وہ اسے ملک کے ہر اہل و نا اہل میں سے جس کو چاہے سونپ دے۔

سوشلزم لاتی ہے تو جمہوریت منات پھر وہ جمہوریت جو ووٹوں کی بنیاد پر برطانیہ میں لواطت اور پاکستان میں زنا بالرضا کو سندِ جواز فراہم کر سکتی ہے، تعددِ ازدواج پر پابندی لگاتی اور خاندانی منصوبہ بندی کی اجازت دے سکتی اور شراب کے پرمٹوں کا کوٹہ مقرر کر سکتی ہے، اللہ تبارک و تعالےٰ کے اٹل قانونِ میراث میں غیر حقدار کو حقدار بنا سکتی ہے۔ ہر شہری کو جو مذہب چاہے اختیار کرنے کی ضمانت دے سکتی ہے ایسی جمہوریت کے اسلامی ہونے کا فتویٰ لگانے والے بزرگ اس بارہ

میں کیا ضمانت دے سکتے ہیں کل یہی اسمبلی شراب، جوا، سود جیسے قطعی محرمات کے علاوہ ملک کا پورا معاشی اور معاشرتی ڈھانچہ کسی غیر اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کی جرأت نہ کر سکے گی۔ پس اگر سوشلزم جیسا کہ واقع ہے، ایک کافرانہ نظام ہے تو ایسی جمہوریت کیوں اسلامی طرزِ حکومت ہے۔ اگر وہ لات ہے تو یہ منات کیوں نہیں؟

اسلامی قانون کی تدوین و تشریح کا حق کس کو ہے واقعہ یہ ہے کہ اسلام نہ تو کسی صدارتی یا پارلیمنٹری نظام کو یہ حق دیتا ہے اور نہ کسی فسطائیت یا ڈکٹیٹر شپ کو کہ وہ جیسا چاہیں مسلمانوں کے معاشرت، تمدن اور معاشیات سے متعلق کسی مسئلہ میں قانون سازی کریں، نہ وہ کسی منصوص محرمات اور قطعی منکرات یا معروفات پر رائے شماری برداشت کر سکتا ہے، بلکہ اس کی نگاہ میں کسی اسمبلی یا مجلسِ شوریٰ کی حیثیت ایک قانون دان کی ہے قانون سازی کی نہیں۔ یہ قانون دانی معاشرہ کے کسی خاص طبقہ اور کسی فرد یا جماعت کے نام الاٹ نہیں، لیکن جس طرح دنیا کے ہر قانون کے بارہ میں بولنے اور رائے دینے کا حق صرف اسی کو دیا جا سکتا ہے جو اُس قانون کی بنیادی زبان اس کے محرکات و عوامل اس کے اسرار اور حکمتوں اور اس کی تمام فنی پیچیدگیوں سے آگاہی رکھتا ہو۔ اگر فرانسیسی زبان کے ابجد سے بھی ناواقف شخص قانونِ فرانس کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ اور انگریزی سے نابلد شخص برٹش لاء کی گتھیاں نہیں سلجھا سکتا۔ کسی ہل جوتنے والے ان پڑھ کاشتکار کو ہم تعزیراتِ ہند کی تشریح کا حق نہیں دے سکتے۔ تو پھر قرآن وسنت اور اس کے استنباط اور اجتہاد حق بھی، ہم ایسی پارلیمنٹ کو نہیں دے سکتے جس کی اکثریت اسلامی اصولِ شریعت کے مبادیات تو کیا، نفسِ اسلام کے ابجد سے بھی ناواقف ہو۔ ایسا کرنا خدائے علیم و حکیم کے آسمانی قانون کے ساتھ ایک ایسا مذاق ہوگا جس کی نظیر زمین پر انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کے ساتھ کسی بھی مذہب اور قوم میں نہیں مل سکتی۔ قانون دانی کے تمام شرائط اور تقاضوں پر پورا اترنے والے افراد بھی اگر کچھ کر سکتے ہیں تو صرف یہی

کہ کتاب وسنت پر مبنی احکام و قوانین کو زندگی کے مختلف شعبوں پر لاگو کرنے کی صورتیں تجویز کریں۔ حوادث اور نوازل کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھیں، عصری تقاضوں کو اسلام کے قالب میں ڈھالیں، نہ یہ کہ خود اسلام کو کھینچ تان کر نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کریں۔ مگر مغربی جمہوریت ایسا نہیں کرتی بلکہ تمام ارکانِ اسمبلی کو بے لگام چھوڑ کر ووٹنگ کے نام پر خدا اور رسول ؐ کی تشریعی حیثیت کو چیلنج کرتی ہے جبکہ قانون سازی کی حد تک اسلام میں قطعی ڈکٹیٹر شپ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ؐ کے ساتھ مخصوص ہے۔ عوام اور رعایا کو اس میں دخل اندازی کا حق نہیں۔

اسلام کا تصورِ جمہوریت اسلام میں اگر جمہوریت ہے تو وہ صرف اس معنی میں کہ مسلمانوں کا کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ قوتِ حاکمہ بھی خدا اور رسول ؐ کے تشریعی اختیارات میں دست اندازی نہیں کرسکتا۔ وہ ہر شہری کو حق دیتا ہے کہ منکرات پر قرآن و سنت کی روشنی میں تنقید اور معروفات کی تلقین کرے۔ کلمۂ حق کہنے کا حق ہر جابر و قاہر بادشاہ کے سامنے ہر ادنیٰ رعیت کو حاصل ہے بھلائی کی بات سے کوئی طاقت کسی مسلمان کو نہیں روک سکتی۔ یہ آزادیٔ رائے اسلام کی خاطر ہے. اسلام کے خلاف نہیں۔ ایک ضعیف بڑھیا فاروقِ اعظم رضؓ جیسے خلیفۂ عادل کو ٹوکنے کی مجاز ہے۔ صدرِ مملکت ہر بات میں اللہ اور اس کے رسول ؐ اور تمام رعایا کے سامنے جواب دہ ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جمہوریت کے نام پر ہر فرد دین شریعت اخلاق اور تہذیب کے بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

غلط تصورِ جمہوریت پر مبنی فریب کاریاں جمہوریت کے اس غلط مغربی تصوّر کی وجہ سے بعض خود غرض امراء اور بے دین اصحابِ قلم نے یہاں تک کہا کہ اسمبلی کا دائرۂ اختیار اس حد تک وسیع ہے کہ اسے "مرکزِ ملّت" کی حیثیت حاصل ہے، اور رسول ؐ کی اطاعت کی طرح اس کے ہر فیصلے کی اطاعت لازمی ہے۔ یہ تصور منکرینِ حدیث کے قائد پرویز اور ایک حد تک ڈاکٹر فضل الرحمان نے عام کیا۔ صدر ایوب نے جو اپنے آمرِ مطلق ہونے کے لئے شرعی سند بھی ڈھونڈھنا چاہتا تھا۔ نہ صرف اس کافرانہ

نظریہ کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اپنی خود نوشت سوانح میں اس تصور کو بھی عام کرنا چاہا کہ پارلیمنٹ کی آئین سازی کو شریعت کے ایک اہم اور بنیادی اصول "اجماع" کی حیثیت حاصل ہے جس کے بعد اس کے فیصلوں پر عمل ساری امت کے لئے لازمی قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ محض جہالت یا فریب کاری کا ایک کرشمہ ہے اور تمام فقہائے امت نے اجماع کی جو تعریف کی ہے اور جو اصول اور شرائط اس کے انعقاد کے لئے طے کئے ہیں اس کی ادنیٰ مناسبت بھی پارلیمنٹ کے فیصلوں سے نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ جو اجماع تمام مسلمانوں کے ممتاز ترین اہل علم اور علماء راسخین کا (جو اجتہاد کی اہلیت رکھتے ہوں) کتاب و سنت اور قیاس صحیح کی روشنی میں کسی کام پر متفق ہونے کا نام ہو وہ دنیا کے کسی خاص نقطہ کے چند ایسے افراد کے فیصلہ پر کب صادق ہو سکتا ہے، جن میں فقہاء اور مجتہدین تو کیا نام کے علماء بھی صرف دو ایک ہوں۔ باقی اکثریت صرف عام مسلمانوں کی نہیں بلکہ غیر مسلم اقلیتی افراد اور خود مسلمانوں میں دین کے بارہ میں معاندانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کی ہو، اور اس کے فیصلے کتاب و سنت کی کسی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی نفی کرنے والے ہوں۔ اپنے دین کے اصول کو اس طرح بازیچۂ اطفال بنانے کی مثالیں غیر مسلم اقوام میں بھی کم ہی ملیں گی۔

فقہاء امت کا دستوری اور قانونی سرمایہ ہمارے سامنے فقہاء امت کی قانونی اور آئینی تفصیلات اور تشریحات کا ذخیرہ موجود ہے انہوں نے ہر دور کے نازک اور پیچیدہ ترین مسائل پر اصولِ شریعت کی تطبیق و تنقیح کا ایک بے مثال کارنامہ چھوڑا ہے۔ مگر اس کی حیثیت بھی از خود کسی قانون سازی کی نہیں بلکہ اصول و عمل کی روشنی میں کسی چیز کی جائز یا ناجائز حیثیت ظاہر کر دینے کی ہے، اسلامی فقہ کے تمام مکاتبِ فکر نے اگر کسی رائے کو کتاب و سنت سے زیادہ قریب پایا تو اسے قبول کر لیا اور جسے ہٹا ہوا سمجھا اسے مسترد کر دیا، خواہ اس کے کہنے والے کتنے زیادہ کیوں نہ ہوتے۔ جب تک کوئی فیصلہ کتاب و سنت اور اس کے منشاء

وعلت پر مبنی نہ ہوتا، ناقابلِ قبول ہوتا۔ امام ابو حنیفہؒ کی کوفہ والی مجلسِ قانون کتاب وسنت پر ہوتا۔ کبھی کسی مسئلہ میں صرف ووٹنگ اور اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا گیا۔

خطرات اور مشکلات بہر حال یہ تو ایک تمہیدی بات تھی جو طول پکڑ گئی، آج کی فرصت میں ان خطرات اور مشکلات کی ایک جھلک دکھانا مقصود ہے جو موجودہ دورِ جمہوریت میں تشکیل پانے والی کسی اسمبلی کی صورت میں بھی اسلامی آئین سازی کے لئے سدِ راہ بن سکتے ہیں۔ اس اسلامی قانون سازی کی حیثیت کیا ہوگی؟ اور اسکے لئے دینی اور علمی اہلیت کا معیار کیا ہوگا؟ وہ کیا صورتیں ہیں جو ارکانِ اسمبلی کو کتاب و سنت کے دائرہ میں پابند بنا سکتی ہیں؟ اور وہ کونسا با اختیار ادارہ ہوگا جو کسی معاملہ میں نزاع کی صورت میں اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرے گا؟ پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ادارہ پچھلے دور کے شراب اور ربوا کو حلال کرنے والی "عبقری شخصیتوں" سے پاک رکھا جائے گا۔؟ اور وہ کون سی طاقت ہوگی جو تمام ارکان کو اسلام کی اپنی من مانی تشریح اور ترجمانی سے روک کر انہیں اسلام کے مسلمہ قطعی اور متوارث مفہوم تسلیم کرنے پر مجبور کرے گی؟ یہ چند سوالات ہیں۔ جو ملک کے تمام اہلِ علم اور اصحابِ فکر کی توجہ کے مستحق ہیں اور اس کے قابلِ اطمینان جواب پر ہی ملک کو ایک ایسا مکمل اسلامی آئین مہیا ہو سکتا ہے۔ جو اسلام اور عوام کی ضروریات کے تمام تقاضوں کا آئینہ دار ہو۔

مسلمانوں کا باہمی اختلاف فکر اسلامی آئین کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتا اسلامی آئین کی بات سن کر کچھ لوگ ایسے موقع پر مختلف فرقوں کی بنیاد پر اسلام کا ایک ناقابلِ عمل آئین ہونے کا افسانہ کھڑا کر دیتے ہیں اور یہ ان کی سراسر فریب کاری ہوتی ہے۔ دراصل ایسے لوگ باطنی منافقت اور دلوں کے کھوٹ کی وجہ سے اسلام کو بحیثیت دستور العمل کے ایک دین ہی نہیں سمجھتے اور اسی مغالطہ انگیزی کے کام سے کر اللہ اور رسول کریمؐ کی لائی ہوئی شریعت کو اس ملک میں نافذ

ہی نہیں دیکھنا چاہتے ۔ ظاہر بات ہے کہ آئین اور دستور کا زیادہ تر تعلق رعایا کی باہمی معاشرت، تمدن اور داخلی و خارجی معاملات سے ہوتا ہے عبادات سے نہیں۔ اور جہاں تک خرید و فروخت، اجارہ، زراعت یا اس قسم کے تمام معاملات کے احکام کا تعلق ہے۔ اس ملک کے تمام اسلامی فرقوں کا اس میں اختلاف نہیں، معاشرتی قوانین نکاح، طلاق، عدت، باہمی حقوق، میراث وغیرہ کا بھی یہی حال ہے۔ سود، زنا، شراب، جوا، سمگلنگ، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، ڈکیتی، اغوا۔ الغرض مال و جان میں دست اندازی کی تمام شکلیں سب کے ہاں ناجائز اور قابلِ سزا جرائم ہیں۔ سُنّی تو کیا کسی شیعہ کو بھی ان امور کی قباحت میں تامّل نہ ہوگا۔ اخلاق اور معاشرہ کی استواری کے تمام احکام اور ہدایات سے بھی کسی کو اختلاف نہیں، ملک کے انتظامی امور اور ترقیاتی منصوبوں کے بارہ میں بھی اسلام کا کوئی مکتبِ فکر دوسرے سے دست و گریباں نہیں۔ حدود و تعزیرات میں متفق الخیال ہیں۔ بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں ہر مکتبِ فکر میں ناقابلِ برداشت ہیں، کوئی بھی فرقہ معاشی ناہمواری یا غیر فطری مساوات کا قائل نہیں جو مغربی سرمایہ داری اور اشتراکیت کا نتیجہ ہوتی ہے اسلام کا ہر فرقہ یہی کہتا ہے کہ اسلام کسی خاص طبقہ کی معاشی خوش حالی کا محافظ نہیں بلکہ وہ غریب و امیر سب کے حقوق اور سب کی بنیادی ضروریات کا کفیل ہے۔ پس وہ کون سی رکاوٹ ہے جو باہمی اختلافات کی وجہ سے اسلامی آئین کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

مسلمانوں کے مکاتبِ فکر کے اختلافات کا اصل دائرہ مختلف مکاتیبِ فکر کے اختلافات کا زیادہ تر ظہور عقائد اور عبادات میں ہوتا ہے، جس کے مٹانے اور کسی ایک فقہی اور فروعی نقطۂ نظر پر متفق کرانے کا حق شریعت نے خاص مصلحتوں کی وجہ سے کسی اسلامی اقتدار کو دیا ہی نہیں بلکہ اسے آئین کے دائرہ سے باہر چھوڑا گیا ہے۔ نماز میں قراءت یا آمین کہنا جہر ہے یا خفیہ، رفع یدین

ہے یا نہیں ؟ وتر کی رکعات کتنی ہیں ؟ حج میں قران بہتر ہے یا تمتع ؟ سفر میں دو رکعت بہتر ہیں یا چار ؟ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نور ہیں یا بشر ؟ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہیں یا نہیں ؟ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ افضل تھے یا ابو بکرؓ و عمرؓ ؟ ائمہ کی تقلید ضروری ہے یا نہیں ؟ اور اس قسم کے دیگر مسائل گو ان میں سے بعض عقائد کی حد تک بے حد نزاکت اور اہمیت کے حامل کیوں نہ ہوں ؟ مگر ان اختلافات سے ملک کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور تمدنی مسائل میں قرآن وسنت کی بالادستی ہرگز ہرگز متاثر نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر کچھ لوگ اسلام کے صریح محرمات شراب، جوا، زنا، سود وغیرہ کو حلال ٹھہرانے لگیں، حدود اور تعزیرات کو ظلم اور وحشت سمجھنے لگیں۔ اخلاقی آوارگی بے حیائی اور فحاشی کو ترقی اور کامیابی قرار دینے لگیں تو ایسے لوگوں کی مخالفت کا اعتبار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ ایسے لوگ اسلام یا اس کے کسی فرقے میں داخل کب رہ جاتے ہیں اس کا مطلب تو یہ ہے کہ کل ہم اس ملک کے عیسائی، یہودی، ہندو اور قادیانی اقلیتوں کی موجودگی کو سرے سے سیکولر آئین کے لئے وجہ جواز بنا دیں، ایسا کرنا یقیناً اس ملک کے بنیادی مقاصد سے غداری کرنا ہوگی۔

اسلامی آئین کی چند ضروری شرائط

آئینی کمیٹی کے مسودہ پر غور و خوض کرنے اور آئین کو آخری شکل دینے کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہو چکا ہے۔ آئینی مسودہ کی تفصیلات[1] چونکہ تادم تحریر ہمارے سامنے نہیں آسکیں اس لئے اس پر رائے زنی کا موقعہ تو نہیں ہے، البتہ پچھلے دنوں حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف کے رہنماؤں کے درمیان جو آئینی سمجھوتہ ہُوا ہے اور کمیٹی نے مسودہ میں اس کی بنیادی باتوں کو مدِ نظر رکھا، اس کی اسلامی اور جمہوری حیثیت پر بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے، مگر آج کی فرصت میں اس کی جمہوری خامیوں کو نہیں بلکہ صرف اسلامی حیثیت پر کچھ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ مستقل آئین کے سلسلہ میں اس کو نہ صرف اراکینِ اسمبلی بلکہ تمام مسلمان ملحوظ رکھ کر آئین کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کر سکیں۔ آئینی سمجھوتہ میں یہ بات بڑی حد تک خوش آئند سمجھی گئی ہے کہ ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا۔ ملک کے قوانین قرآن و سنّت کے مطابق ہوں گے۔ صدرِ مملکت کے لئے مسلمان ہونے کا اور ایک حد تک اس کی تعریف کرتے ہوئے، اقرار لازمی ہو گا۔ اس طرح کی بعض دوسری باتیں جنہیں آئین کے اسلامی ہونے کا ضامن سمجھا گیا ہے، بجا طور پر تحسین و تائید کی مستحق ہیں۔ مگر پچھلے دساتیر کی طرح یہاں بھی چند ایسی بنیادی خامیاں دانستہ رکھی گئی ہیں کہ یہ باتیں محض فریبِ نظر بن کر رہ گئی ہیں۔ اور پورے آئین کو یکسر اسلامیت کی روح سے بیگانہ کر دیا گیا ہے۔ اور محض ایک خوشنما عنوان کے پردہ میں اسلامی قوانین و حقوق کا بُری طرح مذاق اڑایا گیا ہے۔ اس طرح ہم دستور میں اسلام، خدا اور رسولؐ، قرآن و سنّت اور

---

[1] بعد میں یہ تفصیلات سامنے آگئیں اور آئین منظور بھی ہو گیا مگر اس مضمون کی اہمیت اور افادیت منظور شدہ آئین کے بارہ میں اسی طرح برقرار ہے۔

اسلامی اصول کے محض ذکر سے سادہ لوح مسلمانوں کو تو مطمئن کر سکیں گے، مگر مقصد کسی طرح حاصل نہیں ہو سکے گا۔

۱:۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ اگر مذکورہ سب باتیں دستور کے دیباچہ یعنی "مملکت کی پالیسی طے کرنے کے رہنما اصول" میں رکھی گئی ہیں، تو ان کی کوئی قانونی پوزیشن باقی نہیں رہ سکتی۔ یہ حصہ قانون کا وہ حصہ ہے، جس کی خلاف ورزی کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اور کسی بڑے سے بڑے غیر اسلامی قانون کو اسلامی قانون کا نام دے کر آپ ملک میں بآسانی نافذ کر سکیں گے۔ اس لئے لازمی ہے کہ ان تمام باتوں کو قانون سازی کے بنیادی ابواب اور طریق کار والے حصہ میں درج کیا جائے تاکہ کسی بھی خلاف ورزی کو عدالت میں چیلنج کیا جا سکے۔

۲:۔ بظاہر پارلیمانی نظام میں صرف قومی اسمبلی قوانین کو آخری شکل دیتی ہے، اس صورت میں یہ ضمانت دینا لازمی ہے کہ کسی وقت اسمبلی اکثریت کے بل پر اسلامی احکامات و تعلیمات کے خلاف کوئی فیصلہ کر دے تو اس کی اصلاح کے متبادل راستے کھلے ہوں۔ مثلاً ہر مسلمان شہری کو یہ حق حاصل ہو کہ اسمبلی کی کسی غیر اسلامی قانون سازی کو ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں چیلنج کر سکے، بغیر اس کے اقتدارِ اعلےٰ اللہ تعالےٰ کے سپرد کر دینے کے محض ایک رسمی اعلان سے کوئی چیز اسلامی نہیں ہو سکتی۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جب بنیادی حقوق کی حق تلفی کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا جا سکتا ہے تو مذہب اور اسلام کے خلاف کسی قانون سازی پر جو نہ صرف ہر مسلمان کی سب سے بڑی حق تلفی بلکہ کروڑوں مسلمانوں کی حق تلفی ہوتی ہے، ہر عدالت کا دروازہ کھلا رہنا اور بھی ضروری ہے۔

۳:۔ آئین میں صدر یا گورنروں کو قانون سازی سے پیشتر انتظامی و غیر انتظامی آرڈیننسوں میں بھی اس بات کا پابند کرانا ضروری ہے کہ کوئی حکم یا فرمان کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو، تاکہ قانون سازی سے پہلے غیر اسلامی آرڈیننس نافذ رہنے کی گنجائش نہ رہے۔

۴:۔ آئین میں قانون سازی کو کتاب وسنت کا پابند بنانے کے لئے صرف منفی پہلو کافی نہیں بلکہ مثبت طور پر یہ بھی وضاحت ہو کہ ساری قانون سازی کتاب وسنت کے مطابق ہو گی۔

غیر مسلم اور کلیدی مناصب | ۵:۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ جس طرح صدر کے لئے مسلمان ہونا ضروری سمجھا گیا ہے۔ اس طرح ان تمام کلیدی مناصب کو بھی اس شرط کا پابند کر دیا جائے، جو کسی نہ کسی صورت اسلامی مملکت اور مسلمانوں کے مفادات، نظم و نسق اور حل وعقد پر اثر انداز ہو سکتے ہوں یا کسی بھی طرح تنفیذ احکام اور ولایتِ عامہ یا ولایت خاصہ کے دائرے میں آتے ہوں کیونکہ اسلام میں کسی بھی غیر مسلم کو ولایت، قضاء اور تنفیذِ احکام جیسے امور میں مسلمانوں پر بالادستی نہیں دی گئی لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً ہمیں کسی کمیونسٹ ملک میں ایسی مثال نہیں مل سکے گی جہاں کسی اہم کلیدی منصب پر ایسا شخص فائز ہوا ہو جو کھلے بندوں کمیونزم پر عقیدہ نہ رکھے اور اُسے نشانہ تنقید بنائے نہ کسی سرمایہ دارانہ نظام میں ایسی کوئی نظیر ملتی ہے۔

وزیر اعظم اور وزراء اعلیٰ | پارلیمانی نظام میں ان مناصب میں سب سے پہلا نمبر وزارتِ عظمیٰ کا آتا ہے۔ وزیرِ اعظم اس نظام میں اختیارات کا اصل سرچشمہ ہوتا ہے اس کا مسلمان ہونا انتہائی ضروری ہے۔ اسی طرح مرکزی وزراء بالخصوص وزیرِ دفاع، وزیرِ تعلیم، وزیر قانون وزیرِ خارجہ کا، کسی اسلامی مملکت کے نظریات اس کی بقاء واستحکام اور قیام عدل وغیرہ بنیادی مسائل میں اہم ترین حصہ ہے اس لئے ان کا مسلمان ہونا لازمی ہے — ارکانِ عدلیہ سپیکر، ڈپٹی سپیکر، الیکشن کمشنر، گورنر، صوبائی وزراء اعلیٰ کے عہدوں پر غیر مسلم عیسائی یا مرزائی کو متمکن ہونے کا موقعہ دینا بھی کسی اسلامی سٹیٹ کی بھلائی نہیں۔

جج اور سربراہ افواج | اسلامی قانون کے مطابق عدل وانصاف کی نگہداشت اور تنفیذ کرنے والی اہم شخصیت قاضی اور جج کی ہوتی ہے اسلام کسی حال میں کسی غیر مسلم کو اس منصب پر فائز ہونے کا حق نہیں دیتا بلکہ اسلام کی اوّلین شرط کے ساتھ اسلامی علوم، ماخذ قانون پر اس کی اصل زبان عربی میں عبور کو بھی ضروری سمجھا گیا ہے! اور سب سے بڑھ کر

افواج کی سربراہی جیسے کلیدی مناصب، جس میں غیر مسلم پر اعتماد کرنا کسی حال میں بھی دانشمندی نہیں کہلا سکتی نہ کسی نظریاتی مملکت میں اپنی تقدیر سے اس طرح کے شرمناک کھیل کھیلنے کو وسیع النظری سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ ایک ایسے آئین میں جس میں اسلام کو سرکاری مذہب تسلیم کر لیا جائے اور وہ کسی سیکولر سٹیٹ کا آئین نہ ہو کسی بھی غیر مسلم کو ایسے تمام مناصب پر فائز ہونے کی گنجائش نہیں رہنی چاہیئے۔ جبکہ کئی افسوسناک نتائج کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔

غیر مسلم ارکان اسمبلی (۶) نہ صرف یہ کہ اسلام ان تمام مناصب کے لئے ضروری شرطِ اہلیت ہونا چاہیئے، بلکہ اسلام کی نگاہ میں چونکہ کسی غیر مسلم کو قانون سازی کا حق نہیں پہنچتا اس لئے اوّلاً تو ارکانِ اسمبلی کے لئے بھی یہ شرط لازمی تھی، مگر "جمہوریت" کے خوشنما پردہ میں جب یہ غیر اسلامی زہر نگلا ہی جا رہا ہے، تو کم از کم غیر مسلم ارکان کو "کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی" کے بارہ میں رائے اور ووٹ دینا تو کسی حال میں بھی قرین عقل و قیاس نہیں، مگر یہاں تو طرفہ تماشا یہ ہے کہ حلفِ وفاداری کے وقت غیر مسلم ارکان بھی "اسلامی نظریہ" کی حفاظت و اشاعت کا حلف اٹھاتے ہیں، جب کہ خود ان کا عقیدہ اور نظریہ اس حلف کا مذاق اڑاتا ہے۔ اس صورت میں غیر مسلم ارکان کے لئے حلف کی عبارت الگ ہونی چاہیئے تاکہ نفاق کی یہ صورت نہ رہے۔

مسلمان کی تعریف (۷) جبکہ مسلمان اور اسلام لازمی طور پر ایک خاص مفہوم اور معنے اپنے اندر رکھتا ہے تو ضروری ہے کہ آئین میں مسلمان کی تعریف بھی شامل ہو۔ اگر ہم ایک لمحہ کے لئے مان بھی لیں کہ علماء اس کی لفظی تعبیر میں متفق نہیں ہو سکے[1]۔ تو کیا آپ ارکانِ اسمبلی کے ارکان کو الگ الگ کمروں میں بٹھا کر سوشلزم، کمیونزم، مارکسزم یا سیکولرزم کی ایک ایسی تعریف پر متفق ہو سکتے ہیں جس کے الفاظ اور تعبیرات میں ایک لفظ کا فرق نہ ہو۔ اگر ایسا

---

[1] اور بعد میں علماء کے مساعی سے یہی تعریف مرزائی غیر مسلم قرار پا جانے کی بھی بنیاد بنی اور آئین میں شامل کر دی گئی۔

نہیں، ہو سکتا تو پھر ان تمام اصطلاحات سے آپ دستبردار کیوں نہیں ہوتے ــــ مگر یہاں تو اسلام کے مفہوم اور مراد میں بحمد اللہ کسی قسم کا لفظی اختلاف بھی نہیں بلکہ اسمبلی کے پہلے سیشن میں سب مکاتبِ فکر اور علماء کی طرف سے شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب ایک متفقہ تعریف پیش کر کے اس اجماع اور اتفاق کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ اور وہ تعریف نہ صرف اسمبلی بلکہ آئینی کمیٹی کے مذاکرات میں بھی ریکارڈ میں آ چکی ہے ــــ ہمیں خوشی ہے کہ اب اتنی لے دے کے بعد مسلمان کی ایک حد تک تعریف شامل کرنے پر اتفاق ہو چکا ہے۔ مگر اس میں صرف اللہ کی وحدانیت، حضورؐ کی ختم نبوت اور آخرت کا اقرار کافی نہیں کہ اس طرح مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ نہ تعریف کی جامعیت مانعیت برقرار رہ سکتی ہے۔ مرزائی تو ابھی سے خوشی منا رہے ہیں کہ ہم ختمِ نبوت کے قائل ہیں اور اب تو قانوناً اپنے آپ کو مسلم منوانے کا موقع یہ تعریف فراہم کر دے گی ــــ کتنی ضروریاتِ دین ہیں جن کا سرعام مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ختمِ نبوت کی بجائے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں حضورؐ کو آخری نبی مان کر آپؐ کے بعد کسی دوسرے نبی پر ایمان کو کفر و اسلام کا خطِ امتیاز قرار دیا جائے نیز عقیدۂ آخرت کے علاوہ تمام ضروریاتِ دین از قسم صلوٰۃ و زکوٰۃ، روزہ، حج اور ان کی ضروریات کے متعارف مفہومات پر ایمان لانے کو بھی تعریف کا جزء بنا دیا جائے اور جنہیں ایک حد تک اسمبلی میں علماء کی پیش کردہ تعریف میں سمو دیا گیا ہے۔

(۸) **بنیادی حقوق کے نام پر ارتداد کی چھٹی** اب تک تمام دساتیر بشمول ۱۹۵۶ء کے آئین کے یہ ایک فیشن چلا آ رہا ہے کہ مغربی اثرات سے بنیادی حقوق کے نام پر آئین کی لفظی اور رسمی اسلامیت پر بھی چھری پھیر دی جاتی ہے۔ موجودہ آئین میں یہ گنجائش نہیں رہنی چاہیئے۔ مثلاً آج کے بنیادی حقوق ہر شہری کو یہ حق دیتے ہیں کہ "وہ کسی بھی مذہب کی پیروی کرے اس پر عمل کرے یا اس کی تبلیغ کرے"۔ اسلام کی نگاہ میں یہ صریح ارتداد ہے، مسلمان اسلام کو اختیار کر لینے کے بعد دوسرے دین کو اختیار نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کی سزا بمقتضائے حدیث "من بدل دینہ فاقتلوہ"۔ (الحدیث) قتل ہے۔ آپ اسے ہزار درجہ تنگ نظری سمجھیں مگر قتل مرتد اسلام کا ایک لازمی حکم ہے۔ غیر مذاہب کی تبلیغ کی بھی کسی اسلامی سٹیٹ

میں کھلی چھپی نہیں ہوتی۔ مسیحی مشنریوں اور مرزائی سرگرمیوں کی شکل میں ارتداد کی تبلیغ کا خمیازہ پوری قوم بھگت رہی ہے۔ اس لئے ایسی دفعہ اگر برقرار رکھنی ہی ہے تو بجائے کسی بھی مذہب کے یہ تصریح کہ ہر شہری کو حق پہنچتا ہے کہ وہ " اپنے مذہب کی پیروی کرے "۔ الخ

بنیادی حقوق کو اسلام سے ہم آہنگ ہونا چاہیئے | موجودہ بنیادی حقوق میں عموماً بہت سے حقوق کتاب وسنت سے متصادم ہوتے ہیں۔ اگر آپ اسمبلیوں کو قانون سازی میں ان حقوق کے تحفظ کا پابند بنا دیں گے۔ تو کتاب وسنت کے موافق قانون سازی ناممکن ہو جاتی ہے۔ مثلاً اسلام غیر مسلموں پر مخصوص ٹیکس لگانے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ حقوق آپ کو ایسا نہیں کرنے دیتے وہ غیر مسلم کو جج یا مجسٹریٹ بننے کا حق نہیں دیتا مگر شہریوں کے شخصی قوانین اس کا توڑ پیش کرتی ہیں، شخصی حقوق عورت اور مرد کو ہر حالت میں یکساں رکھنا چاہتے ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ حدود اور قصاص جیسے نازک مسائل میں عورت فیصلے دینے کی مجاز نہیں، نہ اسے عدلیہ کا جج بننے کا حق حاصل ہے۔ نہ ایسے مسائل میں اس کی شہادت قانوناً شہادت ہوتی ہے۔ اور جہاں شہادت معتبر ہے وہاں صریح نص قرآنی کی بناء پر دو عورتیں ایک مرد کے برابر ہیں۔ اسی طرح مسلمان کے خلاف کافر کی شہادت بھی جائز نہیں ــــ اسی طرح آپ قانون بنائیں گے کہ مخلوط تعلیم نہ ہو، عام مجامع اور تعلیم گاہوں، پارکوں میں مرد و زن کا اختلاط نہ ہو مگر عصری بنیادی حقوق کسی شہری کے ساتھ مذہب، نسل، جنس، وطن کے لحاظ سے اس قسم کی پابندی اور قدغن لگنے کے روادار نہیں ــــ اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ بے لگام بنیادی حقوق اسلامی قانون سازی کا راستہ روک سکتے ہیں اور غیر اسلامی باتوں کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اس لئے بنیادی حقوق کے ساتھ یہ تصریح ضروری ہے۔ کہ جہاں تک اسلام اجازت دیتا ہو اور کوئی حق اسلام کے عطا کردہ حقوق کے خلاف نہ ہو۔ ہر شہری کے ایسے تمام حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

اقامت حدود میں مساوات | (۱۰) اسلامی قانون بالخصوص اسلامی حدود میں صدر سے لے کر ادنیٰ رعایا تک اس کا پابند ہوتا ہے۔ وہ نبی کریمؐ اور خلفاء راشدین تک کو اقامتِ حدود میں رعایت یا امتیاز برتنے کی اجازت نہیں دیتا اس لئے آئین میں اختیار و اقتدار رکھنے والی

اونچی سے اونچی شخصیت کو بھی یہ گنجائش نہیں دینی چاہیئے کہ وہ کسی ثابت شدہ شرعی حد یا شرعی سزا کو منسوخ یا معاف کر دے۔

خلافِ اسلام قوانین کے احتساب کے لئے خصوصی بنچ (۱۱) ایک بات یہ بھی ضروری ہے کہ کسی قانون کے خلافِ کتاب و سنت ہونے کی شکایت پر فیصلہ دینے کیلئے سپریم کورٹ کے ایک خصوصی بنچ کی گنجائش آئین میں رکھی جائے اور بنچ ماہر تجربہ کار، خدا ترس، متدین، متبحر علماءِ شریعت پر مشتمل ہونا چاہیئے جن کے علم و فضل پر عوام کو اعتماد ہو اور موجودہ قوانین کو اسلام کے مطابق کرنے کے لئے ایک خاص مدت متعین کرتے ہوئے ایک ایسا با اختیار ادارہ بھی قائم کیا جائے جو مذکورہ بلند معیار کے علماء اور جدید قانون کے تجربہ کار ماہرین پر مشتمل ہو۔

۱۲۔ یہ اسلامی آئین کے چند ایک ایسے لازمی خدوخال ہیں، جن کے بغیر نہ تو کوئی آئین اسلامی آئین کہلا سکتا ہے۔ نہ محض خوشنما اور نظر فریب اسلامیت سے اس ملک کے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ دستور بھی اس وقت تک ہمارے امراض کا مداوا نہیں بن سکتا جب تک ہم خلوص، للہیت اور ایمانداری کے ساتھ اسے لے کر اپنی مشکلات کے حل کا ذریعہ نہ بنائیں گے۔

(ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ۔ جنوری ۱۹۷۳ء)

بنیادی حقوق اور اسلام

ہمارے آئین کا حصہ دوم بنیادی حقوق سے متعلق ہے انسان کے بنیادی حقوق پر سب سے زیادہ زور اسلام نے دیا ہے، مسلمان تو مسلمان غیر مسلم انسانوں کا تحفظ، غلاموں کے حقوق اور رعایات، یہاں تک کہ حیوانات کے حقوق اور مفادات کے جزئی سے جزئی احکام اسلامی قانون (فقہ اسلامی) میں موجود ہیں۔ اس بارہ میں نہ تو قوم اور وطن کی تمیز ہے، نہ رنگ و نسل اور امیر و غریب کا کوئی امتیاز اور نہ کسی قبائلی عصبیت کے نام پر امتیازات ہیں۔ مگر ہمارے ہاں بشمول ۱۹۵۶ء وغیرہ تمام دساتیر کے بنیادی حقوق کا موجودہ تصور ان مغربی اقوام سے مستعار لیا گیا ہے۔ جو ڈھنڈورہ عالمی انسانی حقوق کا پیٹتے ہیں۔ مگر ان کے انسانی مجد و شرف کی ساری عمارت وطنی، قومی اور دوسرے امتیازات پر ہے۔ امریکہ جو حقوق انسانی کے منشور کا موجد کہلاتا ہے وہاں آئے دن کالے اور گورے، قومی اور غیر قومی ملکی اور اجنبی کے نام سے جو انسانیت سوز ڈرامے کھیلے جاتے ہیں، کسی پر مخفی نہیں؟ فلوریڈا کی ریاست میں نصابِ تعلیم تک میں گوروں اور کالوں کا امتیاز رکھا گیا ہے۔ امریکہ میں کسی سیاہ فام کو حبشی عورت یا سفید فام کو حبشی مرد سے نکاح کی اجازت نہیں۔ خواہ اس کے خون میں کسی سیاہ فام کے خون کا ۱/۸ حصہ کیوں شامل نہ ہو۔ تقریباً چودہ ریاستوں میں ریلوں، بسوں، ہسپتالوں، ٹیلیفون کے کمروں یہاں تک کہ عبادت گاہوں تک میں یہ نسلی امتیاز برتا جاتا ہے۔ جاپان اور انگلینڈ کے شاہی گھرانوں کے افراد عام انسانوں سے الگ تھلگ مخلوق سمجھے جاتے ہیں۔ انگلینڈ کے دستور میں یہ بات شامل ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنٰی ہے۔

بنیادی حقوق اور مغرب کا تصور دوسری طرف اسلام ہے جس کی نگاہ میں ساری مخلوق خدا کا گھرانہ ہے۔ الخلق عیال اللہ۔ لیکن ہماری نگاہیں اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے مغربی تہذیب سے مستعار بنیادی حقوق کے تصورات پر ٹھہرتی ہیں۔ اور مغربی تہذیب سے مرعوب

ہو کر بنیادی حقوق کے نام سے آئین کی رہی سہی اسلامیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً موجودہ بنیادی حقوق میں جنس (مرد، عورت) اور مذہب کی تمیز کئے بغیر ہر قسم کی ملازمتوں میں مساوات یہاں تک کہ وہ عدالت کا چیف جسٹس بھی بن سکے۔ کلیدی مناصب بھی سنبھال سکے۔ عام مجالس اور مقامات میں داخلہ اور مرد و زن کا اختلاط، تقریر و تحریر کی آزادی کے نام پر اخلاقی اور مذہبی اقدار سے بھی آزادی، ہر شخص جو چاہے مذہب اختیار کرے مسلم اور غیر مسلم (اہل ذمہ) مرد و زن سب کو تمام شعبہ ہائے حیات میں ایک لاٹھی سے ہانکنا۔ اس طرح کی بہت سی مثالیں اسلام کے عطا کردہ حقوق کی نفی کرتی ہیں۔ اور آگے چل کر اسلامی قانون کی کئی اہم دفعات اور تقاضوں کے نفاذ کے لئے سدِ راہ بن سکتی ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) کوئی مسلمان اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتا۔

(۲) اسلامی مملکت میں ارتداد اور اس کی تبلیغ کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(۳) غیر مسلموں پر مخصوص ٹیکس جزیہ لگانے کی گنجائش ہے۔

(۴) غلامی کے بارہ میں مخصوص حالات میں جواز کی گنجائش ہے۔

(۵) عورت حدود اور قصاص جیسے احکام میں جج نہیں ہو سکتی۔

(۶) نہ اس کی قضا کئی ایسے امور میں معتبر ہے۔

(۷) نہ حدود اور قصاص میں اس کی شہادت معتبر ہے۔

(۸) نہ وہ کسی اسلامی سٹیٹ کی سربراہ بن سکتی ہے۔

(۹) نہ کھلے بندوں مردوں کی تفریح گاہوں اور مخلوط اجتماعات میں آ جا سکتی ہے۔

(۱۰) دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔

(۱۱) **غیر مسلم اقلیت اور کلیدی مناصب** | غیر مسلم اور ذمی۔ قاضی اور جج نہیں بن سکتا۔

(۱۲) نہ وہ اسلامی آئین سازی کرنے والے اداروں مقننہ یا دستور ساز اداروں کا رکن بن سکتا ہے۔ بالخصوص جب کہ اسمبلی کو اس امر کا پابند بنا دیا گیا ہو۔ کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق قانون سازی کرے گی۔ اور رائج الوقت قوانین کو کتاب و سنت کے دائرہ میں لائے گی، تو کتاب و سنت کی تشریح، قوانینِ اسلامی کی ترتیب،

کتاب وسنت کے مطالب کا تعین، اسلامی شرعی ضوابط، فوجداری و دیوانی کی تعبیر کسی مقننہ شرعیہ (اسمبلی) کے غیر مسلم ارکان کی رائے سے کیسے کرائی جا سکتی ہے۔ ایک شخص جب اسلام کے اساسی معتقدات توحید، رسالت، شریعت کی صداقتوں کا معترف نہ ہو اسے اسلام ان باتوں کی تشریح و تعبیر کا حق کب دے سکتا ہے۔ اور در حقیقت ایسا کرنا غیر مسلم اقلیتوں سے زیادتی نہیں عین انصاف ہے۔ وہ اگر انہیں اپنے عقیدے، مذہب اور نظریہ کے خلاف قانون سازی کرنے پر مجبور کرتا تو یہ ظلم ہوتا۔ موجودہ دستور کا مسودہ نہ صرف انہیں یہ حق دیتا ہے، بلکہ حلفِ وفاداری وغیرہ کے رسمی الفاظ میں ان سے اسلامی نظریہ کی بقاء و تحفظ کا حلف دلوا کر انہیں نفاق پر مجبور کرتا ہے۔ اور گویا بالجبر اس ضمیر کشی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ الغرض اسلام غیر مسلموں کو تجارتی، انتظامی، صنعتی، اقتصادی وغیرہ امور میں تو شریک کراتا ہے۔ مگر آئین اور قانون سازی کا حق کبھی نہیں دیتا۔ جو اجتماعی طور پر تنفیذ القول علی الغیر ہے۔

(۱۳) اور جب انہیں کسی انفرادی معاملہ میں انفرادی طور پر مسلمانوں پر ولایتِ خاصہ نہیں دی گئی۔ تو پورے اسلامی سٹیٹ پر ولایتِ عامہ کب دے سکتا ہے؟ جو تمام اہم کلیدی مناصب کی شکل میں عدم امتیاز کرنے سے انہیں حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسلام ملازمتوں اور انتخابی عہدوں میں بعض حالات میں امتیاز ناگزیر سمجھتا ہے، جب کہ موجودہ بنیادی حقوق غیر مسلم اقوام (جو مرتدین کو بھی شامل ہے) کو نہ صرف صدارت، وزارت، عدلیہ کی سربراہی، افواجِ اسلامی کی کمان تک عطا کرنے پر بھی قدغن نہیں لگاتے۔

(۱۴) اسلام کی نگاہ میں کلیدی مناصب پر فائز ہونا تو بڑی بات ہے، کسی غیر مسلم شہری کی مسلمانوں کے خلاف شہادت بھی معتبر نہیں۔ اس بارہ میں صاف نصوص موجود ہیں۔ لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلا۔ خدا نے کافروں کو مسلمانوں پر کسی معاملہ میں بالادستی نہیں دی۔ اور ارشادِ خداوندی ہے۔

لا تتخذوا بطانۃً من دونکم لا یالونکم خبالا۔

الغرض آئین کے بنیادی حقوق نہ صرف ان تمام باتوں کی نفی کر رہے ہیں۔ بلکہ دفعہ ۸ ذیل ۱ کی تعلیم تو اس حصے کو قرآن و سنت تک پر بالادستی دے رہی ہے۔ کہ کوئی قانون یا کوئی رسم و رواج جو بمنزلۂ قانون ہو اس باب میں عطا کردہ حقوق سے تناقض کی حد تک کالعدم ہو گا۔ بہر حال بنیادی حقوق کو اسلامی قانون سازی سے ہمکنار کرنے اور ان خرابیوں کی اصلاح کے لئے ارکان اسمبلی کی طرف سے بے شمار ترامیم آئیں۔ مگر حکومتی پارٹی نے اکثریت کے بل بوتے پر مسترد کر دیں۔

(مئی ۱۹۷۳ء، ربیع الاول ۱۳۹۳ھ)

اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل

بالآخر صدر نے اسلامی مشاورتی کونسل کے ارکان کا اعلان کر دیا اور کونسل کی تشکیل کی موجودہ ہیئت سے ان رہی سہی توقعات کا بھی خون ہوگیا - جو اسلامی نقطہ نظر سے وابستہ تھیں آئین کے باب نہم کا تعلق اسلامی احکام سے تھا، جس کا مقصد مروجہ جملہ قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق اور آئندہ ہر قسم کی قانون سازی کو قرآن وسنت کا پابند بنانا تھا - آئین سازی کے موقع پر اسمبلی کے علماء ارکان کی برابر یہ سعی رہی ہے کہ آئین کا یہ حصہ زیادہ سے زیادہ موثر اور آئین کو اسلامی بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ ضمانت مہیا کرنے کے قابل ہو جائے۔ مگر افسوس کہ ان دفعات کی تنفیذ کے لئے عام بنیادی حقوق اور دوسرے قوانین سے ہٹ کر ایک خاص طریق کار وضع کیا گیا کہ اس طرح کسی قانون کی اسلامی حیثیت متعین کرانے کے لئے عدالتی چارہ جوئی نہ کی جا سکے - علماء ارکان نے دلائل اور براہین سے ثابت کیا کہ جب عدالت آئین کی دیگر دفعات کے منافی کسی قانون کو کالعدم کرا سکتی ہے تو آخر کسی قانون کی اسلامی حیثیت متعین کرانے سے جو کسی مسلمان کے لئے تمام حقوق سے بڑھ کر بنیادی حق ہے پارلیمنٹ کی بالادستی برقرار رکھنا کیوں ضروری سمجھا جاتا ہے - اور بالادستی کے سوال پر صرف اسلامی قانون سازی پر کیوں چھری پھیری جاتی ہے۔ بہر حال یہ تمام استدلال اور احتجاج صدا بصحرا ثابت ہوا - اور اسلامی قانون سازی کے لئے اسلامی مشاورتی کونسل والا طریق کار وضع کیا گیا - اب چونکہ آئین اور کسی قانون کی اسلامی حیثیت کا سارا دارومدار مشاورتی کونسل کے ارکان کی اہلیت پر رہ گیا - اس لئے علماء ارکان نے کونسل کی ہیئت تشکیل پر نہایت توجہ دی اس کے ارکان کی اہلیت صلاح و تقویٰ، علمی و فنی تبحر، تدین اور خدا ترسی وغیرہ امور کو ملحوظ رکھنے پر خاصہ زور دیا گیا - اور آئین

کی دفعہ ۲۲۸ میں بھی یہ صراحت کی گئی کہ کونسل کے ارکان قرآن وسنت کے متعینہ اسلامی اصول اور فلسفے کا علم رکھتے ہوں۔ اور کم از کم چار ارکان ایسے علماء ہوں جو کم از کم پندرہ سال تک اسلامی تحقیق یا تدریس کے کام سے وابستہ چلے آ رہے ہوں۔ دستور میں کہا گیا کہ یہ کونسل سات سال میں اسلامی قانون سازی کا کام مکمل کرے گی۔ اور اسے ہر سال ایک رپوٹ مرتب کر کے پیش کرنا ہو گی۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ توقع پیدا ہو گئی تھی کہ اگر یہ کونسل اس اہم کام کی اہل ہو اور اس کام میں مخلص بھی، تو اس کے ذریعہ ایک بہت بڑا کام ہو سکے گا۔

کونسل کی موجودہ شکل مگر افسوس کہ کونسل کی موجودہ تشکیل سے ان تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور اس ملک میں اسلام اور اسلامی قانون سازی کی رہی سہی تمنائیں بھی خون ہو گئیں۔ اگر حکومت ملک کو اسلامی ریاست بنانے کے دعوؤں میں مخلص ہوتی تو کونسل کی تشکیل میں اپنے وقتی مفادات اور تحفظات کو دخل نہ دیتی اور اس کے لئے ایسے اہل اور جامع افراد نامزد کئے جاتے جو اس عظیم اور اہم کام کے واقعی معنوں میں اہل ہوتے مگر افسوس کہ سوائے ایک رکن کے جو اسلامی علوم کی درس وتدریس کے پندرہ سالہ تجربہ پر پورا اترتے ہوئے جو علمِ حدیث ادب اور فقہ میں مہارت رکھتے ہیں مگر جنہیں خود بھی فقہ، اصولِ فقہ یعنی اسلامی قانون سازی کے بنیادی علوم میں مہارتِ تامہ کا دعوے نہیں، باقی کسی رکن میں آئین کے تقاضے اور فنی مہارت تو کیا علوم اسلامیہ کے الف، با پر بھی وہ پورے نہیں اتر سکتے، اور اس طرح موجودہ کونسل کی حیثیت بھی عوام کی نظروں میں وہی رہ گئی ہے جو ایوب خان کے نامزد کردہ اسلامی مشاورتی کونسل کی تھی۔ اور جس میں عہدِ اکبری کے ملا مبارک کی وہ ساری اولاد جمع کی گئی تھی جو شہنشاہِ والا تبار کے اشارہ پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا کرتے اور جو قوم کو لاکھوں روپے کے اخراجات کے بدلے قوم کو فکری انتشار واضطراب کے سوا اور کچھ نہ دے سکی۔

موجودہ آئین میں جب کہ اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ اور اسلامی معاشرہ اسلامی قانون سازی کے دعوے بھی ہیں تو حکومت کو چاہیئے کہ

اوّلین فرصت میں کونسل کی موجودہ تشکیل پر نظرِ ثانی کرے اور اس آئین کے تقاضوں کو پورا کرے جسے عوامی حکومت اپنا سب سے بڑا کارنامہ قرار دے رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہُوا تو کونسل کی موجودہ شکل پر نہ تو مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو اعتماد حاصل ہو سکے گا نہ اس کی رائے اسلامی نقطۂ نظر سے کسی اعتماد کے قابل ٹھہرے گی۔ ——— (اپریل ۱۹۷۶ء)

شریعت بل کا استرداد

وہ حکومت جو پچھلی تمام حکومتوں سے بڑھ کر اسلام کی خدمت کرنے کی دعویدار ہے اور جس کے بنائے گئے آئین میں اسلام کو ملک کا مملکتی مذہب اور ملک کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا ہے۔ اس حکومت کی با اختیار قومی اسمبلی نے اپنے حالیہ اجلاس (اپریل مئی ۱۹۷۶ء) میں تین ایسے بل مسترد کر دیئے جو اس کے نامۂ اعمال میں، اعمالِ خیر ہرگز نہیں کہلا سکیں گے۔ اور آنے والا مؤرخ اسے عوامی دور کے قرطاس ابیض کے سیاہ ترین دھبے قرار دینے پر مجبور ہو گا۔

پہلا اہم ترین بل وہ تھا جو اسمبلی میں موجود حزبِ اختلاف کے علماء ارکان نے چند دیگر ہمنوا ارکان کے تعاون واشتراک سے شریعت بل کے نام سے پیش کیا جس کے ذریعہ آئین کی چار دفعات دفعہ ۲، ۳۰، ۲۲۷ اور ۲۶۸ میں ترامیم کرنا تھیں، بالخصوص آئین کی دفعہ ۲ میں جس میں اسلام کو پاکستان کا مملکتی مذہب قرار دیا جا چکا ہے۔ جن کے ذریعہ چار ایسی شقات شامل کروانا تھا جس کی رُو سے ہر وہ موجودہ قانون جو قرآن وسنت کے خلاف ہو فی الفور ناجائز قرار دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی مملکت اور اس کی صوبائی اور قومی اسمبلیوں، پارلیمنٹ وفاقی او رصوبائی حکومتوں اور دیگر با اختیار اداروں کے لئے یہ ناممکن بنانا تھا، کہ مجوزہ ترامیم منظور ہونے کے بعد وہ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون وضع کر سکیں۔ مروجہ اکثر خلافِ شریعت قوانین کا مجوزہ بل منظور ہو جانے کی صورت

میں فوری تعطل اور خلاسے بچنے کے لئے بل میں کہا گیا تھا کہ مقننہ کو اس قاعدے کے اطلاق کو مخصوص شعبوں میں زیادہ سے زیادہ ایک سال کی مدت تک ملتوی کرنے کا اختیار دیا جائے ___ قومی اسمبلی نے تو ایک عرصہ تک اس بل کو زیرِ بحث لائے جانے سے مختلف طریقوں سے پہلوتہی کرنے کی سعی کی، مگر بالآخر جب ۳۰ اپریل کو شریعت بل ایوان کے سامنے رکھا گیا تو ایوان کی اکثریت نے اسے مسترد کر دیا۔

وفاقی وزیر قانون نے اس موقعہ پر ایک ایسی کونسل (اسلامی مشاورتی کونسل) کا سہارا لیا جو آئین کی منظوری سے لے کر اب تک متنازعہ غیر مؤثر اور اسلامی نظام کو اس ملک میں تعویق اور التوا میں ڈالتے رہنے کا ایک سرد خانہ بنی ہوئی ہے۔ اور ساتھ ہی قوم کو یہ بشارتِ عظمیٰ بھی دی گئی ہے کہ ۱۹۸۰ء تک تمام قوانین قرآن وسنت کے مطابق کر دیئے جائیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلامی مشاورتی کونسل کی حقیقت پاکستان کے موجودہ آئین کی دفعہ ۲۲۷ میں اگرچہ یہ ضمانت دی گئی ہے کہ مروجہ جملہ قوانین قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالے جائیں گے اور اسلامی احکام کے منافی کوئی قانون وضع نہیں کیا جا سکے گا۔ لیکن یہ ہو گا کیسے، اس کے طریق میں اسلامی مشاورتی کونسل کا ذکر ہے اور اس دفعہ کو بنیادی حقوق اور دیگر اہم قوانین کی طرح عدالتی چارہ جوئی سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ آگے آئین میں ایسی اہم مشاورتی کونسل کو کس بے دردی سے غیر مؤثر اور بے اختیار بنا کر رکھ دیا گیا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ:۔

(۱) اگر کونسل کی رائے میں کوئی مجوزہ قانون قطعی غیر اسلامی بھی ہے، تو اسمبلی اس بات کی پابند نہیں کہ وہ کونسل کی سفارشات کی متابعت کرے۔

(۲) اگر کوئی متنازعہ قانون استصواب کے لئے کونسل کے پاس بھیج بھی دیا جائے تو وہ کسی محدود وقت اور میعاد کی پابند نہیں۔

(۳) پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسمبلی اپنا کوئی ایسا فیصلہ کونسل کے جواب پر موقوف نہیں رکھے گی۔ بلکہ چاہے تو جواب آنے سے پیشتر بھی قانون وضع کر سکتی ہے، اور پھر دوبارہ اس پر کونسل کے غور کرنے کی گنجائش بھی نہیں رکھی گئی۔

(۴) کونسل سے مشورہ لینے یا نہ لینے کو بھی صدر یا گورنر یا اسمبلی کی اکثریت (جو لازماً سرکاری پارٹی کی ہوگی) پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ حزب اختلاف ہزار بار چیخے کہ متنازعہ مسئلہ غیر اسلامی ہے اسے کونسل میں بھیج دیا جائے مگر یہ چیخ و پکار صدا بالصحرا ہوگی۔

(۵) پھر سب سے بڑی خامی کونسل کی ہیئتِ تشکیلی میں یہ رکھی گئی ہے کہ کسی مسئلہ کی اسلامی حیثیت کے بارہ میں رائے دینے والی کونسل شریعت سے باخبر جید علماء اور اہل افراد کی تعداد اقلیت میں رکھی گئی۔ جو اگر چاہیں بھی تو غیر علماء ارکان سے اپنا فیصلہ نہ منوا سکیں۔ یہ خامیاں جب آئین سازی کے وقت سامنے آئیں تو علماء حق ارکان اسمبلی نے نہایت موثر ترامیم ان دفعات میں پیش کیں اور ہر لحاظ سے اپنی ترامیم کو مدلل اور مبرہن کیا۔ اور صاف کہا گیا کہ اگر حکومت کسی طرح بھی عملاً اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے تیار نہیں تو پھر دکھاوے کے لئے ایسی دفعات کی ضرورت کیا ہے جنہیں آگے طریقِ کار کے لحاظ سے ذبح کر دیا گیا ہے۔

کونسل کی صلاحیت اس کے بعد جب اسلامی مشاورتی کونسل کی تشکیل ہوئی اور ہیئتِ تشکیلی سامنے آئی تو جس چیز کا کھٹکا تھا وہی سامنے ہو کر آئی کوئی ایسا مستعد اور فعال عالم رکن اس کونسل میں شامل نہیں کیا گیا جو زندگی کا ایک کافی عرصہ اسلامی تحقیق و تدریس میں گزار چکا ہو اور جو مسلمانوں کے ہاں قابلِ اعتماد راسخ العقیدہ اور مضبوط کردار کا حامل ہو۔ اس صورت حال پر اسمبلی میں موجود علماء حق نے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ کونسل کی اصلاح اور ارکان کی اہلیت کے بارہ میں حکومت کو توجہ دلانے کے لئے پارلیمانی آئینی طریقے اختیار کئے گئے، کونسل کی تشکیل کے فوراً بعد رکن قومی اسمبلی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی طرف سے اسمبلی کو اس قرارداد کا نوٹس دیا گیا کہ "چونکہ کونسل کی تشکیل کے وقت آئین کی دفعہ ۲۲۸ کی مقتضیات پوری نہیں کی گئی ہیں۔ لہٰذا اسمبلی یہ مطالبہ کرے کہ کونسل کی دوبارہ تشکیل کی جائے اور اس میں ایسے لوگوں کو شامل کیا جائے جو اسلامی تقاضوں اور اہلیت کے مطابق قانون سازی کے کام میں پارلیمنٹ کی رہنمائی کر سکیں" اس قرارداد کا اس وقت سے لے کر اب تک تقریباً ہر اجلاس میں نوٹس دیا جاتا رہا اور اکثر یہ اسمبلی کے ایجنڈے میں بھی تمام اعیانِ حکومت اور ارکان کے سامنے آتا رہا مگر عملاً اسے زیر بحث

لانے کے بارہ میں آج تک وہی سلوک کیا گیا جو ایسی دیگر قراردادوں، ترامیم اور تحریکات کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے۔ اب بھی آنے والے اجلاس میں دوبارہ اس نوعیت کا نوٹس دیا گیا ہے۔

بہر حال یہ علماء اور ارکان کا اپنے حد تک مسئولیت اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی بات ہے۔ حکومت کا معاملہ اس بارہ میں نہایت افسوسناک ہے اور مستقبل قریب میں شریعتِ محمدیؐ اور اسلامی نظام کی اس ملک میں عملاً اجراء و نفاذ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی جس کی خاطر کروڑوں مسلمانوں نے جان و مال ملک و وطن کی قربانیاں دیں اور جن کے سامنے قیام پاکستان کا مقصد صرف اور صرف انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں اسلام اور اس کے تمام مقتضیات کی حکمرانی کا حسین نقشہ رکھا گیا تھا۔ اب تک اس عہد و میثاق کو پس پشت ڈال دینے کے ہولناک نتائج نہ صرف ملک بلکہ پوری دنیا نے دیکھ لئے اور آئندہ کی خبر خدائے خبیر و علیم کو ہے۔

زنا قابل تعزیر | ۲: دوسرا بل بھی اسمبلی کے ایک عالم رکن کا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ زنا کے لئے شریعت کے مطابق احکام وضع کئے جائیں اور اسے چکلے ہیں ہو یا کلبوں میں جہاں کہیں بھی ہو قابل دست اندازی پولیس جرم سمجھا جائے اور شرعی طریقہ کے ثبوت کے بعد زانی اور زانیہ کو شریعت کے مطابق سزا دی جائے۔ یہ بل بھی مسترد کر دیا گیا اور پچھلے بل کی طرح حزب اختلاف نے اپنی ناراضگی اور افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اسمبلی سے واک آؤٹ کیا، زنا جیسی فاحشہ جس کے عقلی و نقلی قباحتوں پر صرف مسلمان نہیں ہر عقل سلیم رکھنے والا لامذہب اور معاشرہ متفق ہے۔ اگر حکومت واقعی معاشرہ کی تطہیر چاہتی ہے تو اس بل کو منظور کر کے اپنے حسنات کا اضافہ کر سکتی تھی۔ مگر افسوس ہم فحاشی کے فروغ کے خلاف تحریک چلانے کی باتیں تو کرتے ہیں مگر ابلاغ عامہ، لٹریچر و صحافت غرض ہر ذریعۂ ابلاغ سے اسے پھیلانے میں بھی پیش پیش ہیں، ہم اخلاق و حیا اور پاکیزہ معاشرہ کا وعظ بھی کرتے رہتے ہیں۔ مگر عملاً عورتوں کو پردہ سے نکال کر مخلوط اور عریاں معاشرہ کے علمبردار اور داعی بھی بننا چاہتے ہیں۔

مسلم اور غیر مسلم کا غیر مبہم مفہوم | ۳: تیسرا بل اسمبلی کے ایک اور بزرگ عالم نے اس غرض سے پیش کیا تھا کہ آئین میں مسلمان اور غیر مسلم کے مفہوم متعین کرنے میں جو التباس، ابہام اور الجھاؤ پیدا

ہوسکتا ہے اسے رفع کیا جائے اور غیر مبہم انداز میں واضح کر دیا جائے کہ پاکستان کی آئینی اور قانونی اغراض کے لئے کس بنا پر کسی شخص کو دائرہ اسلام کے اندر متصور ہونے یا نہ ہونے کا اہل سمجھا جائے گا۔ تحریک کا مقصد قادیانی اور دیگر غیر مسلم شہریوں کو اس تلبیس اور فریب کاری سے روکنا تھا جو وہ آئین میں مذہب کی تبلیغ کی آزادی کی ضمانت دیکھ کر آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ اور اس طرح ان کو مذہب کی جانب اپنے غلط عقائد منسوب کرنے یا مسخ و محرف کرنے اس کی ہیئت بگاڑنے یا تحقیر کرنے اور آزادیٔ تبلیغ کا غلط استعمال کرنے سے روکنا بھی تھا۔ مگر افسوس کہ ایک خالص مثبت اور تعمیری ترمیم کا بل بھی اسمبلی میں آنے نہیں دیا گیا اور جواب میں کہا گیا کہ آئین میں قادیانیت اور مسلمان کی تعریف کا مسئلہ حل کر دیا گیا ہے۔ اب رہی آئینی تقاضوں کی تکمیل اور اس کے تحت قانون سازی کا کام تو اس کے لئے شاید کوئی اور مخلوق آسمان سے اُتر کر آئے گی۔ اسلام کے دعووں میں ہم کتنے سچے ہیں اور ہم اسلام سے کتنا والہانہ تعلق رکھتے ہیں؟ اس کا اندازہ ان تین بلوں کے حشر سے لگایا جا سکتا ہے۔ واحسرتا کہ اسلام کی خدمت ہم نے صرف عرسوں اور میلوں میں شمولیت یا کبھی کبھی کسی مزار پر پھولوں کی چادر چڑھا دینا اور کبھی کوئی کانفرنس اور کانگریس کا انعقاد سمجھ لیا ہے۔ اور بس؟

اسلام کا نظام عدل و انصاف

شاہ فیصل کا قصاص

خادم حرمین شاہ فیصل کا قاتل اپنے عبرتناک انجام کو پہنچا۔ قصر الحکم کے سامنے نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں قاتل کا سر قلم کر دیا گیا۔

حدود کا مساواتی پہلو اور اس واقعہ نے ایک بار پھر اس تاریخی حقیقت کو آشکارا کر دیا کہ اسلامی حکومت کی اساس عدل و انصاف ہے اور قیام عدل کی راہ میں کوئی گروہی تعصب، رشتہ اور قرابت کی بندشیں، حکومت اور سلطنت کی رعائتیں حائل نہیں ہو سکتیں یہی خداوند حکیم و جبار کے قوانین و احکام کا وہ مساواتی پہلو ہے جو اس دور میں دوسرے ادیان و ملل میں ہمیں نہیں مل سکتا۔ اور جو معاشرہ کی اصلاح اور زندگی کے لئے بنیادی ستون کا کام دیتا ہے۔ ولکم فی القصاص حیٰوۃ یا اولی الالباب۔ سعودی عرب کا حکمران خاندان اگر چاہتا تو قاتل کے لئے ہزاروں گنجائشیں نکل سکتی تھیں۔ وہ مرحوم شاہ کا بھتیجا اور انکے ایک با اثر بھائی کا لخت جگر تھا۔ خاندانی رشتے رکاوٹ بن سکتے تھے۔ قیام عدل سے ان رشتوں کو ٹھیس پہنچ سکتی تھی۔ مگر بد بخت قاتل کے فاسد اور باطل نظریات کفر و الحاد اور اس کے نہایت سفاکانہ فعل کی وجہ سے سارے خاندان نے اسے انہ لیس من اھلك انہ عملٌ غیر صالح — کا مصداق ٹھہرایا اور کسی رو رعایت کے بغیر اُسے اللہ کے قانون عدل و انصاف کے سپرد کر دیا اور سب بخوشی اللہ کے قانونِ حدود و تعزیرات کے سامنے سرنگوں ہوئے۔

اقامۃ حدود و قصاص میں قانونی مساوات یہ مقام صبر و رضا اور یہ قوتِ فیصلہ اس سلطنت اور خاندان کو اس نظامِ حیات اور اس دستور العمل نے دیا جس سے

بڑھ کر جامع اور مکمل نظام کا تصور بھی اس چرخِ نیلگوں کے نیچے نہیں کیا جا سکتا نہ اس نظام میں امیر اور غریب کی رعایت ہے نہ قریب اور بعید کی اور نہ جُرم و سزا کی دنیا میں اس سے بڑھ کر حکمت و مصلحت اور عدل و انصاف پر مبنی دوسرا کوئی متبادل نظام پیش کیا جا سکتا ہے۔

اس نظام کو لے کر آنے والے نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سختی سے یہ تلقین کی کہ کہیں عدل و انصاف مصلحتوں اور رعایتوں کی نذر نہ ہو جائیں۔ فرمایا، اقیموا حدود اللہ علی القریب والبعید ولا تاخذکم فی اللہ لومۃ لائم (ابن ماجہ) "اللہ کی حدود اپنوں اور پرایوں پر یکساں جاری کرو کہیں اس راہ میں خوف اور ملامت رکاوٹ نہ بن جائے۔"

بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ انقلابِ فرانس کے ڈھنڈورے پیٹنے والے خیرہ چشموں اور امریکہ کے بنیادی حقوق پر للچانے والی نظروں سے مساواتِ انسانی کے سب سے بڑے علمبردار نبی رحمت علیہ السلام کا یہ اُسوۂ حسنہ مستور ہے کہ انہوں نے اپنی جگر گوشہ فاطمہ بتولؓ کے بارہ میں فرمایا، واللہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت (اعاذھا اللہ) لقطعت یدھا (کہ یہ تو بنی مخزوم کی فاطمہ ہے۔ اگر میری فاطمہؓ سے بھی چوری سرزد ہو جاتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا) آج جو نگاہیں انسانی خون سے رنگے ہوئے سرخ افق میں انسانی عظمتیں تلاش کرتی ہیں اور جو سرخ ندیوں کو جبر و استبداد اور ظالمانہ امتیازات کا علاج ٹھہراتی ہیں[1]۔ اسلام کے خلیفۂ اوّل سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ پہلا فرمانِ خلافت ان کی نگاہوں سے کیوں اوجھل ہو جاتا ہے۔ کہ ان اقوامکم عندی الضعیف حتیٰ اخذ منہ الحق وان اضعفکم عندی اقویٰ حتی اخذ لہ الحق (ابن سعد) "تم میں سے بڑی سے بڑی قوت والا بھی اس وقت تک میری نگاہوں میں حقیر اور کمزور ہے جب تک میں مظلوم کا حق اس سے چھین نہ لوں اور کمزور سے کمزور بھی اس کا حق دلانے

---

[1] پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب اور کمیونزم کی باتیں کرنے والے۔

تک میری نگاہوں میں مضبوط اور طاقتور ہے"۔

یہ نظامِ عدل و انصاف ملک کے ایک حبشی غلام اور معمولی سے معمولی شہری کو حق دیتا ہے کہ وہ خلیفۃ المسلمین کو عدالت کے کٹہرے میں کھینچ لائے اس کی نظروں میں حاکم و محکوم رعایا اور رائی قرابت دار اور اجنبی سب یکساں ہیں۔

اس نظامِ عدل کے برکات سعودی عرب میں اس نظام کی جھلکیاں موجود ہیں اس نظام اور اس پر ایمان و یقین کی برکت سے قاتل کو سزا ملی اور اس نظام ہی کی برکت سے آج بھی سعودی عرب امن و امان اور پرسکون زندگی کا گہوارہ ہے۔ جب کہ ساری دنیا شر و فساد، ظلم و جبر، خوف و اضطراب اور وحشت و بربریت سے بھر چکی ہے۔ مگر اسلام کے نظامِ تعزیرات کی برکت سے جرائم کی سرکوبی کے لئے سعودی عرب میں نہ آئے دن پولیس کے لشکروں میں اضافہ کیا جاتا ہے نہ فوج سے سرکوبی کرانی پڑتی ہے۔ اور وہاں کی شرح جرائم ساری دنیا سے کم ہے۔

یورپ کا فلسفۂ جرم و سزا پھر دوسری طرف یورپ جو اپنے فلسفۂ جرائم کی بنیاد چوروں، قاتلوں، زانیوں کی ہمدردی اور ظلم و فساد کی وکالت پر رکھتا ہے۔ اور اسے نام نہاد "انسانیت" کا نقاب اوڑھاتا ہے وہاں کے اعداد جرائم سے موازنہ کیجئے اور پھر فیصلہ خود کر لیجئے۔ ہمارے ہاں کے روشن خیال ترقی پسندوں کے علی الرغم آج کتنی آوازیں ہیں جو جرم و سزا کی دنیا سے وابستہ اہم شخصیتوں، ججوں، وکلاء اور پولیس کے اعلےٰ حکام کی طرف سے اٹھ رہی ہیں کہ معاشرہ کی تطہیر اور فساد کی بیخ کنی اگر کرنی ہے تو ہمیں اسلام کے نظامِ حدود و تعزیرات کو اپنانا پڑے گا۔ مگر جو عقل و خرد کی ساری متاع مغرب کے بازار میں نیلام کر چکے ہوں ان سے کیا توقع کی جا سکتی ہے؟

مغربی تعلیم اور صحبت کے منحوس اثرات مرحوم شاہ فیصل کا قاتل جاتے جاتے ایسے خیالات کا اظہار کر گیا جو مغربی تعلیم گاہوں اور غیر ملکی لادینی تربیت گاہوں پر مرمٹنے والوں کے لئے بھی لمحۂ فکریہ بن سکتے ہیں۔ قاتل یورپ میں رہ کر دماغی تحلیل و تجزیہ برین واشنگ کے ایسے مرحلوں سے گزارا گیا کہ اسے پوری دنیا میں اسلام ہی نفرت و حقارت کی چیز نظر آنے

گی اور وہ اس لئے اپنے عظیم چچا کو قتل کر بیٹھا کہ وہ اسلام کو ساری دنیا میں پھیلانا چاہتے تھے
کیا اس اسلام دشمنی دہریت اور الحاد تک پہنچانے میں قاتل کی مغربی تعلیم گاہوں اور دشمنوں
کی فحش اور بدکار صحبتوں اور لادینی نظریات کا دخل نہیں جو شہزادہ شاید اسلام کا بہترین خادم بن
سکتا تھا غیروں کی تربیت اور باطل نظریات کے ہتھے چڑھ کر اسلامی تاریخ کا بدنما داغ
بن گیا۔ جو لوگ اپنے ہاتھوں سے اسلام سے بغاوت کی بھٹیاں تعلیم و تربیت کے
کے نام سے تیار کر لیتے ہیں اور پھر اپنی اولاد کو مغربی اور اشتراکی تہذیب کی
بھینٹ چڑھا کر انہیں جہنم کا ایندھن بنا تے جا رہے ہیں۔ کیا انہیں جَو سے گندم
کا ثمرہ مل سکتا ہے۔ ۶ جولائی ۱۹۶۵ء

فلسفۂ جرم و سزا

ظلم کا شرمناک مظاہرہ | پچھلے دنوں ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں ان ۹ مجرموں کو پھانسی
دے کر کیفرِ کردار تک پہنچایا گیا، جنہوں نے گزشتہ برس موضع علی پور فراش کے ۹
افراد کو ان کی انتہائی بے کسی اور کس مپرسی کے عالم میں نہایت انسانیت سوز طریقے سے
دلخراش چیخوں کے دوران زندہ جلا دیا تھا، گھر کو مقفل کر کے اس کے اندگرد پٹرول
چھڑک کر آگ لگا دی گئی اور اس کے تمام مکینوں نے جن میں چار عورتیں اور ایک بچی
بھی تھی، انتہائی بے بسی کے عالم میں تڑپ تڑپ کر جان دی۔ فاضل عدالت کے
فیصلہ کے مطابق ان بےکس مظلوم خواتین میں آٹھ ماہ کی حاملہ ایک خاتون بھی شامل تھی
جو ایک خوفزدہ چوہے کی طرح کمرے میں اِدھر اُدھر دوڑتی رہی اور آخر کار جب اسے
معلوم ہوا کہ اس کا کمرہ بند ہے تو مایوس ہو کر کمرہ کی ایک بلند جگہ سے کود کر گر پڑی
اور تڑپ کر جان دے دی۔ بھرا گاؤں اس بربریت کے مظاہرہ کو روکنے کے
لئے کچھ نہ کر سکا۔ مجرموں نے تمام انسانی قدروں کو پائمال کرتے ہوئے ہنسی خوشی
اس صدی کا یہ اندوہناک کھیل کھیلا۔ بھائی بھائی کو اور والد اپنے جگر گوشہ بیٹے کو جلتے دیکھ
رہا تھا مگر سب مظلوم اور بے بس تھے۔

بجا طور پر اس صدی کا ایک اندوہناک حادثہ اور بدترین سزا کا مستحق جرم ہے، عدالت انہیں پھانسی سے زیادہ کوئی سزا دینے کی مجاز نہ تھی، ورنہ اسلامی تعزیرات اور حدود کی رُو سے انہیں زیادہ عبرتناک سزا بھی دی جا سکتی تھی۔ انہیں تعزیراً زندہ جلایا جا سکتا تھا اور ایسے سنگدل ظالموں کو برسرِ عام سنگسار کیا جا سکتا تھا۔ موجودہ قوانین کے علمبردار اکثر یورپی ممالک تو ایسے بدترین مجرموں کی سزائے موت کے روادار بھی نہ تھے مگر اسلام کا حکم تھا کہ ایسے ننگِ انسانیت افراد کو ملک کے اہم شہروں کے چوراہوں پر سولی پر لٹکا دیا جاتا، تاکہ اوروں کے لئے یہ سانحہ ایک سبق بن سکتا۔ ولیشھد عذابھما طآئفۃٌ من المؤمنین۔

معاشرہ کی بھیانک تصویر اور عبرتناک پہلو

یہ واقعہ اخبارات میں آیا لوگوں نے پڑھا مگر اس میں غور و فکر کے جو بے شمار سوالیہ نشان تھے انہیں نظر انداز کرتے ہوئے فراموش کر دیا گیا حالانکہ تاریخ، جرم و سزا کے ایسے واقعات عبرت اور موعظمت کے لئے دہراتی رہتی ہے یہ دلدوز واقعہ موجودہ مسلم معاشرہ کی ایک انتہائی بھیانک تصویر پیش کر رہا ہے۔ وہ ہمیں بتلا رہا ہے کہ انسان وحشت و بربریت اور ذلت و حیوانیت کے کس مقام تک پہنچ گیا ہے؟ واقعی انسان کتنا قابلِ رحم ہے۔

انسدادِ جرائم کا صحیح طریقہ

چودہ سو سال قبل پوری انسانی سوسائٹی کی ایسی ہی مہیب تصویر حضور خاتم النبیین علیہ السلام کے سامنے تھی نہ صرف انسان بلکہ انسانی قدروں کا ہر ذرہ اپنے مقام سے ہٹ کر نظامِ عالم کو تہ و بالا کر رہا تھا حضورؐ نے کس حکیمانہ شان سے نقشہ سامنے رکھا اور خرابیوں کی اصلاح شروع کر دی۔ اس وقت ساری خرابی اور بربادی کا علاج معاشی اور اقتصادی مسائل میں سمجھا جا رہا ہے مگر ایسے وحشت اثر واقعات ہمیں جھنجھوڑ رہے ہیں کہ یہ افراتفری اور سراسیمگی صرف پیٹ کے مسائل کی پیداوار نہیں اور نہ یہی ایک نسخۂ کیمیا رہ گیا ہے، بلکہ اصل مسئلہ اب بھی انسان کو اس کی انسانیت کی طرف لوٹانا ہے، اس کے نفس اور حیوانیت کو سدھارنا ہے اس کی روح اور باطن کا تزکیہ کرانا ہے۔ معاش سے ہزار درجہ اہم چیز اخلاق اور معاشرت کی طرف توجہ دینی ہے۔

معاش سے زیادہ اخلاق کا مسئلہ اور موجودہ ہیجان اور پریشانی بھی معاش سے زیادہ اخلاقی اور معاشرتی و تمدّنی مسائل ہی کی پیدا کردہ ہے۔ بگڑی طبیعت اور بُرے اخلاق بھرے پیٹ سے اور بھی بگڑ جاتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں اخلاق اور معاشرت کی طرف کتنی توجہ دی جارہی ہے؟ عین اس وقت میں کہ مشرقی پاکستان میں بیس لاکھ انسانی آبادی تاریخ کے بدترین طوفان کا لقمۂ تر بن چکی ہے۔ ملک ایک ایسے رسوائے زمانہ فاحشہ عورت، شہناز اور اس کے "دوستوں" کے چرچوں سے گونج رہا ہے۔ کالج کی نوجوان طالبات اس کی آمد کا سن کر ایک جھلک دیکھنے کے لئے پاگل ہورہی ہیں۔ اس کے گھناؤنے کردار کے فیچر تیار کرنا اخبارات کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ اور ایسے دور میں کہ ملک ایک شدید نازک آئینی بحران سے گزر رہا ہے۔

نہ صرف ہوٹلوں میں چوری چھپے یورپ کے طرز پر حُسن کی نمائش کی جارہی ہے بلکہ تعلیمی اداروں اور کالجوں میں فیشن شو کے نام پر پورے معاشرت کی اخلاقی بربادی کو صلائے عام دی جارہی ہے۔ (دیکھئے ۲۶، ۲۷ فروری کے اخبارات میں ہوم اکنامکس کالج پشاور کی ایک تقریب کی تفصیلات اور مناظر)

اصلاح کا نبوی نسخہ حضور اقدس علیہ السلام نے ہمارے سامنے اصلاح کا ایک عملی نمونہ رکھ دیا تھا۔ انہوں نے انسان کی درندگی کو بندگی اور حیوانیت کو ملکوتیت سے بدل دیا۔ اخلاق سدھر گئے، معاشرہ پاک و صاف ہوا، معاشی مسائل خود بخود حل ہوئے مواسات کے جذبہ نے مساوات کی ضرورت ہی نہ چھوڑی، ظلم عدل سے اور وحشت الفت سے بدل گئی۔ حدود اور تعزیر کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی زیادہ تعلیم، تربیت اور تزکیہ سے کام لیا گیا۔ انصاف اور حق رسانی کا راستہ نہایت سہل بنادیا گیا، احتساب کی گرفت کڑی رکھی گئی، نتیجتہً معاشرہ تاریخ کا ایک مثالی معاشرہ بن گیا، مگر اب؟ ساری نگاہ نرے معاش پر ہے، معاد کا تصور تک نہیں ساری توجہ بازاری سیاست پر ہے۔ اخلاق اور معاشرت کس بلا کا نام ہے؟ تعلیم نام کسبِ معاش کا رہ گیا ہے اور اخبارات، فلم، لٹریچر، ٹیلیویژن، ریڈیو اور "ثقافت" "اخلاقی قدروں" کے لحاظ سے

"تعلیم" کی رہی سہی کمی پوری کر جاتی ہے۔

قصبہ علی پور کا یہ المناک سانحہ ہمیں سبق دے رہا ہے کہ تمہارے اسلاف اور تمہارے آقا اور مقتدائے اعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری دنیا کے ایسے ہی ایک معاشرہ کو کس انداز سے تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوجِ ثریا تک پہنچا دیا تھا۔ اُس آقا کے نام لیواؤ اور خیر امت ہونے کے دعویدارو تم پوری دنیا کو نہیں تو صرف اپنے چھوٹے سے ملک کی گرتی ہوئی انسانیت کو تھامنے کی کوشش تو کرو جو اسفل السافلین کی طرف لڑھکتی جا رہی ہے۔ علی پور کے مظلوم شہداء کی پاکیزہ ارواح تم سے بھیک مانگتی ہیں اور اس بربریت کے مرتکب ظالم قاتلوں کے روح بھی تمہیں جھنجھوڑ رہے ہیں مارچ ۱۹۷۱ء

حدود و تعزیرات غیروں کی تائید اپنوں کا فرار

اخبارات میں یہ خبر آپ کی نظر سے گزری ہوگی کہ پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر کارنیلیس نے تجویز پیش کی ہے۔ کہ مجرموں کو اسلامی قوانین کے تحت سزائیں دی جائیں انہوں نے کہا۔ کہ اس طرح جرائم کا انسداد بڑی خوبی سے کیا جاسکتا ہے۔ سڈنی میں قانون دانوں کی کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔ کہ سعودی عرب میں ان سزاؤں پر عمل کیا جاتا ہے اور وہاں معاشرہ پر اس طریق کار کا بہت اچھا اثر پڑا ہے۔ مسٹر جسٹس کارنیلیس نے کہا کہ مجرموں کو جیل نہ بھیجا جائے بلکہ عارضی طور پر اس طرح ناکارہ بنا دیا جائے کہ وہ جرم کا ارتکاب نہ کر سکیں۔ انہوں نے کہا کہ آج میڈیکل سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے کہ کسی آدمی کو جسمانی طور پر ناکارہ کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں کاٹنا ضروری نہیں رہا اور سائنس کی بدولت معمولی سرجری سے ہاتھ پاؤں بے کار کیا جا سکتا ہے۔

اس کانفرنس میں دولتِ مشترکہ کے ملکوں کے ایک سو پچاس نمائندے شرکت کر رہے ہیں مسٹر جسٹس کارنیلیس نے سوال کیا کہ کیا اس نظریہ میں عوامی ضمیر کے لئے کوئی سنگین

مدمہ مضمر ہے کہ مجرموں کو ان کی مجرمانہ حرکات کے بدلہ میں جسمانی اعتبار سے مستقل یا عارضی طور پر ناکارہ کر دیا جائے"۔

بار بار شرعی حدود و تعزیرات کی طرف غیر تو غیر اپنے روشن خیالوں اور مغرب زدہ حضرات کی انگلیاں اٹھتی رہتی ہیں۔ حیوانیت اور بہیمیت میں ڈوبے ہوئے مغرب نے شرعی حدود کو وحشت اور بربریت قرار دینے کے لئے اتنا شور مچایا کہ اپنوں میں سے بھی بعض اقامتِ حدود (قطعِ ید۔ رجم وغیرہ) کو ظلم قرار دینے لگے۔ (معاذ اللہ) مگر کائنات کے اس خالق اور مقننِ اعظم کی بات جوں کی توں رہی جس کی ذات تمام حکمتوں اور دانائیوں کا سرچشمہ اور جس کا علم اور احاطہ لامحدود ہے کہ ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب۔

کلیسا میں عیسائی قانون دان کا اذان | قرآنی حدود کی ضرورت اور افادیت کی یہ تائید اور یہ دعوت کسی مولوی کی طرف سے نہیں دی جا رہی بلکہ ملک کے سب سے بڑے قانون دان اور جرم و سزا کی دنیا کا طویل تجربہ اور مشاہدہ کرنے والے ایک چیف جسٹس اور مغربی تہذیب کے سرد و گرم چشیدہ عیسائی، کارنیلس کی طرف سے ہے ---- اور حق کی یہ اذان کسی منبر و محراب، خانقاہ یا مدرسہ میں نہیں بلکہ یورپ کے ایک سو پچاس قانون دانوں کی مجلس میں دی گئی ہے۔ غیروں سے مرعوب ہو کر اسلام اور اسلامی احکام کی مدافعت میں تاویلانہ بلکہ تحریفانہ رویہ اختیار کرنے والوں کے لئے اس میں نصیحت ہے۔ اور یہ خدائی قوانین کی غیر فانی افادیت اور ابدیت کی کھلی دلیل ہے ؎

مدت سے فلسفی کی چنیں و چناں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہاں رہی

(۶۵ء)

ظلمتوں میں نور کی کرنیں

اسلام اور قانون سازی ـــــ عالمِ اسلام کے ایمان افزا جھونکے

مصر

عرب جمہوریہ مصر کے نئے دستور کی دفعہ ۲ میں صراحتاً اسلام کو سرکاری مذہب اور شریعتِ اسلامی کو قانون سازی کا بنیادی مصدر قرار دیا گیا ہے الاسلام دین الدولۃ والشریعۃ الاسلامیۃ مصدر رئیسی للتشریع۔ ادھر مصر کے صدر سادات بھی ایسی اصلاحات پیش کر رہے ہیں جن کا مقصد سائنس کے ساتھ مذہب کی بنیادوں پر مملکت کی نئی تعمیر ہے۔ مصری دستور کی یہ مختصر سی دفعہ ہمارے لئے نہایت خوش آئند اور اسلام کے حق میں عالمِ عرب کے طرزِ فکر میں اہم تبدیلی کی غمازی کر رہا ہے۔ ہر چند کہ اصل چیز اسلام کا عملاً نفاذ ہے مگر بعض حالات میں چند الفاظ بھی بھاری قدر و قیمت کے حامل بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مصر اور پورے عالمِ اسلام کو عملاً اس راہ پر گامزن ہونے کی توفیق دے۔ مسلمانوں کو اگر منزلِ نجات و فلاح تک پہنچنا ہے تو جلد یا بعد از خرابیٔ بسیار اسی جادہ حق پر گامزن ہونا پڑے گا۔ (اکتوبر ۱۹۷۱ء)

لیبیا

مصر کے بعد لیبیا کی آئین سازی کے بارہ میں بھی خوش آئند خبر آئی۔ اعلیٰ انقلابی کونسل نے ملکی قوانین کو اسلامی تعلیمات کے سانچہ میں ڈھالنے کے اہم اقدامات کئے ہیں۔ جس کے لئے وہ پورے عالمِ اسلام سے تحسین کی مستحق ہے۔ حق تعالیٰ حکومتِ لیبیا کی صحیح رہنمائی فرمائے۔ پاکستان میں پھر آئین سازی کا مرحلہ درپیش ہے اور یہ واحد ملک ہے

جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے۔ اس لئے اسے پوری اسلامی دنیا میں اسلامی تجربہ گاہ اور معمل کی حیثیت سے اوّلین مقام حاصل تھا۔ مگر اب شاید اسے تیسرے درجہ میں بھی جگہ مل جائے تو نہ ہے نصیب۔ کاش! ہمارے ارباب حل وعقد ان اسلامی ممالک سے نصیحت لیں جو سوشلزم اور قومیت کی ہلاکت خیزیوں سے گزر کر اسلام کے ساحلِ سلامت ہی میں نجات پا رہے ہیں۔ (نومبر ۱۹۷۱ء)

آزاد کشمیر

حکومتِ آزاد کشمیر کے نئے صدر سردار عبد القیوم خان صاحب نے ریاست میں اسلامی اصلاحات نافذ کرنے کے سلسلہ میں بعض اہم اور بنیادی احکام جاری کئے ہیں اور اس طرح اس گئے گزرے دور میں صالح حکمرانوں کی یاد تازہ کی ہے۔ اقامۃ الصلوٰۃ اور اس طرح کی دیگر ہدایات ایک مثالی اسلامی معاشرہ اور عادلانہ حکومت کا پیش خیمہ بن سکتی ہیں، بشرطیکہ نہ صرف ان اقدامات پر عملدآمد کا بھرپور اور مؤثر احتساب کیا جائے بلکہ تدریجاً حکومت کے ہر شعبہ میں اسلام کی حاکمیت قائم کی جائے، بلاشبہ اگر صدقِ دل اور ایمان داری سے عالمِ اسلام کا کوئی دور افتادہ مختصر سا علاقہ بھی اپنے دائرہ میں اسلامی نظامِ حیات قائم کرنے کا بیڑہ اٹھالے تو وہ دینی و دنیوی سعادتوں کے لحاظ سے پوری دنیا کے لئے ایک نمونہ بن سکتا ہے۔ ہمارے اسلاف اس مقصد کے لئے قدم جمانے کی خاطر ایک بالشت زمین بھی کافی سمجھتے تھے، لیکن اب جب کہ ایمان و یقین احساسِ خودی اور فکر و نظر کی آزادی عنقا ہوتی جا رہی ہے، ہفت اقلیم بھی ہاتھ آجائے مگر ہماری خود فراموشیوں کی وجہ سے کسی اسلامی مملکت کی خواب شرمندۂ تعبیر ہونی مشکل معلوم ہو رہی ہے —— ان حالات میں حکومتِ آزاد کشمیر کا یہ اقدام جتنا بھی ہے ہم اسے غنیمت سمجھ کر تمام مسلمانوں کی طرف سے تحسین و تبریک کا مستحق سمجھتے ہیں۔ (مئی ۱۹۷۲ء)

ترکی کی اسلامی کروٹ

سعودی عرب کے ایک مشہور روزنامہ اخبار البلاد کے ۲۰ ذی الحجہ کا شمارہ ہمارے سامنے ہے۔ پہلے صفحہ پر صدر ترکیہ جناب جودت سونائی کا ایک ایمان افروز پیغام ہے جو انہوں نے عیدالاضحیٰ اور حج کی مناسبت سے اپنے عوام کو دیا ہے مصطفیٰ کمال کی مسند پر بیٹھے ہوئے رئیس ترکیہ کے پیغام کے لفظ لفظ سے ایمان ویقین جھلک رہا ہے۔ انہوں نے فرمایا حالات کا تقاضا ہے کہ ہم تمام غیر اسلامی نظریات اور باطل تحریکات کے سامنے سینہ سپر ہو جائیں۔ صرف دین اسلام دین وحدت ہے۔ امت اسلامیہ کا دستور صرف قرآن کریم ہے۔ حالات ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم سب قرآن کریم کو مضبوطی سے تھام لیں۔ انہوں نے ملت ترکیہ سے کہا کہ ترکی قوم خدا کے فضل سے اسلام کی سچی دعوت کی پوری طرح حفاظت کرنے کی اہل ہے۔ ایک دوسری خبر سے معلوم ہوا کہ اس دفعہ حج کے موقع پر حاجیوں کی سب سے بڑی تعداد ترکی قوم کی تھی جو تقریباً ۴۵ ہزار کی تعداد میں یقین وایمان کی دولت اور ولولہ ایمانی سے سرشار ہو کر اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے آئے ایمان ویقین کی یہ روح پرور خبریں اس ترکی بارہ میں ہیں جہاں کے "زعیم انقلاب" مصطفےٰ کمال نے اسلام اور اس کے مظاہرات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مٹایا۔ نشاۃ ثانیہ، انقلاب، ترکی اور یورپی اقوام کی ہمسری کے شوق میں عربی زبان بولنے پر لوگوں کی زبانیں کھینچی گئیں۔ مساجد کو عجائب خانوں اور خانقاہوں کو اصطبل میں تبدیل کیا گیا۔ اذان، نماز، تلاوت قرآن ناقابل معافی جرم قرار دیا گیا۔ فولادی عزم والے ترکوں کو نئے تقاضوں کے سانچہ میں ڈھالنے کی خاطر ہیٹ اور پتلون پہنانے کے جذبہ میں ہزاروں مسلمانوں کا خون بہایا گیا مگر اسلام کی جو چنگاری ترکوں کی فطرت اور خمیر میں چھپی تھی نہ بجھنی تھی نہ بجھ سکی۔ نور خدا پھونکوں سے نہ بجھایا جا سکا۔ دین حنیف کے چراغ اندر ہی اندر جلتے اور کفر کی حرکات کا مذاق اڑاتے رہے اور آج پھر یہ قوت اتنی ہی تیزی سے ابھر رہی ہے جس سختی سے اسے دبایا گیا تھا۔ باطل کی ظلمتیں بالآخر چھٹ جاتی ہیں۔ ایمان کے

شعلے بالآخر چھپٹ جاتی ہیں۔ ایمان کے شعلے الحاد کو خس و خاشاک کی طرح بھک سے اڑا دیتے ہیں اور باطل کی تمام کوششیں اور منصوبے خاک میں مل جائیں۔ یہ اس دین کی خاصیت ہے جو سچائی اور صداقت کا آخری پیغام اور فطرت اسلامی کا کامل اور مکمل جواب ہے۔ تزکیہ کی تاریخ میں دنیابھر کے اہل زیغ والحاد کو عبرت ونصیحت اور اہل دعوت وارشاد کے لئے حوصلہ مندی جوش اور ولولہ کا کافی سامان ہے۔

قذافی کی مؤمنانہ باتیں

"مجھے جو فرحت اور لطف نماز اور تلاوتِ قرآن میں حاصل ہوتا ہے اور کسی عمل میں حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ جل جلالہ کا نام زبان پر آتے ہی قلب ایک عجیب سا سکون پاتا ہے......"

یہ کسی زاہد و عارف اور اصطلاحی صوفی اور متقشف بزرگ کی بات نہیں۔ لیبیا کے مردِ آہن اسلام کے بطلِ جلیل کرنل معمر القذافی کی گفتگو ہے۔ جو انہوں نے لندن کے سنڈے ٹائمز کے نمائندۂ خصوصی فلپ نارمن کے اس سوال کے جواب میں فرمائی کہ آپ کے تفریحی مشاغل کیا ہیں ـــــ وہ قذافی جو سرزمینِ طرابلس میں شیخ احمد بن سنوسیؒ کے خوابوں کی تعبیر ہیں۔ جن سے عالمِ اسلام کی امیدیں وابستہ ہیں جو عربوں کو اسرائیل ناسور سے نجات دلانا چاہتے ہیں جو فقیرانہ زندگی گزارتے ہیں۔ جنہوں نے ملّت کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنی ہر عیش وراحت قربان کردی ہے۔ جن کا اوڑھنا بچھونا قرآن کی تلاوت اور اس کی اشاعت اور تعلیم ہے۔ وہ قذافی جنہیں بقول ان کے ایک رفیق کے "عظمتِ اسلام کا خبط ہے" ـــ کاش! کہ عالمِ اسلام کو چند ایک اور خبطی مل جائیں۔ کاش! کہ لیبیا کی چھوٹی سی آبادی جو ۲۰ لاکھ سے متجاوز نہیں کا ہر فرد قذافی بن جائے تو مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کچھ سہارا مل سکے۔

اسلام امن اور جہاد | اسی قذافی نے مذکورہ کافرانٹر ویو نگار کو یہ بھی کہا: "قرآن

حکمتوں کا منبع اور مرکز ہے وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہر ہدایت دیتا ہے ۔ وہ محض انجیل کی طرح نہیں ہے جس میں شروع سے آخر تک امن کی ہدایت ہے۔ قرآن جہاں امن و آشتی کا درس دیتا ہے وہاں ضرورت محسوس ہونے پر اپنے دفاع کے لئے تشدد کی بھی صاف صاف اجازت دیتا ہے ۔ یہ فیصلہ ہم پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ ہمیں کہاں امن و آشتی کا ہاتھ بڑھانا اور کہاں تشدد کا مقابلہ تشدد سے کرنا ہے ۔۔۔"

قذافی اس سوال کا جواب دے رہے تھے کہ اللہ کی رحیمی اور رحمانی صفت کے ساتھ ساتھ جنگ و جدال کے کیا معنی ۔۔۔ ؟ قذافی ایمان و یقین سے معمور ہیں ۔ مغربی پروپیگنڈہ میں آکر ارتیابی ذہنیت کے مریض نہیں کہ اسلام کی تفسیر میں تاویل اور معذرت کا انداز اختیار کریں ۔ انہوں نے جہاد کی حقیقت سمجھائی اور جری انداز میں کہا :۔

"ہم جب آزادی کی جنگ لڑتے ہیں تو صرف عربوں اور مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ ساری نوع انسان کے لئے سمجھ کر جہاد کرتے ہیں خدا تعالےٰ کا کلام قرآنِ حکیم سب کے لئے ایک سا پیغام اور ایک سی ہدایت ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس میں اور دوسری کتاب میں امتیاز ہی کیا ہو سکتا تھا ؟ یہود کے لئے توراۃ یا عیسائیوں کے لئے انجیل تھی ۔ مگر قرآنِ کریم ساری نوع انسانی کے لئے نازل ہوا ہے ۔"

مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بحالی اور فلسطین کی واپسی کے بارہ میں اس سراپا عزیمت حکمران نے کہا :۔

"جی ہاں ، ہم ماضی کو واپس لا سکتے ہیں اور لا کر رہیں گے ۔ ہم ماضی کی یاد تازہ کریں گے فلسطینیوں کو اپنے وطن میں واپس جانا اور یہودیوں کو کہیں اور سر چھپانا ۔۔۔"

یہ ایک جھلک ہے اس مردِ مومن کے عزائم کی جس کے دم سے عربوں میں ایک نیا ولولہ اور تازگی پیدا ہو رہی ہے اور جو ایسے مومنانہ جذبات اور عزائم کی وجہ سے آج دنیا بھر کے کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنتا جا رہا ہے[1]۔

کاش ! ہمیں بھی کوئی قذافی میسر ہو جاتا جو اپنے جوش اور غیرتِ ایمانی سے نئی زندگی اور نئے جوش سے سرشار کر دیتا۔

(جلد ۸، شمارہ ۱، رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ، اکتوبر ۱۹۷۲ء)

---

[1] افسوس کہ "محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے نام سے فلم بنانے میں تعاون کرنے کی خبروں سے جناب قذافی کے ساتھ مسلمانوں کے قلبی تعلق کو کافی دھچکا لگا بظاہر اس کی وجہ بھی قذافی کی سیمابی اور جذباتی طبیعت ہے کہ ان کے زعم میں ایسا تعاون شاید تشہیر و خدمتِ اسلام کا موجب ہوگا گو ان کا یہ خیال کسی لحاظ سے مستحسن نہیں۔

سرحد میں جمعیت کی حکومت

اب جب کہ سرحد میں اس اتحاد کی رو سے جمعیۃ العلماء اسلام کو وزارت سازی کا موقع مل رہا ہے، تو ملک کے تمام مخلص دیندار اور دین کے دعویدار افراد اور جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے گرد بے جا شکوک و شبہات کا حصار کھینچنے کی بجائے اسے اسلام کے نشاۃِ ثانیہ اور مثالی معاشرہ کا پیش خیمہ سمجھ کر اس کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہوں۔ کیا عجب یہ شمال مغربی سرحدی علاقوں میں دینی اقدار کے فروغ اور فواحش و منکرات کے ازالہ کا ذریعہ بن جائے۔ اور جو سرزمین سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کے خونِ شہادت سے لالہ زار بنی وہ آج سیدین شہیدین کے خوابوں کی تعبیر اور شیخ الہند محمود الحسنؒ دیوبندی کے سپنوں کی آماجگاہ بن جائے۔ ھٰذا تاویل رؤیای قد جعلھا ربی حقا

صدیوں بعد کسی خطہ میں علماءِ حق کا برسرِ اقتدار آنا جتنی مسرت کی بات ہے حالات اور زمانہ کے لحاظ سے اتنی ہی نازک ترین آزمائش بھی ہے۔ ہمیں اخلاق، معاشرت، تمدن، معیشت، تعلیم ہر میدان میں بتدریج تبدیلیاں لانا ہیں۔ اس کی صورت اور طریقِ کار کیا ہو۔؟ الاھم فالاھم کے مطابق کون سی باتیں اولین اور کون سی چیزیں ثانوی اہمیت کی حامل ہوں گی اور ہمیں دینی اصلاحات کے سلسلہ میں دین سے عمومی گریز کی فضاء میں بین المملکتی حدود میں رہتے ہوئے کس طرح اسلامی نظامِ حکومت کو اپنانا ہوگا۔؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار مسائل جمعیۃ العلماء اسلام کے اکابر اور خاص طور پر اس کے اولوالعزم اور مدبر قائد مولانا مفتی محمود صاحب کے سامنے ہیں۔ اسلامی خلافتِ راشدہ کی آرزو اگر صرف جمعیۃ کی نہیں بلکہ تمام دردمند مسلمانوں اور جماعتوں کا مرکزِ تمنا ہے تو آئیے سب بڑھ کر اس حسین تصور کو جامۂ حقیقت پہنانے میں جمعیۃ العلماء اسلام کا ہاتھ بٹائیں

اور اپنی تمام خداداد قوت اور وسائل سے اس کی پشت پناہی کریں۔ اس طرح اللہ کی رحمتیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔ اس مرحلہ پر بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اپنے محبوب قارئین کو بھی اس دعا میں شریک کرا دوں۔ معزز قارئین آئیے سب بارگاہِ ایزدی میں ہاتھ اٹھا کر خلوصِ دل سے دعا کریں کہ بارِ الٰہ مدتوں بعد جب تو نے اپنے بندوں کی ایک جماعت کو ایک مختصر سے خطہ میں اس نعمت سے نوازا کہ وہ وہاں تیرے دین کا بول بالا کر سکیں تو اب انہیں توفیق بھی عطا فرما کہ وہ اس پُرخطر اور سنگلاخ وادی سے سرخرو ہو کر کامیابی سے ہمکنار ہو جائیں۔ یہاں کے چپے چپے میں منکرات اور برائیوں کی بجائے نیکی اور بھلائی کا دور دورہ ہو۔ اگر تو نے یہ نازک ذمہ داری جمعیۃ العلماء اسلام کے کاندھوں پر ڈالنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اب ہر طرح ان کی دستگیری بھی فرما اور ان لاکھوں اسلام کے نام لیوا شیدائیوں کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر جو صدیوں سے خلافتِ راشدہ کا نمونہ اور اسلامی معاشرہ دیکھنے کو ترس رہی ہیں —— (اپریل ۷۲ء)

صوبہ سرحد میں جمعیۃ العلماء اسلام اور نیشنل عوامی پارٹی کے باہمی تعاون سے جمعیۃ کی کی وزارت قائم ہو چکی ہے اور جمعیۃ العلماء اسلام کے قائد مولانا مفتی محمود صاحب وزارتِ اعلیٰ کے منصب پر فائز ہو چکے ہیں۔ مفتی صاحب اولوالعزم لیڈر ہونے کے ساتھ ساتھ جید عالم، فقیہ اور عالم باعمل ہیں۔ سیاسی بصیرت اور تدبر، تحمل اور بردباری ان کی معروف صفات ہیں۔ علماء حق کو حکومت اور قیادت کی توفیق میسّر ہونے پر ہم حضرت مفتی صاحب کو مبارک باد بلکہ دلی دعائیں پیش کرتے ہیں کہ اس نازک اور عظیم آزمائش پر حق تعالےٰ ان کی دستگیری فرمائے اور وہ اپنے رفقاء کار کے ساتھ مل کر یہاں ایک ایسا مثالی معاشرہ اور خوشحال

صوبہ تعمیر کرسکیں جو پورے ملک کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ ثابت ہو۔ اگر اس مرحلہ پر ہماری یہ کوششیں کامیابی سے ہمکنار ہوسکیں، اور ہم نامساعد حالات اور طرح طرح کی مشکلات اور رکاوٹوں کو سرخروئی کے ساتھ پار کرسکیں تو اس طرح پورے ملک میں دینی قیادت اور اسلامی نظامِ حکومت کے فروغ کی راہ ہموار ہوسکے گی۔ حضرت مفتی صاحب نے حلفِ وفاداری اٹھانے کے بعد ام الخبائث شراب پر مکمل پابندی کا اعلان کر دیا اور دیوانی و فوجداری قوانین کو کتاب و سنت کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے ایک بورڈ کا بھی۔ اور معاشرہ کی مکمل تطہیر کے عزائم بھی ظاہر فرماتے۔ یہ ایک رقت انگیز منظر تھا جو صدیوں بعد اس چرخِ کہن کو دیکھنا نصیب ہوا۔ کتنی آنکھیں اس موقع پر فرطِ مسرت سے آبدیدہ ہوگئیں اور ملک کے کونے کونے میں اسلامی درد سے لبریز کتنے دلوں کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ واقعی مسرتوں کا مقام ہے ـــ خزاں رسیدہ گلشنِ محمدیؐ میں بہار آنے کے تصور سے بھی تو مسلمان کے تنِ مردہ میں جان آجاتی ہے۔ پھر کیا عجب ان سنگلاخ پہاڑیوں اور خشک و بے آب صحراؤں میں چمنستانِ اسلام کی شادابیاں لوٹ آئیں اور دینِ محمدیؐ کی خشک کھیتیاں سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء جان نثار کے خون کی طرح لالہ زار بن جائیں۔ آئیے بارگاہِ ایزدی میں گڑگڑا کر سرحد میں جمعیت العلماء اسلام کی حکومت کی کامیابی، مضبوطی، استحکام، جادۂ حق پر صبر و ثبات اور توفیقِ ایزدی کے لئے دعا کریں کہ یہ آزمائش مسرتوں اور خوشیوں کے ساتھ ساتھ مشکلات اور خطرات سے بھی لبریز ہے ـــ (مئی ۷۲ء)

باب ۱۴

فرد اور معاشرہ کی اصلاح
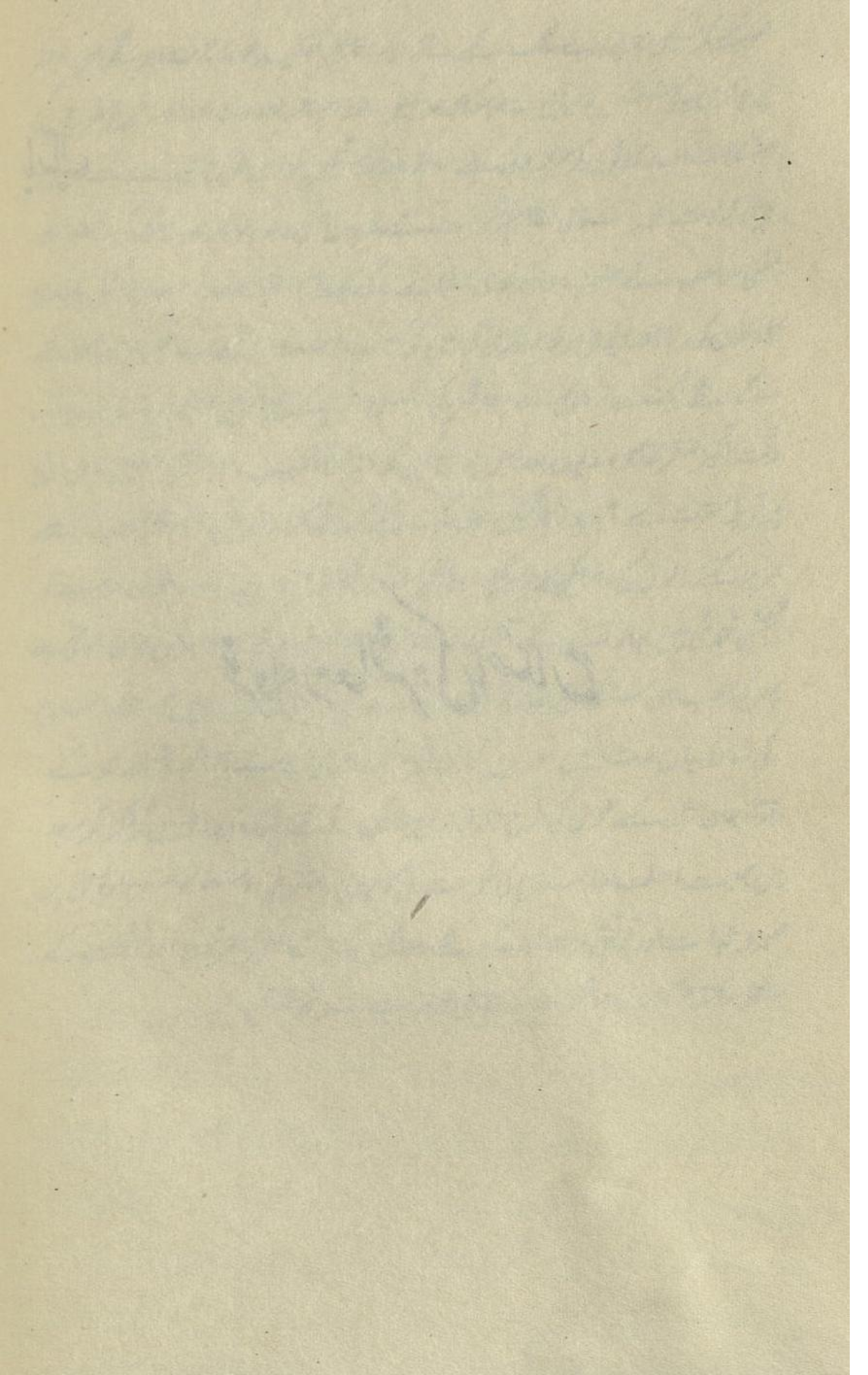
اصلاحِ معاشرہ کے جدید عطائی طریقے

معاشرہ کی اصلاح، ترقی اور خوشحالی کے لئے کیا کچھ ہے، جو نہیں ہو رہا، یہ ترقیاتی منصوبے اور طویل الذیل سکیمیں، گوناگوں تحریکیں، طویل المیعاد پلاننگ، اقتصادی اور مادی میدان میں مسلسل جدوجہد اور تگ و دو معاشرہ کی مادی ترقیات اور رفاہیت ہی کی خاطر ہو رہا ہے۔ مگر معاشرہ ہے کہ اصلاح کی بجائے فساد میں ترقی کرتا جا رہا ہے۔ معاشرتی خرابیاں، خود غرضی، لالچ، رشوت، اقربا پروری، بے حیائی، لذت اندوزی، مادہ پرستی اور جلبِ منفعت کی خاطر بڑے سے بڑے قومی اور اجتماعی حقوق کی پائمالی اس فساد کی واضح علامت ہیں اور درحقیقت اجتماعی معاشرہ انفرادی اور شخصی زندگی سے الگ کوئی چیز نہیں، پس اگر آپ کسی انسانی جسم پر پھوڑے پھنسیاں یا ظاہری فساد دیکھ کر اندرونی خرابی اور فاسد مواد کا تعین کر لیتے ہیں۔ تو علاج کا صحیح اور دانشمندانہ طریقہ یہی ہوتا ہے کہ بیرونی مرہم پٹی اور عارضی اصلاح کی بجائے اندرونی مادۂ فاسد کے ازالہ کی تدابیر اختیار کریں کہ جب تک جڑ سے خرابی کا ازالہ نہیں ہوگا جسم رستا اور رِستا رہے گا اور داخلی فساد اور خرابی رفتہ رفتہ سارے جسم کو ختم کر کے چھوڑے گی۔ عطائی اور ناتجربہ کار طبیب صرف وقتی تدابیر پر اکتفاء کریں گے۔ مگر ہوشیار نبض شناس حاذق اطباء کی نظر خرابی کے اصل سرچشمہ کو پکڑ لیتی ہے۔

بسترِ مرگ پر دم توڑنے والا جسدِ ملی یہی حال ہمارے موجودہ معاشرے کا ہے، جو نہ صرف فساد کی لپیٹ میں ہے، بلکہ اول تا آخر جسدِ ملی کو خرابیوں کا روگ کھوکھلا کرتا جا رہا ہے معاشرہ کے کسی طبقہ اور زندگی کے کسی شعبہ میں دیکھیں آپ کو ایک عام بیماری نظر آئے گی۔ لوٹ کھسوٹ کا منظر ہے، ہوسِ زر میں جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہے۔ مادہ پرستی پوری قوم کا شعار ہے۔ ذرا سی منفعتِ دنیوی کے لئے حیاء و شرم کی ساری حدود بالائے طاق رکھ کر ہر فرد

اغراض اور ذاتی منافع کے درپے ہے، سمگلنگ ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی تجار کا شعار ہے، رشوت ستانی اقربا پروری اور بددیانتی سرکاری حکام اور ہر سرکاری محکمے کا شیوہ۔ ملازم اور مزدور صرف حقوق کا رونا روتے ہیں۔ فرائض کا احساس تو پوری قوم کو نہیں۔ ہر شخص دوسرے کو شک کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ جن کو دولت میسر ہے وہ عیش کوشی اور ہوس رانی کے چکر میں مبتلا ہیں، جو غریب ہے وہ اپنے علاوہ ہر انسان کو بغض و عناد اور نفرت و حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ غرض پورا معاشرہ احساس و شعور کی ہر خلش، ضمیر و ادراک کی ہر قید و بندش سے آزاد ہو کر ایک عام وبائی بیماری کی لپیٹ میں ہے۔ اور جسم کے یہ پھوڑے پھنسیاں حیرت انگیز طور پر بڑھنے والی داخلی خرابیوں کا اعلان کر رہی ہیں۔

اصلاح اور علاج کے عطائی طریقے مگر یہاں بھی اصلاح و تشخیص اور علاج کی وہی صورتیں اختیار کی جا رہی ہیں، جو سڑے ہوئے جسم کے بارہ میں عطائی اور ظاہر بین طبیبوں کا طریقہ ہے، اس طرح اندرونی مادہ کو کچھ مہلت کچھ سکون تو مل جاتا ہے جس طرح اسپرو سے ہوتا ہے۔ مگر دوسرے وقت میں اندر ہی اندر سڑتا ہوا مادہ مزید شدت اور قوت سے ظاہر ہو کر پورے جسم کو ہلاک کر کے رکھ دیتا ہے۔

کیا اس کا سبب طبقاتی تفاوت ہے اس بگاڑ اور بربادی کو دیکھ کر کچھ عطائی لوگوں نے طبقاتی تفاوت اور اقتصادی ناہمواری کو اس کا سبب قرار دیا کہ غریبی ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے، ہر شخص کو بقدر ضرورت وافر دولت اور برابر کا حصہ مل جائے تو خرابی ختم ہو سکے گی۔ اس کے لئے مساوات، سوشلزم اور کیا کیا سنہری نام تجویز کر کے نسخۂ شفاء مرتب کیا گیا۔ مگر جہاں دولت کی فراوانی تھی وہاں اخلاقی خرابیوں اور بربادیوں کا زیادہ دور دورہ دیکھا گیا، جو جتنا غریب تھا دولت اور عہدہ و منصب کے لحاظ سے دوسرا اس سے جتنا اونچا تھا رشوت ستانی اور اخلاقی بددیانتیوں میں وہ اتنا ہی اس سے بڑھ کر نکلا، سپاہی اور کلرک ایک روپیہ کا راشی تھا، تو سینکڑوں پانے والے افسر اور حاکم سینکڑوں اور ہزاروں کے راشی ہوئے، سو روپیہ پانے والے میں سو خرابیاں ہیں تو ہزار اور لاکھوں پانے والوں میں اتنی ہی تعداد میں اخلاقی بیماریاں، سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار ممالک آج سب سے بڑھ کر بے حیائی، فحاشی اور مادہ پرستی

کی پلیٹ میں ہیں۔ تو معلوم ہؤا کہ غربت اور افلاس کا ازالہ بذاتِ خود کتنا اہم اور ضروری ہی کیوں نہ ہو معاشرہ کی اصلاح، فساد کے ازالہ، سوسائٹی کی خرابیوں کا علاج ہر گز نہیں اس دوا نے معاشرہ کے بعض افراد کو اور بگاڑ دیا تو پوری قوم کی اجتماعی زندگی اس سے کب شفایاب ہو سکتی ہے۔؟

قانون کا آہنی شکنجہ بھی علاج نہیں کچھ لوگوں نے معاشرہ کے علاج کی خاطر قانون کا سہارا لیا مگر قانون کا ڈنڈا جتنا بھی سخت ہوتا گیا اور حکومت و سلطنت کے شکنجہ میں معاشرہ جتنا بھی جکڑتا گیا اندرونی فاسد مادہ اتنا ہی شدت اور قوت سے دوسرے راستے نکالتا رہا۔ امریکہ نے کچھ عرصہ قبل شراب پر پابندی لگائی تو لوگوں نے سائیکل کے ٹیوب ٹائر سے خم خانوں اور پیمانوں کا کام لیا۔ خفیہ بھٹیوں کی تعداد سینکڑوں سے ہزاروں تک پہنچ گئی اور قانون کا احترام اسی طرح خاک میں ملتا رہا۔ اس لئے کہ بڑے قانون اور حکومت کے آہنی شکنجہ سے اندرونی فاسد مادہ پر پلاسٹر تو ہو سکتا ہے مگر برسوں کے سڑتے ہوئے مواد کو اُبلنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اور سماجی بگاڑ اندر ہی اندر نقطۂ عروج پر پہنچ جاتا ہے۔ آپ نے چوروں کو دیکھا ہو گا کہ برسوں کی قید اور سزاؤں کے بعد ان کا پہلا کام وہی ہوتا ہے جس کی پاداش میں وہ اب تک تکالیفِ شاقہ برداشت کر رہے تھے۔ جوا باز مقامر کی عادت قانون کے ڈنڈے سے کبھی نہیں بدلی، ایک سمگلر بھی حوالات کی وجہ سے عادتِ بد نہیں بدلتا۔ اور ایک راشی یا اُجرتی قاتل دو چار ہزار جُرمانہ دے کر اپنا دل پسند طریقہ نہیں چھوڑتا۔ الغرض اس شکنجہ سے انسان — اشرف المخلوقات — محض ایک سرکش گھوڑے کی طرح تو ہو جاتا ہے کہ جب تک سزا اور عقوبت کی رسیوں میں جکڑا ہؤا ہے، قابو میں ہے، ذرا سی باگ ڈھیلی ہوئی تو وہ شریر اور سرکش گھوڑا ہی رہا — ہمارے ہاں بھی یہ انسانی طور طریقے تشخیص و علاج کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ مگر افسوس کہ اصل علاج سے پوری قوم غافل ہے۔ اندرونی فساد کے ازالہ کے لئے تحریکیں چل رہی ہیں — یہ صفائی کا ہفتہ ہے، یہ ہفتۂ شجر کاری ہے۔ وہ ٹی بی کے خلاف جہاد ہے۔ یہ ریڈ کراس کے میلے ہیں یہ ٹریفک کا ہفتہ منایا جا رہا ہے، یہ سمگلنگ اور ملاوٹ کے خلاف تحریک گرم ہے۔ سب کچھ ہو رہا ہے مگر کسی شعبۂ حیات میں اچھائی کے آثار ظاہر نہیں ہوتے کہ علاج کی تشخیص ہی

غلط ہے۔

اصلاح معاشرہ کیلئے اندرونی انقلاب کی ضرورت

مگر مسلمانوں کی نگاہ میں جو سب سے بڑھ کر دانا و بصیر حکیم تھا جس کی حذاقت و مہارت اور فراستِ باطنی، دوررسی، اور حقیقت بینی کی تاریخ نے ہر دور میں شہادت دی، یعنی حکیم دانا نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام صادق و مصدوق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے وہی طریقہ اختیار کیا جو عقل و تجربہ اور فہم و خرد کے مطابق تھا، یعنی فساد کی اندرونی خرابیوں کو پکڑا کہ جب تک انسانی معاشرہ میں اندر سے انقلاب پیدا نہیں ہوگا۔ دل کی حالت درست نہ ہوگی، ضمیر و احساس بیدار نہ ہوگا، اچھے اور برے کی تمیز پیدا نہ ہوگی، تقویٰ اور خشیت کی لہریں نہیں اٹھیں گی۔ جسمِ انسانی کے پھوڑے پھنسی اور بدنما داغ نہ تو دولت سے زائل ہوں گے نہ غربت اس کا مداوا ہوگا نہ قانون سے اصلاح ہو سکے گی نہ حکومت کے ڈنڈے سے۔ یہ انقلاب دل کا انقلاب تھا۔ کہ باہر کا سب کچھ اس کے تابع ہے، وہ اصل ہے اور جسم اس کا سایہ۔ اور جب اصل قابو میں آجائے گا۔ تو سایہ خود بخود ہاتھ میں ہوگا۔ پھر نہ قانون کی ضرورت ہوگی نہ نظام حکومت کے آہنی شکنجوں کی کہ اذا صلحت صلح الجسد کلہ۔

دل کی دنیا بدلنے کے نتائج

جب دلوں کی دنیا بدل گئی تو منادی کی ایک پکار سے گھروں کے اندر لبوں تک آئے ہوئے شراب کے جام توڑ دیئے گئے لبوں کے اندر نئے گلگوں کے گھونٹ حلق کے اس پار اٹک کر رہ گئے اور شراب کی وہ مٹی پلید ہوئی کہ مدینہ کی گلیاں اس سے بھر گئیں، سب جام و سبو باہر پھینک دیئے گئے۔ حجاب کی آیت سنی گئی تو جو بھی عفت مآب خاتون جہاں سے گزر رہی تھی وہیں سکڑ کر کسی آڑ میں بیٹھ گئی۔ اور جب تک لباس سائز نہیں ملا وہاں سے قدم نہیں اٹھ سکے۔ اگر رات کے سیاہ پردوں میں بھی انسانی کمزوری کی وجہ سے کوئی جرم سرزد ہوا تو جب تک اس کی حد جور جم ور سنگساری کیوں نہ ہوتی) اپنے اوپر جاری نہ کروائی لمحہ بھر چین نہیں ملا۔ وہ ماعزؓ جیسے رجال باصفا ہوتے یا غامدیہؓ جیسی خواتین تھا نتات جن کی احساس ندامت کسی پوری وادی کے لئے بخشش آفرین کا موجب ہو سکتی، وہ عبداللہ بن رواحہؓ جیسے سراپا دیانت حاکم اور افسر ہو جاتے، کہ

ہزاروں لاکھوں کی رشوت کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیتے۔

نسخۂ شفا یک لخت فراموش | غرض یہ اس امت کا آزمایا ہؤا نسخہ ہے، جس کی صداقت پر صدیاں گزر گئیں۔ آج پھر معاشرہ کے لئے اس نسخہ کی ضرورت ہے۔ مگر کیا اس پورے ملک میں اصلاحِ اخلاق، تعمیر اخلاق، تہذیبِ نفس، تزکیۂ قلوب کی بھی کوئی تحریک اٹھی ہے۔ کسی پارٹی نے اسے اپنا منشور بنایا ہے؟ کوئی ہفتہ اس کا منایا گیا ہے؟ کسی لیڈر کا یہ بھی اوڑھنا بچھونا بنا ہے؟ وہ قوم جو روٹی کپڑے اور مکان سے زیادہ تعمیرِ انسانیت، تہذیبِ نفس کی محتاج ہے۔ افسوس کہ کوئی حکیم اسے شعار بنا کر نہیں اٹھتا کہ دلوں کو بیدار کر دے، اسے خوفِ آخرت اور ایمان باللہ سے مالا مال کر دے، انسانی افکار کو محاسبۂ آخرت سے مربوط کر دے اور دنیا کے مقابلہ میں آخرت کی اہمیت انسانی اقدار کی قدر و قیمت اور ضمیر و شعور کی آگاہی اور بیداری کی ضرورت سے قوم کو آگاہ کر دے۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۲ء

عالمِ اسلام کی معاشرتی اور اخلاقی قدریں

مملکتِ عزیز پاکستان کی آزادی کو چوبیس برس گزر گئے، ملک کی اصلاح و ترقی کے لئے مختلف تحریکیں اٹھیں، کئی انقلابات آئے، منصوبے بنے تحقیقاتی کمیشن قائم ہوئے تجاویز پیش ہوئیں، بلند بانگ دعوؤں اور منشوروں کا ایک طومار مرتب ہوتا چلا گیا، مگر اس ساری کد و کاوش کا نتیجہ "کوہ کندن وہ کاہ بر آوردن" ہی ظاہر ہؤا، بحران بڑھتا گیا، تباہی نے ہمیں چاروں طرف سے آگھیرا، اور ملک اصلاح و ترقی کی بجائے فساد اور تنزل کی طرف لڑھکنے لگا۔ اب جب کہ نئی حکومت نئے جوش اور ولولہ سے قیادت سنبھال کر ملک کی از سرِ نو تعمیر کا عزم دہراتی ہے تو ہمیں اس سارے لاطائل اور لاحاصل جد و جہد اور کوششوں کو نگاہ میں رکھ کر اصلاح و تعمیر کا کام نئی بنیادوں پر شروع کرنا چاہیئے ورنہ نتیجہ وہی ضیاعِ وقت اور بربادی ظاہر ہوگا۔ کہ جب تک بیماری اور خرابی کی تشخیص نہ ہو سکے۔ اصلاح اور علاج کی ساری تدابیر ناکام ہوتی ہیں، اس وقت نئی تعمیر کے لئے جو بنیادی حیثیت کا مسئلہ

ہے وہ ہے ملک کی اصلاحی اور اخلاقی بنیاد پر تعمیر تو جب تک بنیاد درست نہ ہوگی۔ ساری عمارت تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، ہماری معیشت، سیاست، اقتصادیات اور تمام سماجی مسائل اگر حل ہو سکتے ہیں تو اس صورت میں کہ ملک اور معاشرہ کی اخلاقی قدروں اور معاشرتی امور پر بنیادی توجہ دی جائے ورنہ بغیر اس کے ہمارے تمام منصوبے ناکام سے ناکام تر ثابت ہوں گے۔ معاشی اور زرعی اصلاحات، صنعتی ترقی اور معیارِ زندگی میں بلندی کے لئے ہماری تگ ودو کے باوجود ملک میں جس پیمانہ پر رشوت خوری دولت ستانی، اقربا نوازی، ذخیرہ اندوزی، غبن، بددیانتی، فرائض میں کوتاہی، مجرمانہ گرانفروشی، خود غرضی اور ہوس رانی بڑھ رہی ہے۔ اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ حکومت کے اعلےٰ سے ادنیٰ تمام محکموں میں ان برائیوں کا دور دورہ سب کو محسوس ہو سکتا ہے۔ اجتماعی حقوق اور جذبۂ حب الوطنی کا احساس اتنا مفقود ہے کہ اپنی حقیر اور فانی لذت یا مادی فوائد اور چند روزہ اقتدار کی خاطر ملت کے بڑے سے بڑے مفاد کو غداری کی بھینٹ چڑھا نا معمولی بات ہو گئی ہے۔ ملک و وطن کی ذمہ داریوں کا احساس صفر ہے۔ ان خرابیوں میں عوام بھی حکام سے پیچھے نہیں ہیں، بے حیائی، فحاشی، زنا، چوری، اغوا اور ڈکیتی، سمگلنگ، قومی و ملی امور میں غبن اور خرد برد کا حال ڈھکا چھپا نہیں۔

اخلاقی اور اصلاحی انقلاب کی ضرورت، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم نے ہر تحریک چلائی مگر قومی اور وسیع پیمانہ پر کبھی توجہ نہ ہوئی تو اخلاقی و اصلاحی انقلاب کی طرف نہ ہوئی اس کی وجہ یہی ہے کہ جب اربابِ اقتدار خرابیوں کے جس دلدل میں خود پھنسے ہوئے تو ہوئی و ہوس اور لذت اندوزی کے اس کیچڑ سے وہ عوام کو کب نکالنا چاہیں گے۔ پھر جن لوگوں کے ہاتھوں زمام کار رہتی ہے انہیں یا تو خراب حالات نے اتفاقیہ لیڈر بنایا ہوتا ہے۔ یا پھر ان کی فکری اٹھان چند روزہ سیاسی دھندوں کے مرہون ہوتی ہے یا پھر ان تعلیمی اداروں کی جہاں سب کچھ ہوتا ہے مگر اخلاق، ضمیر، شعور و ادراک اور نفس کی تربیت و تہذیب کے لئے کچھ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہمارے رہنما قوم کی دینی، اخلاقی اور سماجی تربیت و تعمیر جیسے کٹھن خشک و بے مزہ کام کے جھمیلوں میں پڑ کر اپنی زندگی کی رنگینیاں بدمزہ کرنا چاہتے ہیں رہے افسرانِ کرام

تو دفتری نظم و نسق اور سرخ فیتہ والے نظام کے جزئیات اور کاغذی کارروائیوں کے گردش اور پھر عیش و رفاہیت میں بدمست حالت انہیں اتنے اہم مسئلہ پر سوچنے کب دیتی ہے۔ قوم میں جب تک اخلاقی احساس اور اجتماعی شعور بیدار نہ ہو۔ خدا شناسی اور خدا ترسی اور محاسبۂ آخرت کا احساس نہ ہو، فرائض اور حقوق کا ادراک نہ ہو۔ رضا کارانہ کام، ایثار، خلوص، ادائیگی حقوق و امانات کی تڑپ نہ ہو تو ہمارا ہر معیشی، اقتصادی اور سیاسی منصوبہ نہ صرف ناکام بلکہ مزید تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ بنتا رہے گا۔ پہلے قوم کی بحیثیت مسلمان اور دیانتدار شہری کی تربیت کیجئے اس کے لئے وسیع اور ٹھوس دور رس بنیادوں پر تحریک چلایئے۔ ایک اخلاقی اور وجدانی انقلاب برپا کیجئے۔ اس کے بعد صنعتی ترقی زرعی اصلاحات اور ملک کی تعمیرِ نو کے لئے آپ کی معمولی کوششیں بھی بہت بڑے ثمرات ظاہر کریں گی۔

ملک کی تعمیرِ نو میں دین سے گریز کا نتیجہ ہمیں افسوس ہے کہ پارٹی کے صدر (ذوالفقار علی بھٹو) نے اقتدار سے قبل تین بنیادوں پر انتخابی پروگرام پیش کیا تھا۔ اس نے اس عرصہ میں معاشی نظام کے لئے سوشلزم، سیاست کے لئے جمہوریت کی طرف برائے نام ہی کچھ تو قدم اٹھایا یا بہلانے کی کوشش کی۔ مگر اسلام جسے اپنا دین کہا گیا تھا کامل بے اعتنائی کے ساتھ پسِ پشت ڈال دیا گیا اور اب تک اسے دین کی حیثیت سے نافذ کرنے یا اسلامی خطوط پر معاشرہ کی اصلاح کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ نہ ملک کی تعمیرِ نو میں اصلاحی و اخلاقی اقدامات کی طرف کوئی توجہ ہوئی۔ نتیجہ وہی کہ گاڑی ہلاکت کی اسی پٹڑی پر جا رہی ہے اصلاحات کے باوجود معاشرہ میں اضطراب اور بے چینی روز افزوں ہے۔ مزدوروں اور ملازمین کا عفریت بوتل سے نکل چکا ہے۔ "سیاسی زعماء" بے اعتماد ہیں عوام اقتصادی اور معاشی لحاظ سے دبتے جا رہے ہیں۔ امن اور اتحاد کی فضا ختم ہوتی جا رہی ہے۔ محبت اور الفت کے رشتے نفرت اور عداوت سے بدل رہے ہیں۔ پھر کیا اب بھی فطرت کے ردِ عمل اور قانونِ انتقام سے، ہم غافل رہیں گے؟

الحذر اے جیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اس وقت جبکہ محرم سے سالِ نو کا آغاز ہو رہا ہے، ہم نہایت خلوص سے نئی حکومت

کی توجہ وقت کے اس اہم ترین مسئلہ۔ اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کی طرف مبذول کراتے ہیں ؎

من آنچہ شرطِ بلاغ است باتومی گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر خواہ ملال

اُم الخبائث کی فراوانی

۱۵ مئی کو صوبائی وزیرِ آبکاری نے صوبائی اسمبلی کو بتایا کہ پچھلے ایک سال میں مغربی پاکستان کے بڑے ہوٹلوں میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پچھتر ہزار نو سو اکتیس گیلن شراب استعمال کی گئی۔ وزیر آبکاری نے فرمایا کہ صرف لاہور کے سات ہوٹلوں میں ہر ماہ اوسطاً اٹھارہ سو پچانوے گیلن شراب استعمال ہوتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کراچی، حیدرآباد، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ کے چالیس ہوٹلوں کو شراب استعمال کرنے کے پرمٹ دیئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ بعض طبّی وجوہات کے سوا تمام مسلمانوں پر شراب نوشی پر پہلے ہی پابندی ہے۔ یہ اعداد و شمار ایک اسلامی جمہوریہ کہلانے والی سرزمین کے ہیں۔ کسی اور جرائم اور فواحش کے نہیں بلکہ خرابیوں کی جڑ شراب جیسی اُمّ الخبائث کی افراط اور فراوانی کا یہ عالم ہے۔ پھر یہ تو صرف چند ہوٹلوں کی ایک جھلک ہے۔ کلبوں، کاک ٹیل پارٹیوں، تفریحی تقریبات، نجی محفلوں اور عوامی خلوتوں اور جلوتوں کا اندازہ خود لگایئے اور پھر جب نتیجہ میں ملک میں لاقانونیت، غنڈہ گردی اور بدامنی کا دور دورہ ہو تو "غنڈہ آرڈیننس" کے دامنِ فریب میں پناہ ڈھونڈیئے۔ یاد رکھئے جب تک فساد اور خرابی کے شجرۂ خبیثہ کی جڑوں کو اتنی فیاضی سے سیراب کیا جائے گا۔ خاردار شاخوں کی تراش خراش سے اصلاح نہیں بلکہ اس کے برگ و بار میں اور بھی ترقی ہوگی ۔۔۔ اس خبر کا یہ پہلو بھی لمحۂ فکریہ ہے کہ اگر مذکورہ اعداد کے مطابق شراب پینے والے سب کے سب مریض ہیں یا پھر سب کے سب غیر مسلم تو پھر اس ملک میں مسلمان اور صحت مند انسان کا وجود کہاں سے ملے گا۔ اس کے

علاوہ آخر وہ کون سا مرض ہے جس کا علاج اسلام شراب جیسی ام الخبائث چیز سے کرانا چاہتا ہے جو بجائے خود ایک مہلک بیماری ہے۔ اور پھر یہ پرمٹ اور لائسنس کس بلا کا نام ہے؟

اپنے مشاہدہ میں تو پی آئی اے کی ایک تازہ مثال[1] ہے کہ موت کے سایہ میں خوفِ آخرت سے عاری "مسلمان" جام پہ جام لنڈھاتے رہے ہوائی نازنینوں کو کسی پرمٹ کا نہیں بلکہ ایک اشارۂ ابرو کا انتظار رہا اور پھر ان مسلمانوں کے مرڈوبنے کے لئے یہی کافی تھا کہ غیر ملکی مسافروں کے نام پر استعمال ہونے والی یہ شراب کسی بھی غیر مسلم نے طلب نہیں کی بلکہ یہ لوگ تو ان حریصانہ اور للچائی طبیعت والے ہوسِ مے نوشی میں مدہوش "کالے مسلمان شراب خوروں" کو طنز و استہزاء کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ جون ۱۹۶۸ء

قتل وجہل کا دور دورہ

صحیح بخاری میں شقیق بن سلمہ سے روایت ہے: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان بین یدی الساعۃ ایاما ینزل فیھا الجھل ویرفع فیھا العلم ویکثر فیھا القتل قیامت سے پہلے ایسے دن آئیں گے کہ جہالت عام ہو جائے گی علم اٹھا لیا جائے گا۔ اور ہرج یعنی قتل بڑھ جائے گا۔ اس حدیث کی روشنی میں اپنے زمانہ کا جائزہ لو دیگر پیشگوئیوں کی طرح اس بات میں بھی مخبرِ صادق ؐ کی صداقت کفلق الصبح (پو پھٹنے کی طرح) روشن ہو کر ثابت ہو رہی ہے۔ کسی ایک اخبار کو اٹھا کر دیکھئے اس کا دو تہائی حصہ اغوا، قتل، جھگڑا، فساد، آبروریزی اور اقدامِ قتل سے متعلق خبروں پر مشتمل ہوگا۔ اور اگر اتنی فرصت بھی نہ ہو تو صوبائی اسمبلی کے پارلیمانی سیکرٹری برائے محکمۂ داخلہ کے ان تازہ اعداد کو پڑھ لیجیے جو انہوں نے وقفۂ سوالات کے دوران بتلائے انہوں نے کہا ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۷ء کے مختصر عرصہ میں صرف مغربی پاکستان میں سولہ ہزار قتل ہوئے، بالفاظ دیگر اس مدت میں ۳۲ ہزار خاندان ہمیشہ کے لئے تباہ

---

[1] کراچی سے ڈھاکہ جاتے ہوئے ملک کے چوٹی کے سیاسی لیڈر اور وفود کے کئی افراد کو اس حال میں دیکھا۔

ایک لاکھ بچے یتیم، کئی ہزار عورتیں بیوہ ہوگئیں۔ ہزاروں والدین کی آنکھوں کی روشنی چھن گئی اور ہزاروں بچوں کی تعلیم اور معاش کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ یہ تو صرف وہ قتل ہیں جو حکومت کے علم میں آئے اور ان پر باقاعدہ مقدمات قائم ہوئے۔ اس طرح ارشادِ نبوی کے پہلے حصہ زوال علم اور کثرتِ جہل کو دیکھئے تو کیا اس سے قبل بھی کہیں ایسا موقع آیا تھا؟ کہ علماء حق کا مصرف پولٹری فارم، سکواش یا مربہ جات کے کارخانے سنبھالنا رہ گیا ہو اور علم و تحقیق کی باگ ایسے ہاتھوں میں دی گئی ہو جن کا باطن تو کیا ظاہری اطوار و عادات بھی علم کیلئے ننگ و عار کی حیثیت رکھتے ہوں۔

(ج ۳ - ش ۹ - ربیع الاول ۱۳۸۸ھ جون ۱۹۶۸ء)

۱؎ ان دنوں بعض سرکاری افسر اور حکمران علماء کو دن رات یہی مشورے دیا کرتے تھے۔ ۱۲

صیامِ رمضان

اخلاقی اور روحانی اصلاح کا ایک قرآنی نسخہ

رحمتِ خداوندی کا موسمِ بہار "شہر رمضان المبارک" ملتِ محمدیہ کے سروں پر سایہ فگن ہے۔ اس وقت ہم اس کے وداعی دور (عشرۂ اخیرہ) سے گزر رہے ہیں۔ جسے حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہنم سے نجات "عتق من النار" کا مرحلہ قرار دیا۔ نامناسب نہ ہو گا اگر رمضان کے روح پرور اور سبق آموز پہلوؤں پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال دی جائے۔

رمضان کیا ہے — ؟ انوار و برکات الٰہی کے فیضان کا مہینہ — تجلیاتِ ربانی کا مظہر — رحمت ہائے واسعہ کا ظہور اور نعمت ہائے متوالیہ کا ابرِ نیسان — رمضان، رحیم و کریم کی رحمتوں کا وہ نقطۂ عروج ہے جو اپنے جلو میں بے چین و مضطرب انسانیت کے لئے قرآنِ کریم جیسا نسخۂ شفاء اور اکسیرِ ہدایت لایا۔ اور اس طرح ماہ رمضان ہی وہ مقدس زمانہ ٹھہرا جس میں ربّ العالمین نے اسلام جیسی بیش بہا نعمت سے اپنی [illegible] اور نوامیس کی تکمیل فرمائی — رمضان مؤمنین کے پژمردہ دلوں کے لئے حیاتِ نو کا پیغام اور [illegible] مقربین کے لئے جلاء و نکھار کا مہینہ ہے، جس میں ذکر و فکر اور بندگی و طاعت کی محفلوں میں تازگی اور فسق و فجور کے ظلمت کدوں میں ویرانی آجاتی ہے — ایمان و تقویٰ کی کھیتیاں لہلہا اٹھتی ہیں، اور ظلم و معصیت کی بستیاں اجڑ جاتی ہیں — ماہِ صیام ابلیس کی بندش و رسوائی اور پراگندہ حال شکستہ خاطر مومنین کی سرفرازی اور سرخروئی کا مہینہ ہے — رمضانِ حدیثِ یار کے ورد و تکرار اور رات کی تنہائیوں میں محبوبؐ و مطلوب سے مناجات اور سرگوشیوں کا عہدِ وصال ہے — رمضان جس کی آخری شب میں ربِ کریم اپنی آغوشِ رحمت پوری کائنات — پوری انسانیت — اپنے رب سے ٹوٹی ہوئی انسانیت کے لئے وا کر دیتا ہے — اور اپنے مالکِ حقیقی سے برگشتہ بندوں کو جود و بخشش کی صلائے عام

ہوتی ہے — الامن مستغفرٍ فاغفرلہ' الامن مسترزقٍ فارزقہ' الامن مبتلیً فاعافیہ الاکذا الاکذا (الحدیث) ہے کوئی بخشش کا طلب گار کہ میں اسے بخش دوں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس پر خزانۂ غیب سے رزق کے دروازے کھول دوں۔ کوئی مصیبت زدہ ہے، جسے میں نعمتِ عافیت سے نواز دوں —

پھر اس کے افطار کا وقت — سبحان اللہ — وہ تو جمالِ محبوب کے دید و مشاہدہ اور اس کے قرب و تدلّی کا وہ مقامِ معراج ہے کہ فراق و ہجر کے ستّر ہزار حجاب بیچ سے ہٹ جاتے ہیں۔ گوناگوں مسرّتوں اور لقاءِ رب کے لمحات ——

للصائم فرحتان فرحۃٌ عند فطرہٖ وفرحۃٌ عند لقاء ربہٖ (الحدیث) روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں۔ ایک وقتِ افطار کی خوشی اور ایک اپنے ربّ کی زیارت اور وصال کی مسرت۔ غرض رمضان کی ہر رات شبِ وصال اور ہر دن یوم مشاہدۂ جمال ہے —— ع

ہر شب شبِ قدر است اگر قدر بدانی

پھر اس میں ایک رات (لیلۃ القدر) ایسی بھی آجاتی ہے، جو عظمت و مرتبت کے لحاظ سے ہزار مہینوں کے برابر ہے جس میں یکبارگی قرآن نازل ہوا جو الروح الامین اور ملائکہ رحمت و سلام کے نزول کی رات ہے، جس میں ساری کائنات ذوالجلال والکبریاء و معبود کی عظمتوں کے سامنے جھک کر اس کی تسبیح و تمجید میں ڈوب جاتی ہے۔ مگر ایک عاشقِ زار کیفِ وصال اور لذتہائے جمال میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ وہ اس ہزار ماہ والی رات کو ایک رات بلکہ ایک لمحہ سمجھنے لگتا ہے۔ کان لم یلبثوا الاساعۃً من نہار۔ اور صبح صادق کے وقت پکار اٹھتا ہے کہ ؎

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد　　　روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اور ما عرفناک حق معرفتک وما عبدناک حق عبادتک لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک۔ کا نغمۂ عجز و قصور اس کی زبان پر ہوتا ہے ——

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراك مالیلۃ القدر لیلۃ القدر خیرٌ من الفِ شھر تنزّل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلامٌ ھی حتّٰی مطلع الفجر۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ آتشِ قرب اور سوز دروں سے بے تاب ہو کر رضائے مولیٰ کا طلبگار بندہ گھر بار خویش واقارب سب کچھ چھوڑ کر اسی کے در پر ڈیرہ جما دیتا ہے اور جب تک رضا و وصال کا ہلالِ عید چمک نہ جائے یہ بھی آستانۂ یار کی چوکھٹ نہیں چھوڑتا۔۔ سوز و ساز، امید و بیم، درد و تڑپ، اضطرار والتجاء اور تقلیلِ طعام کے بعد قطع کلام و منام اور ترکِ تعلقات کے اس چلّہ کو ہم اعتکاف سے یاد کرتے ہیں۔۔ پھر وہ رمضان ہی کے ساعات کیمیا اثر ہیں جن کی تاثیر سے ہماری حقیر سی نیکی، عملِ قلیل اور بضاعۃ مزجاۃ، اخلاص و احتساب کی آمیزش سے جبلِ اُحد جتنا مقام پالیتی ہے۔ ہمارے نوافل فرض اور فرض ستر فرائض کے برابر ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ اجر و ثواب خود بارگاہِ ایزدی سے براہِ راست ملتا ہے۔ الا الصوم فانہ لی وانا اجزی بہ کہ اس کی یہ بھوک و پیاس، یہ پژمردگی، یہ ربودگی صرف اسی کے لئے تو ہے، اور اسی ہی کے علم میں ہے کسی غیر کی رضامندی، ریا اور شہرت کا اس میں شائبہ بھی نہیں۔ پھر اس شہرِ مسعود کے یہ برکات و انوار وقتی نہیں بلکہ ایک مسلمان کی ساری زندگی اس کی بدولت ایمان و احسان کے سانچہ میں ڈھل سکتی ہے۔ بشرطیکہ رمضان کے فضائل و برکات اور ایمان آفرین نتائج نگاہوں کے سامنے رہیں اور صوم کی یہ عبادت ہر قسم کے منکرات و فواحش، قولِ زور بیہودہ مجالس، غیبت اور گالی گلوچ، ریا و عجب۔ غرض تمام بُرے افعال کی آلائش سے پاک رہے کہ جب حلال چیز سے پرہیز ہے تو حرام کی گنجائش کہاں ہے؟ اور اگر یہ عمل ایمان و احسان سے خالی اور ذنوب و آثام سے محفوظ نہیں۔۔ تو یہ تو نری بھوک و پیاس ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کوئی سروکار نہیں رکھتا (بخاری) اور کتنے صائم النہار و قائم اللیل ہیں کہ جن کے پلے بجز پیاس اور مفت کی جگائی کے اور کچھ نہیں پڑتا (الدارمی) روزہ صرف کھانے پینے سے رُکنے کا نام نہیں بلکہ تمام بیہودہ اور بیحیائی کی باتوں سے دستبردار ہونے کا نام ہے (الحدیث) روزہ تو گناہوں اور جہنم کی آگ سے بچانے والی ایک ڈھال ہے، جب تک روزہ دار اس کو جھوٹ اور غیبت سے چھید نہ ڈالے۔ (نسائی وغیرہ) یہ مہینہ سراپا وعظ و نصیحت ہے اور اس کا ہر پہلو

صد ہا نصیحتوں سے بھرپور ہے۔ یہ مہینہ صبر کی تلقین کرتا ہے کہ اللہ کے حکم سے ہم نے لذائذ و شہوات کو ترک کر دیا۔ اس طرح مومن کی ساری زندگی منکرات و فواحش اور منہیات سے صبر و گریز کی آئینہ دار ہو گی — یہ مہینہ ہمیں جہاد سکھلاتا ہے کہ نفس تو عدو اکبر اور اس کا مقابلہ جہاد اکبر ہے۔ اور جب مسلمانوں نے روزہ سے نفس پر فتح پانے کا ملکہ حاصل کر لیا تو عدو اصغر کافر و مشرک کی شکست تو آسان بات ہے — یہ مہینہ ہمیں بھوک و پیاس کا احساس دلا کر باہمی ہمدردی، ایثار و انفاق اور غریب پروری کا سبق دیتا ہے۔ اس لحاظ سے حضورؐ نے اسے شہرِ مواساۃ کہا یعنی غمخوارگی کا مہینہ — "جو خدا کے کسی بندہ پر آسائش لائے، اسے کھانا کھلائے یا صرف دودھ کی لسی یا کھجور کے دانہ اور پانی کے گھونٹ سے افطار ہی کرا دے تو اس کی آگ کی مستحق گردن جہنم سے نجات پائے گی۔ اور اسے جنت کا پروانہ مل جائے گا۔ جس روزہ دار نے کسی بندۂ خدا نوکر یا غریب کا بوجھ ہلکا کیا۔ اللہ تعالےٰ اس کی گردن سے گناہوں کا بوجھ اتار دے گا۔" (الحدیث عن سلمان الفارسیؓ) غرض یہ شہر رمضان کیا ہے؟ سراپا نور و رحمت، سراسر خیر و برکت، تہذیب نفس، تنقیح اخلاق، اصلاحِ اعمال، مجاہدہ و ریاضت کا مہینہ اور ملکوتی صفات کو حیوانی عادات پر غالب کرنے اور جلاء باطن اور تزکیۂ روح کا موسم بہار — کتابِ مبین "قرآنِ کریم" کے پیش کردہ نصاب و نظام کی عملی ٹریننگ کے ایام۔ تاکہ تم میں قرآنی زندگی پیدا ہو۔ یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

شہر اولہ رحمۃ — واوسطہ مغفرۃ — وآخرہ عتق من النار

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

(ج ۲۔ ش ۴ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ۔ جنوری ۱۹۶۷ء)

اصلاح معاشرہ میں روزہ اور جہاد کا مقام

رمضان المبارک کا مہینہ اپنی پوری رحمتوں اور عظمتوں سے ملتِ اسلامیہ پر سایہ فگن ہے۔ اس شہرِ عظیم کی برکات کے کیا کہنے جس میں قرآن اتارا گیا۔ اور جس کے اہتمام و استقبال میں سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر فرطِ اشتیاق سے والہانہ کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ قربِ حق اور وصالِ مولیٰ کے وہ پاکیزہ شب و روز جن کی خنک لہروں سے روح و ایمان کی کھیتی لہلہا اٹھتی ہے۔ اور جن کے عبادات و مجاہدات سے نہ صرف مہینہ بھر کے لئے نفسِ ظلوم اور شیطانی طاقتیں مقہور و مغلوب ہو جاتی ہیں۔ بلکہ خوش بخت افراد کا یہی جمع شدہ ذخیرۂ عبادات سال بھر تک ذخیرۂ توفیق و برکت کا کام دیتا رہتا ہے۔ اور اس کی طاعتوں اور مغفرتوں کا فیض سال بھر تک چلتا رہتا ہے۔ یہی وہ مبارک مہینہ ہے جس میں ایک طرف انسانی رہنمائی و ہدایت کا نسخۂ شفا قرآن مجید کی شکل میں اتارا گیا۔ تو دوسری طرف ضروری تھا کہ ساتھ ہی ساتھ اس "کتابِ مبین" پر عمل کرنے کی تربیت کا اہتمام بھی ہو اور اللہ کے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب، خواہشاتِ نفسانی کے مغلوب کرنے اور ملکوتی جواہر کو ابھارنے اور نکھارنے کی صلاحیت اور طور طریقے بھی عملاً سکھائے جائیں جس کا بہترین مظاہرہ روزہ ہی کے ذریعہ کیا جا سکتا تھا کہ جب ارشادِ ربانی کی تعمیل میں حلال اور پاکیزہ نعمتوں اور کھانے پینے سے اجتناب اور احتراز کی طاقت پیدا ہو جائے گی تو ناممکن ہوگا کہ ملتِ محمدیؐ کا ایک پیرو اور عبدیتِ خداوندی کا ایک دعویدار اپنی زندگی میں اس کی مرضی اور منشاء کے خلاف کوئی کام کر بیٹھے۔ یہی ربط اور تعلق ہے رمضان اور قرآن کا۔ قرآنِ کریم ایک مؤمنانہ سیرت و کردار کے لئے جن خطوط و اقدار کی تعلیم دیتا ہے۔ اس تعلیم کے سیکھنے اور پڑھنے پڑھانے، اس کا عملی تجربہ اور ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے جو تعلیمی مدت مقرر کی گئی وہ یہی ماہِ رمضان ہے۔ اطاعت و پرہیزگاری کو اپنا کر خواہشات و شہوات کی تمام

طاقتوں کو مولیٰ کے نام پر قربان کرنا۔ روزے کا یہی پاکیزہ مقصد ہے، جسے قرآن میں تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہ "اے مسلمانو! تم پر روزے فرض کئے گئے جسطرح پچھلی امتوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو"۔ (البقرہ) وہی تقویٰ جو بقول علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ اسلام کی تمام تعلیمات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے اور جس کی حقیقت سیدنا عمر بن الخطابؓ کی روایتِ ذیل سے سمجھی جا سکتی ہے:۔

عن عمر بن الخطابؓ انہ سأل ابی بن کعبؓ عن التقوی فقال لہ اما سلکت طریقاً ذا شوکٍ؟ قال بلی قال فما عملت؟ قال شمرت واجتہدت قال ذلک التقوی (تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۴۰)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اُبَی بن کعب سے پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ ایسے راستے سے نہیں گزرے ہیں جہاں کانٹے دار جھاڑیاں ہوں آپ نے کہا ہاں گزرا ہوں۔ انہوں نے پوچھا پھر اس وقت آپ نے کیا کیا۔ فرمایا میں نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے اور اس سے بچتا ہوا گزر گیا۔ انہوں نے کہا اس کا نام تقویٰ ہے۔

پس اگر ہم نے ان ایام میں کھانے پینے کے ساتھ ساتھ تمام غلط باتیں بھی ترک کر دیں۔ منکرات وفواحش سے کلی احتراز تو کیا جھوٹ، حرامکاری، گالی گلوچ، غیبت، چوری، قول زور، لہو ولعب اور نظرِ بد وغیرہ کو خیرباد کہہ کر اپنی تمام توانائیاں خدا کے سپرد کر دیں تو ہم نے روزے کا مقصد اور تقویٰ کی زندگی پا لی۔ اور اگر گناہ ومعصیت کا بازار گرم رکھا۔ کلچر وثقافت کے نام پر فحاشی اور بے حیائی کا کاروبار چلتا رہا۔ دفاع وریلیف فنڈ کے نام پر رقص وسرود کی محافل منعقد ہوتی رہیں۔ اور ہماری صحافت وثقافت، ہمارے ممتاز اخبارات وجرائد چند ٹکوں کی خاطر فحش تصاویر، برہنہ اشتہارات اور راگ رنگ کے حیاسوز مناظر کی غلاظتیں مسلم گھرانوں اور مومن معاشرے میں برابر پھیلاتے رہے۔ جیسا کہ جنگ کے فوراً بعد دوبارہ ہوا، یہاں تک کہ ملک کے اہم اخبارات اشاعتِ فواحش کے دور میں غلاظت کے پلندے اور چلتے پھرتے قحبہ خانے بن کر رہ گئے۔ اور ایک مسلمان تو کیا کوئی غیرتی انسان ان اخبارات کو اپنے گھر میں داخل کرنے میں شرم وعار محسوس کرے گا۔ ہمارے سینما گھر بدستور شیطانی تعلیم گاہیں بن کر قوم کے

اخلاق و شرافت کو غارت کرتے رہے۔ ہر بازار اور گلی میں رمضان ہی کے نام پر پردہ کی اوٹ میں روزہ کی تذلیل و توہین ہوتی رہی تو ایسی قوم حقیقتاً روزہ دار اور متقی نہیں اور نہ یہ طور طریقے ایک مجاہد قوم کے ہیں۔ زبان سے صائم (روزہ دار) اور مجاہد، روزہ اور جہاد کا دعوے اور زندگی کے ہر شعبہ اور ہر عمل اسلام و اطاعت کے لئے ایک کھلا چیلنج ؟ سچ کہا حضورؐ نے، "کتنے روزے دار ایسے ہیں جن کو اپنے روزہ سے بھوک اور پیاس کے سوا اور کچھ نہیں ملتا" خدا کی جائز کی ہوئی چیزوں سے روزہ رکھ کر خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اس کا افطار کرنا کہاں کی عقلمندی ہے ـــ ؟

جہاد کے بعد روزہ ـــ اللہ اکبر ـــ اگر روزہ کی عظمت و حقیقت کو جان کر اس کے مقصد و مفہوم کو اپنا لیا جائے تو اسی ایک مہینہ کو جہاد اور فتح و کامرانی کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ اور ہر بالغ روزہ دار آگے چل کر ملتِ پاکستانیہ کا عظیم سپاہی اور باطل کے لئے خدائی تلوار بن سکتا ہے۔ کہ جب روزہ دار حق کی راہ میں کھانا پینا چھوڑ سکتا ہے، لذت و آرام، عیش و راحت کے تمام تقاضوں کو خدا کی راہ میں پائمال کر سکتا ہے، سردیوں کی طویل راتوں کی میٹھی نیند کو قیامِ لیل، تلاوتِ قرآن اور نوافل و عبادات کی خاطر قربان کر سکتا ہے۔ اور دین کی خاطر اپنے تمام مشاغل و معمولات میں ہر قسم کی تبدیلی کے لئے آمادہ ہے۔ تو کیا ایسا شخص ضرورت کے وقت کلمۂ حق کی اعلاء اپنے دین و ملک کی حفاظت اور باطل کے استیصال کی خاطر دشمن کے سامنے سینہ سپر نہیں ہو سکے گا۔ اور جب مسلمان روزہ کے ذریعہ اپنے داخلی دشمن "نفس" پر قابو پا لیتا ہے۔ تو کیا وہ خارجی دشمن کی سرکوبی نہیں کر سکے گا؟ یقیناً کرے گا۔ کیونکہ اپنی اندرونی خواہشات اور ہوائے نفس کو دبا دینا کٹھن اور مشکل کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں روزہ کو شہر الصبر (صبر کا مہینہ) اور بیرونی دشمن کے مقابلہ میں جان و مال کی قربانی کو جہادِ اصغر اور نفس و خواہش کی بیخ کنی کو جہادِ اکبر سے تعبیر کیا گیا۔ اور جب حضورِ اقدسؐ ایک جہاد سے واپس ہوئے تو فرمایا رجعنا من الجهاد الأصغر الى الجهاد الاكبر (ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹے) اس لئے کہ محاذ جنگ میں خارجی و بیرونی دشمنوں سے لڑائی خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو مگر ایک وقتی اور عارضی چیز ہوتی ہے۔ لیکن نفس و شیطان کا مقابلہ

پوری زندگی کا دائمی اور ہمہ وقتی عمل ہے اور اس سے عہدہ برآ ہونا جوئے شیر لانے سے کم نہیں اور جب اندر کی دنیا سنور جائے گی اور دشمن نفس کو کچل دیا جائے گا تو بیرونی دشمن آنکھ اٹھانے کی جراءت بھی نہ کر سکے گا۔ جب ایک مسلمان اس ملکوتی اور روحانی اسلحہ سے مسلح ہو کر میدان میں اترے گا اور کفر و باطل کو للکارے گا تو حیوانی اور شیطانی صفت بہیمیت اور درندگی سے بھرپور ظالم اور کافر قوم میں لرزہ براندام اٹھیں گی۔ یہی وہ عظیم حکمتیں ہیں جو اسلام کے اس اہم رکن "صیام رمضان" سے وابستہ ہیں۔ اور جن کی فضیلت کے زمزمے اور ترانے خود حضورِ اقدس ؐ کی زبانِ حق ترجمان سے گونج اٹھے۔ اور ایک مستقل خطبہ آخر رمضان میں ارشاد فرمایا۔ جسے بیہقی نے حضرت سلمان فارسیؓ سے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے،

"اے لوگو! تم پر ایک عظمت والا مہینہ سایہ گستر ہوا ہے۔ ایک برکت والا مہینہ، وہ مہینہ جس میں ایک رات ہزار راتوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں روزے فرض کئے ہیں۔ اور قیام لیل (تراویح) نفل رکھی ہیں جس نے اس مہینہ میں کوئی بھی نیکی کی وہ ایسا ہے کہ کسی شخص نے سوائے رمضان کے بقیہ سال میں کوئی فریضہ ادا کیا اور جس نے اس ماہ میں فرض عبادت کی تو گویا اس نے غیر رمضان میں ستّر فریضے ادا کئے"۔

تعمیرِ معاشرہ میں حیاء کا مقام

اسلامی معاشرہ کی عمارت جن بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ ان میں اہم ترین مقام حیا کا ہے یہاں تک کہ حضورؐ نے حیا کو آدھا ایمان اور ایک روایت میں پورا ایمان قرار دیا ہے (الحیاء الایمان کلہ) اسلام ہرگز کسی ایسی سرگرمی کی اجازت نہیں دیتا جس کی زد اس بنیادی نقطہ حیا پر پڑتی ہو۔ مسلمان قوم جب تک حیا کے زیور سے آراستہ رہے گی۔ اس کی انفرادی اور اجتماعی زندگی ان روایات و اقدار پر قائم رہے گی جو اسے اپنے دین سے اپنے پیغمبرؐ سے ورثہ میں ملی ہیں، اور پورا معاشرہ اطمینان و ترقی کے خطوط پر رواں دواں رہے گا لیکن اگر حیا اور عفت کی گرفت ذرا بھی ڈھیلی پڑ گئی، مسلمانوں میں غیرت حمیت، عصمت اور پاکبازی کی بجائے بے حیائی اور شہوانی جذبات سرایت کر گئے تو سمجھئے کہ اب پورا معاشرہ ذلت و بربادی کے اتھاہ گڑھے میں جانے لگا ہے اور لازمی طور پر اس کا نتیجہ اسلامی ورثہ کی ضیاع، قومی شعور کے فقدان، معروف سے نفرت اور منکرات و فواحش کی محبت، غرض ایک ایک ملی و قومی متاع گرانمایہ سے محرومی اور بربادی کی شکل میں سامنے آنے لگے گا۔ پوری قوم اباحیت اور لذتیت بلکہ حیوانیت اور شیطنت کا شکار ہو کر رہ جائے گی۔ نہ قومی کیریکٹر کا پاس رہے گا اور نہ اسلام کے امتیازی اوصاف کا لحاظ منکرات اور فواحش، جنسی ہوس کی تسکین کے لئے شر و فساد، ضیاع حقوق اور بربادیٔ عفت و عصمت کا میدان گرم اور پورا معاشرہ درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ آج ہمارے ملک کی اکثریت ان مہلک نتائج کا سامنا کر رہی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں تہذیب و ثقافت، آرٹ و کلچر یہاں تک کہ تعلیم و تربیت کے نام سے بے حیائی کی گرم بازاری ہے۔ ہمارے تعلیمی ادارے ہیں یا ثقافتی مرکز، نجی مجالس میں یا استقبالی تقریبات اخباری صحافت ہے یا قومی اجتماعات، اشاعت فاحشہ کی دوڑ میں ایک دوسرے آگے بڑھ رہے ہیں اور قوم کی غالب اکثریت ہے کہ اس نام نہاد "تہذیب و تمدن" کی چمک دمک، لذتیت اور نفس پرستی کے اس سیلاب میں غرق ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہماری اجتماعی زندگی کا کوئی اہم شعبہ نہیں جس پر مرد و زن کے بے محابا اختلاط، رقص و سرود، ناچ گانے اور راگ رنگ کی صورت میں بے حیائی

کا تسلط نہ ہو چکا ہو اور جس کے نتیجہ میں ان تمام اخلاقی روایات اور ملی احساسات کا خون نہ کیا جا رہا ہو جو ایک مسلمان قوم کی ترقی اور بقا کے لئے ریڑھ کی ہڈی سے زیادہ اہم ہے۔ اسلام کے اس عظیم ورثہ اور قومی و ملی احساسات سے غفلت اور بے پرواہی کی افسوسناک مثال پچھلے دنوں صدر لیو شاؤچی کے استقبال کے وقت مسلمان لڑکیوں کا سڑکوں پر بے پردہ رقص و سرود اور ناچ گانوں کی شکل میں سامنے آئی جس نے ایک طرف ہمارے ملی تقدس کو داغدار کیا تو دوسری طرف یہ تلخ حقیقت بھی آشکارا کر دی کہ ہماری تعلیم گاہوں میں نئی پود کو کس ڈگر پر تیار کیا جا رہا ہے۔ ایک عظیم ہمسایہ ملک کے عظیم صدر اور نازک ترین اوقات میں مدد دینے والی "حلیف قوم" کے اس معزز نمائندہ کی پذیرائی جتنی بھی گرم جوشی، خلوص اور محبت سے ہوتی ہے اور دیدہ و دل بھی فرش راہ کر دیئے جاتے تو ہمیں خوشی ہوتی کہ ہم دیوار چین اور سد سکندری کی طرح ان دوستانہ روابط کے استحکام کے خواہاں ہیں لیکن ایک باشعور اور حساس قوم زمانہ کے ساتھ چلتے ہوئے بھی کبھی اپنے اس اصول اور کردار میں غفلت نہیں برتتی جس پر اس کی انفرادیت کا مدار ہوتا ہے۔ خود عظیم چینی قوم ایک نظریہ کی دعویدار ہے۔ وہ کمیونزم پر ایمان رکھتی ہے اور اپنے اصول و نظریات پر اس کی پختگی کا یہ عالم ہے کہ اس کی نظروں میں سوویٹ یونین (جہاں یہ مذہب پھلا پھولا) تک کی کمیونزم سے وفاداری مشکوک ہے اور چاہتی ہے کہ روسی عوام بھی ان اصول و نظریات پر شدت سے گامزن رہیں جو اس کے شیخین کارل مارکس اور لینن نے ان کے لئے متعین کئے۔ چینی قوم کی اپنے نظریہ اور اختیار کردہ ازم کے بارہ میں یہی شدت اور مضبوطی ہے جس نے آج چین کو دنیا کی سیاست میں ایک اہم مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ ہمارے ہمسایہ میں بھارت ہے جہاں کی اقدار عہد و پیمان کی پاسداری عدل و انصاف کی رعایت غرض اخلاق و شرافت کے تمام اصولوں سے عارضی سہی مگر جب ان کی وزیر اعظم مس اندرا گاندھی کو واشنگٹن کی ایک مجلس میں ناچنے کو کہا گیا تو اس نے ایک اجنبی قوم کے سامنے اپنے قومی وقار کی پاسداری کرتے ہوئے یہ خواہش رد کر دی اور کہا کہ میرے ملک کے عوام اسے پسند نہیں کریں گے۔

غرض ہمارا ملی اور قومی وقار تہذیبی ورثہ اور کردار کی بلندی تب محفوظ رہ سکتی ہے کہ ہم ملکی اور قومی مفادات کے لئے ہر قسم کی پالیسی اپنانے میں آزاد رہیں، جس سے چاہیں دوستی کے رشتے استوار

کریں۔ اس طرح ہم دیگر اقوام پر اپنے کردار کی پختگی اور قومی عظمت کی دھاک بٹھا سکیں گے اور اگر وقتی جذبات کے لاوے میں یہ قوم اسی طرح بہتی رہی تو خدانخواستہ خطرہ ہے کہ قانون "عروج و زوال" کا لافانی ردعمل پوری قوم کو خس و خاشاک کی طرح بہا نہ لے جائے اور کہیں "اشاعت فاحشہ" کا وبال عذاب عظیم کی صورت میں نمودار نہ ہو۔ والذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا لھم عذاب عظیم فی الدنیا والاخرۃ۔

حیاء اور عفت کا ایک مظاہرہ

حیا اور عفت کا کتنا شاندار نمونہ ہے۔ جس کا مظاہرہ دنیا کے سامنے عالمی چیمپئن محمد علی کلے نے یورپ کے ظلمت کدہ میں کیا۔ جہاں ایمان و اخلاق، حیا و عفت نام کی کوئی شے موجود ہی نہیں۔ وہاں دنیا کے سب سے بڑے مکہ باز محمد علی نے اپنی خوب صورت بیوی کو اس بنیاد پر طلاق دی۔ کہ اس کی بیوی موجودہ دور کا چست اور نیم برہنہ لباس پہنتی ہے۔ اور فطری حُسن و جمال کے مقابلہ میں غازہ، سرخی اور مصنوعی پلکوں کے ذریعہ اپنے حُسن کے مظاہرے کرتی پھرتی ہے جب کہ اسلام ان چیزوں کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک مسلمان بیوی کا شعار تو حیا و پاکدامنی ہے۔ وہ جب مجبوراً باہر نکلتی بھی ہے تو شرم و حیا کے مارے نگاہ نیچے رکھتی اور دب دب کر چلتی ہے۔ یہ نہیں کہ مال روڈ، شاہراہوں اور مجالس و محافل، کلبوں اور تھیٹروں میں تھرک تھرک کر اور ننگی ہو ہو کر شرافت و اخلاق کی مٹی پلید کرتی رہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے تو ایسے باریک لباس پہننے پر بھی اسے لعنت کا مستحق قرار دیا ہے جس سے نظریں پار ہوں یا جس سے حسن و جمال کی نمائش ہوتی ہو۔ اسلام اسے گھر کی زینت، اولاد کی پرورش کرنے والی معصوم ماں اور رونقِ خانہ بنانا چاہتا ہے۔ مگر وہ نئی تہذیب سے مرعوب ہو کر عظمت و عزت، عصمت و عفت کے پاکیزہ آبگینے توڑ دیتی ہے۔ اور چند روزہ آزادی و مسرت کے نام پر بالآخر غلاظت و تعفن کا ایک چیتھڑا بن کر رہ جاتی ہے۔ جس کے مسموم اثرات سے موجودہ اور آنے والی

نسلیں برابر متاثر ہوتی چلی جاتی ہیں۔

جسمانی قوت کے ساتھ اخلاقی جرأت | محمد علی کلے نے فحاشی اور بے حیائی کے گڑھ یورپ میں بیٹھ کر اپنی مطلقہ کو ہزار ہا ڈالر سالانہ ادا کرنے کا بارِ گراں اٹھا کر اپنی بیوی سے چھٹکارا پالیا۔ اور بقول ایک معاصر اپنی جسمانی قوت جیسا زبردست مظاہرہ اس نے دنیا کے سامنے کیا اور سربلند رہا۔ ویسا ہی زبردست مظاہرہ کردار و اصول کی پختگی کا بھی اس نے کیا۔ اور دنیا کو بتا دیا کہ ؏

نعمتِ کونین کا رشتہ ہے قربانی کے ساتھ

کاش! تہذیب و فیشن کے دلدادہ روایتی اور موروثی مسلمان اس "نومسلم"[1] کے کیریکٹر سے اثر لیں۔ اور نمائش حسن و زیبائش پر مرٹنے والی عورتیں شرم و آبرو حیا و عفت کے زیور سے آراستہ ہوں۔

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

اصلاح معاش سے نہیں، بلکہ معاد سے | ایک خبر ہے کہ "مغربی پاکستان کے صرف ایک شہر لاہور میں ایک ماہ کے اندر پولیس کے علم میں بارہ ہزار جرائم آئے"۔ پولیس کی نگاہِ احتساب سے بچنے والے جرائم تو یقیناً لاکھوں سے کم نہ ہوں گے۔ یہ ایک سیاہ تصویر ہے اس معاشرے کی جو بہت تیزی سے تصورِ آخرت سے آزاد اور خشیۂ خداوندی اور ایمان کی دولت سے محروم ہوتا جارہا ہے۔ ایسے ماحول میں جہاں نہ تو ایمانی اوصاف کو ابھارنے، بھلائیوں کی تلقین اور برائیوں سے روکنے کا خاطر خواہ انتظام ہو اور نہ معاشرہ کو ہلاکت اور تباہی سے بچانے کے لئے اسلامی حدود و تعزیرات کا قیام و اہتمام، قانون شکنی، جرائم، طغیانی اور اباحیت کا دور دورہ کیسے نہ ہو؟

---

[1] محمد علی کلے، امریکہ کے بلیک مسلم تحریک کے بانی ایلیجاہ سے تعلق رکھتا ہے مگر اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتا ہے اور غیر مسلم اقوام بھی اسے ایک مسلمان کی حیثیت سے دیکھتی ہیں۔ خدا اسے صحیح اسلام کی ہدایت دے۔ "س"

مخلوط کلبوں، عریانی، ثقافتی تقریبات، سینماؤں، تھیٹروں اور چلتے پھرتے قحبہ خانوں جیسی صحافت کی بنیادوں پر صالح معاشرہ کب استوار ہو سکتا ہے؟

تلکدوں سے روشنی کی چمک | ان ظلمتوں میں اور نیچے ایوانوں سے روشنی کی چمک اگر نمودار ہوتی تو ہمارے قابلِ احترام سابق چیف جسٹس کارنیلس کے بیانات کی شکل میں، جو عیسائی ہو کر کبھی حدود اور تعزیراتِ اسلام کو معاشرہ کی اصلاح کا واحد ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اور کبھی اسلامی اقدار کے فروغ کو اس ملک کی تمام مشکلات کا حل، سچی بصیرت اور اسلام کی سچائیوں کا راسخ یقین اگر نصیب ہوا تو ایک "کافر" کو جس کے اندر اسلام کی روح بول رہی ہے، اپنوں میں سے کتنے ہیں جن کا ظاہر تو مسلمان ہے مگر اسلام کے احکام و حدود کے بارہ میں ان کا باطن ایمان کی روشنی سے محروم ہے۔ ؏

میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا

(مئی ۱۹۶۸ء - صفر ۱۳۸۸ھ)

اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں
حکمرانوں کا حصّہ
صدر ایوب سے

ہمارے صدرِ محترم محمد ایوب خان نے غیر ملکی دورے سے واپسی پر ایک سپاسنامہ کے جواب میں مسلم لیگی کارکنوں پر زور دیا کہ "وہ خود کو اسلامی معاشرے کے قیام کی جدوجہد کے لئے وقف کر دیں، انہوں نے کہا کہ اسلامی معاشرے میں ذاتی شہرت اور مفاد کے بہت کم مواقع ہوتے ہیں۔ اسلام نے اجتماعی حقوق پر پوری توجہ دی ہے اور ذاتی حقوق کو ملت کے حقوق کا تابع بنا دیا ہے۔"

قول سے نہیں عمل سے اگر ہمارے صدرِ محترم اس ملک اور معاشرہ کے اسلامی خطوط پر تشکیل و تعمیر کے خواہشمند ہیں تو اس سے بڑھ کر خوشی اور سعادت کی بات کیا ہو گی؟ لیکن کسی معاشرہ کی تشکیل میں خواہش اور قول سے زیادہ حصّہ "عمل" کا ہوتا ہے۔ انسان کا عمل و کردار اور شخصی زندگی اس کے جذبات اور حقیقی خیالات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اگر ہمارا قول ہمارے عمل سے ہم آہنگ ہے تو وہ لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہو گا اور اگر عمل باتوں سے جوڑ نہ کھائے، اور ہمارے طرزِ عمل کا ہمارے خیالات اور مقاصد سے تضاد ہو تو یہ ایک ایسی خواہش کا اظہار ہو گا جس کی تردید خود ہمارے عمل سے ہوتی ہے۔ اس صورت میں ہم اوروں کو اسے اپنانے کی تلقین یا اوروں سے اس کی امید ہرگز نہیں رکھ سکتے، اس وقت جب کہ ہمارے معزز صدر نے اپنے بیان میں "اسلامی معاشرہ" کی وضاحت اور تشریح نہیں کی تو ان کے عمل اور مصروفیتوں کو "اسلامی معاشرے" کا معیار اور تفسیر سمجھا جائے گا کہ اس صورت میں بہترین تفسیر ان کا عمل ہی ہو سکتا ہے — لیکن اگر اسلامی معاشرہ کے قیام کی تلقین کے دوسرے تیسرے ہی روز قوم اپنے قائد اور رہنما کو اس حال میں دیکھے کہ وہ دیگر زعماء کے جلو میں جشنِ خیبر کے اسٹیڈیم میں ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ تک پی آئی اے

کے "شاندار" ثقافتی شو سے محظوظ ہو رہے ہوں ، ملک کے ممتاز فن کاروں اور رقاصاؤں کا ناچ دیکھ رہے ہوں۔ پھر اس "عمل" کی تشہیر ریڈیو اور اخبارات سے کی جائے ، ناچ گانوں کی ان محافل کے نمایاں فوٹو اخبارات میں شائع ہونے لگیں ، اہل طاؤس و رباب پر داد و دہش کا یہ عالم ہو کہ ایک ہی غزل گانے پر ملکی یا غیر ملکی مغنیات کو نمایاں کارکردگی کے تمغے دیئے جانے لگیں۔

عملاً شرابی ، قولاً اسلامی معاشرہ رعیت ، اسمبلیوں میں شراب جیسی ام الخبائث چیز کی سات گنا ترقیات پر مشتمل اس قسم کی رپورٹیں پڑھنے لگے کہ "حکومت نے صوبہ کے ان علاقوں میں جہاں شراب پر پابندی ہے ، سات ہزار پانچ سو اکیاون پرمٹ ہولڈروں کو تین لاکھ چار ہزار سات سو پندرہ یونٹ شراب کی منظوری دی تھی مگر لوگوں نے حکومت کی اس "فیاضی" سے بھرپور فائدہ اٹھا کر اس سے سات گنا زائد شراب لنڈھائی پھر وہ جب محکمۂ ایکسائز اور ٹیکسیشن کے فراہم کردہ ان محتاط اعداد کے بعد اسمبلی میں یہ بھی سنتی ہے کہ ایک اسلامی حکومت نے اس سال صرف لاہور کے لئے ۲۹۵۴ اور حیدر آباد کے لئے ۶۰۷ افراد کو شراب کے پرمٹ جاری کئے۔ تو لازماً یہی سمجھا جائے گا کہ "اسلامی معاشرہ" کی عملی تعبیر و تفسیر یہی ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر اسلامی معاشرہ کی حقیقی تصویر ذہنوں سے اوجھل رہ جائے گی اور اس کی مبہم تلقین کا کوئی فائدہ نہ رہے گا۔ دراصل ایک معاشرہ کی تشکیل میں حکمرانوں کا مقام ریڑھ کی ہڈی جیسا ہوتا ہے اور ان کے اعمال و افعال ہی پوری قوم کے لئے آئیڈیل اور معیار بنتے ہیں۔ حکمران اپنی قوم کا اسوہ اور نمونہ ہوتا ہے۔

منصبِ حکومت خدا کے نگاہِ احتساب میں اس لحاظ سے کسی قوم کی قیادت اور امامت ایک عظیم منصب اور بہت بڑی عزت ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر یہ خدا کی ایک امانت اور اس کی طرف سے عائد شدہ نازک ترین ذمہ داری بھی ہے۔ خدائے علیم و بصیر کی نگاہِ احتساب ہر لحظہ اس منصب پر لگی رہتی ہے اور اس کی بارگاہ میں سب سے بڑھ کر جوابدہ بھی اُسے ہی بننا پڑتا ہے۔

ہارون الرشید کو فضیل کی نصیحت

حضرت فضیل بن عیاضؒ نے ایک بار ہارون الرشید سے مصافحہ کرتے ہوئے ان کے ہاتھ کو تھام کر ارشاد فرمایا تھا "یہ ہاتھ کتنے نرم و نازک ہیں اگر دوزخ کی آگ سے بچ جائیں تو خوب رہے"۔ کہنے والے فضیلؒ تھے اور سننے والے ہارون، وہ فضیلؒ کے اس ارشاد سے کانپ اٹھے، خدائے ذوالجلال والاکرام کی عظمت و سطوت کے تصور سے تھرا گئے ان کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی اور بجائے ڈانٹ ڈپٹ کے کچھ اور نصیحت فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔ گو اب نہ تو فضیلؒ ہیں نہ ہارون، لیکن اگر آج بھی کہنے والے فضیل بن عیاضؒ اور سننے والے ہارون الرشید کا طرزِ عمل اختیار کریں تو ساری مشکلیں حل ہو سکتی ہیں۔ اور فضیل کی پیروی میں کہا جا سکتا ہے کہ "اے صدرِ محترم یہ مقام و منصب بہت شان والا ہے اگر خدا کی ناراضگی کا ذریعہ نہ بنے تو خوب رہے"۔

اظہارِ حق، اجتماعی حقوق کا تقاضا

بقول صدرِ والا تبار "اسلام نے اجتماعی حقوق پر پوری توجہ دی ہے" تو ان حقوق ہی کا تقاضا ہے کہ اہلِ حق کلمۂ حق کہنے سے نہ جھجکیں اور ملک کی سب سے بڑی ذمہ دار شخصیت جذبۂ حق گوئی میں نصیحت کا تلخ سے تلخ کلمہ سننے کے لئے نہ صرف مستعد بلکہ بے تاب ہو۔ صدرِ محترم نے "اسلامی معاشرہ" کا نام لے کر اپنے آپ کو سخت ترین آزمائش میں ڈال دیا ہے، یہ آزمائش دو دھاری تلوار ہے۔ ایک طرف رعایا کی نظریں ان پر لگی ہیں کہ وہ "اسلامی معاشرہ" کی کون سی تصویر ان کے سامنے رکھتے ہیں جسے قوم بھی اپنا لے اور دوسری طرف خدائے ذوالجلالؒ ان کا محاسبہ کر رہا ہے کہ وہ اپنی نصیحت اور خواہش کو اپنے عمل سے ثمر مند تعبیر بناتے ہیں یا پھر ارشادِ باری تعالیٰ "کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ" کا مصداق بنتے ہیں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے اتریں اور مذکورہ وعید کا مستحق نہ بنیں اس امتحان میں کامیابی اکیلی ان کی نہیں بلکہ ہم سب کی، پوری قوم اور ملک کی سرخروئی اور کامیابی ہو گی۔ کاش!! دردِ دل سے نکلے ہوئے یہ چند کلمات صدرِ محترم تک پہنچ سکیں اور خدا کی عظمتوں کا شعور، احتساب اور مکافات کا تصور اور منصب کی نزاکت کا خیال ان کی

ذمہ داریوں کا احساس اجاگر کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔

فضیل اور ہارون الرشید کی مجلس یہ سطور ختم کرتے ہوئے فضیلؒ اور ہارون کی وہ مجلس ایک بار پھر میری نگاہوں کے سامنے پھر گئی ہے جب کہ ہارون رشید ذمہ داریوں کے احساس سے دبے جا رہے تھے کہ ان کے وزیر مکّی نے حضرت فضیلؒ کو جھڑک کر کہا "آپ نے تلخ موضوع پر گفتگو چھیڑ کر خلیفہ کو تو مار ہی ڈالا ہے" فضیلؒ نے فرمایا "نہیں بلکہ تم جیسے خوشامدی اور چاپلوس مشیروں نے خلیفہ کی ہلاکت کا سامان فراہم کیا ہے" خوشامدی اور چاپلوس مشیروں سے میرا ذہن یکایک اپنے زمانے کے نام نہاد "محققین" اور "مشیروں" کی طرف منتقل ہوا اور مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ ہمارے صدرِ محترم کہیں ان لوگوں کے پیش کئے ہوئے "اسلامی معاشرہ" کی اس مسخ شدہ تصویر کو حقیقی تصویر نہ سمجھ بیٹھیں جس میں نہ تو شراب حرام ہے، نہ سود اور جوا اور نہ رقص و سرود۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو فضیلؒ کے جوابی ارشاد کی روشنی میں یہ ان لوگوں کی طرف سے نہ صرف صدرِ محترم بلکہ پوری قوم کی ہلاکت کا سامان ہو گا۔ خدا ہمیں اس روزِ بد سے محفوظ رکھے۔

"دعوت"

یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ۔
صدر یحییٰ سے

ہمارے محترم صدر مملکت جناب محمد یحییٰ خان بار بار اسلامی اقدار اور اسلامی تعلیمات کی ضرورت اور اہمیت پر زور دے چکے ہیں کہ اسی میں ملک کی بقا اور اسی میں قوم کا تحفظ ہے مگر تعجب ہے کہ اس بارہ میں جس عملی اقدام اور انقلاب آفرین جوشِ عمل کی ضرورت ہے اس سے اب تک اعراض برتا گیا ہے۔ اور دینی و اخلاقی پہلو سے ملک اسی ڈگر پر چل رہا ہے جو عہدِ ایوب کے دورِ معیوب کا طغرائے امتیاز رہا۔ بے پردگی، فحاشی زوروں پر ہے۔ اسلامی تعلیمات سے بُعد بڑھتا جا رہا ہے۔ کلچر اور ثقافت کے نام پر سب کچھ زور و شور سے جاری ہے۔ جمہوریت اور سیاست کے پردہ میں نظریۂ پاکستان "اسلام" کی جڑیں کاٹی جا رہی ہیں ——— "تجدد و احیائے دین" کا علمبردار ادارہ (ادارۂ تحقیقاتِ اسلامیہ)

اور اس کا ترجمان فکر و نظر الحاد و تحریف کے فروغ میں معروف ہے، اس کا ایڈیٹر تجدد کے نام پر قدامت کے ایک ایک نشان: علماء، ان کے مدارس عربیہ اور ان کے نصاب و نظام تعلیم مٹانے کی دعوت دے رہا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ملعون قوانین ابھی تک قوم پر مسلط ہیں جو صدر ایوب نے بار بار رائے عامہ کو ٹھکرا کر فیملی لاز آرڈیننس کے نام سے ایک غیور و جسور مسلم قوم پر تھوپ دیئے ہیں۔ ان قوانین میں مسلمانوں کے پرسنل لاء نکاح، طلاق عدت اور میراث کو منسوخ یا تبدیل کیا گیا ہے، اور اس طرح قرآن و سنت کا مذاق اڑا گیا ہے، صدر یحییٰ خاں صاحب کے دل میں اگر ملک و ملت کی بھلائی اور دینی اقدار کے تحفظ کا جذبہ موجزن ہے، تو چاہیئے کہ اولین فرصت میں ایک آرڈیننس کے ذریعہ ان قوانین کو واپس لے لیا جائے جسے نہ تو عوام کے نمائندہ کسی اسمبلی نے تسلیم کیا نہ خواص امت علماء اسلام نے، پھر کیا وجہ ہے کہ عہد ایوبی کے آئین کے منسوخ ہونے کے باوجود یہ غیر اسلامی قوانین نافذ العمل رہیں، ہمارا ایمان ہے کہ کتاب و سنت میں مداخلت اور ان میں تحریف کا لازمی نتیجہ خدا کے عذاب کو دعوت دیتا ہے، اور جب سے ان قوانین کا منحوس سایہ ملک پر پڑا ہے اسی دن سے یہ ملک خدا کی دی ہوئی نعمتِ عافیت سے محروم ہو چکا ہے اور اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو بہ صد ادب و خیر خواہی یہ بھی گذارش کریں کہ اگر واقعی اس ملک کی حقیقی فلاح، سلامتی اور پائیدار امن مطلوب ہے تو جلد از جلد عملی شکل میں کتاب و سنت کی فرمانروائی کی کوئی صورت پیدا کی جائے، اس بارہ میں ۲۲ سال سے ہمارے حکمرانوں کا جو طرزِ عمل رہا ہے اسی نے یہاں سوشلزم اور دیگر لادینی نظریات کے لئے میدان تیار کیا ہے، یہاں تک کہ محض کھوکھلے اسلام کے نعروں کو اب عوام ایک پُر فریب سنہری جال قرار دینے لگے ہیں۔ اور اس طرح ہماری غفلت، ایفائے عہد سے گریز اور مومنانہ قوتِ فیصلہ کی کمی کی وجہ سے دین کی استخفاف کی ایک صورت پیدا ہو گئی ہے جس کا وبال، ہم سب پر پڑے گا۔ اگر ہم سچے دل سے اسلام کو ایک دفعہ بھی یہاں قوتِ حاکمہ بن جانے کا موقع نہیں دیتے تو یاد رکھیں کہ ہماری مشکلات نہ تو انتخابات سے حل ہو سکتی ہیں اور نہ سوشلزم یا یورپ سے برآمد کردہ لادینی جمہوری نظام سے۔ صدر صاحب کو خداوند کریم نے

گیارہ کروڑ مسلمان بندوں کی عنانِ اقتدار سونپ دی ہے، اب ان کی مرضی ہے کہ اس سنہری موقع کو غفلت کی نذر کریں یا اپنے آپ کو اس ارشاد کا مخاطب قرار دیں کہ یا یحیٰی خذ الکتاب بقوۃ اے یحییٰ اللہ کے دین اور اس کی کتاب کو مضبوطی سے تھام لے۔ (اکتوبر ۱۹۶۸ء)

نظریاتی سرحدات کی اصل تعمیر

بڑی خوشی کی بات ہے کہ پاکستان کے نئے سربراہ صدر یحییٰ خاں صاحب نے اپنے بیانات میں بار بار خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اسلام کے اٹل اصولوں کی حفاظت کو پاکستان کا اساس قرار دیا ہے۔ اس ملک کے نظریاتی سرحدات کی از سرِ نو نشاندہی فرمانے کے بعد صدر یحییٰ اور ان کے رفقاء کا اصل کام اب یہ ہے کہ وہ عملاً ان سرحدات کی تعمیر واستحکام میں لگ جائیں، تعلیماتِ نبویہ کو بروئے کار لایا جائے۔ لادینی عناصر، غیر اسلامی نظریات اور منکرات سے ملک کی تطہیر کی جائے، عہدِ رفتہ کی بہت سی خرابیاں عائلی قوانین، خاندانی منصوبہ بندی، فلم، ٹیلیویژن اور صحافت کے ذریعہ بے حیائی اور فحاشی کے فروغ، مخلوط تقریبات اور سب سے بڑھ کر دینی اور اخلاقی تربیت سے یکسر خالی نظامِ تعلیم کی شکل میں پورے معاشرہ کو کھوکھلا کر رہی ہیں، نئی حکومت انتظامیہ اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے آئے دن مارشل لاء ریگولیشن نافذ کر رہی ہے اگر چاہے تو تمام غیر شرعی قوانین ناجائز رسم ورواج اور ان صریح منکرات کو بھی یک لخت روک سکتی ہے، مگر اس کے لئے اہم ضرورت مؤمنانہ جرأت، بلند حوصلہ اور مضبوط قوتِ عمل کی ہے۔

نمائشی بیانات نہیں مؤمنانہ جرأت کاغذی سطح پر بیانات سے نظریاتی سرحدات کی حفاظت مشکل ہے تبلیغ وتلقین بجائے خود کتنی بھی اہم اور قابلِ تعریف کیوں نہ ہو مگر صرف اسی پر اکتفاء کرنا بے بسوں کا کام ہے، قوت اور اقتدار رکھنے والے اور بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ جاں بلب مریض کو لمبا چوڑا نسخہ بتلانے کے علاوہ علاج معالجہ اور کڑوی سے کڑوی دوا پلانے کی بھی ضرورت ہے۔ جب مرض معلوم ہے اور دوا بھی ایسی موجود ہے جو اکسیرِ حیات ہے تو آئیے اور مومنانہ عزم وہمت کے ساتھ یہ دوا قوم کے گلے میں اُتار

دیجئے۔ اگر صدر صاحب نے عملاً ایسا کیا تو پوری قوم ان کی اس سچائی کو یاد رکھے گی علاوہ ازیں۔ ملک کو آئے دن کے غلط حکیموں سے بچانا اور حالتِ نزع سے نکالنا اگر مقصود ہے تو دینی اقدار اور تعلیماتِ نبویہ احیاگر کرنے کے لئے عملی اقدامات کی فوری ضرورت ہے۔

علماء حق کا ہر حالت میں طریقہ | یہاں ایک اہم امر ترک طریقہ علماء حق کا بھی ہے۔ ان کا مقام اور مرتبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ امر بالمعروف دینی اقدار کے فروغ اور بحالی کے لئے جدوجہد اور منکرات و قبائح پر تنقید سے کبھی بھی لحظہ دریغ نہ کریں، مارشل لاء ہو یا عوامی حکومت، صدارتی نظام ہو یا پارلیمانی نظام۔ انہیں ہر حال میں کتاب و سنت کی حاکمیت اور غیر شرعی امور کی قلع قمع کے لئے برسرپیکار رہنا ہے۔ اگر حالات کی نزاکت اور وقت سے مصلحت سے ان کے قدم ذرا بھی ڈگمگا جائیں تو ان کی حیثیت وراثتِ نبوت کی نہیں، بلکہ بدترین خلائق ہوگی۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے علماء کرام اپنے طریقہ سے غافل نہیں ہیں لیکن حالات کی نزاکت زیادہ جوش اور ولولہ، انفرادی اور جماعتی سطح پر زیادہ جذبۂ عمل اور جانفشانی کا تقاضا کر رہی ہے، اور اصلاح احوال کے لئے سیاسی بنیادوں سے زیادہ خالص دینی و فکری بنیادوں پر کام کی ضرورت ہے۔ جون ۱۹۷۹ء

باب ۱۵

عروج وزوال

قانونِ فتح وشکست

عالمِ عرب کا المیہ

سقوطِ بیت المقدس

لاتھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین

اے محمدؐ گر قیامت بر می آری سر زِ خاک
سر بر آور زین قیامت درمیان خلق بین

عربوں اور یہود کی لڑائی جو بظاہر کفر و اسلام کا معرکہ کہلائے گی۔ جن تلخ اور ہولناک نتائج پر منتج ہوئی حساس طبائع اب تک اس کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ عربوں کی ہزیمت، سرزمین اسلام پر یہود (خذلھم اللہ) کا تسلط، بے پناہ مالی وجانی نقصان اور سب سے بڑھ کر قبلۂ اوّل بیت المقدس کا سقوط۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ سب کچھ ہوا جو خواب وخیال میں بھی نہ تھا ؎

ایھا النفس اجملی جزعاً فان ما تحذرین قد وقع

اسلامی تاریخ کا نازک ترین موقعہ

اس واقعہ ہائلہ کے اسباب وعوامل پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی جارہی ہے۔ مگر جذبات کی شدت خیالات کے آشفت اور ہیجان و

اضطراب کے عالم میں بمشکل صحیح رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ درحقیقت ہماری چودہ سو سالہ تاریخ میں فتنۂ ارتداد اور تاتاریوں کی یلغار کے بعد یہ تیسرا نازک موقع ہے جو اسلام کو درپیش ہے اور جس نے اسلام کے کروڑوں دعویداروں کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ اس کی تلخی صدیوں تک قائم رہے گی اور اسے قائم رہنا چاہیئے کہ ایسے حوادث قوموں کی بیداری اور نئی کروٹ لینے کے لئے ہی قدرت کی طرف سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ پھر اسلام جس کی اساس ہی قربانی و ایثار، جہاد پیہم اور جہد مسلسل پر ہے۔ اگر اس کے علمبردار جنہیں اللہ نے اپنی مخلوق پر گواہ (شہداء علی الناس) بنا کر بھیجا اپنے امتیازی اوصاف اور ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں تو لازمی ہے کہ قدرت انہیں تازیانۂ عبرت دے تاکہ یہ اپنے آپ کو پہچان کر نئی توانائیوں سے رزم گاہ ہستی میں کود پڑیں۔ اگر قانونِ عروج و زوال کے مطابق ایسا نہ ہو تو کیا اس روئے زمین پر قیامت تک شہادت علی الناس، دعوت الی اللہ اور مدافعت حق کے لئے کوئی دوسری مخلوق آسمان سے اتر کر آئے گی؟

درس عبرت پس اگر اس واقعہ فاجعہ کے عوامل و محرکات پر غور و فکر ہماری بیداری اور غفلتوں کے تدارک کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ خدا فراموشی اور غیروں پر اعتماد و بھروسہ کی خرابی انابت الی اللہ اور خدائے حی و قیوم پر اعتماد و توکل سے بدل جاتی ہے اور اس درس عبرت کی وجہ سے ہماری صفوں کا انتشار و افتراق ختم ہو کر بنیان مرصوص اور جسد واحد کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو یہ شکست ہزار فتح مندیوں اور کامرانیوں کا پیش خیمہ اور یہ ہزیمت بلاشبہ فتح مبین بن سکتی ہے۔ باطنہ فیہ الرحمۃ وظاہرہ من قبلہ العذاب۔

خود احتسابی کی ضرورت پس اگر اس قیامت صغرا کے نتائج و عوامل پر غور و فکر ہمیں ان اسباب تک پہنچاتا ہے جن کا وجود ہمارے اندر ہے باہر سے نہیں اور ان خرابیوں کا سرچشمہ ہمارے انفرادی اور اجتماعی اعمال اور ناعاقبت اندیشیاں ہیں تو ہمیں غیروں کے شکوہ شکایت، جزع فزع، ہنگامہ آرائیوں اور خارجی و مادی اسباب کی نشاندہی اور ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرانے کی بجائے اوّلین فرصت میں اپنی صلاح و اصلاح میں لگ جانا چاہیئے۔ مرض کا ازالہ تب ممکن ہے کہ پہلے فاسد مادہ اور اندرونی ناسور الگ کر دیا جائے۔ خدائے لم یزل نے ہمیں "اسلام" اور "خاتم النبیین" کی شکل میں جو نسخۂ کیمیا اور اکسیر شفا عطا فرمائی اس نسخہ سے اپنی خرابیوں کا ازالہ اور

کر صدیوں کا اقدار کر دیں یہ خطرہ ہے کہ ہماری مزید غفلتوں سے ہمارے اجتماعی وجود کو جو گھن لگ چکا ہے وہ پورے جسم کو ہلاک کر کے رکھ دے۔ ولا فعل اللہ کذالک۔

قانون نصرت خداوندی

پس اے لوگو! جو قیامت تک اپنے آپ کو خدائے کریم کی نصرت و امداد کے مستحق سمجھتے ہو کیا اللہ نے اپنی نصرت کے استحقاق کے لئے کوئی معیار مقرر نہیں کیا؟ اور کیا ہمارے صرف زبانی دعوؤں سے اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ ہر حال میں ہمیں فتح و کامیابی سے نوازے؟ حاشا و کلا — اگر ایسا ہے تو تم نے استحقاق کے لئے غلط پیمانہ قائم کر رکھا ہے۔ کوئی مخلوق اپنی علاقائی، نسلی اور قومی خصوصیتوں یا وطنی اور لسانی عصبیتوں کی وجہ سے اس کے الطاف و عنایات کی سزاوار نہیں بن سکتی۔ یہ تو سب ہمارے بنائے ہوئے معبود باطلہ ہیں کہ اس نے کوئی دلیل اس کے لئے نہیں اتاری ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و اباء کم ما انزل اللہ بھا من سلطان۔ ان کی دستگیری کا معیار اور نصرت و اعانت کا پیمانہ تو صرف اور صرف ایمان و اسلام ہے۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم۔ اگر تم خدا کی مدد کرو تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم نہ اکھڑیں گے۔ وکان حقا علینا نصر المومنین اور ہم پر لازم ہے مومنین کی مدد کرنا — ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

اسباب پر نہیں مسبب الاسباب پر ایمان

یہ "ایمان و اسلام" جس پر ہماری دین و دنیا کی کامرانی اور خداوند تعالیٰ کی امداد و معاونت موقوف ہے۔ کیا صرف نام ہیں جنہیں اپنا کر حق تعالیٰ کا مطالبہ پورا ہو جاتا ہے؟ نہیں بلکہ وہ عبادت ہے اس باطنی کیفیت اور داخلی قوت سے جس کے نتیجہ میں تمام کائنات اور مخلوق کی ساری خود ساختہ خدائیاں ہیچ نظر آئیں، عالم غیب مشاہدہ بن جائے اور راہ حق میں متاع ہر دو عالم کی قربانی، فدائیت اور سرفروشی، کامیابی اور سرخروئی معلوم ہونے لگے۔ اس کی نظر میں فتح و شکست اور عروج و زوال کا دار و مدار آلات و وسائل پر نہ ہو۔ اس کی نگاہ صرف مسبب الاسباب پر رہے اور وہ ایمان اور عقیدہ کی صداقت، مقاصد سے والہانہ شیفتگی، مضبوط یقین اور پاکیزہ کردار ہی کو اپنی کامرانیوں کا ذمہ دار ٹھہرائے۔

ایمانی قوت کے محیر العقول کرشمے

اس ایمانی کیفیت کا حامل جب اپنی تاریخ پر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے قدم قدم پر اس باطنی قوت سے ظہور پذیر ایسے محیر العقول

کارنامے نظر آتے ہیں کہ ظاہری حالات حرب و ضرب اور مادی شوکت و سطوت سے تہی دامن مٹھی بھر جماعت اٹھتی ہے اور طاقت و قوت کے بڑے بڑے فرعونوں کا سارا دبدبہ اور طنطنہ خاک میں ملا کر رکھ دیتی ہے۔ اس کی تاریخ بدر و حنین اور یرموک و قادسیہ معرکہ ہائے خونین سے پٹی پڑی ہے۔ تاریخ کا آئینہ اس کے سامنے ان دلق پوش فقراء کو پیش کرتا ہے جن کی ٹھوکروں سے قیصر و کسریٰ کا تاج مدینہ کی گلیوں میں پائمال ہوتا ہے۔ اور جن کے لازوال ایمان و یقین کی بدولت کسریٰ کی ہزار ہا سالہ عظمت و شوکت چند سالوں میں پیوند خاک ہو جاتی ہے۔ اس کی تاریخ ان شاہان بےکلہ کو سامنے لاتی ہے جن کی للہی یلغار سے بحر و بر کانپ اٹھتے ہیں اور جو اپنے ناقابل تسخیر ایمان و عزیمت کے سہارے بحر الکاہل کے مہلک طوفانوں کو چیر کر جبل الطارق پر توحید کا نشان گاڑ دیتے ہیں۔ دجلہ و فرات جن کے گھوڑوں کی راہگذر ہیں ـــــ وہ فاقہ مست فقیر (ربعی بن عامرؓ) جو فارس و روم کے بھرے درباروں میں ایک عجیب شان بے نیازی سے داخل ہوا۔ اپنے نیزے کی نوک سے ریشمی قالین کو چھیدتا اور گھوڑے پر سوار مخملیں فرشوں کو روندتا چلا گیا۔ سپہ سالار افواج کی مسند کے قریب جا کر اترا اور زرتار گاؤ تکیہ سے اپنی سواری کو باندھا۔ کیا وہ کسی دوسرے گھرانے کا کوئی فرد تھا؟

صلیبی جنگوں میں صلاح الدین ایوبی کا سرمایہ ایمانی

اگر تم کہو کہ یہ تو عہد سعادت کی باتیں ہیں تو کیا تم نے کبھی سوچا کہ یہی بیت المقدس جس کے سقوط پر تم آج گریہ کناں ہو اور جس کی "دیوار گریہ" نے آج پورے عالم اسلام کو دیوار گریہ بنا دیا ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے مجدد اور محافظ اسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے جب اسے کافروں سے واگزار کیا تو دنیا کی کتنی مادی طاقت ان کی پشت پر تھی؟ اور کتنی اجنبی اقوام پر انہوں نے بھروسہ کیا تھا؟ اور کیا دشمن نے طاقت و قوت جمع کرنے میں کوئی کسر اٹھائی تھی؟ ہرگز نہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ روئے زمین کی تمام تمام صلیبی قوت عالم اسلام کے اس شہر پر اکٹھی ہو چکی تھی۔ یورپ جو ازل سے اسلام کا بدترین دشمن ہے شام کے چھوٹے سے خطے پر امنڈ آیا تھا اور اس کے تمام جنگ آزما بہادر مشہور بادشاہ اور سورما قیصر، فریڈرک، رچرڈ، شیر دل، شاہان انگلستان، فرانس، صقلیہ، آسٹریا، فلانڈرز کے ڈیوک اور نائٹ سب نے مل کر اپنی آہنی فوجوں کے ساتھ اس خطہ مقدس پر یلغار کی تھی تو کیا صلاح الدینؒ جس نے پورے عالم اسلام کی طرف سے حریم اسلام کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا تھا فوجی قوت و طاقت میں ان سب سے

بڑھ کر تھا؟ نہیں بلکہ ظاہری محدود اسباب سے زیادہ ہی ایمان کی قوت اور احتساب کی دولت تھی، جس کے بل بوتے پر انہوں نے صلیبیوں کو ایسا عبرت ناک سبق دیا کہ وہ صدیوں تک سر نہیں اٹھا سکے تھے۔

سلطان کی کیفیت ایمانی وہ جہاد اور سرفروشی کا جذبہ تھا جس نے سلطان کو مجسمہ جہاد اور شعلہ جوالہ بنا دیا اور جب تک خرمن باطل کو خاکستر نہ کیا چین سے نہ بیٹھے۔ اسی جذبہ نے سلطان سے اولاد و اعزہ اور وطن و مسکن کو خیرباد کہلوایا اور تپتے ریگستان کی زندگی گوارا کی۔ اسلام کا کھویا ہوا وقار و عظمت جب تک بحال نہ کیا تڑپتے رہے۔ کسی نے ان کی حالت کا صحیح نقشہ کھینچا کہ میدان جنگ میں سلطان کی کیفیت اُس غمزدہ ماں کی مانند ہوتی جس نے اپنے اکلوتے بیٹے کا داغ اٹھایا ہو۔ وہ صفوں کو چیرتے دوڑتے پھرتے اور وجد میں ڈوب کر ان کی زبان پر ایک ہی دلسوز نعرہ ہوتا یا للاسلام، یاللاسلام اے لوگو! اسلام کی مدد کرو۔ وامحمداہ (ہائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پھر ان کی یہ ساری تگ و دو قوم و وطن اور رنگ و نسل کے وقار کی بحالی کے لیے تھی؟ نہیں بلکہ اسلام اور صرف اسلام کے لیے۔ اعلاء کلمہ حق اور مظلوم کی دادرسی کے لئے دین محمد کا انتصار ان کا مطلوب اوّلین و آخرین تھا۔ اس نے ریجی نالڈ کمانڈر کو اپنے ہاتھ سے یہ کہہ کر تہ تیغ کیا کہ لو میں صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہوں ——— ھا انا انتصر لمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ——— اس گستاخ نے مکہ اور مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ سلطان نے یہ گستاخ زبان کھینچ لی ——— وہ اپنی فتوحات کے لئے خداوند تعالیٰ سے مدد کا طلب گار تھا۔ ان کا پہلا اور آخری سہارا وہی خدائے احکم الحاکمین ہوتا۔ شب بھر ان کی جبین نیاز اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتی اور گڑگڑا کر روتے، یہاں تک کہ داڑھی آنسوؤں سے بھیگ جاتی۔

عصر حاضر کا موازنہ اور جائزہ ایک طرف مومنانہ زندگی کے یہ روشن مینار جن کی روشنی میں ہمارے اسلاف نے حق کا بول بالا کیا اور دوسری طرف عصر حاضر کی ظلمت اور عالم اسلام کا دینی ضعف اور زوال، دنیا طلبی اور خدا فراموشی کا بحران، دینی اعتقادات میں تذبذب، خدا کے وعدوں پر بے ایمانی اور غیروں پر بھروسہ، یہود و نصاریٰ کی تقلید اور قدوسی اسلاف کی سیرت سے گریز و فرار فشتان بینہما ——— موازنہ اور احتساب کیجیے ؎

اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہے خستہ حال ۔ پوچھے ذرا کوئی کہ مسلماں ہے کہاں؟

ہمیں اسوۂ حسنہ دیا گیا۔ رسول کریم کے اعمال و کردار کا ہم نے معیار بنایا۔ یورپی تہذیب کو اور پھر ہم سرتاپا اس حیوانی تمدن میں ڈوبتے چلے گئے، یہاں تک کہ ؎

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

صلیبی اقوام کی تقلید اور مخبر صادقؐ کا یہ فرمان صادق ہوا۔ لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبر و ذراعاً بذراع حتی تم ضرور پچھلے لوگوں کی قدم بہ قدم پیروی کرو گے۔ یہاں تک کہ لو دخلوا جحر ضب تبعتموهم قیل یا رسول اللہ الیهود والنصاری قال فمن؟ (رواہ الشیخانؒ) اگر وہ لوگ سانڈے کے بل میں گھسے ہوں تو تم بھی ان کے اتباع میں ایسا کرو گے، حضورؐ سے پوچھا گیا کہ کیا پچھلے لوگوں سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ فرمایا تو اور کون۔؟ ہماری بود و باش، معاشرت و سیاست سب کچھ ان ہی صلیبی اقوام کے رنگ میں ڈوب گئی جو ہمارے ملک و وطن اور جان و مال کے دشمن رہے۔ ہمیں درس دیا گیا کہ شرافت و کرامت کا معیار صرف دین اور تقویٰ ہے اور عزت صرف اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کیلئے ہے۔ ہم نے عزت و افتخار کا معیار قومیت اور جاہلی عصبیت کو بنایا۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ قوم و نسل کے یہ بت خواہ عجمی ہوں یا عربی انہیں توڑ دیا جائے۔ ہم نے انہی بتوں کو چوراہوں پر نصب کیا اور ان کی پوجا کرنے لگے۔ ہمیں تبلایا گیا کہ تمہاری دینی و دنیوی مشکلات کا مداوا صرف اسلام ہی ہے مگر ہم نے پناہ ڈھونڈی خدا بیزار تہذیبوں اور نظریوں، کیپٹل ازم، سوشلزم، مارکسزم، اشتراکیت و شیوعیت، نیشلزم، رنیشلزم میں کھوکھلے نعرے جو کبھی بھی ہم میں خداداد صلاحیتوں کے ابھارنے کا جذبہ پیدا نہیں کر سکتے ــــــ ہمیں تلقین کی گئی کہ مشرق و مغرب کے تمام مسلمان ایک گھر کے افراد اور ایک قالب کی جان ہوں۔ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم۔ آپس میں مت جھگڑو ورنہ تم بزدل بن جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ــــــ مگر ہم نے اپنی قوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے ہوئے اور ہماری ساری توانائی دشمن کی بجائے باہمی جنگ و جدال پہ خرچ ہوتی رہی۔

کافروں کی دریوزہ گری بجائے اپنی طاقت جمع کرنے کے کاسۂ گدائی لیا اور غیروں کی جبہ سائی کو اپنا شعار بنایا۔ ہمیں ببانگ دہل اور بار بار کہا گیا کہ دشمنانِ حق کبھی تمہارے خیرخواہ نہیں

بن سکتے۔ تمہیں خدا کی مدد اور اپنے زور بازو اور وسائل پر بھروسہ کرنا ہوگا۔

لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من دون المومنین و من یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیئ (۳-۲۷)	مسلمان کبھی بھی اپنے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہیں بناتے اور جس نے ایسا کیا تو پھر خدا کے ساتھ اس کا کوئی سروکار نہیں۔

اور یہ مقہور و مخذول یہود و نصاریٰ، ان کے باہمی گٹھ جوڑ کو اشارہ کرتے ہوئے، کس قدر شدید وعید سنائی۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض و من یتولھم منکم فانہ منھم (۵-۵۴)	اے مومنو! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ جو تمہارے خلاف سازشوں میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جس نے ایسا کیا تو بلاشبہ وہ ان ہی میں سے ہوگا۔

نہ صرف کافر قومیں بلکہ حق و صداقت کا مذاق اڑانے والے وہ تمام لوگ جو اپنے عناد یا باطنی خبث و الحاد اور گمراہی کی وجہ سے دین اور دینی اقدار کا مذاق اڑاتے ہوں، ہرگز تمہاری دوستی کے سزاوار نہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزواً ولعباً۔ (۵-۶۰)	اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کے ساتھ ہنسی اور مذاق کرتے ہیں اور تمہارے دین کو انہوں نے ایک کھیل بنا لیا ہے۔

ظاہری اسباب پر گھمنڈ ہمیں خبردار کیا گیا کہ بے جا لاف زنی اور اپنی ظاہری کثرت اور قوت پر گھمنڈ نہ کرو جس کا انجام شکست ہی ہے۔

و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً	اور حنین کے دن جبکہ تمہیں اپنی کثرت کا گھمنڈ ہونے لگا پس اس کثرت نے

وضاقت علیکم الارض	تمہیں ذرا بھی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین
بما رحبت ثم ولیتم مدبرین	تم پر تنگ ہو گئی اور تم پیٹھ پھیر کر
	بھاگنے لگے ۔

دنیا پرستی اور قربانی سے گریز ہمیں تعلیم دی گئی کتاب وسنت کی مگر ہم نے اپنی نسلوں کو ان دونوں سے دور رکھا اور ترقی وکامیابی کا ضامن غیروں کی کافرانہ تعلیم گاہوں کو سمجھا۔ ہمیں ہمارے رسولؐ نے واضح ہدایات دیں کہ مسلمان کی نظروں میں دنیا اور اس کی چند روزہ عیش وعشرت کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اہم مقصد رضائے حق اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر موت کو اتنا محبوب سمجھتا ہے جتنا کہ کافر قومیں شراب کو۔ مسلمان دنیا کو اکبر" ہم" نہیں بناتا۔ وہ موت کو وصال محبوب کا ذریعہ اور راہ حق میں شہادت حیات جاودانی کا موجب سمجھتا ہے۔ مگر ہم نے دنیا کی چند روزہ لذت کوشی ہی کو سب کچھ سمجھ لیا۔ ہم دنیا اور مال ودولت کے غلام بن کر رہ گئے۔ ہمارے ریگستانوں پر پیرس اور لندن کے بازاروں کا شبہ ہونے لگا مگر ہماری مسجدیں ویران ہو گئیں اور وہی کچھ ثابت کر دکھایا جس کا مخبر صادق ومصدوقؐ کو خدشہ تھا۔

فو اللہ ما الفقر اخشی علیکم	قسم بخدا مجھے تمہارے بارے میں فقر کا
ولکن اخشی علیکم ان تبسط الدنیا کما بسطت	فکر نہیں۔ مجھے یہ ڈر ہے کہ تم پر دنیا پھیلا
علی من کان قبلکم فتنا	دی جائے اور تم اس پر اس طرح ریجھ
فسوھا کما تنافسوا ھا ؤ	جاؤ جس طرح اور لوگ اس پر ریجھ گئے
تھلکم کما اھلکتم ۔	اور اوروں کی طرح تمہیں بھی ہلاک کر ڈالے

راہ حق میں صحابہ کرامؓ کا جذبہ سرفروشی اسلاف نے ہمارے سامنے دنیا کی بے وقعتی اور راہ حق میں جذبہ سرفروشی کے کیسے کیسے نمونے نہیں رکھے ہیں؟ — یہ مجدع فی اللہ عبداللہ بن جحشؓ ہیں، جنہوں نے میدان احد میں کس جذبہ جانسپاری سے دعا کی:۔

اللھم ارزقنی غداً رجلاً شدیداً	الٰہی کل ایسے کافر سے میرا مقابلہ ہو
باسہ شدید احرزہ اقاتلہ	جو حملہ ومدافعت میں قوی ہو۔ میرا لڑنا
فیک دیقاتلنی فیقتلنی	تیری راہ میں ہو اور پھر وہ مجھے قتل

ثم یاخذنی فیجدع الفی واذنی فاذا القیتک قلت یا عبد اللہ فیما جدع انفک واذنک فاقول فیک وفی رسولک فتقول صدقت (رحمتہ للعلمین)	کرڈالے اور میرے ناک وکان کاٹ ڈالے۔ پھر جب تیرے حضور حاضر ہوں اور تو دریافت فرمائے کہ عبد اللہ تیری ناک اور کان کیوں کاٹے گئے۔ تب میں عرض کروں کہ تیری اور تیرے رسولؐ کی راہ میں۔ تب تو فرمائے کہ ہاں سچ کہتا ہے۔

اور جیسا انہوں نے چاہا وہی معاملہ ان کے ساتھ پیش آیا ——— یہ عمرو بن جموحؓ صحابی ہیں جن کے پاؤں میں لنگ ہے۔ چاروں جوان بیٹے جہاد میں شریک ہیں، مگر وہ خود بھی شہادت کے لئے بے قرار ہے کہ میں بھی اپنے لنگڑے پاؤں سے جنت میں چلوں پھروں اور دوسرے صحابی عمیر بن حمام انصاریؓ ہیں جنہوں نے جنت کی وسعتوں کا ذکر سنا تو کھجور کا گچھا دور پھینکا کہ اتنا عرصہ وصال محبوب میں کیوں رکاوٹ بنے اور میدان میں کود کر شہادت پائی۔ یہ انس بن نضر ہیں کہ جسم پر اسی زخم آئے ہیں۔ موت سے پہلے احد کے اس پار جنت کی خوشبو محسوس کر رہے ہیں۔ انہوں نے نمونہ پیش کیا ان بچوں کا جو پنجوں کے بل کھڑے ہو ہو کر جہاد میں شرکت کا پروانہ مانگتے۔ ان لوگوں کا جنہوں نے بیعت کرتے وقت اپنے گلے پر ہاتھ پھرا کہ اسے کٹوانے کے لئے تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں ——— ان مایہ ناز خواتین کا جن کے شوہر، باپ، بھائی اور بیٹے سب راہ حق میں شہید ہوئے مگر ان کو فکر دامن گیر ہے کہ حضور سرور کائناتؐ کی صحت و عافیت کا ———

اسلام نے ہمیں آئیڈیا دیا فاروق اعظمؓ کا جو اپنی اونٹنی پر غلام کو بٹھائے ہوئے اس کی مہار تھامے ہوئے بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہو رہے ہیں اور ان کے کپڑوں میں بے شمار پیوند لگے ہوئے ہیں ——— مگر ہم نے راہ اختیار کی موت سے فرار اور دنیا طلبی کی۔ مادیت کو آخرت پر ترجیح دی اور بزدل و کمزور بن کر دارین کی رسوائی مول لی۔

مخبر صادقؐ نے اسباب شکست سے خبردار کیا

پھر کیا اس مخبر صادقؐ نے ان خرابیوں کی ہلاکت آفرینی سے ہمیں آگاہ نہیں کیا ———؟ انہوں نے تو صاف الفاظ

میں فرمایا کہ :۔

"قریب ہے کہ دنیا کی قومیں تم پر جھپٹ پڑیں، جس طرح کھانے کے دسترخوان پر ایک دوسرے کو بلایا جاتا ہے۔ تمہاری تعداد اس وقت بہت زیادہ ہو گی مگر تم ولکنکم غثاء کغثاء السیل سمندر کی جھاگ جس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی"

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا :۔

وتبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر لایبالیھم اللّٰہ بالۃ ۔۔

"یعنی جَو کا بھوسہ بن کر رہ جاؤ گے، جس کی خداوند تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہ ہو گی" اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اللّٰہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے قلوب میں وھن پیدا فرما دے گا اور وھن کی تفسیر خود رسول کریم نے وہی فرمائی جو آج ہماری بربادیوں کی جڑ ہے۔ فرمایا :۔ حب الدنیا وکراھیتہ الموت یعنی دنیا کی محبت اور موت کا ڈر۔۔۔۔۔۔

امت مرحومہ اور دوائے رحمت ایک جوائے حق وصداقت مسلمان جب ان حالات اور اسباب پر غور کرے گا تو اس اعتراف پر مجبور ہو گا کہ جو کچھ پیش آیا ہم اس سے زیادہ کے سزاوار تھے۔ یہ تو اس رحمان ورحیم کی غایت گرم گستری ہے کہ ہمیں اب بھی اتنی مہلت دی گئی ہے کہ عمل کی ایک وسیع آماجگاہ ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ ایسے اسلاف کی وارث اور ان امانتوں کی حامل امت کی یہ خود فراموشیاں تو ہمارے صفحہ ہستی سے مٹ جانے کے لئے بھی کافی تھیں مگر یقین کیجئے اس رحیم آقا نے اپنی رحمتوں کی چادر امتِ مرحومہ سے اب بھی نہیں سمیٹی ؎

ہنوز آں ابر رحمت درفشانست

اس کا اعلان یہ ہے کہ :۔

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم	ہمت نہ ہارو اور نہ اس شکست سے
الاعلون ان کنتم	غمگین وشکستہ خاطر بنو۔ اگر تم سچے مومن
مومنین ان یمسسکم	بن جاؤ تو فتح آخر کار تمہارے لئے ہے
قرح فقد مس القوم قرح مثلہ	اگر تم کو اس لڑائی میں زخم لگے تو

وتلک الایام نداولہا بین الناس — دشمن بھی تو زخم کھا چکا ہے اور یہ تو وقت کے نتائج و عواقب ہیں جو باری باری سب کو ظاہر ہو رہے ہیں۔

یاس و قنوط کفر ہے | خدائے رحیم کی رحمت و نصرت سے مایوسی کفر ہے۔ یاس و قنوط مسلمان کا شیوہ نہیں۔ اس کی رحمتوں سے ناامیدی اس کی نگاہ میں مبغوض ترین عمل ہے۔ وہ پکار کر کہتا ہے:۔ لا تایئسوا من روح اللہ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکفرین اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو کہ یہ تو کافروں کا شیوہ ہے۔ ذرا دل کی گہرائیوں سے پوچھ تو لو کہ یہ کبھی حق و صداقت کفر کی تاریکیوں سے مغلوب ہو سکتی ہے؟ کیا اسلام جیسا دین فطرت مسخ شدہ یہودیت اور نصرانیت سے دب سکے گا؟ کیا قرآن کریم صلیب سے شکست کھائے گا۔ کیا اسلام کی روشنی رہتی دنیا تک نہیں؟ اور کیا خاکم بدہن حضورؐ کی نبوت کا دور ختم ہو چکا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا خدائے حیّ و قیوم اپنی سرکش اور جابر و ظالم مخلوق کے ہاتھوں بے بس ہو چکا ہے! حاشا و کلا۔ جبکہ ان سوالوں کا جواب نفی میں ہے تو یقین کیجئے کہ حق تعالیٰ نے جس دین کو ساری دنیا کا مجموعہ بنا کر بھیجا اسے قیامت تک رہنا ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے خدا کے لامحدود خزانوں میں بے شمار وسائل اور قوتیں موجود ہیں۔ اس کی بقا کسی ایک قوم اور کسی ایک خطہ اور علاقہ سے وابستہ نہیں۔ اگر ایک تلوار اپنا کام پورا کر کے زنگ آلود اور بے کار ہوئی تو اس کی حفاظت کے لئے کروڑوں تازہ اور تابدار تلواریں غیب کی نیام سے نمودار ہوں گی۔ اگر ایک قوم نے کوتاہی کی تو وہ دوسروں کو اس عزت سے سرفرازی بخشے گا۔ ان یشأ یذہبکم ایہا الناس ویأت بآخرین، اور جب تک اس کائنات رنگ و بو کی بقا منظور ہے اسلام اور اسلام کی روشنی بھی قائم رہے گی ہمارے کرنے کا کام صرف یہ ہے کہ قوموں کے عروج و زوال اور فلسفہ عروج و ارتقاء کی روشنی میں اس "المیہ" سے عبرت لیں۔ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کریں اور پختہ ایمان اور پاکیزہ کردار۔ نئے جوش اور ولولہ سے میدان میں اتریں تاکہ اسلام کا بول بالا ہو اور ہم محمد عربی علیہ السلام کا پھریرہ پھر سے بیت المقدس اور دیگر مقبوضہ علاقوں پر لہرا سکیں۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ — وما تشاءون الا ان یشاء اللہ ان اللہ کان علیماً حکیما۔

اسباب شکست اور صدر ناصر کا ایمانی تجزیہ

صدر ناصر نے حالیہ لڑائی کے بعد انقلاب مصر کی سالگرہ کے موقع پر پہلی بار جو تقریر کی اس میں انہوں نے شکست کے اسباب اور در پردہ محرکات اور آئندہ لائحہ عمل پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ ایمان افروز جملے بھی ارشاد فرمائے کہ :۔

"ہمیں اس حقیقت پہ ایمان رکھنا چاہیئے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اور اگر ہم موثر جدوجہد کریں گے تو خدا ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا۔ آگے چل کر انہوں نے یہ کہا کہ اب سوال یہ ہے کہ موجودہ بحران میں ہم اپنے مقاصد پورے کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں! میرے پاس اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایک سبق دینا چاہتا تھا جو پہلے ہم نے سیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ سبق یہ تھا کہ ہم اپنی خامیوں کو دور کر لیں، گناہوں سے توبہ کریں اور اپنے وطن کی تعمیر میں لگے رہیں۔ اب ہم نے یہ سبق حاصل کر لیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ اگر ہم فتح حاصل کرنے کی جدوجہد کریں گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیں فتح و نصرت سے ہمکنار کرے گا —— جن لوگوں کی نظر برائیوں پر ہی جمتی ہے خدا کرے صدر ناصر کی زندگی کا یہ رخ بھی ان کی نگاہوں میں آسکے۔ بارگاہ صمدیت میں اخلاص، ایمان اور ندامت و پریشانی کے چند بول بھی عربوں کی قسمت کا پانسا پلٹ سکتے ہیں کہ اس کی رحمت کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں ——

صدر ناصر کے بارے میں غیر معتدلانہ رویہ

صدر ناصر کے بارے میں عموماً دو قسم کی رائیں قائم ہیں اور دونوں غلو، افراط یا تفریط سے خالی نہیں ہیں —— جذبائیت، تعصب یا خالی عقیدت کی وجہ سے ہر دور کی انقلابی شخصیتوں کو ان دو چیزوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بغض و عناد رکھنے والوں کی تفریط و تنقیص اور عقیدتمندوں کا افراط و اطراء اور حقیقت اس بے اعتدالی میں مستور ہو کر رہی۔ مسلمانوں کے حق میں دونوں رویوں کی ہلاکت آفرینی کی طرف حضرت علیؓ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا۔ ھلک فی نفسان محبٌ مفرطٌ ولبعض مُفرطٌ

صدر ناصر کے بارہ میں ایک فریق کی برفروختگی کا تو یہ حال ہے کہ وہ تمام حقائق اور واقعات کو نظر انداز کر کے انہیں یہود اور سامراج کا ایجنٹ تک کہنے سے نہ جھجکے اور اس طرح روز روشن کو رات کہہ کر اس نے حق وصداقت کا منہ چڑھایا اور یہ نہ سوچا کہ دن کو رات، ایشکول اور موشے دایان کو عربوں، ہٹلر کو یہودیوں اور جانسن کو مسلمانوں کا ایجنٹ اور خیرخواہ قرار دینے سے حقائق نہیں بدلیں گے۔ دوسرے فریق کے حسن ظن اور محبت کا یہ عالم ہے کہ وہ ناصر کی محبت میں پورے عربوں کی کسی خامی پر تنقید سے بھی ناراض ہوتا ہے۔ وہ عربوں کی شکست کو "ناکامی" کہنے تک کا روادار نہیں۔ حالانکہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مسلمان قوم کے عروج وزوال اور فتح وشکست پر بحث کرتے ہوئے کسی قوم کے عادات و اطوار کا تحلیل وتجزیہ ناگزیر ہے۔ خود قرآن کریم میں "تذکیر بایام اللہ" کا ایک مستقل حصہ اسی تذکیر وعبرت کی خاطر لایا گیا ہے —— جذبات اور تعصب سے ہٹ کر ہر شخص اس حقیقت تک پہنچ سکتا ہے کہ ناصر معصوم نہیں۔ آزادی اور حریت اور مغربی استعمار واستبداد سے گلوخلاصی کی راہ میں ان سے کچھ بے اعتدالیاں بھی ہوئیں۔ وہ اپنوں سے بھی الجھ پڑے، غیروں کو بھی ناراض کیا مگر جہاں تک ان کی سامراجی دشمنی اور مغربی استعمار سے استخلاص کی مساعی کا تعلق ہے وہ بلاشبہ اس صدی میں صدر ناصر کا نمایاں وصف ہے جسے چھپایا نہیں جاسکیگا۔ غلط فہمی، الزام تراشی اور سطحیت کی وجہ سے وہ تو یہودیوں کے ایجنٹ نہیں بن سکیں گے البتہ ایسی غیر جانبدارانہ رائے قائم کرنے والے دانستہ یا نادانستہ مغربی اور یہودی سامراج کے پشت پناہ ثابت ہوں گے۔ ہم صدر ناصر کا دینی اور فطری کوتاہیوں سے براءت نہیں کرتے، مگر اس حقیقت سے انکار ہمارے لئے ممکن نہیں کہ وہ بلاشبہ مغرب دشمنی، امریکہ اور انگریز کی عداوت میں وقت کے سب سے بڑے بطل جلیل ہیں —— راستہ انہوں نے غلط یا صحیح جو بھی اختیار کیا وہ عربوں کے گلے سے سامراجی جوا اتار پھینکنے میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھائی ؎

فتح وشکست تو نصیبوں سے ہے میر ولے
مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

(اگست ۶۷ء)

مغضوب قوم کا عارضی غلبہ

ہمارے ایک ہندوستانی بزرگ یہود کے عارضی غلبہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس کا رشتہ یہود کے کسی درپردہ اور مخفی ایمان واسلام سے جوڑنے لگے۔ انا اللہ۔ موصوف کی عظمت واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم ان کو اس معاملہ میں مجبور سمجھتے ہیں۔ "قادیانیت" کے کفر ہونے میں انہیں اب تک انشراح خاطر نہیں ہوا۔ قرامطہ اور باطنیہ کے عقائد کا "تزکیہ" بھی فرما چکے ہیں، رہی سہی کسر یہودیت کو "اسلامیانے" کی سعی نے پوری کردی۔ یہود اپنے مذہب کے معاملہ میں کتنے بھی پختہ کیوں نہ ہوں مگر پیغمبر اسلام کی بعثت کے وقت ان کا دینی نیقط اور تصلب بہر حال اس وقت سے تو لاکھ درجہ زیادہ ہی ہوگا مگر باطل مذہب کا یہ سہارا انہیں خدا کی طرف سے دائمی ذلت وخسران کے اعلان سے نہ بچا سکا۔ پھر رسوائی اور ذلت کی یہ مہر قرآن نے نزول قرآن کے وقت ثبت نہیں کی، بلکہ اس سے ہزار سال قبل کی لگی ہوئی ذلت ومسکنت کی اطلاع دی ہے جبکہ اس دوران دو ایک مرتبہ عارضی غلبہ اور قوت انہیں حاصل ہو چکی تھی۔ مگر نہ تو نبیؐ اور صحابہؓ نے اس آیت کے منافی سمجھا نہ سلف میں سے کسی اور نے۔ اس لئے کہ ڈاکو کے عارضی تسلط اور غلبہ کو عزت اور سرخروئی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ایک طے شدہ اور صاف بات ہے کہ نہ تو محمد عربی علیہ السلام کی رسالت ماننے کے بغیر کوئی ایمان خدا کی بارگاہ میں شرف قبول پا سکتا ہے اور نہ حضور اقدسؐ کی لائی ہوئی شریعت مانے بغیر کوئی قوم آیت ضربت علیہم الذلۃ کے استثنائی دائرہ الا بحبل من اللہ میں داخل ہو سکتی ہے۔ خدا کے آخری رسولؐ کی رسالت وشریعت ہی ہے جسے قرآن کریم میں کہیں حبل من اللہ (خدا کی رسی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور کبھی عروۃ وثقیٰ (مضبوط دستہ) سے۔ اس معاملہ میں خدا کا فیصلہ دو ٹوک ہے کہ

ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ،

اب کوئی دوسرا مذہب نہ تو فلاح وسرخروئی کی ضمانت دے سکتا ہے اور نہ خدا کی بارگاہ میں رفعت اور قبولیت کا دعویٰ کر سکتا ہے —

اگر چند روزہ مادی شوکت و غلبہ کے ڈانڈے ایمان و اسلام سے جوڑ نا ضروری ہوں تو پھر ہٹلر اور مسولینی بلکہ کارل مارکس اور سٹالن کی "فتوحات" کو کون سے ایمان کا کرشمہ قرار دیا جائے جبکہ موخر الذکر حضرات تو عمر بھر خدا کے وجود تک سے بغاوت کا پرچار کرتے رہے۔ ہم اپنے بزرگ سے نیاز مندانہ عرض کریں گے کہ وہ اپنی عظیم دینی خدمات اور ثقہ دینی منصب کی خاطر جوش خدمت قرآنی میں جمہور سلف کی راہ سے اس قدر نہ ہٹیں۔ خداوند تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز ہے۔ اس قسم کی شدید فروگذاشتیں پلک جھپکنے میں عمر بھر کے حسنات کو حبط کر دیتی ہیں ــــ خداوند تعالیٰ ہم سب کو استقامت کی توفیق دے ــــ آمین۔ (نومبر ۶۷ء)

ایک دینی مسئلہ میں غفلت کا خمیازہ

صلیبی لڑائیوں کے بعد مسلمان حکمرانوں نے جب مسجد اقصیٰ اور فلسطین کے تحفظ کی ضرورت محسوس کی تو انہوں نے حرم مسجد اقصیٰ کی فصیل کے باہر چاروں طرف دور دور تک زمین دینی مدارس اور معاہد پر وقف کر دی تاکہ حرم قدس کا یہ مقدس خطہ خرید و فروخت اور اجانب کے تصرفات اور دسترس سے محفوظ رہے اور اسی طرح ان مسلمان حکام نے فلسطین کی اکثر بستیوں کو بھی اسلامی امور کے لئے وقف کر دیا۔ یہاں تک کہ علاقہ فلسطین کا ۱/۲ حصہ مدارس و مساجد کے لیے وقف ہو گیا مگر بعد میں مسلمانوں کی نرمی، کمزوری اور کوتاہ نظری نے ان وقف املاک کی حرمت برقرار نہ رکھی اور ان اوقاف کو وقف عینی سے وقف عشری میں منتقل کر دیا گیا۔ یعنی ان زمینوں کی خرید و فروخت جائز قرار دی گئی اور ان کا عشر وقف مد میں جمع ہوتا تھا جس کے نتیجے میں خرید و فروخت کے ذریعہ یہ زمینیں یہود کے ہاتھوں منتقل ہوتی چلی گئیں۔ مسلمانوں کی کمزوری اور دینی احکام میں تساہل اور غفلت نے مسلمانوں کے ایک مقدس خطہ کو دشمنوں کے حوالے کر دیا جبکہ ان کے آباء نے محض اس کے تحفظ و بقاء کے لئے ان زمینوں کو وقف کر دیا تھا اور یہ انجام تھا ایک دینی مسئلہ میں تہاون اور تحریف کا۔ (ترجمہ از حضارۃ الاسلام دمشق۔ ربیع الاول ۱۳۸۸ھ)

(جولائی ۶۸ء)

---

۵ جون۔ تجدید عہد کا دن

آج ۵ جون ہے۔ سقوط بیت المقدس کا دن ہے۔ آج یوم غربت اسلام ہے۔ قبۃ الصخرۃ کے رونے اور جامع عمرؓ کے ماتم کا دن۔ مسلمانوں کی آبرو لٹ جانے اور اپنی زبوں حالی پر آہ و بکا کا دن مگر ہم مسلمان ہیں۔ ماتم و شیون ہمارا شیوہ نہیں۔ یاس و قنوط ہمارے نزدیک کفر ہے۔ آیئے آج ہم عہد کریں کہ بیت المقدس پر فتح کا علم لہرا کر دم لیں گے۔ مایوسی کی فضا اور غفلت و جمود کے اس کہر کو ہم جہاد کی حرارت سے پگھلا کے چھوڑیں گے۔ کفر و استبداد کے قلعہ اتحاد اور گٹھ جوڑ کو ہم اللہ اکبر کے نعروں سے پاش پاش کر دیں گے۔ یہی اس مسئلہ کا حل ہے۔ قرار داد، ایجنڈے، کانفرنس اور تقریریں کسی کی عظمت رفتہ کو کبھی بھی واپس نہیں کر سکیں۔ قبلہ اوّل ہماری عصمت و آبرو ہے اور عصمت و ناموس لٹانے والی قوم کبھی بھی شوکت و سطوت اور شادمانی کا دن نہیں مناتی۔ تمہاری یہ متاع گم گشتہ آج تمہیں آواز دے رہی ہے۔ مسجد اقصیٰ کے منبر و محراب تمہیں پکار رہے ہیں۔ جامع عمر کے دریچوں میں فاروق اعظم کی روح مضطرب ہے۔ وہ دیکھو صلاح الدین ایوبی ہماری حمیت و غیرت کا ماتم کر رہے ہیں۔ وہ دیکھو صلیبی طاقتیں ایک بار پھر مغربی سامراج کے لباس میں متحد ہو کر ہماری ذلت اور پستی کا مذاق اڑا رہی ہیں۔ وہ دیکھو ذلیل و خوار ریجی نالڈ کی روح ایک بار پھر ہماری غیرت کو للکار رہی ہے — آیئے ہم اپنے رب سے عہد کریں کہ ہم اگلے سال ۵ جون کو "شوکت اسلام" کا دن منائیں گے اور یہ مسرت و شادمانی بیت المقدس کی بازیابی ہی سے ہمیں نصیب ہو سکے گی۔

لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔ (جون ۱۹۸۰ء)

یہودی عدالت کے شرمناک فیصلے

اسرائیل کی تحقیقاتی عدالت نے مسجد اقصیٰ کو آگ لگانے والے مجرم کو "پاگل" قرار دے کر بری کر دیا۔ اسرائیلی عدالت ایسے رسوائے زمانہ فیصلوں کی عادی ہے۔ اب اس نے مجرم روہان کو پاگل نہیں کہا بلکہ حق و انصاف کی علمبردار پوری دنیا کے عقل و دانش کا مذاق اڑایا ہے، مگر جس ظالم،

سفاک اور بے حیا عدالت کی سٹیج پر حضرت یسوع مسیح علیہ السلام کو سولی چڑھانے کا فیصلہ ہوا ہو وہاں اگر پوری اسلامی اور مذہبی دنیا کو ایسے شدید بھونچال سے دوچار کرنے والے مجرم کو پاگل کی بجائے پوری قوم کا ہیرو بھی قرار دیا جاتا تب بھی تعجب اور حیرت کی بات نہ ہوتی۔ مگر اس ڈرامہ کو سٹیج کرنے والے ججوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ قدرت قیامت تک اس عدالت کی کرسی پر کبھی بخت نصر اور کبھی ہٹلر جیسے ججوں کو بٹھانے کا اعلان بھی کر چکی ہے۔

واذ تاذن ربلک لیبعثن علیھم الی یوم القیامتہ من یسومھم سوٗ العذاب

(جنوری ۱۹۷۰ء)

حرب رمضان

عرب اسرائیل جنگ

آج عرب اسرائیل جنگ کا دسواں دن ہے اور رمضان المبارک ۹۳ھ کی سترھویں تاریخ۔ سات سال کے جاں گسل صبر کے بعد بالآخر عربوں نے سر بکف ہو کر میدان جنگ میں اپنی شجاعت و بسالت کی نئی داستانوں سے اسلام کی روشن اور تابندہ تاریخ سے وہ گرد و غبار جھاڑ دی جو سامراجی اور صیہونی سازشوں سے پچھلی جنگ میں اسے ماند کرنے لگی تھی۔ آج کی جنگ اور آج کی تاریخ ہمیں ۲ھ ہجری کے اس یوم الفرقان (۱۷ رمضان یوم بدر) کی یاد دلا رہا ہے، جب ہادی انسانیت اور نذیر و بشیر رسول، امام المجاہدین نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مٹھی بھر جان نثاروں کے ساتھ قیامت تک اسلام اور مسلمانوں کی فتح و کامرانی کا دروازہ کھول کر کفر و شرک کو سرنگوں کر دیا۔ بدر کی یہ فتح آئندہ تمام فتوحات کا سرچشمہ اور قیامت تک خدائے حی و قیوم کے اعتراف وحدانیت اور عبادت خالصہ کا ذریعہ بنا۔ اور آج عرب اپنے سرفروش اور جان نثار اسلاف کی طرح اسی شاہراہ جہاد پر گامزن ہیں۔ ہمارے جسم و جان کی ہر متاع عزیز ان پر قربان ہو۔ مسلمانوں کے دلوں کی ہر دھڑکن ان کی ہمنوا ہے کہ عرب اپنے لئے نہیں اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ قبلہ اول مسجد اقصیٰ اور انبیاء کرامؑ کی سرزمین کی بحالی اور بالآخر حرمین الشریفین کا تحفظ و حفاظت صرف عربوں کا نہیں بلکہ دنیا بھر کے تمام نام لیوایان محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا یکساں فریضہ ہے۔ مسجد اقصیٰ کے مینار

جھک جھک کر دنیا کے تمام مسلمانوں کو پکار رہے ہیں۔ قدس کی جامع عمرؓ مغضوب و ذلیل قوم، یہود کے قدموں سے پائمالی پر ساری دنیا کے مسلمانوں کی غیرت و حمیت کا ماتم کر رہی ہے۔ صحرائے سینا کی وسعتیں ملت محمدیؐ کے ہر اس فرد میں صلاح الدین ایوبی کو تلاش کر رہی ہیں جو خود کو مسلم اور محمد عربی صلوات اللہ علیہ کا غلام کہتا ہے۔

عرب مسئلہ اور عالم اسلام کا فرض

اب جبکہ عرب اس دعوت پر لبیک کہہ کر میدان میں کود پڑے ہیں اور وہ حق پر ہیں اور حق کے لئے لڑ رہے ہیں۔ تو کیا مسلمان اور اسلامی مملکتیں صرف چند بیانات دے کر اور زبانی جمع خرچ کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو سکتی ہیں اور کتنے ہیں جو زبانی حد تک بھی لبوں کو جنبش نہیں دے رہے جبکہ اہل باطل متفق ہو کر مسلمانوں پر دھاوا بول رہے ہیں۔ امریکہ جو سامراجیت کا علمبردار ظلم و فساد کا سرچشمہ اور انسانی قدروں کی توہین و پائمالی کا مظہر اتم ہے، کھل کر عالم اسلام کی غیرت و حمیت کو للکار رہا ہے۔ وہی امریکہ جس کی دریوزہ گری کو ہم سرمایہ مجد و شرف سمجھتے ہیں اور جس کے چند ٹکڑوں کی وجہ سے ہماری مسرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا۔ ہمیں عربوں کی اس جنگ سے عبرت و نصیحت کے صدہا سبق لینے چاہئیں دوست اور دشمن کی پہچان کا سبق، عروج و زوال کا سبق، نئی زندگی، نیا ولولہ اور نئے ایمان و یقین کا سبق، ذلت و شکست کو فتح و کامرانی سے بدلنے کا سبق، اور ذلت و نکبت کو "حقیقتوں" کے لبادہ فریب میں نہ چھپاتے کا سبق۔ اگر عربوں نے ۱۹۶۷ء کے خط متارکہ جنگ کے اس پار غصب شدہ زمینوں کو حقیقتوں سے بدلنے کی کوشش کی ہوتی تو آج فتح و کامرانی، عزت و سرخروئی اور مجد و شرف میں عربوں کا یہ مقام نہ ہوتا۔ غیور و جسور عربو! آگے بڑھو، وہ دیکھو نصرت خداوندی تمہارے قدم چومنے کے لئے بیتاب ہے۔ الا ان نصر اللّٰہ قریب

جنگ اور جنگ کے بعد

اسرائیل سے عربوں کا سترہ روزہ مسلسل جہاد ۲۲؍ اکتوبر ۷۳ء کو جس نازک موڑ پر آ کر رکا اور اس کے بعد معاہدہ اور افہام و تفہیم کے نام سے جو سلسلہ شروع ہوا عالمی طاقتوں کے مسلم کش رویہ کی بنا پر اس کا کھٹکا پہلے ہی دن سے تھا اور اب یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ مشرق وسطیٰ

میں حالات آگے چل کر کیا پلٹا کھاتے ہیں، مگر اس جنگ سے چند باتیں روز روشن کی طرح عیاں ہو گئیں اور اگر مسلمانوں نے اس سے سبق لیا اور آئندہ اپنی پالیسیوں میں انہیں ملحوظ رکھا تو اس جنگ میں دی ہوئی قربانیاں رائیگاں نہیں سمجھی جائیں گی۔

امریکہ اور صیہونیت کی سرپرستی

پہلی بات یہ کہ اسلام نے سارے جہاں کا کفر مسلمانوں کے مقابلہ میں ملت واحدہ ہونے کا جو اعلان کیا تھا وہ پچھلے ہر دور کی طرح اب بھی ایک اٹل حقیقت بن کر سامنے آیا۔ صیہونیت کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے امریکہ نے ڈھٹائی اور بے حیائی کا جو شرمناک کردار ادا کیا اس کی روشنی میں عالم اسلام کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ جنگ میں حالت یہ ہو گئی تھی کہ جانباز عرب مجاہد اسرائیل سے نہیں عالمی سامراجیت کے علمبردار امریکہ سے لڑ رہے تھے۔ امریکہ کے صدر سے لے کر یہودی نژاد وزیر خارجہ کسنجر تک نے کھلم کھلا اپنی سامراج نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے یہودیوں کی حمایت کی اور نہ صرف جنگی سطح بلکہ سیاسی اور سفارتی بنیادوں پر بھی اسرائیل کی بھرپور مدد کی گئی۔

——من تو شدم تو من شدی کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اسرائیل امریکہ کی باہمی گرمجوشی اور اظہار تعاون دیکھ کر نہیں کہا جا سکتا کہ امریکہ اسرائیل کا ایجنٹ ہے یا اسرائیل امریکہ کے عزائم خبیثہ کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ اسرائیل بظاہر امریکہ کا دست نگر ہے مگر لگتا ایسا ہے کہ درحقیقت امریکہ اپنی عالمی قوتوں سمیت مٹھی بھر یہودیوں کی ایک کالونی ہے۔ اپنے طور پر نہ اس کے کچھ اصول ہیں، نہ قوانین نہ ضمیر ہے اور نہ کسی آزاد فیصلہ کا اختیار، امریکہ نہ صرف جنگ میں اسرائیل کا آرڈی ننس فیکٹری بنا رہا ہے بلکہ بی بی سی کے مطابق وہ اب تک تیس ہزار ٹن سے زائد اسلحہ اسرائیل پہنچا چکا ہے اور اب تو بحری راستے سے بھی اسرائیل کو اسلحہ کی مزید ترسیل جاری ہے۔

ویٹ نام کا داغ عربوں کے خون سے دھونا

امریکہ جو ویٹ نام میں اپنی ساری شان و شوکت اور طنطنہ خاک میں ملا چکا ہے، مظلوم اور بے بس عربوں پر اپنی گری ہوئی ساکھ کی عمارت اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ درحقیقت نہ صرف عرب دشمنی، اسلام اور مسلم کشی کا علمبردار ہے بلکہ اس کی تاریخ پوری بنی نوع انسان کی تباہی و بربادی کے عزائم مشومہ سے داغدار ہو چکی ہے لیکن اگر وہ ویٹ نام کی شرمناکیاں عربوں کے خون سے دھونا چاہتا ہے تو اس کی بھول ہے۔

جس خدائے حی و قیوم نے اسے ویٹ نام میں ذلیل و خوار کیا ہے وہ فلسطین اور عربوں کی سرزمین کو امریکہ اور اس کے تمام سامراجی عزائم کا قبرستان بنا سکتا ہے۔ امریکہ اگر اپنے اس رول پر نظر ثانی نہیں کر سکتا تو مسلمانوں کو تو اب اپنے اس ازلی دشمن (بشمول تمام مغربی اقوام) کے بارے میں محتاط ہو جانا چاہیئے۔

روس دوست نما دشمن اس سلسلہ میں روس کی پالیسی بھی ہرگز قابل تحسین نہیں۔ اور یہ ایک المیہ ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کو جانتے ہوئے بھی کسی نہ کسی طور پر کسی کافر کے جھوٹے سہارے لینے پر مجبور ہیں اور اس بنا پر عرب بھی کسی نہ کسی طور پر اپنے اس منافق اور دوست نما فریبی دشمن روس کے دامن کا سہارا لے رہے ہیں، مگر اسرائیل کے معاملہ میں امریکہ اور روس ایک ہیں، یعنی ایک اسلحہ فراہم کرتا رہا تو دوسرا یعنی روس اسلحہ چلانے کی افرادی قوت، روسی یہودیوں سے اسرائیل کی رونق بڑھانے میں پیش پیش رہا۔ اگر جنگ کا دار و مدار فریقین کے اسلحہ سپلائی کرنے پر موقوف نہ ہوتا اور اس دباؤ سے مجبور ہو کر عرب جنگ بندی قبول نہ کرتے اور محض خدائے حی و قیوم کی نصرت کے بھروسے پر سلامتی کونسل کی قرارداد کو مسترد کر دیا جاتا تو نتائج بلاشبہ بہتر ظاہر ہوتے۔ بہر حال عرب بلکہ تمام مسلمان جنگ کے میدانوں میں جیتی ہوئی لڑائیاں روس کے ہاتھوں مفاہمت اور مصالحت کے ہاتھوں پر ہار بیٹھتے ہیں اور یہ ایک عظیم المیہ ہے کہ مسلمانوں کو دھوکہ، فریب اور سیاسی عیاریوں پر مبنی "جنگ بندی" اور "امن" کے نام سے جن تباہیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس کا متفقہ طور پر انسداد ضروری ہے۔

جنگ کے اچھے نتائج جنگ کے اچھے نتائج میں سب سے بڑی بات عربوں اور مسلمانوں کا باہمی اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ عربوں کے بارہ میں کہا جاتا تھا کہ وہ کبھی متفق نہیں ہو سکتے مگر اس جنگ میں عربوں نے متحد ہو کر ہر قسم کی جتھہ بندیوں اور سیاسی وابستگیوں کو بالائے طاق رکھ کر امریکہ، اسرائیل اور سامراج دشمنی کا فیصلہ کیا۔ شاہ فیصل وغیرہ نے اسی جذبہ اسلامی و قومی کی بنا پر امریکہ اور ہالینڈ کو تیل کی سپلائی بند کر دی اور مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں کی ایک ہی آواز بلند ہوئی جو اسرائیل اور سامراج دشمنی عربوں کی حمایت اور ظلم پر احتجاج کی آواز تھی۔ اگر مسلمان اور عرب بھائی اسی جذبہ اتحاد و اخوت سے سرشار رہے تو دنیا کی کوئی طاقت

انہیں شکست نہیں دے سکے گی۔ یہی ہمارے تمام مصائب کا علاج اور ساری پریشانیوں کا مداوا ہے ورنہ اسباب و وسائل کی جو فراوانی مسلمانوں اور عربوں کے پاس ہے اس کا ہزارواں حصہ بھی اوروں کے پاس نہیں۔

عربوں کی بالادستی ایک اور بڑی بات اس لڑائی سے یہ پیدا ہوئی کہ اس نے عربوں اور مسلمانوں کا وہ احساس کمتری مٹا دیا جو پچھلی جنگ میں شکست کے بعد حوصلوں کی پستی، یقین میں تذبذب، عزائم میں تردد اور دوسری کئی نفسیاتی، نظریاتی اور عملی خرابیوں کا موجب بن رہا تھا۔ یہ زعم باطل اس جنگ میں عربوں نے خاک میں ملا دیا کہ اسرائیل ناقابل تسخیر ہے۔ ایک ہی حملے سے عربوں نے یہود کی کمر توڑ دی۔ ان کی دفاعی لائنیں عربوں نے خس و خاشاک کی طرح روند ڈالیں ایک ہی زقند میں جولان کی رکاوٹیں الٹ کر رکھ دیں۔ اور اگر امریکہ اپنے کرائے کے سپاہیوں اور اسلحہ سے میدان میں نہ آتا تو آج اسرائیل کا نام و نشان مٹ چکا ہوتا۔ کیا یہ جنگ خدا کی بیان کی ہوئی یہودیوں کی ابدی ذلت و رسوائی اور اس کی استثنائی صورت "الا بحبل من الناس" کا ایک اور ثبوت نہیں؟

خوشگوار ایمانی تبدیلی اس جنگ میں ایک دوسری خوشگوار تبدیلی جو محسوس ہوئی وہ عربوں کا پہلے کے مقابلہ میں زیادہ جوش و خروش سے انابت الی اللہ کا جذبہ تھا۔ خدا کی طرف رجوع اس سے طلب فتح و نصرت، اس کے دین اور نام کی بلندی کا جذبہ اور ولولہ، اپنی کوتاہیوں اور خامیوں پر اظہار ندامت اور اصلاح احوال کی سعی۔ یہ چیزیں مسلمانوں کے لئے فتح و عروج کا بنیادی سرچشمہ ہیں۔ بحمد اللہ اس جنگ میں صبر و ثبات کے ساتھ ذکر اللہ کا غلغلہ رہا اور تضرع و ابتہال کا بھی کہ یہ تو شکستگی اور خستہ حالی کا دور ہے۔

فتح مندی اور نیازمندی ہمارے اسلاف تو فتح و عروج کی معراج پر سرفراز ہو کر بھی بارگاہ ایزدی میں عجز و تسلیم کے اظہار اور مظاہرہ عبدیت میں غفلت نہیں برتتے تھے۔ فتح مکہ اور ایسے ہی بعض عظیم فتوحات تو سب کو معلوم ہی ہیں۔ اس بیت المقدس کو لیجئے جس میں بازیابی کا ہر مسلمان متمنی ہے مگر وہ جو ہماری عظمت رفتہ کی آبروتھی یعنی سلطان ابوالمظفر الملک الناصر صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۵۸۳ھ کی لیلۃ المعراج مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۱۸۷ء کو جب بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوئے اور پوری دنیا کے اتحادی کافروں سے اسے آزاد کرایا تو فاتحانہ مسرتوں کے باوجود خداوند کریم کی بارگاہ

میں ان پر عجز و نیاز بندگی اور سپردگی کا عجیب عالم طاری تھا۔

فتح صلاح الدین ایوبی کے بعد پہلا خطبہ بیت المقدس

اور چھوڑیئے صلاح الدینؒ کی تو شان ہی نرالی تھی۔ اس کے بعد اور گویا ایک صدی کے بعد ۴ شعبان کو جو پہلا جمعہ مسجد اقصیٰ میں سلطان صلاح الدینؒ کی موجودگی میں پڑھا گیا تاریخ میں ہے کہ گویا وہ دن یوم مشہود تھا۔ اس تاریخی جمعہ میں خطیب وقت قاضی محی الدین محمد بن زکی الدین علی القرشی تے جو خطبہ دیا اور اب جس پر ہماری غفلتوں اور خود فراموشیوں نے غفلت و نسیان کی تہ بر تہ غلاف چڑھا دیئے ہیں آیئے تاریخ کے سینہ سے نکال کر اس پر ایک نگاہ ڈالیں۔

الحمد لله معز الاسلام بنصره	ساری ستائش اپنی مدد سے اسلام کو
ومذل الشرك بقهره ومصرف	عزت دینے والی ذات کے لیئے ہے
الامور بامره ومديم النعم	جس نے شرک کو اپنی قوت سے ذلیل
بشكره ومستدرج الكفار	کیا جو اپنی مرضی سے تمام کاموں میں
بمكره الذى قدر الايام	تصرف کرتا ہے، جو نعمتوں کو شکر گزاری
دولا بعدله وجعل العاقبة	کے بدلے دوام دیتا ہے اور جو اپنی
للمتقين بفضله وافاء على	تدبیر و حکمت سے کافروں کو ڈھیل
عباده من ظله واظهر دينه	بھی۔ جس نے اپنی شان عدل کی بنا
على الدين كله القاهر فوق	پر اتار چڑھاؤ اور فتح و زوال کو گردش زمانہ
عباده فلا يمانع والظاهر	بنا دیا اور بالآخر بہتر انجام اور کامیابی
على خليفته فلا ينازع	پاکبازوں کے لیئے مقرر کر دی جس نے
والامر بما يشاء فلا يراجع	اپنے بندوں پر اپنا سایہ کر دیا اور
والحاكم بما يريد فلا يدافع	اپنے دین کو سارے ادیان پر غالب
فاحذروا عباد الله ——	کر دیا۔ وہ ساری مخلوق پر غالب ہے
لعدان شرفكم الله بهذا	کوئی اسے منع نہیں کر سکتا، نہ
الفتح الجليل والمنح الجزيل	کوئی روک ٹوک کر سکتا ہے۔ پس

وخصكم بنصره المبين
واعلق ايديكم بحبله المتين
ان تقترفوا كبيراً من
مناهيه وان تاتوا عظيما
من معاصيه فتكونوا
كالتي نقضت غزلها من
بعد قوة انكاثاً وكالذي
آتيناه آياتنا فانسلخ
منها فاتبعه الشيطان فكان
من الغاوين۔

والجهاد الجهاد فهو من
افضل عباداتكم واشرف
عاداتكم انصروا الله ينصركم
احفظوا الله يحفظكم اذكروا الله
يذكركم اشكروا الله يزدكم
وليشكركم خذوا في حسم الداء
وقطع شأفة الاعداء وطهروا
بقية الارض من هذه الانجاس
التي اغضبت الله ورسوله
واقطعوا فروع الكفر واجتثوا
اصوله فقد نادت الايام
بالثارات الاسلامية و
الملة المحمدية الله اكبر

اے اللہ کے بندو ڈرو اور محتاط رہو
جبکہ اللہ نے آپ کو اس فتح مبین
انعام عظیم اور اپنی نصرت و مدد سے
نوازا اور دین کی مضبوط رسی تمہارے
ہاتھوں میں تھما دی۔ خبردار! اب
اس کے منع کئے ہوئے کاموں کے
قریب نہ پھٹکنا۔ کہیں ایسا نہ ہو تم
منکرات اور معاصی کے پیچھے پڑ جاؤ
پس اس بڑھیا کی طرح ہو جاؤ گے
جو اپنے کئے کرائے پر خود پانی
پھیر دیتی ہے۔ یا اس شخص کی طرح
جسے خدا نے واضح نشانیاں دیں مگر
شیطان کے کہنے میں آکر اس نے
سب کچھ نظر انداز کر دیا اور گمراہوں
میں شامل ہو گیا۔

اے مسلمانو! الجہاد، الجہاد، کہ یہی
تمہاری بہترین عبادت اور اعلیٰ ترین
شیوہ حیات ہے۔ تم اللہ کی مدد
کرو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ شکر گزار
بن جاؤ۔ وہ اپنی قدر افزائی اور بڑھا
دے گا اور بیماری کو جڑ سے نکال پھینکو
اور خدا کی باقی زمین کو بھی کفر و شرک
اور ظلم و فساد کی ان غلاظتوں (کافروں)

فتح اللہ ونصر غلب اللہ　　　سے پاک کردو جس نے خدا اور اس

وقہر واذل اللہ من کفر　　　کے رسولؐ کو ناراض کردیا۔ کفر کی ساری

شاخیں کاٹ ڈالو اور اس کی پوری بیخ کنی بھی کردو کہ زمانہ اسلام اور ملت محمدیہ کا ہے اور وقت اسلامی فتح و عروج کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ اللہ بزرگ و برتر ہے۔ اللہ نے فتح و نصرت دی اور غالب ہوا۔ اور اللہ نے کافروں کو ذلیل و خوار کردیا۔"

—— مشرق وسطیٰ کا جہاد اب بھی جاری ہے اور جب تک ارض مقدس کو یہودیوں سے پاک نہیں کیا جاتا جاری رہے گا اور جب تک بیت المقدس کی بازیابی کی ذمہ داری سے اسلامیان عالم اسلام سبکدوش نہیں ہو جاتے بیت المقدس کی فضائیں کسی ایسے خطبہ کے لئے ترستی رہیں گی۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر والعزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین

اسرائیلی جارحیت اور اولین فریضہ

مملکت اردن کی سرحدات پر اسرائیل کی جارحانہ کارروائیوں، لوٹ مار، مال و جان کی تباہی اور نہتی آبادیوں پر وحشیانہ حملوں نے ایک بار پھر روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو اضطراب میں ڈال دیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ ہماری وقتی اور ہنگامی جزع فزع اور چند احتجاجی بیانات سے اس درندگی اور بربریت کا خاتمہ ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں۔ اس کا علاج تو صرف یہ ہے کہ محمد عربی علیہ السلام کے تمام نام لیوا مسلمان آپس میں متحد و متفق ہو کر کفار و اشرار کے مقابلہ میں ایک "بنیان مرصوص" (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کی طرح بن جائیں۔ آج ہم باطل اور سامراج کا قلع قمع یگانگت اور رشتہ اتحاد ہی کے ذریعے کر سکتے ہیں جو قومی اور علاقائی بنیادوں پر نہیں بلکہ بین الاقوامی اساس پر استوار ہو۔ ایک ایسی روحانی اساس جس کے آگے قوم، وطن، رنگ و نسل کی کوئی حیثیت نہیں۔ دنیا کی ایک مغضوب علیہ ذلیل اور خوار قوم "یہود" کے ہاتھوں ہماری بار بار پٹائی ؟ یہ تو قدرت کا ایک تازیانہ ہے کہ مسلمان بیدار ہوں۔ ملت کی خاطر اور محمد عربی علیہ السلام کے ننگ و ناموس کی لاج رکھنے کی خاطر ہم میں کچھ شعور

پیدا ہو۔ مگر افسوس ہماری خودی اور "انا" اب ایسی فنا ہو چکی ہے کہ سوائے وقتی شعور اور چند روزہ واویلا کے ہم آج تک کسی مثبت فیصلہ پر متفق بھی نہ ہو سکے کہ ہم کیا کریں ! اگر ہماری غفلت اور کوتاہی ملکی اور سیاسی خودغرضی اور دھڑے بندیوں کا یہی عالم اور ہمارا شیوہ صرف نالہ و شیون رہا تو کفر کا عفریت اور مغربی استعمار کا دیو اسی شدت سے کبھی اردن کی سرحدات پر حملہ آور ہوگا اور کبھی شام کی مقدس سرزمین پر مغربی طاغوت اور استعمار، کبھی اپنے پروردہ اژدہا "اسرائیل" کی شکل میں عربوں کے سینے پر لوٹتا رہے گا اور کبھی کفر اور ظلم کا یہ ناسور قبرص اور کشمیر کی شکل میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے سوہان روح بنا رہے گا۔ فهل من مدکر۔

اس بسیط ارض پر بسنے والے تمام مسلمان ایک گھرانے کے افراد ہیں۔ وہ گھرانا جو روحانیت اور اسلام کے رشتوں پر کھڑا ہے، اس گھر کے کسی فرد کو تکلیف پہنچنے سے سارے گھرانے کی بے چینی ایک واجبی اور طبعی امر ہے۔ خواہ وہ فرد فلسطین میں بستا ہو یا کشمیر میں۔ قبرص میں ہو یا اتھوپیا (حبشہ) میں۔ اس لحاظ سے یہود (خذ لهم الله و قبحهم) اور در پردہ ان کے مربی مغربی اقوام کے یہ ظالمانہ حملے صرف اردن و شام پر نہیں بلکہ پورے مسلمانوں کے لئے ایک چیلنج ہیں۔ یہ پورے کفر کی یلغار ہے اسلام پر اور پورے باطل کی للکار ہے حق کے خلاف۔ آج خالد بن ولیدؓ اور صلاح الدین ایوبیؒ کی پاکیزہ روحیں بے چین ہیں کہ کوئی اٹھے اور ایک بار پھر اپنی پرسوز "لے" اور جگر پاش نعروں سے غافل ملتِ محمدیؐ کو جھنجھوڑ کر رکھ دے۔ درد و سوز میں ڈوبی ہوئی وہ پکار جس کے ذریعے حضرت خالد بن ولید نے ایک بار گرتی ہوئی فوج کو سنبھالا دیا تھا ــــ

وا محمدا ــــ وا محمدا . ولا اسلام و المسلمین

رباط کی اسلامی کانفرنس

—— نوحہ اور ماتم کی نہیں عمل اور جہاد کی ضرورت ——

رباط میں ۲۶ مسلمان سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہوئی مگر صدیوں بعد ایک خواب شرمندۂ تعبیر ہوتے ہوتے رہ گیا۔ عالم اسلام کی نگاہیں اس پر لگی ہوئی تھیں اور سنہری امیدوں کے پل باندھے جا رہے تھے۔ ہم مغرب اقصیٰ کے دارالحکومت رباط کے اس اجتماع کو ایک لحاظ سے نیک فال سمجھتے تھے کہ رباط کے مفہوم میں اسلامی سرحدات کی حفاظت، دشمنان اسلام کی سرکوبی، اور جہاد کا تصور شامل ہے، کیا عجب کہ مومنانہ جرأت اور اخلاص و قربانی سے بھرپور فیصلوں کی وجہ سے نام کا یہ اشتراک واقعی معنوں میں جہاد اور رباط فی سبیل اللہ اور مسلمانوں کے باہمی ارتباط و تعلق کا موجب بن جاتا۔ کانفرنس کی جو تفصیلات اب تک سامنے آئی ہیں سیاسی تدبر اور فراست کے گھمنڈ میں حقائق کو دفن کرنے والے خوش فہمیوں کی کیا کیا عمارات کھڑی کریں مگر ہم جیسے "سطحی اور جذباتی ذہن" والے تو اس بارہ میں کلی مایوس ہو گئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ در پردہ کچھ ٹھوس اقدامات اور فیصلے طے پائے ہوں، اگر ایسا ہو تو یہ کانفرنس اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے سنگ میل ثابت ہو سکتی ہے، لیکن اگر اس ساری مجلس آرائی کا مقصد صرف چار بڑی طاقتوں سے ارض مقدس کی انخلا کی اپیل کرنا تھا اور بس، تو ہم اسے نہ صرف ناکام کہیں گے بلکہ اسے سقوط بیت المقدس کے بعد عالم اسلام کا سب سے بڑا المیہ قرار دیں گے۔

اپیل اور قرار داد نہیں صرف تلوار اور جہاد

اپنی تاریخ پر نظر ڈالئے عالم اسلام کا وہ کونسا مسئلہ ہے جو لچھے دار تقریروں اور الفاظ کے گورکھ دھندوں سے حل ہوا اور کونسی مصیبت ہے جو دشمن اور اس کے حریف کافر طاقتوں سے منت سماجت کی اپیلوں سے ٹل گئی ہو۔ کفر جو سارے کا سارا ملت واحدہ ہے طاقت اور عمل کی زبان سمجھتا ہے مگر اسے معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمان اور ان کے قائد اور حکمران صرف قوال ہیں۔ ان کے ضمیر اور دل و دماغ ان کے نظریاتی اور عملی قویٰ کو یورپ

کی ذہنی اور سیاسی غلامی نے مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ اسلام، ایمان اور جہاد کے جذبہ سے سوچنے والے سوتے خشک ہو گئے ہیں۔ ان کے بازو شل ہیں۔ وہ صرف زبان سے تلوار کا کام لینا چاہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ اٹھ سکتے ہیں تو صرف روس اور امریکہ سے بھیک مانگنے کے لئے۔ ان کا دماغ اگر سوچتا ہے تو سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کے زاویۂ نظر سے، دنیا کی محبت اور موت کی نفرت نے ستر کروڑ مسلمانوں کے اس جمِ غفیر کو ارشاد نبوی ؐ غثاءٌ کغثاء السیل (سیلاب کی جھاگ) کا مصداق بنا دیا ہے۔ ان کے یہ شاہانہ کرّوفر والے سلاطین اور بادشاہ، طمطراق والے حکام اور صدور میدان سیاست کے شاطر وزراء اور بھاری بھر کم مندوبین کفر کے مقابلے میں کھوکھلے ڈھول ہیں جن کی قلعی اب رباط کانفرنس نے کھول دی ہے۔ انہوں نے اپیل کی تو تلوار سے نہیں۔ کفر و الحاد کے چار بڑے سربراہوں سے اور باہمی امور کو طے کرنے کا اعلان کیا تو کتاب و سنت کی روشنی میں نہیں بلکہ اقوام متحدہ کے منشور کے تحت اور اس طرح ان سب کے ہاتھوں رباط کے چوراہے پر عالم اسلام کی عظمت کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اِنّا للہ و انا الیہ راجعون۔

رباط کانفرنس اور قدرت کے تازیانے

رباط کے حسین ترین ہوٹل میں ستر کروڑ مسلمانوں کی قسمت کے مالک جمع تھے۔ ادھر اسرائیل عین اسی موقع پر اسلامی ممالک کی سرحدات پر اپنی جارحانہ کارروائی تیز کر کے ان کی غیرت کو للکار رہا تھا اور بالکل اسی موقع پر بھارت کی برہمن صیہونیت کے ہاتھوں احمد آباد کی گلیاں اور بوہرے مظلوم اور بے کس مسلمانوں کے معصوم خون سے لالہ زار بن رہی تھیں۔ اس خون کی فراوانی بلاشبہ ان رنگین مشروبات سے ہزار گنا زیادہ تھی جو رباط کے راؤنڈ ٹیبل پر گردش کرنے والے جام و سبو میں چھلک رہے تھے۔ ان رنگینیوں میں مدہوش سربراہان عالم اسلام کو خونِ مسلم کی قدر و قیمت کا کیا احساس ؎

تو داغ جگر را چہ شناسی کہ نہ بود ست
جز از مئے گلرنگ بہ داماں تو داغے

اسرائیل کے سانحہ سے ہماری غیرت بیدار نہ ہوئی۔ مسجد اقصیٰ کی آگ سے ہماری قساوت نہ پگھل سکی تو قدرت کے غیبی ہاتھوں نے ہمیں ایک جگہ پر جمع کر کے ایک اور بھرپور اجتماعی تازیانہ احمد آباد کی شکل میں لگایا۔ ادھر ذلیل یہودیوں کی طنز و تشنیع سے بھرپور نشتروں کے ذریعہ ہماری رگِ

حمیت بھڑ کانی چاہی۔ پھر کیا ہم نے باطل سے پنجہ آزمائی کا فیصلہ کیا۔ کفر سے جہاد کرنے کا اعلان کیا۔ ظالم اسرائیل کے پشت بانوں کو للکارا۔ ان سے سفارتی اور مادی تعلقات توڑنے کا فیصلہ کیا، ان کی کفن کش اقوام متحدہ سے نکل کر اپنی ایک اقوام متحدہ بنانے کا فیصلہ سوچا پھر سخت سے سخت الفاظ میں مذمت کی قرارداد پاس کی ؟ یہ سب کچھ نہ ہوا۔ نہ جذبہ جہاد بیدار ہوا۔ نہ ہم علاقائی مصالح اور سیاسی مفادات سے دست برداری پر آمادہ ہوئے —— تو کیا صرف ایک اپیل ہی ہماری تمام رسوائیوں کا مداوا بن سکے گا، ہرگز نہیں —— یاد رکھئے لٹی ہوئی عزت، عصمت اور عظمت رفتہ بھیک سے کبھی بھی واپس نہیں ہو سکی۔ اس کے لئے تو ایمان اور ملی حمیت سے بھرپور اور مفادات یا خطرات سے بالاتر ہو کر ایک آخری فیصلہ کی ضرورت تھی۔ اگر رباط میں یہ فیصلہ ہو جاتا تو ہماری قسمت بدل جاتی۔

نوحہ خوانوں کا ایک ٹولہ مگر واحسرتا کہ تمہاری قسمت صرف واویلا اور نغمہ آرائی رہ گئی ہے تم کبھی فلسطین پر ماتم کرتے ہو تو کبھی کشمیر کی مرثیہ گوئی کبھی مسجد اقصیٰ کی آگ میں جل رہے ہو تو کبھی احمد آباد کے طوفان خاک و خون میں تڑپ تڑپ کر مر رہے ہو۔ حیف صد حیف اس قوم پر جو فیصلہ کن اور بھرپور عمل سے عاری ہو کر نری نوحہ خوانوں کا ایک ٹولہ بن کر رہ جائے۔ رباط کے سربراہو! وہ دیکھو فلسطین کے لٹے پٹے مسلمان اور احمد آباد کے آگ اور خون میں جلنے والے تمام مظلوم بھائی غازی صلاح الدین ایوبی کی آواز پر یک زبان ہو کر تمہیں طعنہ دے رہے ہیں۔ "کہ ہمیں آپ کی زوردار تقریروں اور پر جوش الفاظ کی نہیں فولادی بازو اور اسلحے کی ضرورت ہے۔" یہ سطور پڑھ کر یاس و قنوط کا الزام دھرنے والو بیشک تم اب کسی دوسری رباط کانفرنس کا انتظار کرو مجھے تو صرف امام مہدی کا انتظار ہے کہ شقاوت اور بدبختی کا یہ محراب صرف اس مرد مومن کے آہنی ہاتھوں سے ٹوٹ سکتا ہے۔

لبنان کی صورتحال

لبنان میں عارضی جنگ بندی ہو چکی ہے۔ مگر نہیں کہا جا سکتا کہ اونٹ آگے چل کر کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ لبنان ۹، ۱۰ ماہ سے آتش فشاں بنا ہوا ہے۔ بیس بیس مرتبہ صلح ہوتے ہوتے ٹوٹ گئی اور جب بھی مسلمانوں کا پلہ بھاری ہوا ایک نئی عارضی صلح وجود میں آئی بتیس لاکھ کی مختصر آبادی والے ملک میں بارہ تیرہ ہزار افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ اور بیروت کے عشرت کدوں میں لنڈھائی جانے والی شراب کی مانند لبنان کی گلیاں انسانی خون سے رنگین ہیں۔ مسئلے کا حل کوئی عارضی صلح نہیں کہ مسلمانوں کو مستقل بنیادوں پر اس ظلم و استبداد کا حل تلاش کرنا ہو گا جس کی چکی میں تقریباً نصف صدی سے لبنان کے مسلمان پس رہے ہیں اور ایک گونہ لبنانی مسلمانوں کو اب تک اس غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے جو وہ خلافتِ عثمانیہ کے بارہ میں کر چکے تھے۔ موجودہ بحران وقتی نہیں بلکہ عیسائی دنیا کے ایک طویل المیعاد منظم منصوبے کی کڑیوں کا ظہور ہے۔ ۱۹۱۹ء میں لبنان کے ایک کلیسا میں فرانسیسی زبان میں لکھی ہوئی ایک رازدارانہ تحریر ملی جو فرانس کی عیسائی حکومت کی طرف سے عیسائی زعماء اور کارکنوں کے نام مخفی طور پر تقسیم کی گئی تھی۔ یہ گویا دس نکاتی منشور تھا جس میں طاقت کے تمام ذرائع تفریحی اور سیاحتی انتظامات، فوجی ملازمتوں پر قبضہ، ریزرو بندرگاہوں کی تعمیر، ادبی اور فکری محاذ پر کنٹرول، سیاسی صورت حال پر گرفت کی تلقین کی گئی تھی۔ اور یہ یقین دہانی بھی کہ دنیا کی تمام عظیم طاقتیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔ کہا گیا کہ لبنانی قومیت کا مسئلہ نہایت اہم ہے۔ اس میں بڑی ہوشمندی اور باریک بینی کی ضرورت ہے۔

اس منصوبہ کے تحت ۱۹۳۲ء میں سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے پہلی دفعہ مردم شماری کرائی گئی، مسلمانوں میں خوف و ہراس پھیلا کر انہیں مردم شماری سے فرار پر مجبور کیا گیا۔ نتیجۃً لبنان کی عیسائی اقلیت، اکثریت قرار پا گئی۔ اور مسلمان اکثریت کو کافر اقلیت کے رحم و کرم

پر چھوڑ دیا گیا۔ اور نظامِ حکومت دستور وغیرہ میں مسلمان ایک محکوم و بے بس قوم ہو کر رہ گئی ۔ چالیس برس گزر گئے مگر لبنان کے عیسائی متسلطین مسلمانوں کی دوبارہ مردم شماری کرانے کا مطالبہ ماننے پر تیار نہ ہو سکے ، مسلمان عیسائیوں کے رحم و کرم پر رہے اور اب جب پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تو طاؤس و رباب پھینک کر شمشیر و سنان اٹھانے پر مجبور ہوئے ۔ ادھر سامراجی اقوام تاک میں تھیں کہ کسی طرح اسرائیل کو لبنان میں فوج کشی کا بہانہ مل سکے اور ایک اور اہم عرب علاقہ اسرائیل کے تسلط میں چلا جائے یا کسی عیسائی سٹیٹ کے قیام کی شکل میں یہ مقصد پورا کیا جائے ۔ اس جنگ میں عیسائی عرب علانیہ اسرائیل کے آلۂ کار بنے رہے اور اس طرح یہود و نصاریٰ نے کھل کر اسلام دشمنی کا ایک بار پھر متحدہ مظاہرہ کیا ۔ اسرائیل امریکہ کے نئے ہتھیاروں سے مہیب فوجی طاقت بن چکا ہے ۔ اور اس بار وہ عیسائیوں کی مدد سے عربوں سے سرزمینِ عرب ہی پر زور آزمائی کرنا چاہتا ہے ۔ اور لبنان ان کے لئے نہایت بہتر محاذ ہے ۔ اس طرح یہ مسئلہ لبنان کے دو فریقوں کا نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کی ملی بھگت اور اسرائیل و امریکہ متحدہ اسلام دشمنی کا ہے ۔ الکفر ملۃ واحدۃ ۔ اس جنگ نے عرب قومیت کا بت لبنان کے چوراہوں میں پاش پاش کر دیا ہے مسئلہ اسلام اور کفر کا نہ ہوتا تو لبنان کے دونوں فریق (مسلمان اور عیسائی) اس حد تک کیسے پہنچتے ، مسئلہ اسلام اور کفر کا ہے ۔ ادھر امریکہ کی صیہونیت نوازی کا یہ عالم ہے کہ جب اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے بھاری اکثریت سے اسرائیل کو ایک نسل پرست گروہ قرار دیا ۔ (اور یہ عالمی سطح پر قرآنِ کریم اور نبی کریم ﷺ کے ایسے واضح ارشادات پر مُہرِ صداقت بھی تھا) تو اسرائیل سے بھی زیادہ اس فیصلہ پر امریکہ چیخا چلایا یہاں تک کہ قرارداد کے حق میں ووٹ دینے والے ممالک کو امداد بند کرنے کی دھمکیاں بھی دیں اور آج ہی دمِ تحریر امریکہ نے عدل و انصاف حیاء اور شرافت کے تمام تقاضوں کو پائمال کرتے ہوئے سلامتی کونسل کی اس قرارداد کو ویٹو کر دیا جس میں آزاد فلسطین ریاست کے قیام کی سفارش کی گئی تھی ۔ ان حالات میں لبنان کے مسئلہ پر عالمِ اسلام کی سرد مہری یا کسی مصالحاتی فارمولے پر تیار ہو جانا ملی خودکشی سے کم نہیں ہو گا ۔ اب مصالحت نہیں بلکہ لبنان کے مسلمانوں کو ان کے اصل حقوق دلانے کا سوال ہے ۔

شام کا کردار اس مسئلہ میں نہایت پامردی کا رہا ہے۔ لیبیا اور مراکش انہی سامراجیوں کو نبی کریم علیہ السّلام کے سوانگ بھرنے (العیاذ باللہ) کی اجازت دے کر فلمیں بنوا رہے ہیں اور اسے اسلام کی خدمت سمجھتے ہیں۔ مصر طویل مراقبہ میں ہے۔ شاہ فیصل مرحوم جیسی مؤثر فعال اور مؤمن شخصیت تہ خاک ہے۔ اب معلوم نہیں ایسے معاملات میں ایک ارب مسلمانوں کا جم غفیر اور اُن کے سربراہوں کے طویل طویل کانفرنسوں کے مؤثر نتائج کس دن سامنے آئیں گے؟ (جنوری ۱۹۸۱ء)

اتحاد عالم اسلام

اسلامی سربراہ کانفرنس

لاہور کی مسلم سربراہ کانفرنس ایک ایسا اقدام ہے، جس پر موجودہ حکومت ہزار مخالفتوں کے باوجود بھی لائقِ تحسین ہے۔ گو کانفرنس سے عالمِ اسلام کے حق میں کسی بڑے اور اہم انقلابی فیصلے کی امیدیں وابستہ کرنا قبل از وقت سہی مگر مضمرات محرکات اور پاکیزہ مقاصد کی بناء پر مسلمان سربراہوں کا اتنا بڑا اجتماع بذاتِ خود ایک بڑی کامیابی ہے اس لئے کہ یہ اجتماعیت اور اتحادِ ملی کا احساس اجاگر ہونے کی ایک واضح علامت ہے اور مسلمانوں کے لئے ایک روشن مستقبل کی غمازی کر رہا ہے۔ مسلمانوں کا باہمی ربط و اتحاد اور ملی و فکری یک جہتی ایک ایسی چیز ہے جسے ہر دور میں مسلمانوں کی فتح و عروج اور بقاء و سالمیت میں ریڑھ کی ہڈی جیسا مقام حاصل رہا ہے۔ قرآن و حدیث اول تا آخر مسلمانوں کو اس اتحاد و اجتماعیت کا سبق اور باہمی افتراق و انتشار تحزب اور انشقاق سے پرہیز کی تلقین سے لبریز ہیں۔ اسلام مشرق و مغرب کے مسلمانوں کو جسدِ واحد اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار سے تعبیر کرتا ہے۔ بنیانِ مرصوص، اسنان المشط اور جسدِ واحد سب اسی تعلیمِ اتحاد کی تمثیلات ہیں تمام حکماء اسلام اور نورِ ایمانی سے سرشار اصحابِ بصیرت علماء عارفین اور مؤرخین نے تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی فتح و عروج اور ذلت و ادبار کا سبب اسی اتحاد یا افتراق کو قرار دیا ہے۔

افتراق و انتشار میں دشمنوں کا حصہ دشمنانِ اسلام نے پہلے ہی دن اس راز کو پا لیا تھا۔ اور عہدِ نبوی کے بعد افتراق و انتشار پیدا کرنے کے لئے سیاسی، فکری، نظری اور علمی میدانوں میں کوئی حربہ ایسا نہ چھوڑا، جسے مسلمانوں پر نہ آزمایا گیا جس کی وجہ سے فکری کجروی، نظریاتی گمراہی پر مبنی ہزارہا فرقوں اور جماعتوں کا ظہور ہوا اور الحاد و زندقہ، کفر و شرک، زیغ و فساد کا کوئی شعبہ نہ تھا، جو آئے دن مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال اور افتراق و انشقاق میں مزید اضافہ نہ کرتا گیا ہو۔ بالخصوص یہود و نصاریٰ نے اس حربے کو خوب خوب استعمال

کیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ خلافتِ عثمانیہ کی شکل میں رہی سہی اجتماعیت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دی گئی، قوم و وطن اور رنگ و نسل کے نام پر مسلمان لڑائے گئے، خلافت کا شیرازہ بکھرا اور اس کے چھوٹے چھوٹے اضلاع الگ الگ ریاستوں میں تبدیل کر دیئے گئے۔ نتیجۃً مسلمان دنیا کی ایک فاتح سرخرو اور بالادست قوم ہونے کے باوجود اغیار کے دریوزہ گر اور دشمنوں کے رحم و کرم پر رہنے اور خوشی خوشی طوقِ غلامی پہننے والی قوم بن کر رہ گئے، اور یہ وہ قوم تھی جسے قدرت نے بے پناہ وسائلِ رزق، گوناگوں خزائن، بے حساب معدنیات، زمینی قوتوں، پٹرول، سونا، فولاد تک سے بے تحاشا مالا مال کر دیا تھا۔ افرادی لحاظ سے وہ دنیا کی ایک عظیم قوت تھی، جغرافیائی اتصال و ارتباط کے لحاظ سے بھی چین سے لے کر کاشغر تک وہ زمین کے لئے ناف اور دنیا کے لئے دل کی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر یورپ نے آپس میں لڑا کر ان کے وسائل کو غنیمت، سلطنتوں کو جاگیر اور افراد کو غلام بنا لیا وہ ہماری تمام جوہری توانائیوں کو حاصل کرتا اور ہمیں باہمی جنگ و جدال کے نتیجہ میں چار و ناچار اپنے ہی دامن میں پناہ لینے پر مجبور رکھنے لگا کہ ہم گرتے پڑتے اسی کے گھر پر دستک دیتے رہیں۔ اس سے اسلحہ کا سوال کریں اور اپنی خام قوتوں سے بنے ہوئے جنگی ہتھیار کو سود در سود دے کر ایک دوسرے کے خلاف استعمال کریں۔ اور یہ یورپ کا ایک ایسا شیطانی چکر ہے جس میں آزادی کے باوجود آج تک مسلمان پھنسے ہوئے ہیں۔ ورنہ یورپ میں بالادستی کی کوئی ایسی بات نہ تھی۔ وہ اس صنعتی انقلاب پر فخر نہیں کر سکتا جو انسانوں کو انسانوں سے لڑانے کا ذریعہ اور طبقاتی مسائل پیدا کرنے کا اہم سبب ہے اور جس کی ساری صنعتیں ایشیا اور افریقہ کے خام مواد پر موقوف ہیں اس کی صنعتی اور جنگی بالادستی مسلمانوں کے پٹرول کی مرہون ہے۔

رہ گئی مادی ترقی وہ بالآخر انسانوں کے نہ ختم ہونے والی ہوس و حرص اور خواہش و شہوت کی پرستش پر مبنی تہذیب و تمدن کا ذریعہ بن گئی، نتیجۃً انسان ایک غیر مہذب، غیر فطری چوپایہ تو بن گیا انسان نہ رہا۔ ظاہر ہے کہ ایسی تہذیب و تمدن بھی یورپ کی بالادستی کا نہیں زیر دستی کا ذریعہ بننا چاہیئے تھا۔ لیکن مسلمان اور افریشیائی اقوام پھر بھی زیر دست اور مجبور و مقہور ہے۔ ذلت و ادبار ان کے مقدر کی چیز نہ تھی، لیکن اسی افتراق و انتشار اور

باہمی جنگ و جدال نے انہیں غیروں کا لقمۂ تر بنائے رکھا۔ اور یہی وہ اصل بیماری ہے جس کی وجہ سے ہر مسلمان ملک آج بھی کسی نہ کسی سطح پر داخلی اور خارجی بحرانوں میں مبتلا ہے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کا المناک سبق تو تازہ ہی ہے۔ صوبے صوبوں سے اور علاقے علاقوں سے ٹکرا رہے ہیں۔ ایران اور عراق آپس میں برسرِ پیکار ہیں۔ مصر و لیبیا کا اتحاد معرضِ وجود میں آتے آتے رہ جاتا ہے۔ افغانستان اور پاکستان سرد جنگ میں مبتلا رہتے ہیں۔ مسلم اقلیتیں غیر مسلموں کے ہاتھوں پٹ رہی ہیں۔ قبرص جل رہا ہے۔ فلسطین تڑپ رہا ہے۔ کشمیر نالہ کناں ہے، تھائی لینڈ اور فلپائن کے مسلمان سسک رہے ہیں۔ وسطِ ایشیا کے بچے کھچے اسلامی آثار بھی مٹ رہے ہیں۔ بھارت کے کروڑوں مسلمان بے دست و پا ہیں۔ عرب عجم سے بدگمان اور عجم عربوں سے کبیدہ خاطر ہیں۔ ظھر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس۔

اسبابِ عروج و زوال کا اجتماعی جائزہ ایسے حالات میں مدتوں بعد اجتماع لاہور کی شکل میں روشنی کی ایک کرن عالمِ اسلام کے افق پر نمودار ہوئی تو کتنی مسرتوں، دلولوں اور شادمانیوں کی بات ہوگی۔ بلاشبہ ایسے اجتماعات ہونے چاہئیں اور مسلمانوں کو درپیش موجودہ مسائل کے ساتھ ساتھ ہمیں اجتماعی طور پر اپنے عروج و زوال، فتح و شکست اور ذلت و پستی کے اسباب کا کھوج بھی لگاتے رہنا اور ساتھ ہی خرابی اور بربادی کا مداوا بھی کرنا چاہیئے۔

ارضِ مقدس بلاشبہ اس اجتماع میں عربوں کے مسائل کو اوّلین مقام حاصل ہونا چاہیئے۔ مٹھی بھر یہودیوں کا اسرائیل استعمار کے بل بوتے جسدِ اسلام میں ایک خنجر اور ایک رِستا ہوا ناسور بنا ہے۔ اسرائیل مسلمانوں کی طرف سے کسی بھی رواداری کسی بھی مصلحت، کسی بھی چشم پوشی یا نرم رویہ کا مستحق نہیں بلکہ اس بارہ میں ہمارا اسوہ حضور نبی کریمؐ کی زندگی کا قول اور عمل ہونا چاہیئے، کہ ابھی ہتھیار نہیں رکھے تھے کہ جبرائیلؑ کی اطلاع پر یہود کا پوری طرح قلع قمع کرنے کے لئے دوبارہ مستعد ہو گئے۔ اور وفات کے وقت بھی آخری وصیت یہی تھی کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیجئے، کہیں انہیں قدم جمانے کا موقعہ نہ ملے اور ارشادِ ربانی یہی تھا کہ وقاتلوھم حتّٰی لا تکون فتنۃٌ

جب تک فتنۂ کفر کی پوری بیخ کنی نہ ہو تمہیں آرام کرنے کا حق نہیں بلکہ تمہیں لڑتے رہنا ہے۔

بیت المقدس کی بازیابی ہمارے دین ہماری غیرت ہماری عظمتِ رفتہ کی بحالی کی بات ہے۔ اس سے کم کوئی بات قبول کرنا اسلامی سربراہوں کے لئے خود کشی کے مترادف ہونا چاہیئے۔ لیکن ارضِ مقدس اور فلسطین کے ساتھ ساتھ قبرص و فلپائن اور کشمیر بھی نگاہوں سے مستور نہیں رہنا چاہیئے۔ ساری دنیا کے کافر ملکوں میں مسلم اقلیتیں بیشمار مسائل سے دوچار ہیں اور کہیں تو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا، اسلامی زعماء کو اس کا بھی حل تلاش کرنا ہوگا۔

اتحاد کا اصل سر رشتہ اتحاد اور باہمی ارتباط کے لئے ضروری ہے کہ مادی اور ظاہری تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں۔ مشترکہ فوجی ہائی کمان، باہمی تجارتی و معاشی تعلقات مشترکہ منڈی، اپنی ایک الگ مسلم جمعیۃ الاقوام، مسلم خبر رساں ایجنسیاں، غیر سودی بنیادوں پر اسلامی بنک کا قیام، یہ اور اس قسم کی ہزاروں چیزیں ہیں جو مسلمانوں کی ترقی و بقاء اور سالمیت کے لئے نہایت ضروری ہیں اور اس پر اتحاد و ربط کی بنیادیں استوار ہو سکتی ہیں۔ مگر مسلمانوں کے اتحاد کا اصل سر رشتہ ان تمام مادی اور ظاہری باتوں سے بڑھ کر جن غیر محسوس اور روحانی چیزوں پر ہے وہ ہے ایمان کی پختگی اور اسلام کی راستبازی اور اس سے صحیح اور کامل شکل میں وابستگی یہ روح اور عقیدے کا رشتہ ہے جو ابدی اور لازوال ہے۔ ہمیں اگر صحیح معنوں میں کبھی جوڑا ہے یا جوڑ سکتا ہے تو وہ یہی رشتۂ ایمان و اسلام اور اتحاد قلب و نظر ہے جس کے مقابلہ میں پوری زمین اور اس کی ساری قوتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

اتحاد کے لئے مادی نہیں ربانی اسباب کی ضرورت جو لوگ اتحادِ فکر و نظر کو مادی چشموں سے دیکھنے اور اسے جسمانی آرٹ و کلچر کے زاویوں سے ناپتے رہتے ہیں وہ ہمیشہ غلطی پر ہیں۔ الفت و محبت اور اجتماع و ربط کے اسباب مسلمانوں کے اولین عہدِ سعادت میں بھی مادی نہیں ربانی اور خدائی تھے۔ حضور نبی کریمؐ کو مخاطب کرکے فرمایا

گیا۔ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ ایمان و اسلام کو ذریعہ الفت بنا دیا۔ اور آگے صرف زمینی اور مادی قوتیں نہیں بلکہ تمام و ما فی الارض کی حقارت بھی کسی طرح واضح کرا دی کہ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم۔ مسلمان مشرق کا ہو یا مغرب کا۔ لا الہ الا اللہ کہنے اور اسلام اور عقیدہ کے اتحاد کے بعد کسی دوسرے کلچرل اور ثقافتی معاہدے کا محتاج نہیں عقیدہ کا استحکام اس اتحاد کو غیر فانی دوام بخشتا ہے۔

اس لئے ایسے اجتماعات اور کانفرنسوں میں اس بنیادی ایمان کی تجدید اسلام کی تعمیل اور اس سے اپنی وابستگی کو غور و فکر کا بنیادی مسئلہ بنانا چاہیئے۔

عالم اسلام کی فکری و نظری گہرائیوں کا محاسبہ | نظریاتی بنیادوں کی تطہیر و استحکام اس کے لئے قرآن اور قرآنی تعلیمات کو عام کرنے اسلامی تعلیمات کو اپنی تعلیم و تربیت کی پالیسیوں کا محور بنانے پر غور کرنا چاہیئے، نوجوان نسل دین سے دور ہوتی اور ان کے دل و دماغ پر اغیار کی گرفت مضبوط ہوتی جا رہی ہے۔ اور اسلامی معاشرہ ہر جگہ مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب کی زد میں ہے۔ عقائد و نظریات کو اوہام و خرافات شک اور تذبذب کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اسلام کی نظریاتی سرحدات میں دخل اندازی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے کچھ لوگ نئی نبوتوں کا علم اٹھا کر پورے عالم اسلام اور دنیا میں ملتِ مسلمہ کا شیرازہ منتشر کرنے کے درپے ہیں اور وہ ملت کے اتحاد کے لئے ضربِ کاری بنے ہوئے ہیں۔ کوئی مسلمانوں کے معاش و اقتصاد کا رشتہ اسلام سے توڑنا چاہتا ہے تو کوئی اخلاق و افکار کا، کوئی سیاست کی گاڑی مدینہ طیبہ سے موڑ کر امریکہ اور روس کی طرف دھکیلنا چاہتا ہے تو کوئی اسلام کا نظامِ عدل یورپ کی لعنتی جمہوریت کے خراد پر چڑھا رہا ہے۔

یہ اور اس طرح وہ تمام باتیں جو امتِ مسلمہ، ابراہیمی ملت کے رشتۂ اتحاد "ملت" کو نقصان پہنچانے والی ہیں۔ اسلامی سربراہوں کے غور و فکر کا مرکز نہ بن سکیں تو نہ مسائل ختم ہو سکیں گے نہ بیماری کا علاج ہو سکے گا۔ عالم اسلام کو جلد یا بدیر محض اعزاز و اکرام کے طور پر سہی کسی مرکزی شخصیت اور مرکزی لیڈر کے بارہ میں بھی سوچنا پڑے گا۔ جو خلیفہ اور خلافت ختم ہونے سے پیدا ہونے والی خلاء کی کچھ تو تلافی کر سکے اور مسلمانوں کی مرکزیت کا ذریعہ بن سکے۔

عربی زبان کی اشاعت و فروغ اور اسے باہمی اتحاد کا ایک بنیادی ذریعہ قرار دینا بھی وقت کے اہم تقاضوں میں شامل ہے۔ یہ اور اس طرح کی بے شمار چیزیں عالم اسلام کے لئے ایسے باہمی اتحاد کا ذریعہ بن سکتی ہیں جو پائدار، مستحکم اور غیر فانی ولازوال ہو۔

ہماری دعا ہے کہ لاہور کی بین الاقوامی کانفرنس اعلیٰ سے اعلیٰ اور زیادہ سے زیادہ مثبت نتائج کا ذریعہ ثابت ہو اور نہ صرف پاکستان بلکہ پورا عالم اسلام اس کی برکات سے مالا مال ہو اور خدا اسے دشمنوں اور اغیار کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھ کر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کردے۔ آمین ـــ وما ذالك على الله بعزيز ـــ (فروری۔مارچ ۱۹۷۴ء)

علاقائی اور لسانی عفریت

حیدرآباد پر کیا گزری۔ مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں بے آبرو ہوئے، جل گئے اور لٹ گئے اس سے پہلے ڈھاکہ میں ملکی اور غیر ملکی کے نام پر یہی کچھ ہوا ان فی ذلك لذكرى لمن كان له قلب او القى السمع وهو شهيد۔ پاکستان جس نام پر بنا تھا۔ اس کے لئے مہاجرین نے گھر بار اور عزت وعصمت لٹائی اور انصار نے سب کچھ نثار کردیا مگر ۲۲ سال میں وہ چیز سامنے تو کیا آتی پس پردہ ڈال دی گئی۔ نتیجۃً وہی ہوا کہ پاکستان خاکم بدہن ریت کا تودہ ثابت ہونے لگا۔ اگر دعوے اور عمل میں تضاد نہ ہوتا اور قول میں سچائی ہوتی تو پاکستان اور اسلام کا ایک عظیم قلعہ ثابت ہوتا۔ اصلها ثابت وفرعها فى السماء مگر اب تو اس کی عمارت على شفا جرف هار (کھائی کے گرتے ہوئے کنارے پر) دکھائی دیتی ہے کروڑوں مسلمانوں نے ملک و وطن کو خیر باد کہا۔ ادھر کی ہجرت کی اب بنگال انہیں ٹکنے نہیں دیتا۔ سندھ انہیں مار رہا ہے، سرحد پر پختونوں کا دعوے ہے۔ پنجاب پہلے سے گنجان ہے تو لیلائے پاکستان پر لٹ مرنے والوں کا ٹھکانہ کیا ہوگا۔ کچھ اب تک اس کی پاداش میں احمد آباد اور گجرات میں جل رہے ہیں اور جو ادھر آئے اب علاقائی قومی اور لسانی عفریت کی نذر ہو رہے ہیں

اتحاد کا ارضی نہیں سماوی نسخہ قرآن نے تو اتحاد و یگانگت کا ایک ہی نسخہ تجویز کیا تھا کہ وہ ہیں اسلام اور دین کے علائق، مگر وہ رسّی تو اپنے ہاتھوں سے کٹتی چلی گئی۔ اب روئے زمین کی کوئی طاقت، کوئی مادی سہارا، کوئی خوشنما اقتصادی پروگرام اور کوئی دلکش علاقائی اور قومی نعرہ اس کی شیرازہ بندی نہیں کر سکتا۔ قرآن نے اپنے رسول کو خطاب کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا۔ لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم کہ اگر تو دنیا کا ہر مادی قرینہ، منصوبہ اور نعرہ کام میں لگا دیتا، تب بھی انہیں یکجا نہ کر سکتا۔ یہ تو صرف اللہ نے انہیں (دین اور اسلام) کی رسّی سے باہم جکڑ دیا ہے۔ اب جب رسول کے بس کی بات نہ تھی کہ دنیا اور اس کے سارے وسائل لے کر بھی اپنی امت کو یکجا کر دیتے ہیں جب تک اس کا ذریعہ اللہ اور اس کے بھیجے ہوئے دین کو نہ بناتے تو موجودہ دور کے علاقائی، اقتصادی اور سیاسی نعرہ بازیوں کا نتیجہ موجودہ ہولناک مثالوں کے سوا اور کیا ظاہر ہو سکتا ہے

(جنوری ۱۹۷۱ء)

مسلمان اپنی مردم شماری میں اوروں کے دستِ نگر

اخبارات میں مسلمانوں کی کل تعداد کے بارہ میں پھر بے سروپا قسم کی خبریں آئی ہیں۔ جن میں مسلمانوں کی تعداد کو دنیا کی کل آبادی تین ارب اکتیس کروڑ نوے لاکھ میں سے صرف پچاس کروڑ چوراسی لاکھ بہتر ہزار بتلا کر اسے چھٹے نمبر پر دکھایا گیا ہے جبکہ عیسائیوں کی مرکزی ویٹی کن سے شائع شدہ ان اعداد و شمار میں عیسائیوں کی تعداد سب سے زیادہ بتلائی گئی۔ یورپی اقوام کے علمی اور تحقیقی کام بھی سیاست اور خود غرضی سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور ہمارا دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کی یہ تعداد اصل تعداد سے بہت کم دکھائی گئی ہے۔ جس سے مقصود مسلمانوں کو عددی لحاظ سے مرعوب اور احساسِ قوتِ برتری سے محروم کرنا ہے۔ تاکہ یورپ کی برتری اور تفوق کا غلط تصور اس کے استعمار و استحصال کی راہ کھولے رکھے۔ کچھ عرصہ قبل ایک مسلمان رہنما امیر شکیب السلان مرحوم نے اپنے حد تک تحقیق کر کے اس عیاری کی قلعی کھولی تھی۔ اور ثابت کیا تھا کہ مسلمانوں کی تعداد تقریباً ایک ارب ہے، پھر شائع ہونے والی خبریں خود بھی متضاد ہوتی ہیں، ۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء

کے اخبار کوہستان میں مسلمانوں کی مجموعی آبادی ۹۵ کروڑ اور ایک ارب کے درمیان بتلائی گئی ہے۔ مسلمانوں کی یہ بدقسمتی کہ اپنے اعداد و شمار تک کے کام کی توفیق بھی خود انہیں نہیں ہوسکتی اور غیروں کی تحقیقات پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ کیا سعودی عرب کی رابطہ عالم اسلامیہ یا مصر کی مجمع البحوث الاسلامیہ مسلمانوں کی کچھ رہنمائی کر سکے گی؟

اسلام اور امن وسلامتی

تاشقند کانفرنس بخیر وخوبی منعقد ہوئی اور دو ہمسایہ ملکوں کے تعلقات اور امن وسکون کی بحالی کے اعلان پر ختم ہوئی۔ امن وسلامتی اور باہمی صلح و خیر سگالی سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ پھر مسلمان جس کے دین وکلچر کی بنیادیں ہی امن وسلامتی پر استوار کی گئی ہیں جس کا مذہب امن وسلام کا علمبردار اور ظلم وفساد، تباہی و بربادی کی ظلمتوں میں سرگرداں انسان کے لئے ابدی سکون وچین پیغامبر بن کر آیا۔ تمام مذاہبِ عالم میں صرف اسلام ہی کا طغرائے امتیاز ہے۔ کہ اس کے مذہب کا نام اسلام وایمان (سلامتی اور امن) رکھا گیا اور اس کے پیرو کو مسلم اور مومن (سلامتی اور امن دینے والا) کے پیارے ناموں سے پکارا گیا۔ پھر وہ نہ صرف بے چین انسانیت کو اس کی فانی زندگی میں صلح و آشتی کے پرسکون لمحات سے نوازتا ہے بلکہ حقیقی اور غیر فانی زندگی کی دائمی مسرت و شادمانی کا بھی ضامن ہے۔ مسلمانوں کو بدترین دشمن کے بارے میں بھی تعلیم دی گئی ہے کہ فَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (اور اگر یہ لوگ صلح پر مائل ہوں تو تو بھی مائل ہوجا اور اللہ پر بھروسہ کئے رکھ) تو ظاہر ہے کہ اسلامیانِ پاکستان کو اس اعلان سے کتنی خوشی ہوگی۔ اور امن وسلامتی عزیز رکھنے کے لئے اس قوم کے جوش اور ولولوں کا کیا عالم ہوگا۔

صلح وامن کا موقع ومحل مگر امن وسلامتی سے محبت کے باوجود اسلام وایمان کا علمبردار ایک مومن ومسلم امن وسلامتی، تحمل و رواداری کا پرچم تب لہراتا ہے۔ کہ اس کے غصب کئے گئے

حقوق واپس کر دیئے جائیں - اور اس کے پیدائشی بنیادی حقوق سے نہ کھیلا جائے اور جب تک دنیا کے کسی کونے میں اس کے عظیم مسلم خاندان کے کسی حصہ کو امن و سلامتی کی نعمت سے محروم کر کے استبداد و غلامی میں جکڑا جائے گا۔ تو ایک مسلمان اللہ کی تلوار بن کر اس تک نیام میں نہ ہوگا۔ جب تک ملتِ مسلمہ اپنے مجبور و بے کس بھائیوں کو ان کا پیدائشی حق امن و سلامتی، آزادی و حق خود ارادی نہ دلا دے۔ اس کی نگاہ میں قومی عزت و خودداری اور ملی وقار سب سے مقدم چیز ہے

باب ۱۶

پاکستان کا سیاسی و آئینی بحران

اسلام کی ایک تجربہ گاہ کفرانِ نعمت کی زد میں

وطنِ عزیز مملکتِ اسلامیہ پاکستان آج جن حالات سے دوچار ہے اس کی سنگین نزاکتوں کو سوچتے سوچتے قوی ماؤف اور حواس بجا طور پر معطل ہو جاتے ہیں، پاکستان اسلام کے نام پر تمام مادی، وطنی، علاقائی اور جغرافیائی جذبات اور احساسات کو قربان کرنے کی سب سے بڑی مثال تھی اور گزشتہ کئی صدیوں میں اسلام کے نام پر اس کے نام لیواؤں کی مال، جان اور عزت و آبرو کی سب سے بڑی قربانی، ذرا سوچیے تو پچھلے دو سو برس سے ہمارے اسلاف نے غلامی کا جُوا اتار پھینکنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ یہ آزادی ان لامثال قربانیوں کا صلہ تھی جس کی صبح کے انتظار میں ان گنت ستاروں کا خون ہو چکا تھا۔ مگر اتنی عظیم نعمت کا ہم نے کیا شکریہ ادا کیا۔؟ ہم نے قدرت کی دی ہوئی اس عظیم الشان نعمت کی ہر طرح اور بڑی بے دردی سے ناقدری کی، اخلاق، سیاست، معاشرت، تمدن، معاشیات اور تعلیم و تہذیب وہ کون سا میدان تھا جس پر ہماری شکر گزاری کی پرچھائیں تک پڑ چکی ہو۔

آزادی کے بعد غلامی ہم نے آزاد ہوتے ہی منزلِ مقصود سے منہ پھیر لیا اور نتیجہ میں ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ کے چوراہے تک پہنچ گئے۔ ہم نے غلامی سے نجات پا کر خدائے حی و قیوم کے بتلائے ہوئے راستوں کو چھوڑا اور بنی اسرائیل کی طرح اجعل لنا الٰھًا کما لھم اٰلھۃ۔ کا نعرہ لگایا اور اپنی آس امریکہ برطانیہ، روس، چین سے لگا بیٹھے۔ اسلامی نظریہ چھوڑ کر باقی ہر لحاظ سے جس ملک کا خمیر اور تانا بانا افتراق اور انتشار کی بنیادوں پر اٹھایا گیا تھا، اسے ہم ایمانی رشتوں اور اسلامی بندشوں سے ہی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا سکتے تھے مگر ہم نے اس ایمانی زنجیر پر کتنی کاری ضربیں لگائیں اور بالآخر یہ ظلم اور ناقدری

فلسفہ عروج وزوال اقوام کے عین مطابق او یلبسکم شیعاً و یذیق بعضکم بأس بعض کی شکل میں سامنے آگئی ہے

گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافاتِ عمل غافل مشو

شامتِ اعمال ما صورت نادر گرفت — اِنَّ بطش ربّک لشدید

خداوند کریم کا اعلان ہے کہ شکر گزاری مزید انعامات کا سبب بنتی ہے۔ لئن شکرتم لأزیدنّکم

مگر آہ! حرمان نصیبی کہ جو سرزمین اسلام کے لئے ایک تجربہ گاہ — معمل — اور اقوامِ عالم کے لئے اس مادیت زدہ دور میں ایک مثالی عادلانہ ریاست بن سکتی تھی وہ ہماری مقصد فراموشیوں کی وجہ سے آج تماشا گاہِ عبرت بن گئی ہے۔ اور ناشکری کا وبال سامنے نظر آنے لگا ہے۔ ولئن کفرتم انّ عذابی لشدید۔

قرآنی فلسفہ عروج وزوال | لوگ ان حالات کے اسباب اور محرکات ظواہر میں ڈھونڈھتے ہیں، مگر مسلمان کی نگاہ ظاہر سے زیادہ باطن پر رہنی چاہئیے — مسلمان قوم اگر کھوج لگانا چاہے تو قرآنِ کریم کا فلسفہ عروج وزوال ایک کھلی ہوئی اور بولتی ہوئی حقیقت اس کے سامنے رکھ دیتی ہے — آزادی کے بعد کیا فرد اور کیا معاشرہ، کیا رعایا اور کیا حاکم، کیا قوم اور کیا لیڈر، سب کا ضمیر احساسِ امانت سے عاری ہو گیا اور جس کی زیادہ تر ذمہ داری حکمران طبقے پر رہے گی۔ الناس علیٰ دین ملوکھم۔

نااہل قیادت | صحیح قیادت جو کبھی مسلمانوں کو میسّر تھی وہ مفقود ہو گئی اور اور دیانت دار قیادت کی جگہ جذباتیت اور بددیانتی نے لے لی۔ پُرفریب نعروں سے اقتدار کی ہوس رکھنے والوں اور عوام کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانے والوں نے خالی میدان پر شبخون مار کر اپنی لیڈری کی دوکان آراستہ کر لی اور قوم کو اس گھاٹ تک پہنچایا فاوردھم النار وبئس الورد المورود — قوم نے انتخابات میں دونوں حصوں میں جو فیصلہ کیا وہ ایسی قیادت کا ایک ہولناک اور

غیر طبعی ردِّ عمل تھا۔

قیامِ پاکستان اور بزرگوں کے اندیشے ہمارے علمی، اخلاقی اور فکری افلاس امانت، دیانت، تدبیر، اخلاص اور عمل سے عاری گھناؤنی تصویر کو دیکھ دیکھ کر کچھ اللہ والوں نے ایمانی فراست سے موجودہ نقشہ قائم کرنے کی اگر مخالفت کی تھی تو وہ ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کی ہرگز مخالفت نہ تھی۔ بلکہ شاید ان کی عقابی نگاہیں ایمان کی روشنی میں ہمارے موجودہ کردار اور اطوار کو بھانپ گئی تھیں۔ پھر ان کے جو اندیشے اور خدشے تھے کیا ایک ایک کفلق الصبح الصادق[1] نہیں ہوئے؟۔ آج مقبوضہ کشمیر کے وزیرِ اعلیٰ جی ایم صادق کو یہ کہنے کی جرأت ہو رہی ہے کہ "دو قومی نظریہ ایک فریب تھا۔" اس نے یہ بھی کہا کہ پاکستان میں اب جو واقعات پیش آرہے ہیں وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہم نے بھارت سے اپنی قسمت وابستہ کر کے انتہائی صحیح فیصلہ کیا تھا — کاش! ہمارے پاس عمل کی دنیا میں آج ایک ایسی قوت ہوتی کہ اتنا تلخ طمانچہ لگانے پر اس کے ہاتھ کاٹ سکتے۔ ہم اس کی زبان نوچ کر دنیا کو سمجھاتے کہ دیکھئے دو قومی نظریہ ایک زندہ جاوید حقیقت ہے۔ اور ایسی حقیقت کو جھٹلانے والے کتنے عیار ہیں۔ مگر آہ! ہم جواب دیں تو کیا۔ اور ان حالات تک پہنچانے میں خراجِ تحسین پیش کریں تو کس کو — صحیح جواب تو تاریخ دے سکے گی کہ دو قومی نظریہ ایک فریب تھا یا حقیقت —

پاکستان کی حُرمت مگر اب پاکستان بن چکا ہے تو ہم اسے ایک زندہ جاوید حقیقت دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ ہمارے لئے کعبہ و قبلہ کی طرح محترم ہے، ہم اس کی کسی ایک اینٹ کو بھی اپنی جگہ سے الگ نہیں کرنا چاہتے۔ یہ برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں کی امیدوں کا آخری سہارا ہے، مسلمانوں کے خون اور

---

[1] صبح کا پو پھٹنے کی طرح۔

ہڈیوں سے تعمیر کی گئی یہ مسجد مقدس کب تخریب اور بربادی کی روادار بن سکتی ہے۔ ہم مسلمان ہیں، اور ہم پاکستانی ہیں، جو لوگ اس نعمتِ خداوندی کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں خواہ ان کا تعلق مغرب سے ہو یا مشرق سے وہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کے قاتل بننا چاہتے ہیں۔ ہم پاکستان کے ہیں اور پاکستان ہمارا۔ اس کی حفاظت اور بقاء کے لئے اپنی ہر متاع قربان کرنا ہمارا مذہب اور ہمارا دین ہے۔

سالمیت اور بقاء کا راستہ اور یہ صرف اور صرف اس لئے کہ یہ کروڑوں مسلمانوں کی پناہ گاہ اور اسلام کی حاکمیّت کے نام پر حاصل کی گئی سرزمین ہے اور جب تک یہاں اللہ کی حکمرانی قائم نہیں ہو گی، پوری قوم کا اجتماعی ضمیر مردہ رہے گا۔ دنیا کی قومیں ہماری مقصد فراموشی کا مذاق اڑاتی رہیں گی۔ ہم اللہ کے ہاں اپنی مسئولیت سے عہدہ برآ نہیں ہوں گے۔ ہماری یہ مصیبتیں عافیت اور راحت سے نہیں بدلیں گی۔ اگر ہمیں لوٹنا ہے تنزّل سے ترقی اور افتراق سے اتحاد کی طرف تو اللہ کی اسی رسی کو مضبوطی سے تھام کر ہی اپنی شیرازہ بندی کر سکتے ہیں جسے تھام کر ہم نے پاکستان کو پایا۔ آج اگر اسے بچانا ہے تو اسی سبق کی طرف لوٹ جاؤ۔ پناہ صرف اللہ کے دامن میں مل سکتی ہے۔ آج ہماری حالت علیٰ شفا حفرۃ من النار کی ہے۔ کاش! یہ حالات ہمارے لئے سبق بن سکیں ـــ خاکم بدہن اگر ہم نہ سنبھلے اور ہمارا رہا سہا شیرازہ بکھر گیا تو پاکستان کی تباہی برصغیر کے مسلمانوں کے لئے تاریخ کی سب سے بڑھ کر تباہی ثابت ہو گی۔ خلافتِ عباسیہ کے زوال، مسجدِ اقصیٰ کے سقوط اور فتنۂ تاتار و ہلاکو سے بڑھ کر ـــ المیہ ـــ! اس لئے کہ بظاہر اس کے بعد برصغیر کے تقریباً بیس[۲] کروڑ مسلمانوں کو کہیں بھی پناہ گاہ نہ مل سکے گی اور اسلامی دنیا کے نقشہ پر کسی اور اسپین اور روسی ترکستان کے دھندلے اور مٹے ہوئے نقوش ابھر آئیں گے ولا فعلھا اللہ کذٰلک۔ ان اللہ لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم۔ آج پھر قرآنِ کریم ہم سب کو مشرق اور مغرب کے ہر باشندے کو ببانگِ دہل

کہہ رہا ہے وما اصابکم من مصیبۃٍ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر۔ یہ چند بے ربط اور ناتمام درد انگیز نالے ہیں جو آج کی فرصت میں پیشِ قارئین کئے گئے ؎

اند کے پیشِ تو گفتم غمِ دل و ترسیدم
که تو آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

ربنا لا تؤاخذنا بما فعل المترفون والسفہاء منا ان ھی الا فتنتک۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃً للقوم الظالمین ونجنا برحمتک من ھذا الکرب العظیم۔ ۱۰ اپریل ۱۹۷۱ء

نقضِ میثاق

جس ارفع و اعلیٰ مقصد کے لئے ہم نے اللہ سے ایک الگ خطہ مانگا تھا اور جس کے لئے اپنے لاکھوں مسلمان بھائیوں کو شہید کرایا۔ ہزاروں عصمتیں لٹوائیں، کروڑوں گھر اجاڑے اور تقریباً سات کروڑ مسلمانوں کو ظالم اور سفاک ہندو کے رحم و کرم پر زندہ درگور چھوڑ کر پاکستان چلے آئے اور جس کی پاداش میں اب بھی بھارت کی گلیوں کوچوں میں بہنے والا خونِ مسلم پانی سے زیادہ فراوان و ارزاں ہے وہ مقصد کوئی جغرافیائی یا وطنی اور معاشی ہرگز ہرگز نہ تھا۔ جو لوگ ایسا کہہ رہے ہیں وہ اجڑنے اور لٹنے والے ان عاشقانِ پاک طینت کے ارواحِ طیبہ کا منہ چڑا رہے ہیں جنہوں نے پاکستان کے مطلب و معنیٰ لا الٰہ الا اللہ کی خاطر اپنا سب کچھ لٹایا۔ اپنی معصوم اولاد کو تہ تیغ ہوتے دیکھا۔ بہنوں، بیٹیوں، ماؤں کی عصمتوں کے آبگینے ان کے سامنے چور چور ہوتے رہے۔ مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی بلکہ جوش اور ولولے اور تیز ہوتے گئے۔ اس لئے کہ ان کا منزل اور مقصد ایک ایسی مملکت کا حصول تھا جہاں حاکمیت صرف خدا اور اس کے رسولؐ کی ہوگی۔ وہاں کی معاشرت و معیشت، تہذیب و تمدن اور حاکمیت و سیاست شریعتِ محمدیہؐ کی ترجمان ہو گی وہاں ظلم و استبداد اور استحصال کا نہیں بلکہ عدالتِ فاروقیؓ، سیاستِ صدیقیؓ، استغناء عثمانیؓ،

اور زہد و قناعت مرتضویؓ کا دور دورہ ہوگا۔

اللہ تعالٰی نے ہمیں وہ سرزمین دے دی، جو مقصد نہیں بلکہ حصولِ مقصد کا وسیلہ تھا۔ مگر ہم نے اللہ تبارک وتعالٰی کی اس عظیم ترین نعمتِ آزادی کو جس بے دردی سے پائمال کرتے ہوئے جس ناشکری کا مظاہرہ کیا اس کی نظیر فرعون کے ظلم وستم سے نجات پانے والے اسرائیلیوں کے علاوہ اقوامِ عالم میں کہیں اور نہیں مل سکے گی۔ انہوں نے گوسالہ پرستی کی، ہم نے نفس اور خواہشات میں مغلوب ہوکر ان گوسالہ پرستوں کی ملعون تہذیب وتمدن (تہذیبِ مغرب) کو اپنا معبود ومقصود بنالیا۔ اور اس راہ میں تہذیبِ اسلامی اور اخلاقِ ایمانی کی ہر رکاوٹ کو سنگِ گراں سمجھ کر راستہ سے ہٹانے کی سعی کی، شعائر اللہ کی توہین، اسلامی اقدار سے فرار، منکرات کی ترویج، معروفات پر پابندی، اسلام کے نظامِ عدل وانصاف سے گریز، غرض وہ کون سی بات ہے جو ۲۳ سال کے اس طویل عرصہ میں ہمارے سیاست دانوں اور برسرِ اقتدار ٹولوں کا مشغلۂ شب وروز نہیں بنی۔

اتنا طویل عرصہ بہت بڑی مہلت ہے جو خداوندِ کریم نے اس خود فراموش اور خدا فراموش قوم کو دیا۔ اتنے ہی عرصہ میں اس قوم کے آقا اور مولیٰ نبیٔ عربی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوری دنیا کی کایا پلٹ دی تھی۔ جاہلیت کے اندھیرے عدل کی روشنی میں بدل گئے تھے اور انسانیت کو قعرِ مذلت سے اٹھاکر اوجِ کمال تک پہنچا دیا گیا تھا۔ اتنے ہی عرصہ میں انسانیت کو خداوندِ کریم نے کتاب وسنت کی شکل میں شریعتِ بیضاء کی ایک ایسی دولت دی جو قیامت تک اس کی ہر مصیبت کا مداوا ہر پریشانی کا حل اور ہر مشکل کا جواب بن سکتی ہے۔ یہ نسخۂ کیمیا بحیثیت مسلمان اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلام ہونے کے ہمیں بنا بنایا مل گیا۔ ہم چاہتے تو ایک ہی سال میں اس کی روشنی سے اپنے نوزائیدہ حکومت کو اقوامِ عالم میں ایک بلند ترین مثالی اور معیاری نمونہ کے طور پر پیش کرسکتے تھے۔ آج وہ نہ صرف بھارت کے مظلوم مسلمانوں کے لئے ایک خدائی حصار ثابت ہوتا بلکہ عالمِ اسلام کے کسی بھی گوشہ

میں ظلم و عدوان کے شکار مسلمان بھائی اسے ظالم اور انسانیت دشمن طاقتوں کے لئے ایک چیلنج سمجھتے۔ وہ نہ صرف یہود کی للکار کا جواب اور قبرص کی مصیبتوں کا علاج ہوتا۔ بلکہ پوری ایشیا کی انسانیت اس کے سہارے سکھ اور چین کا سانس لے سکتی۔ کیا شریعتِ محمدیہؐ کے اسی الہامی نسخہ نے اپنی یہ سچائی تاریخ کے مختلف ادوار میں نہیں دکھائی ۔۔؟

مگر ہم نے کیا کیا ــــ؟ ہر دغا باز ظالم اور منافق کے سنہری دعوؤں پر لبیک کہتے رہے اور اسے اقتدار اور "آئین" کے بام پر بٹھا کر اپنی ذلت اور خود فریبیوں کا تماشا دنیا کو دکھلاتے رہے، ہم نے ظالم کو ظلم کا موقع دیا اور اپنے ہاتھوں شریعتِ محمدیہؐ آئین اسلامی کے اجراء اور نفاذ کی امیدوں کا ایک ایک چراغ بجھانا چاہا ــــ مگر ہمیں اس کی سزا بہت کچھ مل چکی ہے اور قدرت نے ہماری بے سروسامانی پر رحم کھا کر ہمیں بہت بڑی مہلت دی ہے ــــ (اگست ۱۹۶۷ء)

۱۹۷۰ء کے انتخابات یا نہر طالوت

بحمداللہ ملک میں پہلی دفعہ آزادانہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات مکمل ہوئے اور قومی و صوبائی اسمبلیاں تشکیل پذیر ہوئیں۔ قوم نے جیسے سمجھا اپنا فیصلہ صادر کر دیا۔ انصاف کی حدود کو قائم رکھنے میں موجودہ حکومت کافی حد تک کامیاب رہی، اور اس طرح اس نے پاکستان کی تاریخ میں ایک اچھا نمونہ قائم کر دیا۔

انتخابات اور قوم کے جذباتی عاجلانہ فیصلے قوم کی اکثریت نے جو فیصلہ دیا ہے اس کی بھلائی یا برائی بھی جلد سامنے آجائے گی۔ اس فیصلہ کے محرکات اور اسباب نہایت گہرے اور عمیق تھے، مگر جو راستہ اختیار کیا گیا اس میں شک نہیں کہ قوم کی اکثریت نے اس سلسلہ میں جذباتی پن اور سطحیت کا مظاہرہ کیا ہے، پریشانی، تذبذب، فکری انتشار اور مشکلات کے جس چوراہے پر ہم کھڑے تھے خود غرض سیاست دانوں نے

اس سے پورا فائدہ اٹھایا اور ایک سنہری زندگی کے نشہ میں مخمور کر کے جس طرف چاہا مسلمانوں کو دھکیل دیا۔ حالات اور محرکات ہر لحاظ سے اصلاح طلب تھے، مگر بیماری کا علاج جس نسخہ میں ڈھونڈا گیا ہے اس کی ہلاکت آفرینی بھی جلد آشکارا ہو جائے گی۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے اس طرح پورے معاشرے پر ایک بھرپور تازیانہ لگایا ہے۔ اور ظاہری سیلاب کے جس رَو کی لپیٹ میں مشرقی پاکستان چند دن قبل آچکا تھا انتخابات کی شکل میں ایک روحانی اور فکری سیلاب آیا اور غور و تدبر اصابت رائے، سنجیدگی اور متانت کے تمام آثار کو بہا کر لے گیا۔ مگر یہ فیصلہ جتنا جذباتی اور عاجلانہ ہے اتنا پریشان کن نہیں کہ حالات سدھرنے سے مایوسی اختیار کی جائے سطحی فیصلے اور جذباتی نعرے بہت جلد اپنی اصلی شکل میں اجاگر ہو کر تدارک اور تلافی کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہاں کی اکثریت ہر حال میں اپنی نجات اور کامیابی کا راستہ وہی سمجھ رہی ہے جسے چودہ سو سال قبل نبی امی علیہ السلام نے روشن فرمایا ہے۔

منافقانہ کردار اور قیادت یہ شکست اس عقیدہ اور نظریہ کی نہیں ہے، جس پر مسلمانوں کے دین اور ملت کی عمارت اٹھائی گئی ہے اور اگر فتح ہے تو اس اختلاف و انتشار کی جسے قوم کے رہنماؤں نے اپنا شیوہ بنائے رکھا، ان کھوکھلے نعروں کا جو عمل سے ہم آہنگ نہ تھے۔ ان منافقانہ دعوؤں کی ہے جس سے کردار جوڑ نہیں کھا رہا تھا، جن لوگوں نے ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں اسلام اور مسلمانوں کو مشق ستم بنا بنا کر اس موڑ تک پہنچا دیا تھا، ان کے منہ سے اسلام اور نظریۂ پاکستان کے نعرے نہیں جچتے تھے۔ قوم نے اگر انتقام لیا ہے تو ایسی منافقانہ قیادت سے، اور بغاوت کی ہے تو ایسے پیشہ ور سیاست دانوں اور آزمائے ہوئے قائدین سے۔ بے شک قوم کے سامنے اسلام اور یقین کی روشنی بھی رکھی گئی، مگر دوسری طرف ایسے نعرے

لہ اور صد افسوس کہ نتائج کا یہ تلخ ترین جام پوری قوم کو بہت جلد ہی پینا پڑا (س ح)

تھے جو نہایت جاذب ہونے کے ساتھ ساتھ اسلام کے ملمع چڑھانے کی وجہ سے دو آتشہ تاثیر رکھتے تھے۔ حقیقت ایک بار پھر نگاہوں سے چھپ گئی اور قوم ظلم و عدوان کے ایک اندھیرے سے نکل کر نئی تاریکی میں ڈوب گئی۔

تاریکی کے یہ بادل چھٹ سکتے ہیں اور مسلمان بڑی آسانی سے اپنی لیلائے مقصود اسلامی نظامِ حیات سے ہمکنار ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ اسلامی درد رکھنے والے طبقے اور ملک و ملّت کے خیر خواہی کا جذبہ رکھنے والے لیڈر اب بھی کچھ سبق سیکھ لیں اور جن اسباب نے ناکامی کا منہ دکھایا ہے اس کی اصلاح اور تلافی کے لئے اپنی ساری قوتیں مجتمع کر لی جائیں اگر وہ اتحاد و یگانگت، خلوص و للّٰہیت، ایمان و یقین اور عمل و اخلاص کا ہتھیار لے کر ایک بار پھر میدان میں کود پڑے تو دیکھیں گے کہ پوری ملّت ان کی دعوت پر لبیک کہہ رہی ہے۔

انتخاباتِ ۱۹۷۰ء نہرِ طالوت اس انتخاب کی حیثیت ایمان و یقین کے لئے ایک نازک ترین آزمائش کی تھی، بہت سے لوگ اور جماعتیں اس سے سرخرو ہو کر نکلیں اور کافی لوگ اس نہرِ طالوت میں ڈگمگا کر پھسل گئے۔

علماءِ حق کی مخلصانہ کوششیں ہمیں خوشی ہے کہ علماءِ کرام کی ایک عظیم نمائندہ جماعت اور طائفہ حق جمعیۃ العلماء اسلام اس امتحان میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر مردانہ وار میدان میں کود پڑی اور دعوتِ حق، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور تواصی بالصبر والحق کا حق ادا کر دیا۔ الیکشن کے مختصر عرصہ میں جمعیۃ العلماء اسلام کے رضاکاروں اور اس سے وابستہ لاکھوں مسلمانوں نے جس بے جگری، پامردی اور استقامت کے ساتھ دین کی آواز اور اسلامی آئین کی قدر و قیمت و اہمیت ملک کے دور دراز علاقوں تک پہنچائی اس کا عشرِ عشیر بھی پاکستان کی طویل زندگی میں نہیں ہو سکا سخت آزمائشوں، مقابلوں اور اپنوں پرایوں کی ستم کاریوں کا خندہ پیشانی اور صبر و حوصلہ سے سامنا کر کے اپنے مشن کو عوام تک پہنچایا اور اس طرح دنیا و آخرت میں فرض کی ادائیگی اور اللہ کی بارگاہ میں سرخروئی کا سامان کر کے اپنے اکابر کی نیابت کا حق ادا کیا گیا۔ نتائج اللہ کے ہاتھ میں ہیں ——

ویفعل اللہ ما یشاء مگر جس دین کے یہ لوگ منادی تھے اس کے ہادی و رہبر نے انہیں سبق سکھایا ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ کی راہ میں کوئی عمل، کوئی قول اور کوئی محنت ضائع اور رائیگاں نہیں جاتی۔ اور الحمدللہ کہ ظاہر لحاظ سے بھی آج جمعیتہ کے اکابر ناکام نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام کا جھنڈا بلند رکھنے کے لئے بہت سے ممتاز اور اکابر علماء ایوان اقتدار میں پہنچ کر لاالہ الااللہ کی اذان کے لئے کمربستہ ہیں، سارے مسلمانوں کی نگاہیں ان پر لگی ہیں اور آس بندھ گئی ہے۔

۱۹۷۰ء کا معرکہ حق و باطل اور ہمارے اکابر قانون ساز اسمبلی کی اہمیت اور حالات کی نزاکت کو دیکھ کر بہت سے ایسے اکابر علماء بھی اس خارزار میدان میں کود پڑے جو بظاہر درس و تدریس، وعظ و تبلیغ، اصلاح و ارشاد کے مشاغل میں سخت مصروف اور اس میدان سے کوسوں دور تھے۔ مگر وقت کی آواز تھی کہ جس فریضہ کی ادائیگی مسجد و محراب مدرسہ و خانقاہ کے گوشۂ عافیت میں ہو رہی ہے۔ اب اس کی ادائیگی کے لئے حق و باطل کی رزم گاہ میں بھی کودنا چاہیئے۔ یہی وجہ تھی کہ دارالعلوم حقانیہ کے مہتمم و شیخ الحدیث، ماہنامہ الحق کے سرپرست حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ بھی دیگر اجلّہ اکابر کی طرح ضعف اور گوناگوں علمی و دینی مشاغل کے باوجود اکابر کے اصرار اور مسلمانوں کے پیہم تقاضوں اور دینی مسئولیت کی بناء پر مجبوراً آئین ساز اسمبلی کے لئے انتخاب میں شامل ہونے پر آمادہ ہوئے۔ حالات جیسے بھی پیش آئے اور مقابلہ بیک وقت کئی محاذوں پر جتنا بھی شدید ہوا، مگر اسباب و وسائل کی کمی کے باوجود خداوند قدوس نے اپنے دین کی لاج رکھ لی۔ اور بحمد اللہ عزّوجل حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ عظیم اکثریت سے کامیاب ہوئے، اس سلسلہ میں مقابلہ جتنا نازک تر ہوتا جا رہا تھا حلقۂ انتخاب کے غیور مسلمانوں کی اکثریت کا جذبہ مومنانہ، اخلاص و محبت اور ہر قسم مادی تعلقات کی قربانی اور ایثار بھی اتنا ہی بڑھتا جا رہا تھا جو یقیناً بارگاہِ ایزدی سے صد ہزار تبریک و تحسین کا مستحق بنے گا۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا محض اللہ کی رضا کے لئے اور نہ صرف اسی حلقہ میں بلکہ شمال مغربی سرحدی علاقہ کے اکثر غیور اور دیندار مسلمانوں

نے اسی جذبہ سے ہر تحریک ہر نظریہ اور ہر دلفریب نعرہ کو ٹھکرایا اور علمائے حق کی آواز پر لبیک کہہ کر پورے پاکستان کے مسلمانوں کی لاج رکھ لی۔

نازک اور محتاط ذمہ داریاں الحمد للہ کہ جمعیۃ العلماء اسلام کے ان بزرگوں کو خدا نے ایوانِ اقتدار میں اسلامی آئین کے لئے جد و جہد اور حق کی آواز بلند رکھنے کا ایک زرّین موقع عطا فرمایا ہے۔ مگر جس صورت میں قانون ساز اسمبلی تشکیل پذیر ہوگئی ہے اسکے ہوتے ہوئے معاملہ نہایت نازک دکھائی دیتا ہے۔ اور ان حضرات کو نہایت حزم و احتیاط، تدبر اور مؤمنانہ فراست سے قدم اٹھانا اور آئین کے سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ مسلمانوں اور ان کی متحد جماعتوں اور نمائندوں کو اعتماد میں لینا ہوگا۔ عظیم تر مفاد اسلامی آئین کی خاطر فروعی اور جزوی یا وقتی اختلاف سے بھی درگزر کرنا پڑے گا۔ اسمبلی سے باہر مختلف مکاتبِ فکر کے علماء اور جماعتوں کو بھی بلا کسی تعصب و تحزب کے ان حضرات کی پشت پناہی کرنا ہوگی۔

توقع ہے کہ جمعیۃ العلماء اسلام کے اکابر، علماء کرام اور دیگر اسلامی جماعتوں کے نمائندوں سے مشورہ کے بعد اسلامی آئین کا جو مسودہ اسمبلی میں پیش کریں گے اسمبلی میں غالب اکثریت حاصل کرنے والی جماعتیں بھی اس مسودہ کی بھرپور حمایت کریں گی۔ ورنہ ان کی اسلامیت اور اسلامی نعروں کی قلعی عوام پر کھل جائے گی۔ اور اگر کوئی ایسا آئین و دستور قوم کے سامنے رکھا گیا جسے اسمبلی میں پہنچنے والے ملک کے ان معتمد جید اور ممتاز علماء کی تائید حاصل نہ ہو سکی ہو تو مسلمانوں کی اکثریت اسے ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہ کر سکے گی۔ ہم ان تمام اکابر علماء کے اس عظیم ذمہ داری کو نباہنے کے لئے دست بدعا ہیں، اور ملک کے لاکھوں مسلمانوں کے ساتھ مبارکباد میں شریک ہیں اور بارگاہِ ایزدی سے متوقع ہیں کہ اسمبلی کی بہت بڑی اکثریت میں اہلِ حق کی اس مختصر جماعت کو سارے ایوان پر بھاری بنا کر اپنے ارشاد کم من فئۃٍ قلیلۃٍ غلبت فئۃً کثیرۃً باذن اللہ کا مصداق بنا دیں گے۔

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔ (جنوری ۱۹۷۱ء)

امتحان اور آزمائش

اس وقت جب کہ بدقسمتی سے وطنِ عزیز نظریاتی اور فکری انتشار کے ایک چوراہے پر کھڑا ہے، ۷۰ء کے انتخابات کا یہ سنہری موقعہ اپنے جلو میں خطرات کا ایک طوفان بھی لئے ہوئے ہے، ان حالات میں ملک و ملت کی کشتی کو منجدھار سے نکال کر اور تلاطم خیز طوفانوں سے بچا کر سالمیت اور عافیت کے کنارے تک پہنچانا وقت کی ایک نازک ترین ذمہ داری ہے جسے ملک کے تمام اربابِ سیاست معاملہ فہم قائدین، ذی شعور عوام بالخصوص عظمتِ اسلام کے علمبردار علماء اور اسلام کے نام لیوا تمام مسلمانوں کو نباہنا ہے۔ نمائندہ حکومت کے قیام تک کا یہ عرصہ ان تمام لوگوں کے اخلاص، تدبر، سیاسی شعور اور ملی و دینی جذبات کے لئے امتحان اور آزمائش کا وقفہ ہے۔ ایسا وقفہ جو قوموں کی تاریخ میں بار بار نہیں آیا کرتا۔ ملک و ملت کی بھلائی کا واقعی معنوں میں ہمیں کتنا فکر ہے؟ عوام کے بنیادی مسائل، ان کے دکھ درد، افلاس، بیماری اور دیگر بنیادی حقوق کا ہمیں کتنا احساس ہے؟ اور سب سے بڑھ کر اس ملک میں دین کے اعلاء، اللہ کے احکام و فرامین کی سربلندی اور اجراء کا ہمیں کتنا درد ہے؟ اور ہمارے سیاسی و ملی بلند بانگ دعوے کس حد تک حقیقت سے ہمکنار ہیں؟ اور اس طرح کی وہ تمام باتیں جو پچھلے بائیس سال سے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن چکی ہیں، اس انتخابی عرصہ میں ان کا واضح اور دو ٹوک جواب دنیا کے سامنے رکھنا ہے اور ان سوالات کے جواب پر ہمارے مستقبل کی تعمیر یا تخریب کا دار و مدار ہے۔

آج قوم کی اکثریت اس درد سے کراہ رہی ہے کہ اس ملک کے قیام کا بنیادی

نظریہ مجروح ہو رہا ہے، پاکستان کی سالمیت، نظریۂ پاکستان کا تحفظ اور معاشی عدل وانصاف کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، قوم وملت کی ایک ایک بیماری اور خرابی کرید کرید کر اس کے لیے نسخہ ہائے شفا تجویز ہو رہے ہیں۔ مگر اب یہ فہم وتدبر، ماضی کے تجربات کا شعور اور عاقبت اندیشی اور ملّی وسیاسی سوجھ بوجھ پر ہے کہ ان نسخوں میں زہرِ ہلاہل اور تریاق کی تمیز کریں، مخلص ایثار پیشہ، خیر اندیش سیاست دانوں اور عیّار، منافق، ابن الوقت اور جاہ پسند طالع آزماؤں میں فرق کر سکیں۔ نعرے تو ۲۲ سال سے لگ رہے ہیں اور پاکستان سے قبل بھی ہر طرف دلآویز نعروں کا غلغلہ رہا۔ اور اس ملک میں اسلام، جمہوریت، معاشی مساوات کے حصول کے لیے جتنے نعرے لگائے گئے شاید دنیا کے کسی حصہ میں اس قدر آسمان سر پر اٹھایا گیا ہو۔ مگر مقصد برآری کے لیے ان نعروں کا جتنا خون خود ان نعرہ بازوں کے ہاتھوں یہاں ہؤا شاید اس کی نظیر بھی دنیا کے کسی خطہ میں نہ مل سکے۔ سننے والے عوام کے حصہ میں اگر کوئی چیز آئی تو صرف ایک آہِ ندامت یا سکوتِ حسرت ویاس یا پھر وہی غفلتِ مجرمانہ جسے شیوہ بنا کر، ہم نے اگلے نو وارد نعرہ بازوں کے لئے تازہ میدانِ مکر وفریب آراستہ کیا۔

قومی تعمیر میں پر جوش پیش قدمی اور شرمناک پسپائی | افسوس اس قوم کی غفلت کیشیوں پر کہ جب اس کے خوابیدہ جذبات جھنجھوڑے گئے تو سالوں کے ظلم وستم اور مدتوں کے جبر واستبداد کے محلات اس نے ہفتوں اور مہینوں میں پیوندِ خاک کر دیئے ایک وقتی جوش اور ولولہ جب بیدار ہؤا تو آگ اور خون کی ندیاں پاٹ کر اسلام کی خاطر اس قوم نے ایک وسیع سلطنت کھڑی کر دی، مگر جب اس کو آباد اور مستحکم کرنے کا وقت آیا تو اس ولولۂ ایمانی کا ہزارواں حصہ بھی اُس کی صحیح اسلامی تعمیر میں خرچ نہ کر سکا۔ ہم پر جوش نعروں کی پذیرائی میں جتنے پر جوش ثابت ہوئے تھے ان نعروں کی نظر فریبیوں میں کھو کر حقیقت اور عمل کے میدان میں اتنے ہی کوتاہ ہمت اور پست حوصلہ بن گئے، ہمارے عہدِ زوال واضمحلال کے سیاہ باب کا عنوان یہی ہے کہ جس جوش اور ولولہ سے ہم میدانِ کارزار میں کودتے ہیں، مقصد سے گریز، فرائض سے غفلت اور ذمہ داریوں سے

فرار میں اس سے بھی زیادہ تیز گام ہو جاتے ہیں ـــــ ماضی کے تلخ تجربات کو یکسر فراموش کر دینا ہمارا اشعار اور مستقبل سے آنکھیں بند کر دینا ہماری جبلت بن چکی ہے۔ اور بظاہر (خدانخواستہ) اب اپنی تاریخ کا ایک اور سیاہ ورق اس نئے انتخابی عرصہ میں لکھنا چاہتے ہیں۔

اس وقت ہمیں جس صورت حال کا سامنا ہے بحمد اللہ اسلامی فکر و نظر سے سوچنے اور سنجیدہ دل و دماغ رکھنے والی اکثریت کے لئے اس سے نمٹنا مشکل نہیں، نہ فلاح اور کامیابی کا راستہ سیاسی گورکھ دھندوں میں اوجھل ہو سکتا ہے۔

اسلام کے دو دشمن سوشلزم اور سرمایہ دارانہ نظام کے علمبردار چند باتیں بالکل واضح ہیں کہ ہم سوشلزم کو کفر و الحاد کی سیڑھی اور کمیونزم کو دین اور ایمان کا قطعی نقیض سمجھتے ہیں، اس لحاظ سے ہم اسے پورے عالمِ اسلام کے لئے ایک مہلک خطرہ سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی قسم کی سودے بازی، نرمی، رواداری یا سیاسی جوڑ توڑ کے روادار نہیں ہیں بلکہ ہم اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ اسی طرح مغرب کا ظالمانہ سرمایہ دارانہ نظام ہمارے تمام معاشی، اخلاقی اور قومی وملی بربادیوں کی جڑ ہے اس لئے اس پر ہزار بار لعنت بھیجنا ہمارے ایمان کا تقاضا ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ اس لادینی نظام کی پشت پناہ مغربی سامراج سامراج کے ہاتھوں گلشنِ محمدیؐ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ اس نظام کے سب سے بڑے سرغنہ "امریکہ" کے ہاتھوں ہماری ارضِ مقدس فلسطین کی آبرو لٹ رہی ہے، مسجدِ اقصےٰ کے در و بام سے شعلے اٹھ رہے ہیں۔ فاروقِ اعظمؓ کی مسجد یہود کے نجس قدموں سے پامال ہو رہی ہے، پوری عرب دنیا مصائب اور آلام کی لپیٹ میں ہے، مگر یہ ذلیل سامراج "امریکہ" طیارہ شکن میزائل نیپام اور اسکائی ہاک طیاروں سے اسرائیل کی سرپرستی کر رہا ہے، حال ہی میں اسرائیلی وزیر اعظم گولڈا میئر کی پذیرائی کرتے ہوئے صدر نکسن نے ایک ارب ڈالر کا قرضہ دینے کا مزید فیصلہ کیا ہے۔ جب کہ گزشتہ بیس سال کے دوران بیس ارب ڈالر کے قرضے امریکہ سے وصول کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ عرب ممالک کے خلاف اسرائیلی فوج کے نقاب

میں لڑنے والوں کی اکثریت امریکی باشندوں کی ہے جس کی تصدیق یونائیٹڈ پریس انٹرنیشنل نے بھی ۲۴ ستمبر ۱۹۶۹ء کی رپورٹ میں کردی ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر ہم مغربی سامراج کے ایک ایک نشان کو مٹانا جزوِ ایمان سمجھتے ہیں ۔۔۔۔ پھر یہ ملک چونکہ خالص اسلام کے نعرے پر بنایا گیا ہے اس کے لئے دس لاکھ سے زائد معصوم جانیں تہ تیغ ہو ہوگئی ہیں۔ کروڑوں افراد بے گھر ہو گئے ہیں اور کروڑوں اب بھی برہمن سامراج کی تلوار کی زد میں ہیں۔ اس لئے اسلام کے خلاف ہر وہ نعرہ جو ملک کے طبقاتی یا نظریاتی تقسیم اور علاقائی، لسانی یا جغرافیائی شیرازہ منتشر کرنے کا ذریعہ بنے ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہے۔

جناح اور اقبال کی آڑ میں لادینیت کا سہارا | جو لوگ اس نعرہ سے منہ موڑ کر قائد اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال جیسے اشخاص کی آڑ میں سوشلزم یا مغرب کے کسی اور لادینی نظام کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہتے ہیں تو یہ نہ صرف ان کے روح اور مشن سے بلکہ ان تمام مسلمانوں کی جانوں اور ان کی عصمتوں سے غداری کر رہے ہیں جنہوں نے اپنے خون سے اس گلشنِ اسلام کو سینچا تھا۔ اگر قیامِ پاکستان کی دعوت دینے والے اس قسم کے لادینی نعروں کو لے کر اٹھے ہوتے تو مسلمانوں کا کوئی ایک فرد بھی ان کا ساتھ نہ دیتا اس لئے کہ اکھنڈ بھارت کی شکل میں ایسے لادینی خواب بڑی آسانی سے شرمندۂ تعبیر ہو سکتے تھے ۔۔۔۔ پھر اگر خدانخواستہ یہ ثابت بھی ہو جائے کہ محمد علی جناح اور اقبال جیسے لوگ اسلام کا نعرہ محض سیاست اور ڈپلومیسی کی خاطر لگاتے تھے، اور ان کا واقعی مقصد اس ملک میں سوشلزم یا کسی مغربی نظامِ حکومت کا قیام تھا، تب بھی کوئی مسلمان اپنے ان قائدین کے کسی لادینی نظریہ کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکے گا، ایسی صورت میں وہ کروڑوں مسلمانوں کے جذبۂ اخلاص اور دین کے خاطر دی گئی قربانیوں کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کے لادینی نظریات کو ہزار بار ٹھکرا دیں گے کہ مسلمان قوم کے نزدیک اصل مقام کتاب و سنت کا ہے۔ کسی کے شخصی نظریات کا نہیں، اصل معیار اللہ اور

اس کے رسول ﷺ کا ہے، اشخاص اور اعاظم رجال نہیں، جو لوگ بار بار قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ جیسے لوگوں کو گھسیٹنا چاہتے ہیں، وہ درحقیقت ان کے بدخواہ ہیں۔ اور وہ قوم کے دلوں میں ان کی عظمت اور عقیدت ختم کرنے کے درپے ہیں، انہیں اسلام اور اسلامی اقدار سے نفرت ہے مگر منافقت کی وجہ سے اپنے عزائم کا شکار بڑے لوگوں کی آڑ میں کھیلنا چاہتے ہیں، نظریۂ پاکستان کا مطلب ان کے نزدیک ملاؤں کی حکومت ہے اور "ملّایانہ نظام" ہیں انہیں اپنی عیاشیوں اور ستم کاریوں کی موت دکھائی دیتی ہے۔

صحیح فیصلہ کی ضرورت ہمیں ملک کے تمام مسلمانوں، تمام اربابِ سیاست بالخصوص علماء کرام اور مشائخ عظام سے صرف ایک ہی گزارش کرنی ہے کہ اگر واقعی ہمیں اسلام عزیز اور اسلام کا عادلانہ نظامِ حکومت اور پاکیزہ معاشرت محبوب ہے اور آپ انسان کی اخلاقی، معاشرتی بدحالی اور معاشی حقوق کی پامالی مزید برداشت نہیں کر سکتے اور آپ اس ملک میں خلافتِ راشدہ کے نہج پر ایک مثالی حکومت دیکھنا چاہتے ہیں جس میں نہ جبر و استحصال ہو نہ ظالمانہ تسلط اور استیلاء اور نہ رعایا کی حق تلفی ہو، نہ حیوانی خواہشات اور بے دینی کا دور دورہ، تو اس اعلیٰ و ارفع مقصد کے لئے یکم جنوری سے ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء عرصۂ انتخابات م کی ایک ایک گھڑی اور ایک ایک لمحہ کو اپنے علم و دانش اور فہم و شعور کے لئے ایک آزمائش اور چیلنج سمجھیں۔ مریض جاں بلب ہے، گزرنے والی ہر گھڑی یا تو اسے موت سے ہمکنار کردے گی یا پھر اسے نئی زندگی مل جائے گی۔ اب ہمیں اپنی رائے اور اپنا ووٹ استعمال کرتے وقت دیکھنا ہوگا کہ ہمارا پسندیدہ امیدوار قول و عمل اور کردار و اخلاق کے کس معیار پر پورا اترتا ہے۔ اس کے منشور اس کے نعروں اور اس کی عملی زندگی میں کتنا توافق ہے، وہ اسلام اور ملک و ملت کے درد سے کتنا سرشار ہے؟

عیار سیاستدان اور علماء کی فریب خوردگی ہمارے قابلِ قدر علماء کرام ک

کے مختلف گروہوں کو بھی سوچنا ہے کہ وہ اپنے علم وحکمت اور نازک ترین مقام اور منصب کو کس قسم کی سیاست کے بھینٹ چڑھا رہے ہیں، یہاں اسلام پسندی اور غریب پروری کے لبادہ میں بہت سے لٹیرے، علماء کرام کے مقام اور مرتبہ سے فائدہ اٹھاکر سیاسی بلیک میلنگ کا مشغلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور ملک کی تاریخ میں علماء ہی ایک ایسا مظلوم یا سادہ لوح طبقہ ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی کے جذبہ میں عیار سیاست دانوں کے ہاتھ کا کھلونا بنا رہتا ہے، مگر ان لوگوں کو جب بھی علماء کرام کے علم وفکر کے سہارے ایوانِ اقتدار تک پہنچنے کا موقع ملا تو اس وقت علماء کو منبر ومحراب سنبھالنے اور نماز وروزہ تک اپنے دائرہ کار کو محدود رکھنے کی نصیحتیں کرنے لگے، ان علماء کے سہارے سیاست اور قیادت کے ایوان تعمیر کئے گئے، مگر جب مقصد حاصل ہوا تو اس "رجعت پسند ٹولے" اور "ملاؤں کی جماعت" کو اسلام اور خدا کا نام لینے کے جرم میں پابندِ قید وسلاسل کیا گیا۔ قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک کون سی پھبتی ہے جو علماء حق پر نہیں کسی گئی اور کون سا مذاق ہے جو اسلام کے ساتھ نہیں کیا گیا، اور یہاں ایسا کرنے والے نہرو اور پٹیل نہیں تھے بلکہ اس جرم میں ضرورت کے وقت اسلام اور نظریۂ پاکستان کے نعروں سے آسمان سر پر اٹھانے والے پیش پیش تھے۔ ہمارے علماء کو ان نازک ترین لحات میں اپنی دینی بصیرت سے فیصلہ کرنا ہے کہ کیا ان کی سیاست خالص اللہ کی رضامندی اور اس کے دین کے لئے مفید ثابت ہو رہی ہے، یا وہ ایک بار پھر نادانستہ طور پر محض چند طالع آزما، نقاب پوش سیاستدانوں اور پیٹ یا اسلام کے نعرہ لگانے والے دائیں اور بائیں بازو کے ایجنٹوں کا آلۂ کار بن رہے ہیں۔ علماء کی تمام جماعتوں کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ اگر کسی سیاسی پارٹی اور جماعت سے تعاون میں دین کے غلبہ اور حاکمیت کا پہلو بھاری ہے، اور ان سے معاہدہ یا سمجھوتہ کرنے میں اسلام کے اجراء کا غالب امکان ہے تو بصد خلوص اس سیاست کا خیر مقدم کرنا چاہیئے، اور اگر اس سیاست بازی کا فائدہ صرف

چند عیار اور ابن الوقت پارٹیوں اور اس کے لیڈروں کو پہنچتا ہے، اور علماء کی حیثیت بالآخر اسی حدِ اوسط کی ہے جسے اب تک لیلائے اقتدار سے ہمکنار ہونے کے بعد راندۂ درگاہ چیز سمجھ کر بیچ سے ہٹا دیا جاتا رہا، تو اس ساری ہنگامہ آرائی اور جد و جہد کا نتیجہ چند وقتی منافع اور اغراض کی تکمیل تو ہو سکتا ہے مگر دین، اسلام اور پورے طبقۂ علماء کی عزت و وقار اور فرضِ منصبی کی ادائیگی کے لحاظ سے صفر ہی رہے گا۔

دین اور مروّجہ سیاست | دین اور سیاست الگ الگ چیز نہیں مگر موجودہ دور کی سیاست اور دین کی پیوندکاری بڑے دل گردے کا کام ہے۔ سیاست میں اتنا محو نہیں ہونا چاہیئے کہ دینی مزاج اور اسلامی روح ہی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے، صحیح سیاست انبیاء کا منصب تھا، مگر وہ سیاست آج کے جوڑ توڑ مکر و فریب اور دغا بازی کی سیاست نہیں تھی، علماء کا مقام وراثتِ نبوّت کا ہے، وہ اس دور کے پُرفریب سیاست دانوں کے جانشین اور نقال نہیں ہیں، وہ سیاست میں عمر فاروقؓ اور صدیق اکبرؓ کے وارث ہیں، نہ کہ نکولائی میکیاولی کی فریب کارانہ سیاست کے امین۔ حق تعالےٰ اس نازک امتحان میں ہم سب کو جادۂ حق پر قائم رہنے اور حق و باطل کی تمیز کرنے اور ہر حالت میں سیاست کے "سندانِ عشق" کے ساتھ جامِ شریعت نباہنے کی توفیق دے۔

(جلد ۷، شمارہ ۴، ذی قعدہ ۱۳۸۹ھ، جنوری ۱۹۷۰ء)

محاسبہ اور اصلاح کی ایک مہلت

راقم الحروف ۲ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ کو حجازِ مقدس روانہ ہوا تو تبدیلیٔ اقتدار کی تحریک زوروں پر تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اس کے شعلوں نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، طرح طرح کی خبروں نے تمام مسلمانوں بالخصوص پاکستان کے حجاج کو نہایت تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور اس تصور سے دل دھڑکنے لگتا کہ جو ملک لامثال قربانیوں کے صدقے اسلام کا بول بالا کرنے کے نام پر حاصل کیا گیا آج وہ ملک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس عالم میں سب زائرینِ بیت الحرام کے ہاتھ بے اختیار رب البیت کی بارگاہ میں اٹھنے لگتے۔ مواجہۃ الرسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آہ وزاری ہونے لگتی۔ ملتزم اور غلافِ کعبہ سے لپٹ لپٹ کر ہر ایک زبانِ حال سے ملتجی تھا کہ یا اللہ برصغیر میں مسلمانوں کے اس حصار کو جو ان کی نااہلیوں کی بدولت آج تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے، ایک بار اور موقعہ دے، شاید انہیں اپنی کوتاہیوں کا احساس اور غلطیوں کی تلافی کا شعور پیدا ہو جائے اور وہ نئے سرے سے اپنے رب کے ساتھ کئے ہوئے عہد وپیمان کو استوار کر سکیں۔

صدر ایوب کا زوال صدہا عبرتوں کا سامان اسی اضطراب میں مارچ کے آخر میں یکایک صدر ایوب کے زوال اور فوجی انقلاب کی خبر آئی اور ظاہر ہے کہ ایک مطلق العنان اور خودسر حکمران کا اس انداز میں زوال وسقوط اپنے پہلو میں عبرت وموعظت کے صدہا دفتر بھی لے کر آیا۔ عاد وثمود جیسی اقوام اور جابر وقہار حکمران کے عروج وزوال کی صدہا داستانیں ہمیں دعوتِ عبرت دے رہی ہیں۔ مگر یہ تازہ اور چشم دید مثال

تو اس بے لاگ حقیقت کی کتنی کھلی شہادت دے رہی ہے کہ "اے احکم الحاکمین تو ہی مالک الملک ہے، جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔

انقلاب آیا اور ہمارے لئے ایک بہت بڑا سبق بن کر آیا۔ کہ اب تک ہم اپنے انتشار اور مصیبتوں کا سرچشمہ جس اقتدار کو سمجھتے رہے، خداوند کریم نے پلک جھپکنے میں اس کا بوجھ تمہاری گردنوں سے اتار دیا تاکہ تم پر اتمام حجت ہو جائے۔ پس جس کا تسلط تمہارے اعمال کی شامت تھی اس سے گلو خلاصی بھی تمہارے لئے ایک کڑی آزمائش ثابت ہوئی، ایک ایسی آزمائش جس نے ہمارے اخلاق و کردار اور اجتماعی زندگی کے چھپے ہوئے بہت سے صفات و عیوب، باطنی نظریات اور قوم و ملک کے ساتھ وفاداری یا غداری کا ایک آئینہ ہمارے سامنے رکھ دیا۔ اس آئینہ میں ہماری تصویر کتنی ڈراؤنی ہے؟ ہم نے ایک دوسرے کی عزت و آبرو پر ہاتھ صاف کیا، ہم نے انسانوں کو زندہ جلایا، ان کا گلا گھونٹا اور خون پسینے سے کمائی ہوئی دولتوں پر عدل و انصاف کے نام سے غارت گری کا بازار گرم کیا، ملک کا وجود ہی گرداب سیاست میں ہچکولے کھا رہا تھا مگر ہم نے اس وقت بھی ڈیڑھ اینٹ کے جماعتی اغراض اور مفادات میں لچک پیدا نہ کی، یہ سب چیزیں ہمارے اعمال و کردار اور ہمارے روبہ تنزل معاشرہ کا بھیانک تصور پیش کر رہی ہیں۔

غفلت کیشیوں کا ردِ عمل اور یہ ٹھیک ردِ عمل تھا ان غفلت کیشیوں کا جنہیں ہم اپنے معاشرہ کا شعار بنانے لگ گئے تھے، وہ معاشرہ جو خوفِ خدا اور تصورِ آخرت سے غافل ہو چکا ہو ذاتی اغراض اور مفادات سے الگ ہو کر کسی معاملہ پر ہرگز غور نہیں کر سکتا۔ وہ نظام تعلیم جس کا مبلغِ علم چند روزہ زندگی کی خوش عیشی رہ گئی ہو، اسلامی تعلیم اور پیغمبرانہ اخلاق و اعمال کی بھنک بھی اس میں نہ ہو، ہرگز قوم و ملت کو ایسے کل پرزے نہیں دے سکتا، جو ملک و ملت کو حقیقی ترقی اور کامیابی سے ہمکنار کر دے۔ ایسے

افراد خواہ ان کا تعلق حکام سے ہو یا رعایا سے، رائے دہندہ ہوں یا سیاستدان، انتظامیہ ہو یا عسکری قوت ہرگز ملک کو کوئی ایسا معتدل اور متوازن نظام نہیں دے سکتے جس میں معاش کے ساتھ معاد اور ذاتی مفاد کے ساتھ پورے معاشرہ کے اخلاق اور معاشی حقوق کا لحاظ بھی رکھا گیا ہو۔

انقلابات، زندگی کے نئے موڑ ہماری بربادی اور تباہ حالی کی یہ داستان طویل ہے۔ اپنی ذلت و ادبار کی ماتم سرائی کب تک کی جائے، عرضِ مدعا یہ ہے کہ ۲۵ مارچ کا یہ انقلاب ہماری زندگی کا ایک نیا موڑ ہے جو ہمیں زبانِ حال سے دعوت دے رہا ہے کہ اپنے رب کے ساتھ کئے ہوئے عہد و میثاق کا ۲۲ سال تک مذاق اڑانے والو! یہ محض خدا کی بے حد و حساب رحمت ہے کہ اتنی ستم کاریوں کے باوجود بھی تمہارا وجود قائم رہا ورنہ تم تو اپنے ہاتھوں سے اس ملک و ملت کا شیرازہ بکھیرنے لگے تھے مگر یہ تو صرف اس کی دستگیری ہے کہ تمہیں بار بار موقع دے رہا ہے کہ شاید تم سنبھل جاؤ بلاشبہ ۲۵ مارچ کا دن ہمارے لئے ایک رحمت سے کم نہیں مگر کیا یہ امن و سکون اور اطمینان تمہاری پریشانی اور بربادی کا خاتمہ الباب ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو محاسبۂ اعمال کا ایک وقفہ ہے، تاکہ تم سدھر سکو اور اپنے جذبات اور میلانات کا رُخ معاشی جنتوں سے زیادہ دائمی اور حقیقی جنت کی طرف پھیرنے لگ جاؤ، حالات اور قرائن تمہیں پکار پکار کر جھنجھوڑ رہے ہیں کہ اگر تمہیں اس ملک میں چین اور سکون سے رہنا ہے، تمہیں دنیا کے کے ساتھ دین کی بھلائی اور فرد و معاشرہ کی اصلاح مطلوب ہے تو امن و عافیت کی اس فرصت کو غنیمت جان لو، اپنے نظریاتی سرحدات کو از سرِ نو مضبوط اور درست کر لو، قوم کی ذہنی تربیت اور اخلاقی حالت پر اپنے مساعی مرکوز کر لو، تاکہ انہیں کھرے اور کھوٹے کی تمیز اور حق و باطل کا امتیاز ہونے لگے، اگر تمہاری غفلت کیشی کا یہی عالم رہا تو جب بھی اس عارضی نشے کا سکون اتر گیا تو تمہاری زندگی کی ناؤ کو قیامت برپا اور ہولناک طوفانوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر تمہیں اسلام اور اسلامی اقدار عزیز ہیں، طبقاتی ناہمواریوں سے نجات مطلوب ہے، خوش حال اور متوازن زندگی اور پاکیزہ نظامِ حیات محبوب ہے، تو اے دانشورو،

اے علماء کرام، اور اے سیاست دانو! اب تو اپنی اور قوم کی بگڑی پر رحم کرو، ان کی مشکلات اور پریشانیوں کا صحیح حل ان کے سامنے پیش کردو۔ قوم کے ماؤف ذہنوں کا رُخ لندن اور نیویارک کی بجائے مکہ مکرمہ کی طرف پھیر دو۔ ان کے بے چین دلوں میں پیکنگ اور ماسکو کی بجائے مدینہ طیبہ کی محبت جاگزیں کردو۔ اگر تم نے ان کے ہاتھوں میں قرآن وسنت تھما دیا تو ماؤزے تنگ کی سرخ کتاب اور کارل مارکس کی کیپیٹل خود بخود ان سے چھوٹ جائے گی، اگر یہ اسلام کی جنّت آفرین زندگی کی جھلکیاں دیکھنے لگیں تو یورپ کی نظر فریب تہذیب پر لعنت بھیجنے لگیں گے۔ یہی سبق ہے حالیہ حالات اور تازہ انقلاب کا، وقت کا تقاضا ہے کہ اگر ہمیں اپنی اور اس ضمن میں اس ملک کی بقاء منظور رہے تو آیئے نئے سرے سے اسلام کی طرف لوٹیں، وہ اسلام جو ہماری مصیبتوں کا مداوا اور دائمی مسرت اور فلاح کا پیغام ہے، اگر ہم نے اس فرصت کو بھی نذرِ غفلت کردیا اور اپنے حالات درست نہ کئے تو خدانخواستہ مستقبل میں کفر والحاد اور دہشت و بربریت کی تازہ دم یلغار ہمارا نام بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دے گی۔

ان اللّٰہ لا یغیّر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم

۳ مئی ۱۹۶۹ء ——— ۱۵ صفر ۱۳۸۹ھ

ہمہ گیر بحران کے اصل اسباب اور محرکات

بدقسمتی سے اس وقت ملک انتشار اور افراتفری کا شکار ہے، اپنا ہی مال ومتاع اپنے ہی ہاتھوں سے بڑی بے دردی سے ضائع ہو رہا ہے، ظلم وتشدد بھی اپنوں ہی کا سہنا پڑ رہا ہے، ظاہر بات ہے کہ احتجاج واضطراب کی یہ ہمہ گیر فضا نہ تو ایک گروہ یا طبقہ کی پیدا کردہ ہے اور نہ یکایک ایسا ہوا ہے بلکہ ملک کے تقریباً تمام طبقے کسی نہ کسی شکل میں اس میں شریک ہیں اور یہ ٹھیک ردّ عمل ہے اس بے اعتدالی اور غیر فطری طریقۂ کار کا

جس نے حکام اور رعایا سبھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ تاریخ شاہد کہ جب کسی قوم اور ملک کی سرکشی، خدا کی دی ہوئی نعمت کی ناشکری اور خدا سے کئے ہوئے عہد و میثاق اور باہمی حقوق کی پائمالی حد سے بڑھ جاتی ہے، تو ایک طرف اس پر ظالم حکام اور خدا فراموش عمّال مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو انہیں بڑی تیزی سے ذلت و ادبار اور اخلاقی گراوٹ کی طرف ہانکنے لگتے ہیں، اور دوسری طرف خود رعایا ایک دوسرے کی ایذاء رسانی اور آبروریزی میں مشغول ہو جاتی ہے۔ او یذیق بعضکم بأس بعض۔ اور اس طرح اچانک چین و سکون کی زندگی اضطراب، پریشانی اور تعطل میں بدل جاتی ہے۔ ظالم عمّال اور فکرِ آخرت سے غافل رعیت دونوں کو اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑتی ہے ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔

ایسے روح فرسا حالات میں ایک مسلمان کا شیوہ یہ نہیں کہ وہ محرکات اور اسباب کا کھوج لگاتے ہوئے صرف مادی اور اقتصادی دائرہ میں خرابیوں کی تلاش کرتا پھرے، بلکہ اسے ان اخلاقی، روحانی اور ایمانی اقدار کے فروغ یا تنزل کا بھی جائزہ لینا چاہیئے جن کے تحفظ کے مقدس نام پر یہ خطہ حاصل کیا تھا اس لحاظ سے اگر آپ سرسری جائزہ بھی لیں گے تو یقیناً مایوس ہوں گے کہ آزادی سے لے کر اب تک نہ صرف یہ کہ قیامِ مملکت کے محرکات اور دواعی سے صرفِ نظر کیا گیا، بلکہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس ملک کے اساسی نظریات سے غداری میں بھی شدت اور تیزی آتی گئی ہے۔ رعایا کو اربابِ اقتدار نے فریب دیا ہے۔ حصولِ اقتدار سے سے پہلے اسلام کا نام لے کر اور اقتدار کے بعد اسے پسِ پشت ڈال کر، قوم سے اس ظالمانہ مذاق پر بائیس [۲۲] سال سے زائد عرصہ گزر چکا، پھر رعایا نے بھی حکام کی تقلید میں اپنے ذوقِ معصیت اور جذبۂ تہذیبِ فرنگ کی پناہ کبھی ایک نظام میں ڈھونڈنا چاہی ہے کبھی دوسری تحریک اور نظام میں۔ یہاں تک کہ جس دور کو ملکی ترقی و استحکام کا "سنہری دور" کہا جا رہا ہے۔ اس دور کو تو اسلامی اقدار اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی بربادی اور اسلام کے گلے پر چھری پھیرنے کے لحاظ سے

ایک "بدترین سیاہ دور" کہا جا سکتا ہے۔ جراءت کرنے والوں کی سنگدلی اور شقاوت نے حد کر دی کہ خدا کی شانِ تشریعی (قانون سازی) میں مداخلت کرتے ہوئے اس کے مقرر کردہ معاشرتی حدود (عائلی قوانین) کو آرڈیننسوں کے ذریعہ منسوخ قرار دیا گیا۔ اس کی شانِ رزّاقی کو افزائش و پیدائش کی تحدید کے ذریعہ مجروح کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کی شانِ عدل و انصاف سے آمریت اور استبداد کے ذریعہ اس کی مخلوق کو محروم کر دیا گیا، اور حد یہ کہ اس کے قائم کردہ معروفات و منکرات کی حدود توڑنے اور اس کے بھیجے ہوئے نظامِ عدل (دینِ حنیف) سے نکل کر یورپ کی اباحیت زدہ تہذیب کے لئے اسلام کے بنیادی اصول و مسائل پر ریسرچ و تحقیق کے نام سے عملِ جرّاحی شروع کی گئی۔ خود نہ بدلنے کی وجہ سے قرآن کے بدلنے کی سرپرستی کی گئی اور یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالےٰ کے آخری نبیؐ کی شانِ رسالت اور شانِ ختمِ نبوّت کے پرچار اور تحفظ پر پابندی لگا دی گئی، مگر ناموسِ محمدیؐ کے لٹیروں، سنّتِ نبویؐ کے دشمنوں اور تحریف و تجدد کے علمبرداروں کو کھلی چھٹی مل گئی، پھر اشاعتِ حق اعلاءِ دین اور مدافعتِ اسلام کے لئے خدا نے علماءِ حق کا جو زمرہ منتخب فرمایا اور جس کے ذمّہ ہر حالت میں کلمۂ حق کہہ کر حق نصیحت و خیر خواہی ادا کرنے کا کام لگایا گیا تھا، ان کو مختلف سکیموں اور منصوبوں کے ذریعہ اس تنگ اور محدود دائرہ کار سے بھی خارج کرنے کی سعی کی گئی، جسے منبر و محراب اور مسجد و خانقاہ کا نام دیا جاتا ہے۔ بلاشبہ نتائج اور عواقب کے لحاظ سے تاریخ میں عیاری کی یہ بدترین مثال ہے کہ خیر خواہی اور اصلاح کے نام پر سیاست کی طرح مذہب کو بھی "ایبڈو" کر دیا جائے اور حاملینِ مذہب میں بھی "بی ڈی سسٹم" چلایا جائے۔

یہ ایک دھندلا سا خاکہ ہے ان اسباب و محرکات کا جس کا تعلق قوم کی معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی زندگی سے ہے جس کی بنیاد پر لاکھوں لاشوں، ہزاروں عصمتوں اور کروڑوں مسلمانوں کی پریشانی اور بربادی کی عمارت اٹھائی گئی تھی۔ جہاں تک مادی اور اقتصادی سطح یا جمہوری نقطۂ نگاہ کا تعلق ہے آج کی فرصت میں ہمیں اس سے سروکار

نہیں، مگر جس "سنہری دور" میں دین اور معاشرت، مذہب اور اخلاق کی اس قسم کی "اصلاحات" شامل ہوں۔ حیرت ہے کہ ہمارے صدر محترم جناب ایوب خان نے کل دیکم دسمبر ۱۹۶۸ء) کی تازہ تقریر میں ان سب کارناموں کا رشتہ اپنے رب کی ہدایت اور ایمان کی روشنی سے جوڑ دیا۔ صدر محترم کا ارشاد ہے کہ "میں نے ہر حال میں قوم کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ اور بنیادی مسائل کے حل کے لئے دن رات ایک کر کے اپنے رب کی ہدایت اور ایمان کی روشنی میں کام کیا ہے۔" (جنگ ۲ دسمبر) ہو سکتا ہے کہ مادی اور دنیاوی لحاظ سے ملک کے استحکام اور ترقی میں قدرت نے صدرِ محترم کی دستگیری کی ہو۔ اور بلاشبہ ایک شخص اپنے کارناموں میں مخلص بھی ہو سکتا ہے اور اسے حق ہے کہ اپنی "اصلاحات" کو اپنی صوابدید میں حق طلبی کا نتیجہ قرار دے، مگر جہاں تک عائلی قوانین جیسے صریح تحریفِ قرآن وسنت، خاندانی منصوبہ بندی جیسے کھلے فواحش، ثقافتی طوائف اور جشنوں کی ترقی اور آرٹ وثقافت کے عروج اور پھر "ادارہ تحقیقاتِ اسلامیہ" جیسے اداروں کی شرمناک جسارتوں کا تعلق ہے، ہم ہرگز ہرگز رب کی ہدایت اور ایمان کی روشنی کا نتیجہ قرار نہیں دے سکتے۔ ایسے اعمال ربانی نہیں بلکہ شیطانی ہوتے ہیں (تعالی اللہ عن ذالك علوًا كبيرا۔ یہ ہدایت نہیں نفس کا فریب ہوتا ہے ایمان کی روشنی نہیں بلکہ غفلت کا اندھیرا ہوتا ہے جس کی تائید نہ تو خدا کرتا ہے اور نہ اس کا رسولؐ۔

بہرحال جہاں تک ایسے امور کا تعلق ہے اس کے ردعمل میں ملک گیر پریشانی، اضطراب، اور برہمی کے ہمہ گیر سلسلہ کا رونما ہونا ایک طبعی امر ہے۔

اپنے ہاتھوں بربادی یہود کا شیوہ مگر مسلمان جیسی شائستہ اور باوقار قوم کو جذبات کے اظہار میں یہ توڑ پھوڑ اور شر و فساد، یہ ہڑبونگ اور پُرامن شہریوں پر یہ سنگباری ہرگز زیب نہیں دیتی جس کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ قرآنِ کریم نے اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر بار برباد کرنے کو یہود کا شیوہ قرار دیا ہے۔ یخربون بیوتهم بایدیهم (اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں) اور کسی قوم کا یہاں تک پہنچنا انتہائی حالات کا غماز ہوتا ہے جس سے ہمیں اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ بے شک مسلمان اپنے

حقوق، اپنی اقدار و روایات کے لئے لڑتا ہے۔ ایک مسلمان بڑھیا امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضہ تک کو بھرے مجمع میں ٹوک سکتی ہے مگر یہ سب کچھ اللہ تبارک و تعالیٰ کے مقرر کردہ آئینی حدود اور عقل کے دائرہ میں رہ کر کسی بے گناہ شہری کی عزت و دولت کو گزند نہ پہنچنے پائے مسلمان کا حق کیا، بلکہ اس کا تو فریضہ ہے کہ ظلم و استبداد اور بدی کو محسوس کرے تو اسے مٹائے مگر یہ ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات اور مومنانہ شان مجروح نہ ہونے پائے۔ مگر موجودہ حالات میں شکوہ کیا جائے تو کس سے؟ جس قوم کی اسلامی تربیت، دینی تعلیم اور جس معاشرہ کی اخلاقی اور علمی نگہداشت کو تہذیبِ مغرب کی دیوی پر نثار کیا جاچکا ہو۔

نوجوان نسل کی عالمی بیماری اور علاج جس قوم نے مستقبل کی پونجی — بچوں اور نوجوانوں — کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے چھین کر لارڈ میکالے کی گود میں ڈال دیا ہو جس کے دل و دماغ کی پرورش صرف برکلے اور ہکسلے کے فلسفہ اور مغرب کی خدا فراموش تعلیمات اور شیکسپیئر کے ڈراموں سے کی جارہی ہو ایسے معاشرہ، ایسی قوم اور ایسی رعایا سے مار پڑنے کے وقت اخلاق و اعتدال کی حدود قائم نہ رکھ سکنے پر شکوہ سنجی کب جائز ہے؟ معدہ اور مادہ کے گرد گردش کرنے والی ایمان اور عقیدۂ آخرت سے عاری تعلیم اور اس کے تمام مظاہر کا نتیجہ اسی "وبائی اور عالمی مرض" کی شکل ہی میں ظاہر ہوسکتا ہے، جس کا شکوہ مصر کے وزیر خارجہ نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کیا ہے۔

اسلامی علوم اور لارڈ میکالے کے علوم کے اثرات میں تفاوت کی مثال ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر ہمارا تعلیمی نظام دین اور مذہب سے اتنا کورا نہ ہوتا تو طالب العلم شائستگی کا دامن ہرگز نہ چھوڑتے۔ مثال میں، ہم اپنے مدارسِ عربیہ پیش کرسکتے ہیں جن کے طلباء کی تعداد لاکھوں سے زیادہ نہ ہو تو کم بھی نہ ہوگی، اس ملک میں دینی مدارس اور دار العلوموں کا جال بچھا ہوا ہے۔ ان ہنگامہ خیز ایام میں بھی بعض مرکزی شہروں میں سینکڑوں ہزاروں طلبۂ علومِ نبوت حصولِ تعلیم میں مشغول ہیں (یہ وہ مدارس ہیں جنہیں ہمارے

ہاں کا خوشامدی مذہب دشمن تجدد زدہ طبقہ انتشار و اختلاف کے گڑھ قرار دیتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ انہی مدارس کی وجہ سے ملک روبہ تنزل ہے ، مگر ـــــ غالباً کسی دینی مدرسہ کے طالب العلم کے بارہ میں ایسی خبر سننے میں نہیں آئی ہو گی کہ جس نے نظم و ضبط کو چھوڑ کر شخصی یا ملّی اموال و املاک کو نقصان پہنچایا یا ناشائستہ حرکت کی یا بسوں پر پتھراؤ کیا ہو ـــــ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دینی طبقہ یا اسلامی علوم کے طلبہ اور اہلِ علم ملکی حالات پر مطمئن ہیں یا انہیں جمہوریت کے لیے کوشاں افراد سے ہمدردی نہیں، حاشا وکلّا یہ چیز وفاداری کا ثبوت نہیں ۔ وفاداری تو بشرط استواری ہوتی ہے ۔ اور علماء دین اہلِ حق اور ان بوریہ نشین طالب العلموں کی اوّلین و آخرین وفاداری تو دینِ رسالت ، ناموسِ رسالت اور اسلامی علوم سے ہے ، بلکہ اس وقت مضطرب اور بے چین اگر ہے تو یہی طبقہ ہے کہ اسے غم ہے تو دین کا اور فکر ہے تو ملک کے ایمان و اخلاق کا ، اور یہ ایک ایسا غم ہے کہ ووٹ ، اقتدار ، پارٹی ، روٹی اور چینی سے تو ہزار درجہ شدید اور جان لیوا ہے کہ ۔ ع

غم غمِ دین خور کہ غم ہمہ اوست

اور نہ یہ شائستگی اہلِ حق کے خوف یا بے حمیتی کا ثمرہ ہے بلکہ منکرات پر نفرین اور معروفات کی تبلیغ ، باطل پر تنقید اور حق کا فروغ تو علماء حق کا وہ محبوب مشغلہ ہے جس سے اس پورے عرصہ میں کسی لحظہ بھی علماء حق نے گریز نہیں کیا ۔ بزم ہو یا رزم خلوت ہو یا جلوت ، مسجد ہو یا خانقاہ ، منبر ہو یا سٹیج اعلائے حق جیسے اعلیٰ اور افضل جہاد کو علماء ہی نے سنبھالا دیا ہے یہی وہ طبقہ ہے جو لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم کا مصداق ہے اور اسی طبقہ کی جرأتِ رندانہ کا نتیجہ ہے کہ باقی اسلامی دنیا کی بہ نسبت اس ملک میں دین اور دینی اقتدار کی گرفت اتنی کمزور نہیں ہو سکی ـــــ یہ ایک ضمنی بات تھی ـــــ اسلامی تعلیمات اور لارڈ میکالے کے نظام کے اثرات اور اس کے تفاوت کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے ۔ کاش ! عالمِ اسلام کے ارباب حل و عقد اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ہی مگر نوجوانوں کی اس عالمی بیماری کے علاج میں دین و

اخلاق کا بھی معقول حصہ شامل کر دیں۔

خرابیوں کا اصل علاج بہرحال اس وقت قوم انتشار اور بے چینی کے جس نقطۂ عروج تک جا پہنچی ہے اس کا علاج اِکّا دُکّا مطالبات یا کسی گروہ کے دو چار مطالبات منظور کرانے میں نہیں، چھوٹے موٹے سوراخوں کو بند لگانے سے سیلاب نہیں رُک سکتے اور نہ وقتی علاج سے بیماری کی جڑ کٹ سکتی ہے، اگر حزبِ اقتدار چاہتی ہے کہ اس ملک کی تعمیر و ترقی اور مخلصانہ خدمت کی زمام اس کے ہاتھ میں رہے یا حزبِ اختلاف چاہتی ہے کہ واقعی معنوں میں اس ملک کی پریشانیاں ختم ہوں تو اس کی صورت ایک ہی ہے کہ خرابیوں کا سرچشمہ بند کر دیا جائے اور مرض کی بیخ کنی کی جائے، اور وہ اس طرح کہ پورے خلوص و ایمان اور مومنانہ جرأت کے ساتھ اس ملک کو اس نظریہ کے سپرد کر دیا جائے جس کے نام پر اسے حاصل کیا گیا۔ اور اسی جوش و ولولہ سے ہم زندگی کے تمام شعبوں میں اس دین کی طرف پلٹ جائیں جس تیزی سے ہم نے اسے پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ اسی میں حکام کی نجات ہے اور اسی میں رعایا کی ورنہ یقین جانیئے کہ اس ملک کو نہ تو آئے دن کے انقلابات سے عافیت مل سکتی ہے نہ موجودہ اقتدار کے ذریعہ اور نہ اس حزبِ اختلاف سے جس کے اکثر زعماء کی خدا فراموشیوں نے ہی ملک کو اس روزِ بد تک پہنچایا اور نہ ہماری مصیبتوں کا مداوا سوشلزم میں ہے، نہ سرمایہ داری میں نہ چین اور روس ہمیں بچا سکتا ہے اور نہ امریکہ اور برطانیہ ہمارا خیر خواہ ہے۔ اس مہلک مرض کا علاج صرف انہی ہاتھوں میں ہے جنہیں خداوند کریم نے اپنا ہاتھ قرار دیا، اور جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور جس کی نافرمانی خدا سے سرکشی ہے، وہ ذات قدسی صفات جنہیں ہم محمد عربی (صلوٰۃ اللہ علیہ) کے پیارے نام سے پکارتے ہیں۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ — ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ، ومن اطاع الرسول فقد اطاع اللہ۔ دسمبر ۱۹۶۸

سقوطِ ڈھاکہ سے سات دن قبل

پاکستان، تاریخ کے نازک ترین آزمائش سے دوچار ہے۔ ہر لمحہ تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال قوائے غور و فکر کو کسی ایک نکتہ پر ٹھہرنے نہیں دیتی اور قلم لصد شرمندگی اپنے قارئین سے اعتراف عجز پر مجبور ہے۔ لکھا جائے تو کیا اور کہنے کو کیا رہ گیا ہے۔ چوبیس سال سے لکھنے والوں نے کیا نہیں لکھا اور کہنے والوں نے کونسی کسر اٹھائی؟ علم و حکمت کی بہتات رہی۔ وعظ و نصیحت کی فراوانی رہی۔ ایک سے ایک بڑھ کر مقام عبرت نمودار ہوتا گیا۔ اسباب و محرکات کی نشاندہی بھی ہوتی رہی اور نتائج و عواقب پر بھی برابر تنبیہہ قدرت کی سنت ابدی رہی اور آیاتِ ربانی نے کب مسلمانوں کو خواب غفلت میں مخمور رہنے دیا۔ (سنریھم آیاتنا فی الآفاق و فی انفسھم۔

الجہاد و الجہاد اب وقت باتوں کا نہیں عمل کا ہے اور عمل بھی کونسا؟ جہاد الجہاد۔ الجہاد۔ کہ مومن کی بقاء عمل سے ہے۔ مومن کا حصار جہاد، مومن کی سلاح قتال ہے۔ اور یہ صرف جارحیت کی صورت میں نہیں بلکہ جب تک کفر کی ایک بھی نشانی قائم ہے۔ وقاتلوھم حتیٰ لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہٗ للّٰہ —— مومن گفتار و کردار سے قول و عمل سے، ظاہر و باطن سے ہر لمحہ اور ہر لحظہ ایک غازی اور مجاہدین کر نمودار ہوتا ہے۔ یہ جہاد نفس سے ہے۔ خواہشات سے ہے۔ معاشرہ سے ہے۔ اردگرد کی برائیوں سے اور بالآخر دنیا بھر کی طاغوتی طاقتوں سے ہے۔

اب ہم پر جہاد پیہم اور جہد مسلسل کی گھڑی آچکی ہے۔ قدرت نے ہمیں جھنجھوڑ دیا ہے۔ اگر اب بھی ہم اٹھ کھڑے ہوئے تو ہمارا شعار، ہمارا نعرہ، ہماری لگن اور ہمارا فیصلہ ایک ہی ہونا چاہیئے کہ فتح مکمل فتح، دشمن کی شکست مکمل شکست۔ حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی یا پھر موت، ہر فرد کی موت۔ گیارہ کروڑ پاکستانیوں کی موت، یعنی شہادت کی موت۔ ایک حیات جاودانی جس پر کروڑوں سال کی زندگی نثار ہو —— بلاشبہ ہمیں ایک عیار اور بدترین ذلیل دشمن ہندو سے واسطہ پڑا ہے

جس کی پشت پر مکار اور فریبی سوشل سامراج روس بھی ہے۔ یہودی صیہونیت بھی اس کی سازشوں میں شریک ہے اور عالم اسلام کا ازلی دشمن برطانوی استعمار بھی نہایت بے حیائی سے اسے سہارا دے رہا ہے۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اگر ہم مومن کہلانے والے واقعی مومن بن جائیں تو پھر فتح و کامرانی کا اٹل وعدہ ہمارے لئے ہے اور مکین گنبد خضرا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ شفقت ہمارے ہی اوپر ہے۔

یاس وتقوی نہیں امید اور عزم

پھر غم اور مایوسی کیوں؟ سارے سہارے کٹ جائیں تو اضطراب اور پریشانی کے ایسے ہی عالم میں مومن کی جبین نیاز اس رب کریم کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتی ہے جس نے ہمیں محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی سے نوازا ہمیں پاکستان جیسی مقدس نعمت سے مالا مال کیا۔ اے خدائے کریم ہم خطا کار اور ہر سرزنش کے سزاوار ہیں مگر تیرے محبوب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا ہیں۔ اس برگزیدہ نسبت کی لاج رکھیئے اور ہمیں اقوام عالم میں سرخروئی عطا فرما۔ ہمیں بزدل اور کمینہ صفت مشرکین کے ہاتھوں ہزیمت کی ذلت سے بچا۔ ہم نے تیری نعمت آزادی کی بے دردی سے بے قدری کی لیکن آج اس کی حفاظت کے لئے سب کچھ لٹا کر اور سر سے کفن باندھ کر نکلے ہوئے ان غیور اور جسور مجاہدین کے صدقے سے رحمت کے طلب گار ہیں جو اپنے مقدس خون سے خالد و طارق اور محمد و محمود (رضوان اللہ علیہم) کے لکھے ہوئے باب کو تازہ کر رہے ہیں۔

ہم مایوس نہیں ہیں کہ تیری رحمت سے مایوسی کفر ہے۔ تیری یہ نوید فتح اور وعدۂ نصرت ہمیں ہر دم حیات نو بخش رہی ہے کہ و کان حقاً علینا نصر المومنین ہماری پونجی تیری ذات اور تیری نصرت ہے اور جب یہ دولت ساتھ ہو جائے تو مومن ایک بالشت زمین پر بھی قدم جما کر چاروں طرف پھیلی ہوئی دنیا کو کفر و شیطنیت کے تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہ ہماری تاریخ اور ہماری ریت ہے۔ آج ہم پھر اس روایت کو روشن کر کے رہیں گے۔ انشاء اللہ

مومنو! ذرا سنبھلو، وہ دیکھو آواز آ رہی ہے:۔ لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین —؟ (دسمبر ۷۱ء)

سقوطِ مشرقی پاکستان
ہزار سالہ عظمتوں کا جنازہ

وما ظلمھم اللہ ولکن کانوا انفسھم یظلمون

وہ دیکھو ڈھاکہ فتح ہوگیا اور سقوطِ مشرقی پاکستان کے ساتھ، اسلام کے لحاظ سے نہیں۔ مگر مسلمانوں کے لحاظ سے دنیا کی عظیم اسلامی مملکت سرنگوں ہوگئی وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ ان اللہ کان علیماً حکیما برصغیر پر افقِ مغرب سے طلوع ہونے والا فتح و کامرانی کا روشن ستارہ مشرق کی وادیوں میں ٹوٹ گیا۔ آج دیبل کے ساحل پر محمد بن قاسم کا لہرایا ہوا پرچم سرنگوں ہے۔ احمد شاہ ابدالی کی عظمتوں کا آبگینہ چکنا چور ہوگیا ہے اور سومنات کا جامد اور ساکت بت محمود غزنوی کی ناخلف اولاد پر قہقہے لگا رہا ہے۔ جو گلشن محمد بن قاسم سے لے کر اورنگ زیب، سید احمد شہید و محمود الحسن کے خون سے سینچا گیا۔ آج وہ اجڑا اجڑا سا ہے۔ پاکستان ہمارے خوابوں کا آئینہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا ہے اور اس کا ہر ذرہ ہماری تصویر پر خندہ زن ہے۔ اللہ کی رسی اسلام کو کاٹ کر مشرق و مغرب کو ملانے کے لئے ہماری تمام تدبیریں نہ صرف ناکامی بلکہ اس شرمناک رسوائی میں اضافہ کا باعث بن گئیں اور آج ملت اسلامیہ کے سات کروڑ جگر پارے ہم سے جدا ہو چکے ہیں

ایھا النفس اجملی جزعا ان ما تحذرین قد وقعا

یارائے صبر و شکیب نہیں نہ کہ صبر کا مقام ہے۔ نالہ و شیون کا طوفان بپا کیجئے۔ اور اگر ضمیر و احساس ندامت ساتھ نہ دے اور غیرت کا پانی خشک ہو جانے سے آنکھیں اشکبار نہیں ہوتیں تو مر جایئے کہ ڈوب مرنے کیلئے اس سے بہتر موقع نہ پا سکو گے۔

بہت سعی کیجئے تو مر رہیئے میر
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

مسلمانوں کا سانحہ مرگ

سقوطِ ڈھاکہ سے ایک ہفتہ قبل جب احساس و شعور کی

ساری توانائی یاس وقنوط کے سامنے بے بس ہو چلی تھی اور پچھلے نقش آغاز میں قلم اعتراف عجز پر مجبور تھا۔ تو آج جبکہ یہ واقعہ ہائلہ اور قیامت کبریٰ ایک حقیقت بن چکا ہے تو کسے تاب ہے کہ برصغیر کے تقریباً ۱۴ کروڑ مسلمانوں کے سانحہ مرگ پر مجلس عزا برپا کر کے برصغیر میں اپنی ہزار سالہ عظمتوں کی مرثیہ خوانی کر سکے اور کہنے کو رہ کیا گیا ہے۔ یلیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاہ

نہیں ہے طاقت گفتار اور اگر ہو بھی — تو کس امید پہ کہئے کہ مدعا کیا ہے

خلافت بغداد کی تباہی کا ماتم کرتے ہوئے مورخ کبیر علامہ ابن اثیر کو کئی سال تردد رہا۔ قلبی کیفیت کو چھپا نہ سکے اور لکھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی خبر موت سنانا کس کو آسان ہے اور کس کا جگر ہے کہ ان کی ذلت ورسوائی کی داستان سنائے۔ کاش! میں نہ پیدا ہوتا۔ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مرچکا ہوتا اور بھولا بسرا ہو جاتا (الکامل ص ۱۴۷ ج ۱۲) مگر آج کی یہ ذلت فاضحہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہماری پوری تاریخ کا ذلیل ترین سانحہ ہے۔

اسلامی تاریخ کا ذلیل ترین سانحہ

بابل کا جابر بادشاہ بخت نصیر یروشلم سے ایک لاکھ یہودیوں کو قیدی بنا کر لے گیا تھا کہ ان کی ذلت ومسکنت کی انتہا ہو چکی تھی مگر عہد اسلام تو اس مثال سے نا آشنا ہے۔ مسلمان اور شکست، مومن اور ہتھیار ڈالنا تو اتنی متضاد چیزیں ہیں جتنا کہ خود اسلام اور کفر، اسلام کی تاریخ میں نہایت شاذ ونادر مثال فتوحات عراق میں صرف ایک جگہ ملتی ہے کہ نہایت مجبوری کی وجہ سے چند لوگوں کو پیچھے ہٹنا پڑا جبکہ ساتھیوں نے میدان جیت کر دم لیا۔ پھر بھی اس واقعہ کا اتنا افسوس ناک اثر ہوا کہ جن لوگوں کو پیچھے ہٹنا پڑا وہ مدتوں خانہ بدوش پھرتے رہے۔ شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے۔ اکثر رویا کرتے اور لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ جو لوگ مدینہ پہنچ کر روپوش تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس جا کر تسلی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم او متحیزاً الی فئۃ میں داخل ہو مگر ان کو اس تاویل سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔ (الفاروق)

مگر چرخ نیلگوں نے یروشلم کے بعد پہلی مرتبہ ڈھاکہ سے ایک لاکھ قیدیوں کی شکل میں تاریخ کو دہراتے دیکھا۔ پھر کیا یہ ہماری بے مثال ذلت کی شہادت نہیں؟

ذلک بان اللہ لم یک مغیرا نعمتہ انعمہا علی قوم حتی یغیروا ما بانفسہم۔	یہ قدرت کا قانون ہے کہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کی بے قدری کرنے والوں کو ذلت اور نامرادی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ قوم خود اپنی حالت تبدیل ڈالے

اسلام کی نہیں نام نہاد دعویداروں کی شکست

پھر کیا یہ اسلام کی شکست ہے ؟ کیا نصرت خداوندی اب عصر حاضر کے ظالم اور باطل طاقتوں کا سامنا نہیں کر سکتی ؟ کیا حق و باطل کے سامنے سپر انداز ہو چکا ہے ؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا خدائے حی و قیوم سومنات کے مردہ اور جامد پتھروں کے سامنے عاجز اور بے بس ہو چکا ہے ؟ نہیں ہزار بار نہیں۔ اپنی رسوائی اور ناکامی کو اسلام کے سر تھوپنے والو کیا یہ اسلام اور کفر کا مقابلہ تھا۔ اور کیا آخری مقابلہ ہو چکا ہے ؟ کیا بدر و حنین اور یرموک و قادسیہ مسلمانوں کے نہیں ہندوؤں کے معرکہائے خونین تھے ؟ بحر الکاہل کی متلاطم موجوں کو چیر کر جبل الطارق پر علم توحید نصب کرنے والے کوئی اور تھے۔ کیا پانی پت اور ملیور کے میدان کسی اور کے خون سے لالہ زار بنے تھے ؟ کیا برصغیر میں پھیلے ہوئے شکستہ کھنڈرات کسی اور کے عہد اقبال کی شہادت دے رہے ہیں ؟ اور کیا جلال و جبروت کا سرچشمہ خدائے بزرگ و برتر —— بزدل ہندو کی بے جان مورتیوں سے شکست کھا سکتا ہے ؟ کبھی نہیں۔ حق و باطل کی پوری تاریخ میں ایسی کوئی شہادت نہ پا سکو گے۔ پھر یہ کیا تھا —— ؟ یہ شکست قانون مکافات عمل کا ظہور اور شامت اعمال کا نتیجہ تھا۔ وما ظلمہم اللہ ولکن کانوا انفسہم یظلمون ۔ نصرت اور قوت خداوندی تو ہمیشہ قائم اور دائم رہنے کے لئے ہے اور کسی کو اس پر یقین نہ ہو تو پھر اسے چاہیئے کہ اوپر کی طرف ایک رسی تان کر اس کا پھندا بنا لے اور اس طرح اپنے گلے میں پھانسی لگا لے۔ من کان یظن ان لن ینصرہ اللہ فی الدنیا والآخرۃ فلیمدد بسبب الی السماء ثم لیقطع فلینظر ہل یذھبن کیدہ ما یغیظ۔

سنت اللہ کا ظہور

پس یہ اسلام کی شکست نہیں جو ایک ابدی حقیقت اور سرمدی صداقت ہے۔ بقا اس کی معیت اور فنا اس سے گریز میں ہے۔ بلکہ یہ تو عروج و زوال امم کے

لئے اللہ کے اٹل قوانین اور سنت اللہ کا ٹھیک ٹھیک ظہور ہے۔ ذرا بھی اپنے شکستہ دل کے ملبہ میں اس المیہ کے اسباب ٹٹولو گے تو یہ نتائج تعجب خیز نہیں بلکہ سنت اللہ کے عین مطابق معلوم ہونگے۔ ایسا نہ ہوتا تو اس سنت کی تبدیلی سب کو محو حیرت کر دیتی۔ پس یہ رسوائی اسلام کی نہیں۔ نہ اللہ کے مخلص بندوں کی ہے بلکہ اعمال کا ردعمل ہے۔

منافقانہ کردار اور کھوکھلے نعروں کی موت

نفاق اور کھوکھلے نعروں کی شکست قول و عمل کے تضاد اسلام کو نعرہ فریب و استحصال بنانے کی شکست ہے۔ یہ عیاری، فحاشی اور بے حیائی کی شکست ہے۔ یہ اختلاف و انتشار اور اقتدار کے لئے رسہ کشی کا نتیجہ ہے۔ یہ میکیاولی سیاست کی موت ہے کہ فاروقی سیاست تو غالب رہنے کے لئے تھی۔ یہ خود غرضی اور ہوس اقتدار کا وبال ہے اور گاڑی ہلاکت اور بربادی کی اپنی اسی منزل میں جا گری ہے جس کی راہ پر ہم نے اسے ڈال دیا تھا۔

اب ہم لاکھوں تحقیقاتی کمیشن قائم کریں۔ جنگی اور سیاسی اسباب ٹٹولیں۔ ایک دوسرے کو قربانی کا بکرا بنا کر اپنے مجرم ضمیر کی آسودگی کا سامان کریں۔ ہماری عظمت کا قصر رفیع پیوند خاک ہو چکا ہے۔ بلند نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ یغیروا ما بانفسھم لٹی ہوئی آبرو تحقیقاتی کمیشنوں سے واپس نہیں ہو سکتی۔ نہ نفس اور قوم کو فریب دینے کے لئے اسی سعی لاحاصل کی ضرورت ہے ؂

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہو گا ‏ ‏ ‏ کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

اپنی حالت بدلنے کی بجائے ان ابلہ فریبیوں میں پڑنے والو کہیں کلک تقدیر نے یہ کہہ کر پوری قوم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کا حکم تو نہیں دیا کہ ع

ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ

بیشک مایوسی کفر اور یاس و قنوط پیغام موت ہے۔ مسلمان مایوس نہیں ہوتا لیکن وہ اسلام جو مردہ قوموں کے لئے حیات جاودانی کا مژدہ بنتا تھا۔ اس پورے عرصہ آزادی میں کبھی اپنایا گیا! اپنایا ہوتا تو یہ روز بد کیوں دیکھتے۔ پھر آج امید و بیم کی دنیا بسائی جائے بھی تو کیسے؟ ہمارے پاس رہ کیا گیا ہے۔ چند آنسو، چند حسرتیں اور چند آہیں۔ قوم کا ساز حیات ڈوب چکا ہے اور وہ جسے ہم عالم اسلام کا حصار کہتے تھے خود ہمارے ہاتھوں ٹوٹ چکا ہے۔ ہم نے صلاح الدین کی آبرو مسجد اقصیٰ یہودیوں کے

ہاتھوں لٹادی، وسط ایشیا۔ سمرقند و بخارا میں اپنی سرخروییوں کا خزانہ اپنے ہاتھوں دفن کیا۔ اسپین اور سسلی میں اپنی متاع عظمت و شوکت تاراج کرنے والو آج ہند میں محمود غزنوی کی قبائے عزت و افتخار بھی تمہارے ہاتھوں تار تار ہو چکی ہے مگر تمہاری عشرت تناکی اور ہوسناکیوں میں لمحہ بھر کے لئے کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ تم میں سے کتنے ہیں جنہیں اس مصیبت کبریٰ کا واقعی احساس ہے۔ کتنی آنکھیں خونبار ہو چکی ہیں۔ کتنے قلوب فرط غم سے پھٹ چکے ہیں اور کتنے ہیں جو زندگی کی رنگینیوں کو چھوڑ کر دشت و صحرا کے ویرانوں کو اپنی آہ و بکا سے آباد کر چکے ہیں اور کتنے ہیں جنہیں اب اس عظیم المیہ سے سبق لینا ہے ـــــ اٹھو دیکھو پورا برصغیر اسلام کا عزت کدہ بن چکا ہے۔ اور اگر تمہارے مقدر میں رونا ہی رہ گیا ہے تو اٹھو اور اپنے نالہ و شیون سے عالم افلاک میں تہلکہ مچا دو شاید رب السموات والارض کو ہماری بستی اور بیکسی پر ترس آجائے۔ مسلمانو! سقوط ڈھاکہ وقتی حادثہ نہیں یہ ہند میں تمہارے اسلاف کی تیرہ سو سالہ عظمتوں اور قربانیوں کا جنازہ ہے۔ اب تمہیں روٹی، کپڑا اور مکان کی نہیں کھوئے ہوئے لباس مجد و شرف کی ضرورت ہے اور اگر اس حال پر خوش ہو تو یاد رکھو کہ خدا کی بستی میں اس لباس سے ننگی قوم کا کوئی ٹھکانہ نہیں ؎

یہی ہے زندگی تو زندگی سے موت اچھی
کہ انسان عالم انسانیت پہ بار ہو جائے

جنگ اور جنگ کے بعد

جام شراب سنا ہے شیخ مجیب نے شراب پر پابندی لگادی۔ حریف جنگ کے بعد اخلاقی میدان میں بھی بازی لے گیا۔ رہی ریاست تو وہاں پارلیمانی نظام کا غلغلہ ہے اور یہاں مارشل کی مدح سرائیاں اور جو مملکت جام شراب پر لٹادی گئی وہاں شراب کا دور دورہ نہ ہوگا تو کہاں ؎ کس رو سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز

طاؤس و رباب ادھر جنگ لڑ رہے تھے ادھر لاکھوں روپیہ ایک فاحشہ مغنیہ (نام نہاد ملکہ ترنم) کے دوروں پر خرچ ہو رہا تھا اور ۱۹۶۵ء میں بھی تم اسے ہی

تمغہ دیا گیا تھا۔ کاش ہم جانتے کہ تقدیریں شمشیر و سنان سے بنتی ہیں، طاؤس و رباب کا ہر ساز و آواز تو کسی قوم کے خبر مرگ کا نقارہ ہوتا ہے۔

ابن علقمی

خلیفہ مستعصم کے شیعہ وزیر ابن علقمی نے کسی شیعہ سنی فساد پر ناراض ہو کر ہلاکو کے ہاتھوں پوری خلافت بغداد تباہ کر ڈالی معلوم نہیں ہمارے دور کے ابن علقمی یحییٰ خان رافضی نے کس کربلا کے انتقام میں پوری اسلامی مملکت برباد کر ڈالی ہے۔ یا پھر قدرت نے ہمیں ابن علقمی کی تاریخ دہرانے پر خود یہ سزا دی ہے۔

ہوئے کیوں نہ غرق دریا

یحییٰ خان کی رسوائیوں کے چرچے ہیں کوئی شریف خاتون تو کیا زنان بازاری بھی اس رسوائے زمانہ کو اپنی گلی میں جگہ نہیں دیتی۔ بے شک عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ ہے۔ اس کی چادر رحمت ذرا سرک جائے تو سب کچھ ہیچ دکھائی دیتا ہے۔

پاکستانی حکمران کا اثاثہ

پشاور میں یحییٰ خان کے لٹے پٹے گھر میں صرف بار روم سلامت رہ گیا ہے۔ یہ ہے کسی عظیم اسلامی سلطنت کے "امیر المومنین" کا اثاثہ اور کچھ شکستہ جام و سبو بھی جو "پسماندگان" کے کام آسکیں۔ کچھ ٹوٹی ہوئی مینائیں جو اس ساقی کو رو رہی ہیں جس کی گردش میں کل تک پیمانے نہیں بھرے میخانے ہوا کرتے تھے ؎

ع   بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

منصوبہ بندی

نئی حکومت نے ایک وزارت خاندانی منصوبہ بندی کی بھی بنا رکھی ہے قدرت کی اتنی بڑی منصوبہ بندی کے بعد کہ ہم گیارہ کروڑ کی بجائے پانچ کروڑ رہ گئے کسی اور منصوبہ بندی کی ضرورت رہ گئی ہے اگر ہے تو اسے بھی قدرت پر چھوڑ دیجئے اور انتظار کیجئے۔

بعد از مرگ ماتم عزا

شہنشاہ ایران ہماری اشک شوئی کے لئے تشریف لائے۔ بعد از مرگ اس "ماتم عزا" میں شمولیت بھی صد لائق تشکر ہے کہ "جشن ایران" میں ہماری وارفتگیوں کا صلہ "شام غریباں" میں شریک ہو کر تو مل گیا مگر دل سے رہ رہ کر صدا اٹھتی ہے کہ ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا — نہ ماتم عزاداری کی ضرورت رہتی، نہ جنازہ کو کندھا دینے کی

باب ۱۷

حاملین علوم نبوّت

مقام و ذمہ داریاں

علم و عمل، مدارسِ عربیہ نظام و نصابِ تعلیم

امراء اور خلقِ خدا سے استغناء اور بے نیازی

اسلامی تاریخ کے زریں اوراق میں ہمیں بے شمار بزرگوں کے حالات ملتے ہیں جنہوں نے دنیا کی متاعِ فانی کو ہیچ و حقیر جانا اور اربابِ دولت و سطوت کی مادی شان و شوکت ایک لحظہ بھی ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ کر سکی۔ انہوں نے اپنے ان پاکیزہ نفوس کو طمع و لالچ اور ماسوا اللہ کی ہر امید و آس سے پاک و صاف کر دیا تھا۔ وہ اگرچہ دنیا کے علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب اور لوگوں کے اقلیم دل و دماغ کے تاجدار تھے مگر ان کے تمام اوصاف کا گوہر آبدار یہی وصف استغناء عن الخلق اور شان بے نیازی رہا۔ انہوں نے ہفت اقلیم و ملک نیمروز کو ایک جو سے بھی حقیر سمجھ کر متاع الدنیا قلیل کہتے ہوئے ٹھکرایا۔ ہر آن دنیا کی بے ثباتی اور ہیچ میرزی کی حقیقت ان کے قلوب میں راسخ و ثابت ہوئی اور دنیا کی بڑی سے بڑی پیش کش کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وما آتانی اللہ خیرٌ مما آتاکم بل انتم بہدیتکم تفرحون کیونکہ ایک مومن کی نگاہ میں رب العالمین کی عظمت و سطوت کے سامنے دنیا کی فانی اور مصنوعی طاقت و قوت کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جبکہ یہ سب کچھ چند روزہ متاع اور ڈھلتی چھاؤں ہے اور وما عند اللہ خیر و ابقیٰ۔ یہاں ان خاصان حق اور صلحائے امت کے چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی تابعی جو اقلیم علم و عمل کے تاجدار تھے۔ اربابِ دولت اور شہرت و نمود سے دور بھاگتے یہاں تک کہ لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے عام راستوں سے ہٹ کر دور دراز راستوں اور گلیوں کو اختیار کر لیتے کہ لوگوں کی نگاہ سے بچیں۔ اربابِ جاہ و سطوت سے اعراض و گریز کا یہ عالم تھا کہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا بلا دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن میرے گھر پر خلفاء و سلاطین اور مجالس میں امراء و حکام کے آنے کے عوض میں اپنے بیٹے کے دفن کرنے کو ترجیح دوں گا۔[1]

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق ۲ ص ۱۰

حضرت اعمش جلیل القدر تابعی اور اجلۂ امت میں سے ہیں۔ ساری زندگی زہد و قناعت اور فقر و احتیاج میں گزری۔ کبھی بھی ضروریاتِ زندگی سے اطمینان حاصل ہوا مگر بایں ہمہ فقر و غربت، امراء و ارباب دولت سے نہ صرف اعراض و بے نیازی کرتے بلکہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے۔ امام شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک میسر نہ تھی لیکن اس کے باوجود ان کی مجلس میں اغنیاء اور سلاطین سب سے زیادہ حقیر اور فقیر معلوم ہوتے ہیں[۱]۔ فقر و احتیاج کے باوجود جرات و بیباکی کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام نے کسی ایسے مسئلہ کے بارہ میں ان کو لکھا جس سے صحابہؓ کے ایک گروہ پر تنقید مقصود تھی تو انہوں نے شاہی پیغام رساں کے سامنے ہی یہ خط بکری کو کھلا دیا اور کہا کہ اس خط کا یہی جواب ہے۔

اسی عہد کے دوسرے یگانۂ علم و فضل اور یکتاءِ زہد و تقویٰ تابعی رجاء بن حیوۃ کا بھی یہی شیوہ رہا کہ امراء و سلاطین کے ہاں حاضری اور حاجب و دربان کی منت سے ہمیشہ اجتناب کرتے اور اگر کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھ کو اس رب العالمین کی ذات کافی ہے جس کے لئے میں نے ان کو چھوڑا۔ ان کی زندگی کا اہم کارنامہ اور ملت محمدیؐ پر ان کا بڑا احسان یہ ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے انہی کے مشورہ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ (مجدد اول) کو خلیفہ نامزد کیا۔ خانوادہ فاروقی کے گل سر سبد اپنے جدّ امجد سیدنا عمرؓ فاروق اور اپنے نامور والد حضرت عبداللہؓ کے سچے جانشین حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ کا بھی امراء کی داد و دہش سے بے نیازی کا یہی عالم تھا کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک جب حج کرنے آیا اور کعبۃ اللہ میں حضرت سالم بن عبداللہ سے درخواست کی کہ اپنی حاجات اور ضروریات بیان فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے گھر میں کسی غیر سے مانگوں۔

محبت الٰہی سے سرشار ان فقراء و زہاد نے فقر و فاقہ اور شدت بھوک کے باوجود غیر اللہ سے طمع و لالچ تو کیا مشتبہ چیزوں تک سے احتراز کیا۔ مولانا گیلانی مرحوم نے خطیب بغدادی کے حوالہ سے حضرت جنید بغدادیؒ کے بارہ میں روایت درج ہے کہ حضرت حارث محاسبی ایک مرتبہ

---

[۱] طبقات کبریٰ ج ۱ ص ۳۸۔ [۲] شذرات الذہب ج ۱ ص ۲۲۱ بحوالہ تابعین ص ۲۴۳

ان کے سامنے آئے۔ چہرے سے معلوم ہوا کہ بہت بھوکے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے کھانا حاضر کرنے کی اجازت طلب کی۔ جب اجازت ہوئی تو اکرام ضیف کے خیال سے حضرت جنیدؒ نے بجائے اپنے گھر، اپنے چچا (جو بہت دولت مند تھے) کے ہاں سے مختلف اقسام کے کھانوں کا سجا ہوا خوان لاکر پیش کر دیا۔ حضرت حارث نے ایک لقمہ لیا اور منہ میں گھماتے رہے لیکن نہ نگل سکے اور جب کھڑے ہو کر جانے لگے تو دروازہ پر پہنچ کر اس لقمہ کو بھی اگل دیا۔ حضرت جنید نے وجہ پوچھی تو فرمایا بھائی میری ناک مشتبہ کھانے کی بو کو برداشت ہی نہیں کر سکتی۔

اسلاف کی شان بے نیازی

ریاستہائے متحدہ آگرہ و اودھ کے انگریز گورنر نے حضرت شیخ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس ارادہ کی اطلاع پھیلتے پھیلتے حضرتؒ کے قصبہ گنج مرادآباد پہنچی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کو سختی سے کچلا گیا تھا۔ اور انگریز کے دبدبہ اور ہیبت سے رعایا ہر وقت لرزاں و ترساں رہتی۔ ایسے وقت میں ایک انگریز گورنر کی آمد کی خبر سے گنج مرادآباد میں ہلچل مچ جانا لازمی بات تھی۔ گاؤں کی پوری آبادی گورنر کے استقبال وغیرہ کی تیاریوں میں لگ گئی۔ ادھر مریدوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ خانقاہِ شیخ میں نہ تو کوئی کرسی ہے نہ ڈیسک۔ جبکہ گورنر بغیر اس کے بیٹھ نہیں سکے گا۔ شیخ جو ابھی تک اس ہنگامہ سے بے خبر یادِ الٰہی میں محو تھے۔ اس تگ و دو کی وجہ دریافت فرمانے لگے۔ جواب میں کہا گیا کہ ولایت متحدہ کے گورنر حضرت سے ملنے آرہے ہیں۔ اور یہاں اس کے شایانِ شان ایک کرسی تک نہیں۔ شیخ نے اس خبر کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہوئے لوگوں کے اس اہتمام اور دوڑ دھوپ پر سخت ناگواری ظاہر کی۔ آپ شیخ نے چاہا کہ ان کو اربابِ دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا ایک ناقابلِ فراموش درس دیں اور انہیں یہ بتلادیں کہ اہل دین کی نظروں میں دنیاوی اقتدار اور شوکت و سطوت ہیچ ہے۔ اور ایک مومن کا دل کبھی ان فانی عظمتوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔

شیخ نے اچانک خدام سے دریافت فرمایا۔کیا یہاں خانقاہ میں پانی کا مٹکا نہیں ؟ جواب ملا کہ ہاں موجود ہے۔ تو فرمایا کہ اسے میرے نزدیک الٹا رکھ دیجئے تاکہ گورنر آکر اس پر بیٹھ سکے۔ خدام حیرت سے خاموش رہے۔ جب گورنر آئے تو محبوبِ حقیقی کی عظمتوں میں مستغرق شیخ نے عام لوگوں کی طرح دیر تک اس سے باتیں کیں۔ کسی بات سے بھی یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ وہ کسی ذی جاہ اور صاحبِ اقتدار حاکم سے باتیں کر رہے ہیں۔ بلکہ حضرت شیخ نے گورنر کی حکومت پر تنقید کی۔ اور کہا کہ رشوت ستانی اور ظلم تمہاری حکومت میں عام ہو گیا ہے۔ گورنر کے ساتھ اس کی بیوی بھی آئی تھی جو قریب بیٹھی تھی۔ حضرت نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا۔ کہ تم لوگوں میں شرم اور حیا کی کمی ہے۔ گورنر آخر تک سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

دستارِ فضیلت یا کانٹوں کا ڈھیر

دارالعلوم حقانیہ کے جلسۂ دستار بندی میں بزرگوں کے ہاتھوں دارالعلوم کے جن فارغ التحصیل فضلاء کی دستار بندی ہو رہی ہے ہم ان کی خدمت میں دلی مبارک باد اور پُرخلوص جذبات پیش کرتے ہوئے اتنا عرض کریں گے کہ یہ دستارِ فضیلت اگر مقام و منزلت کے لحاظ سے سرخروئی دارین کا تاج مرصع ہے، تو ذمہ داری اور تقاضوں کے لحاظ سے اتنی نازک ترین امانت جس کا سنبھالنا پہاڑوں، دریاؤں اور آسمانوں کے بس میں نہیں۔ یہ آپ کی سندِ وراثتِ نبوت اور مقامِ دعوت پر فائز ہونے کی علامت ہے۔ اور آپ کو زندگی کے ہر اجتماعی و انفرادی موڑ پر اس منصب کی لاج رکھنی ہے اور وراثتِ انبیاءؑ کے تقاضوں کو نباہنا ہے۔ یہ ایک داعی اور نذیر کا مقام اور بلا خوف لومۃ لائم کلمۂ حق کہنے کا منصب ہے۔ اس علم کو مادی اجر و منفعت طمع و حرص، خوف و لالچ اور نفاق و مداہنت کی آلائشوں سے پاک رکھنا ہے۔ پھر اس عہدِ ظلمات نے تو آپ کی ذمہ داریاں اور بھی نازک بنا دی ہیں۔ نبوت چونکہ

آقائے دو جہاں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے کارِ نبوت یعنی دعوت الی اللہ امر بالمعروف تغییر منکر۔ احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا فریضہ امت کی اس جماعت ہی کو ادا کرنا ہے جسے اس کے پیغمبرؐ نے انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ ٹھہرایا (علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل) ان تقاضوں کی رو سے یہ دستار صرف پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں کا ڈھیر بھی ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا تلامذہ کو الوداعی نصیحت ہمارے امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ النعمانؒ نے فارغ ہونے والے اپنے ممتاز تلامذہ کے اہم مجمع میں الوداعی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ :۔

"اللہ کا واسطہ اور علم کا جو حصہ آپکو ملا ہے اس علم کی عظمت و جلالت کا حوالہ دیتے ہوئے آپ لوگوں سے میری یہ تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی ذلت سے بچاتے رہنا — آگے چل کر فرمایا — امام (مسلمانوں کا حاکم اور امیر) اگر مخلوقِ خدا کے ساتھ کسی غلط رویہ کو اختیار کرے، تو اس امام سے قریب ترین عالم کا فرض ہو گا کہ اس سے باز پرس کرے۔ (موفق ج ۲ ص —)

حضرت الامام کے ان کلمات میں ہم سب کے لئے مقام نصیحت ہے۔ اب یہ آنے والے حالات پر ہے کہ اس آزمائش اور امتحان میں کون پورا اترتا ہے۔

(دسمبر ۶۶ء)

شیخ الازہر کی اہل علم کو نصیحت

دنیائے اسلام کی قدیم اسلامی یونیورسٹی جامع ازہر اور اس کے شیخ — شیخ الاعظم کا ہر دور میں اسلامی دنیا میں ایک خاص مقام رہا ہے۔ ابھی پچھلے دنوں جامع ازہر کے موجودہ شیخ عبدالحلیم محمود نے سرزمین پاکستان کو اپنی آمد کی شرف بخشی۔ اہل علم، مدارس، تعلیمی اداروں اور کئی شہروں کو اپنی زیارت سے نوازا۔ شیخ عبدالحلیم محمود نہ صرف شیخ الازہر کی حیثیت سے بلکہ اپنے ممتاز علمی مقام اور نمایاں خدمات کی وجہ سے بھی اس دور کی قیمتی شخصیات میں سے

ہیں۔ خوش قسمتی سے راقم الحروف کو بھی اپنے ایک دو دوستوں کے ساتھ جس دن راولپنڈی سے ان کی روانگی تھی، تقریباً ایک گھنٹہ تک یکسوئی اور تنہائی میں زیارت اور ہمکلامی کا شرف حاصل ہوا انہوں نے ازراہِ شفقت نہ صرف زبانی بلکہ اپنے ہاتھ سے لکھ کر نصائح سے بھی نوازا۔ شیخ کے مقام و عظمت اور اس تحریری نصیحت کی جامعیت اور افادیت کے پیشِ نظر ہم اپنے قارئین کو بھی اس میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔ شیخ الازہر نے اہلِ علم کو خاص طور سے مخاطب کرتے ہوئے لکھا۔

النصيحة ان يهب الانسان	نصیحت یہ ہے کہ انسان نبی کریم
نفسه لله تأسيا برسول الله	علیہ السلام کے اقتدا میں اپنے
صلى الله عليه وسلم الذى	آپ کو اللہ کے حوالے کر دے
يقول الله سبحانه وتعالى له۔	جنہیں خداوند کریم نے مخاطب کر
قل ان صلاتى ونسكى ومحياى	کے یہ اعلان کرنے کا حکم دیا تھا کہ
ومماتى لله رب العالمين	میری نماز اور عبادتیں میری زندگی اور
لاشريك له وبذلك امرت	موت صرف اور صرف اللہ رب العالمین کیلئے
وانا اول المسلمين وحياة الانسان	ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں یہی مجھے حکم
اذن يجب ان تكون لله واذا	دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے
ماوهب الانسان حياته لله	سر تسلیم و انقیاد خم کرنے والا ہوں۔
فيجب عليه ان يثقف نفسه	پس اب لازم ہے کہ انسان کی
اسلامياً وذلك بدراسة القرآن	زندگی صرف اللہ کے لئے ہو
الكريم والسنة النبوية	اور جب انسان اپنی زندگی خدا
الشريف ومن افضل الكتاب	کو بخش دیتا ہے تو لازم ہے کہ
بعد القرآن الكريم كتب	اپنے نفس کی اسلامی حیثیت سے
آئمه الحديث مثل صحيح البخارى	اصلاح کرے یہ اصلاح اور
ومسلم وكتاب رياض الصالحين	شائستگی قرآنِ کریم اور سنتِ

وكذالك كتاب احياء علوم الدين وكتاب السيرة النبوية لابن كثير۔	نبیٔ کریمؐ سے ہو سکتی ہے۔ اور قرآن کے بعد سب سے بہتر کتابیں ائمہ حدیث کی کتابیں ہیں۔

مثلاً بخاری شریف، مسلم شریف، ریاض الصالحین اور احیاء العلوم اور ابن کثیر کی سیرتِ نبویہ۔

واذا وهب الانسان نفسه لله فعليه ان يهدى الآخرون الى الله تعالىٰ و ذالك بالدعوة الى التمسك بالدين والتمسك بالخلق الصالح۔	اور جب انسان سب کچھ خدا کے سپرد کر دے تو یہ بھی ضروری ہے کہ اب اوروں کی بھی اللہ کی طرف رہنمائی کرے۔ یہ کام دین پر عمل پیرا ہو کر اور اسلام کے اخلاق و اعمال صالح اپنا کر ہو سکتا ہے۔
۔۔ والله الموفق ۔۔	

عبد الحليم محمود شيخ الازهر

شیخ الازہر کے مذکورہ جامع کلمات میں عام مسلمانوں اور اہل علم کے لئے صدہا نصیحتیں ہیں۔ ہم پاکستان میں ان کی آمد کے موقع پر تہ دل سے ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ اور اسلامی دنیا کے لئے جامع ازہر کے زیادہ سے زیادہ بہتر خدمات کے متمنی ہیں۔ اپریل ۱۹۷۶ء

شاندار علمی ماضی سے رابطہ کی ضرورت

ممتاز مسلمان عالم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حال مقیم پیرس نے دنیا کے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ فقہ حنفی کی اہم ترین شخصیت امام محمد بن الحسن الشیبانی کی بارہ سویں برسی بڑے اہتمام سے منائیں۔ جو کہ ۱۳۸۹ میں منائی جا رہی ہے۔ اس موقع پر یونیسکو نے امام شیبانی کی کتاب سیر کبیر کا فرانسیسی ترجمہ شائع کرنے کا اعلان کیا ہے! امام اعظم کی فقہ کی اشاعت اور اس کی تدوین اور ترتیب میں امام محمد کو بنیادی مقام حاصل ہے اور ان کی مذکورہ کتاب تو عالمی تاریخ میں بین الاقوامی علاقات اور قوانین پر قدیم ترین کتاب مانی گئی ہے، مسلمانوں کے ایک جلیل القدر فرزند کے علمی کارناموں کی یاد اور ان کی ترویج واشاعت اور تعارف کی غرض سے مشرق کے مایۂ ناز عالم ڈاکٹر حمید اللہ کی یہ اپیل ہر لحاظ سے قابلِ توجہ ہے، مگر مسلمانوں میں آج کتنے ہیں جنہیں اپنے شاندار ماضی کے ایسے لامثال افراد کے نام تک بھی معلوم ہوں، جن بزرگوں کے علوم و آراء سے استفادہ اور اشاعت کو یورپ بھی اپنے بدترین تعصب کے باوجود ضروری اور قابلِ فخر سمجھ رہا ہو، آج خود مسلمانوں کو ان پر کتنا اعتماد اور ان کے علوم سے کتنا رابطہ ہے؟ مارچ ۱۹۶۸ء

مسلمانوں کے عروج و زوال میں علماؑ کا کردار

عربوں کے حالیہ "المیہ" سے یہ حقیقت ایک بار پھر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو چکی ہے کہ سرخروئی اور کامیابی کے لئے مسلمان قوم کا ایمانِ محکم، اعمالِ صالح سے آراستگی، دینی روح اور اسلامی جذبات سے سرشاری، دینی ورثہ اور اسلامی روایات سے والہانہ فدائیت، اعلاءِ حق اور دین کے لئے مر مٹنے کا جذبہ نہایت ضروری اور ناگزیر ہے۔ اگر مسلمانوں کا کوئی طبقہ یا علاقہ ان اعلیٰ مؤمنانہ صفات اور خصوصیات سے محروم ہو جائے تو ناممکن ہے کہ صرف مادی اسباب و وسائل، ظاہری شان و شوکت، آلاتِ حرب و ضرب اور عددی قوت دکثرت اُسے اُس ذلت اور "خذلان" سے بچا سکے جسے صریح اندازہ میں خلاق قدیم نے ان الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے:۔ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم و ان یخذلکم فمن ذالذی ینصرکم من بعدہ ___ مگر یاد رہے کہ مسلمانوں کا ان ایمانی اوصاف سے اتصاف تب ممکن ہے کہ اپنے روحانی سرچشمہ اور اسلامی تعلیمات، کتاب و سنت اور اُسوۂ رسولؐ و صحابہؓ سے ان کا رشتہ اور تعلق بہت گہرا اور مستحکم ہو۔ اس تعلق کے قیام و استحکام کی سب سے بڑی ذمہ داری علوم اور تعلیماتِ اسلام کی نمائندگی کرنے والے اس طبقہ پر عائد ہوتی ہے جسے "علماءِ کرام" اور راہنمایانِ دین و شریعت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور جن کا مقام و منصب ایک مسلم معاشرہ میں دینی امامت و سیادت اور وراثت و نیابتِ نبوت کا ہے۔ ایمان و ہدایت کے یہ سرچشمے اگر متحرک، پُرجوش، باعزم ہوں گے تو ملت کی سوکھی کھیتیوں کی آبیاری ہو سکے گی۔ اور اسلامی اقدار و روایات کی روشنی میں تاریک سا دل منور ہو سکیں گے ___ ضروری ہے کہ وہ خود ان علومِ ربانی اور ہدایاتِ نبویؐ کا عملی نمونہ ہوں۔ اور مجسم ایمان و یقین اور عملِ صالح بن کر قوم کے سامنے آئیں، ان کا وجود اسوۂ نبویؐ اور سیرتِ صحابہؓ کا زندہ اور چلتا پھرتا پیکر ہو۔ وہ حرص و لالچ، طمع و خوف کی تمام آلائشوں سے پاک ہوں، دنیا کی فانی لذت اور عیش و عشرت کی چمک دمک سے

ان کی آنکھیں تیرہ نہ ہوں، دنیا کی بڑی سے بڑی قوت وسطوت اور وعد وعید سے ان کے قدم جادۂ حق سے نہ ڈگمگائیں۔ وہ بغیر کسی امیدِ نفع اور جاہ طلبی کے بلاخوف لومۃ لائم، اجرِ آخرت، خوشنودیٔ مولا اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر شبانہ روز اپنے فرائضِ منصبی ادا کئے جائیں اور راہِ حق میں ان کی پرواز ہر قسم کی مادی اور دُنیاوی "بندشوں" سے آزاد رہے۔

علماء اور معاشرہ کی تشکیل

"وارثینِ انبیاء" کا اتنا اونچا اور کامل معیار جب معاشرے کے سامنے آئے گا۔ تو لازماً ان کی "گرفت" ملک وملت پر مضبوط اور راسخ ہوتی جائے گی۔ ان کی عقیدت اور گرویدگی کی جڑیں قوم کے قلوب سے اور شاخیں آسمانوں سے پار ہوں گی اور اس "کٹر ملائیت" اور "مذہبی اجارہ داری" کے صدقے قوم کی اکثریت اس دینِ فطرت اور صبغۃ اللہ میں رنگ جائے گی جسے آپ "کٹر ملائیت"، "دقیانوسی" اور رجعت پسندی سے پکارتے ہیں۔ عرب عوام کے سامنے عرصہ سے اس ملائیت کے نورانی اور عرفانی نمونے نہیں آرہے تھے، وہاں کے علماء کی اکثریت نے عوام کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ حرص وآز اور عہدہ ومنصب نے ان کے ضمیر اور قوتِ ایمانی کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ یا پھر وہ قوت وطاقت، عہدہ ومنصب کی پُرفریب سنہری زنجیروں میں پابندِ سلاسل ہوئے۔ وہ خود رسول اللہ کے اُسوۂ حسنہ کو چھوڑ بیٹھے اور یہود ونصاریٰ کے تمدن میں ڈوب گئے۔ منبر ومحراب میں اقتدار کی دست اندازیوں سے کلمۂ حق اور اعلائے اقدار کی اشاعت کے راستے مسدود ہوگئے۔ تو لازماً مسلم معاشرہ پر ان کی گرفت کمزور پڑ گئی اور پورا معاشرہ مادیت اور نام نہاد تمدن کے قعرِ مذلت میں گرتا چلا گیا، قومی خودداری، دینی احساس وشعور، جہاد اور جان نثاری کے جذبات سرد پڑ گئے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی جانے لگی۔ اور صرف سائنس اور ٹیکنالوجی اور عصری علوم اور نظریات سے کام نہ چل سکا۔

علماء اور ملائیت کے دشمن تجدد پسند

"تجدد پسندوں" اور "روشن خیالوں" کا وہ طبقہ جو اس ملک میں "علماء اور ملائیت" کی کمر توڑنے کے درپے ہے۔ اور اپنی

اس مذہبی انارکی اور "مذہبی گرفت" سے آزادی کے لئے وہ آئے دن مصر، عراق، ترکیہ اور لبنان، افغانستان اور ایران کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ یہاں بھی وہی تاریخ دہرانا چاہتے ہیں جو مصر و شام میں دہرائی گئی۔ اور اس سے پہلے اندلس والبانیہ میں یا سمرقند و بخارا اور وسطِ ایشیا کے دیگر اسلامی حصوں میں۔ کیا ان ممالک میں اسلام کا زوال اپنے وقت کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے انتہائی عروج کے زمانہ میں شروع نہیں ہوا۔ مادی قوت اور دنیاوی ترقی کے منتہائے کمال کے وقت "ملائیت" کی گرفت ان ممالک میں ڈھیلی پڑ گئی اور نتیجہ سب کے سامنے ہے اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا۔ کہ "انہوں نے ملائی نظام کی کمر توڑ دی تھی اور ملائیت سے پیچھا چھڑانے لگے تھے"!

ملائیت اور سائنسی ترقی | جن ممالک کا نام لیکر آپ ملائیت اور راسخ العقیدہ اسلام کو یہاں گردن زدنی قرار دے رہے ہیں کیا ان میں سے بہت سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہم سے آگے نہ تھے؟ اور اگر مان لیا جائے کہ وہ سائنسی لحاظ سے کمزور تھے تو "ملائیت" نے ہمیں کب سائنسی ترقیات سے روکا؟ کہ سارا الزام اسکے سر تھوپا جائے "اسلام" کی وہ کونسی بنیادی تعلیم ہے اور اعاظم واکابرِ اسلام کی وہ کونسی تعصبت ہے جو اس طویل تاریخ میں سائنسی اور حربی ترقیات میں رکاوٹ بنی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے مراد اگر مادی ترقیات اور ملک کی حفاظت و بقاء اور دشمن کی مدافعت کی خاطر جنگی استعداد بڑھانا ہے تو وہ اسلام ہی ہے جس نے دشمن کے خلاف تیاری، اعداد اور استعداد کو کسی حال سے مشروط اور کسی مقدار سے محدود نہیں کیا۔ اس نے اساسی ارکان نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کیلئے تعداد و زمان کی حدود و قیود مقرر کیں۔ مگر یہ کہہ کر جہاد اور جنگی تیاریوں کیلئے ہمہ وقتی اور ہر ممکن جدوجہد کرنے کا حکم دیا کہ واعدوا لهم ما استطعتم اس کیلئے کوئی حدود قیود نہیں اور جتنا بھی آپکا بس چلے دشمن کے مقابلہ میں تیاری کرو۔ یہ استطاعت اپنے اندر لامحدود مفہوم رکھتی ہے۔ ہاں اگر سائنس اور ٹیکنالوجی کے تکرار عصری تقاضوں اور زمانے کی رفتار کے ورد اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے ترجمانی کی نصیحت سے آپ کی مراد یہ ہے کہ جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا امتیاز ختم کر دیا جائے۔ اور اسلام کو سود، قمار، شراب، بے پردگی، فحاشی میں رکاوٹ نہ بنایا جائے۔ نام نہاد اقتصادی اور معاشی ترقیوں کی خاطر نہ تو نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ پر وقت ضائع کیا جائے اور نہ ان اصطلاحات پر زور دیا جائے بلکہ انکی "روح" کو کافی سمجھا جائے عصرِ حاضر کے ہر لادینی ازم اور تحریک کے ساتھ اسلام کا پیوند لگایا جائے۔ اسلام کے تعبیرات اور اساسی اصول پر نہ اڑا جائے۔ تو یقین جانیے کہ ایسا کرنا صرف ملائیت نہیں اسلام اور "اسلامیت" ہے۔ محمدیت اور صدیقیت ہے۔ یہ ملائی نظام نہیں فاروقیؓ نظام ہے۔ یہ ملا ازم نہیں عثمانؓ و علیؓ اور تمام صحابہؓ کا ازم ہے۔ پھر آپ کو کھل کر "ملائیت" کی بجائے "اسلامیت" کا لفظ استعمال کرنا چاہیئے (اگست ۶۹ء)

مقامِ دعوت و عزیمت

صفر کے پہلے ہفتہ میں لاہور میں جمعیۃ العلماء اسلام کی عظیم الشان کانفرنس ہوئی، ملک بھر کے ممتاز علماء کی شمولیت، دینی و ملی معاملات کے ہر گوشہ پر جامع اور ہمہ گیر انداز میں مخلصانہ سوچ و بچار، دینی احساسات اور جذبات کا نہایت پُر امن اور باوقار طریقہ سے مظاہرہ، اور نظم و نسق کے لحاظ سے بجا طور پر یہ اجتماع ایک مثالی اجتماع تھا، مجموعی طور پر اس اجتماع سے خوابیدہ جذبات بیدار، حوصلے بلند، ولولے تازہ ہو گئے اور یاس و قنوط کے بادل چھٹ گئے دینی افق پر آوازۂ حق کا یہ آفتاب و ماہتاب جس شان بان سے طلوع ہوا اس کی چکاچوند سے اہل ہوی والحاد کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ دینی زوال و اندراس کا خواب دیکھنے والے حواس باختہ ہو گئے ۔۔۔ اور اسلامی تاریخ کی یہ روشن حقیقت ایک بار پھر آشکارا ہو گئی کہ اربابِ عزیمت اور حق پرست علماء کے پایہ ثبات کو نازک سے نازک حالات بھی جادہ حق سے نہیں ڈگمگا سکتے اور نہ حالات کی ناساعدت انہیں فریضۂ اعلائے حق کی ادائیگی سے روک سکتی ہے۔

علماءِ حق اور اسلاف کی وراثت علماءِ حق ان اسلاف کے جانشین ہیں جنہوں نے ہر دور میں اسلام کا نشان بلند و بالا رکھا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کے علوم و افکار کی ترجمان سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی قربانیوں کی امین مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی کے عزم اور ولولۂ جہاد کی محافظ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن، بطلِ جلیل شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا محمد علی جوہر کی وراثت اور عظمتوں کی حامل جماعت بھی اگر دین کی حفاظت و اشاعت اور حریم اسلام کی حراست و مدافعت میں غفلت برتنے لگے تو چمنستان دعوت و عزیمت کی رونق اور بہار کیسے قائم رہے؟ جبکہ حسبِ بشاراتِ نبویہ قیامت تک دعوت و عزیمت کے اس گلشنِ محمدی کو سدا بہار اور سرسبز و شاداب رہنا ہے ۔۔۔ لا تزال من امتی امۃٌ قائمۃٌ

بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم ولا من خالفھم حتّٰی یأتی امر اللہ وھم علیٰ ذٰلک میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، ملامت اور مخالفت کرنے والوں سے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے اور یہ لوگ اسی حالت میں ہوں —— اس رواں دواں اور سدا جوان دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے ہر کٹھن گھڑی میں خدائے حی و قیوم نے بصیرت صدیقی، حمیتِ فاروقی، تحملِ عثمانی اور فراستِ حیدری سے سرشار اربابِ عزیمت، ائمہ رشد و ہدایت اور وارثانِ علومِ نبوت علماءِ حق کی دستگیری فرما کر انہیں توفیق دی ہے کہ بقول مخبر صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم ان کا شیوۂ حیات اور مقصدِ زندگانی یہی رہ گیا ہے کہ ینفون عنه (دین اللہ) تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین ۔ اہلِ بدعت کی احداث و تحریف اور اہل باطل واصحابِ جہل کی تاویل و تلبیس سے دینِ خداوندی کی مدافعت کریں —— ہم علماء کرام کے ان روح پرور مظاہراتِ دعوت و عزیمت پر خداوندِ قدوس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہیں اور دعا ہے کہ خداوند قدوس اس اجتماع کے اثرات کو دیرپا بنا کر ان مساعی کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور ملک و ملت کی حقیقی فلاح و سرخروئی کا ذریعہ بنا دے اور اہلِ حق کو مزید جوش، ولولہ اور پائدار جدوجہد، نظم و ضبط اور بہترین صلاحیتوں سے نوازے ۔

(۶ جون ۱۹۶۸ء)

علماء قوم کو ورطۂ حیرت سے نکالیں

ملک کے ہمہ گیر انقلاب نے اب تقسیمِ ہند سے قبل ہنگاموں جیسا سماں پیدا کر دیا ہے لاہور میں جمعیت العلماء اسلام کے زعماء کے ساتھ سنگدلانہ اور وحشیانہ سلوک اس عوامی جدوجہد اور اقتدار کے تشدد کی ایک انتہائی مثال ہے۔ جمعیت کے محترم رہنما اور ہم سب کے مخدوم و مربی حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ کے ساتھ جو ہتک آمیز سلوک ہوا وہ جتنا افسوسناک ہے ۔ علماء حق کی سرخروئی، مقاصد میں کامیابی اور فریضۂ اعلاء کلمۃ اللہ سے عہدہ برآئی کے لحاظ سے اتنا ہی خوش آیند اور قابلِ صد فخر و مسرت ہے۔ حق کی شمع علماءِ حق کے خون سے روشن چلی آرہی ہے ۔ روشنی کے

جس قندیل کو احیاء سنّت کی خاطر امام احمد بن حنبلؒ نے رمضان کے مہینے میں تازیانے کھا کھا کر اپنے پاکیزہ خون سے فروزاں کیا۔ ہمارے اکابر نے رمضان کے وداعی جمعہ کو شیر اسلام حضرت لاہوریؒ کی مسجد شیرانوالہ گیٹ میں اس سنتِ حنبلی کو تازہ کیا۔ یہی ابوحنیفہؒ کا اسوہ ہے، اور یہی مالک بن انسؒ کا طریقہ۔ ان سب کی ایک ہی بات تھی کہ قرآن و سنت سے کوئی دلیل پیش کردو تو ہم مان لیں۔ پھر اس سرزمین میں اسلام کا نشان تو ہمارے صاحبِ دعوت و عزیمت اکابر ہی کی مجاہدانہ قربانیوں سے بلند و بالا ہے۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ شاہ ولی اللہؒ اور شہداء بالاکوٹ کی عظمتوں کے حامل اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند محمود الحسنؒ دیوبندی کے صفات و کمالات کی امین اور بطلِ اسلام مجاہدِ اعظم مولانا حسین احمد مدنیؒ کی حمیتِ دینی کی وارث جماعت اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سرفروشانہ جدوجہد میں کسی سے پیچھے رہے۔ علماءِ حق کا قافلہ انہی قربانیوں کا زادِ راہ لے کر رواں دواں ہے۔ اور راہ کی صعوبتیں ان کی گرمیٔ رفتار کے لئے تازیانے ہیں۔ ہمارا سر فخر سے اونچا ہے کہ جمعیۃ العلماء نے پچھلے سال لاہور کے جمعیۃ کانفرنس کے ذریعہ جس جمود اور تعطل کو توڑا تھا۔ اب لاہور کے حالیہ المیہ نے اس ساری فضا کو جمعیۃ کے علمِ محمدی کے زیرنگین کردیا ہے۔

جنوری کے پہلے ہفتہ میں جمعیت العلماء اسلام مشرقی پاکستان ڈھاکہ میں ایک کل جماعتی کانفرنس منعقد کر رہی ہے۔ وہاں کے اکابر نے ازراہِ شفقت و حوصلہ افزائی اس کم سواد طالبعلم کو بھی اس میں شرکت کرنے کا حکم دیا۔ اس موقعہ پر جب کہ ملکی حالات نہایت ناگفتہ بہ ہیں۔ اور نئے نئے اعلانات مختلف نظریات اور طرح طرح کی بولیوں کی وجہ سے قوم کے سامنے مستقبل کے لئے کوئی واضح اور قابلِ اطمینان لائحہ عمل نہیں آسکا۔ ہمیں کانفرنس میں شامل ہونے والے اکابر علماءِ حق سے قوی توقع ہے۔ کہ وہ سر جوڑ کر موجودہ اور آئندہ حالات کے بارہ میں کسی ایسے نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں جو ملک و ملت کی سلامتی، اسلام کی حفاظت اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ اور وحدت و سالمیت ہر لحاظ سے تسلی بخش اور قابلِ اطمینان ہو۔ ورنہ ملک کی موجودہ حالت تو شامتِ اعمال کی وجہ سے "نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن" کی مصداق ہے۔ موجودہ

اقتدار اور نظام کو تو جانے دیجئے کہ اسی تے تو ملک کو یہ روزِ بد دکھایا مگر کیا حزبِ اختلاف کے متضاد دعاوی اور متصادم نظریات اور مختلف عزائم اور افکار کے سایہ میں اس ملک کو عافیت نصیب ہو سکے گی؟ اس ورطۂ حیرت سے قوم کو نکالنا ان ہی علماءِ حق کا فریضہ ہے جنہیں علم اور تجربہ کے ساتھ خدا تعالیٰ نے باطنی فراست اور ربانی بصیرت سے نوازا ہے۔ ورنہ ہم جیسے عامیوں کی نظروں میں تو اس وقت پورے پاکستان کی حالت اس وادئ تیہ جیسی ہے جس میں نعمتِ آزادی کی لگاتار ناشکری اور نوامیسِ خداوندی کی بیقدری کرنے پر خداوند تعالیٰ نے اسرائیلیوں کو حیران و سرگردان پھنسا دیا تھا۔ بائیس [۲۲] سال تک پوری قوم حاکم اور رعایا نے جو کچھ کیا اگر اس کے ردِ عمل میں یہ موجودہ حالات رونما ہوتے تو سنّت اللہ کے خلاف اور موجبِ حیرت ہوتا۔ ہماری دعا ہے کہ علماءِ حق اور مخلص دردمندانِ ملک و ملت میدان میں آ کر مایوسی کو یقین و اطمینان میں بدل دیں۔

علماءِ حق کا مظاہرہ ایمان و عزیمت

جون کے آخری ہفتہ لاہور میں جمعیۃ العلماء اسلام کے زیرِ اہتمام آئینِ شریعت کانفرنس کا اتنے عظیم اور منظم پیمانے پر انعقاد اس ملک کی علمی و دینی تاریخ میں ایک مثالی واقعہ ہے اور جمیعۃ العلماء اسلام کے اکابر بجا طور پر اسلامی قوت و شوکت کے اس شاندار مظاہرہ پر تحسین و تبریک کے مستحق ہیں۔ جھلسنے والی شدید گرمی میں اتنے بڑے پیمانہ پر ملک کے دور دراز گوشوں سے دین کے طلبگاروں اور اسلام کے مجاہدوں کا آئینِ شریعت کے نام پر لبیک کہنا اور بے سروسامانی کے عالم میں اس جوش، عزم، اخلاص اور نظم و ضبط کے ساتھ لاہور میں جمع ہونا اس ملک کے دینی مستقبل کے لئے تائیدِ غیبی سے کم نہیں۔ بے شک اس کانفرنس اور اس کے جلوس نے اس ملک میں علماء کی قوت کا سکہ بٹھا دیا ہے اور یہ حقیقت ایک بار پھر ابھر کر سامنے آ گئی ہے کہ یہاں کے عوام پاکستان میں اسلامی نظام کے سوا کوئی آئین، نظریہ اور کوئی ازم قبول نہیں کر سکیں گے، علماء، ائمہ، خطباء اور عام مسلمانوں کی یہ عظیم طاقت ہر اس شخص کے لئے ایک للکار ہے۔

جو اس ملک میں کسی غیر اسلامی نظام کے قوانین دیکھ رہا ہے۔ یہ ایک چیلنج ہے اُن اغراض پسندوں کے لئے جو آج سیاست کی خاطر اپنے کفریہ عزائم پر اسلام کا خول چڑھانا چاہتے ہیں۔ باطل کی ان تمام قوتوں کو جلد یا بدیر وسائل اور اسباب سے یکسر محروم مگر اللہ کے ہاں پسندیدہ اور محبوب طبقہ "علماء کرام" اور متلاشیانِ شریعت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جن کی ظاہری یا باطنی تمام سازشیں اس ملک میں شریعتِ محمدیؐ کے پروان نہ چڑھ سکنے کے گرد گھومتی رہتی ہیں۔ اس کانفرنس سے چند باتوں میں تو پورے ملک کے مسلمانوں کی ترجمانی کی ایک تو آئین شریعت کی ترجمانی اور دوسری بات یہ کہ مغربی سامراج عالمِ اسلام کا اوّلین و بدترین دشمن ہے اور ہماری تمام داخلی و خارجی پریشانیوں کا بنیادی سبب مسلمانوں کا ابدی و ازلی دشمن یورپ ہے۔ تیسری حقیقت یہ سامنے آئی کہ پاکستان کا کوئی بھی عالم انشاءاللہ سوشلزم، کمیونزم یا کسی دوسرے لادینی نظام کی لعنت ایک لمحہ کے لئے گوارا نہیں کر سکے گا۔ اور آج اگر وہ ایک محاذ پر مصروفِ جنگ ہے تو کل اس سے زیادہ مقابلہ دوسرے محاذوں پر بھی ہونے والا ہے۔ امید ہے آئینِ شریعت چاہنے والے موجودہ کامیابی پر قناعت کرنے کی بجائے اپنی جدوجہد کو تیز تر رکھیں گے۔ کثرت پر عُجب سے بچنا چاہیئے ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم میں ہمارے لئے سبق ہے۔ اس طاقت اور قوت کو اور منظم اور مستحکم کرنا چاہیئے شریعتِ اسلامیہ کے مطالبہ کی اس وسعت و گہرائی کا یہ تأثر اور بھی گہرا ہونا چاہیئے اور دینی و علمی شیرازوں کو بھی مجتمع کرنے کی فکر رہنی چاہیئے جب تک کہ آخری منزل تک رسائی نہ ہو ——

ولتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا۔ جولائی ۱۹۷۰ء

ڈھاکہ میں جمعیۃ العلماء اسلام مشرقی پاکستان نے ایک کھلے اجلاس کی شکل میں اپنی وسعت ہمہ گیری اور قوت کا مظاہرہ بھی کیا جو وہاں کے علماء حق کو حالات کی نزاکت اور تنظیم کی ضرورت محسوس ہو جانے کے لحاظ سے لائق صد تحسین ہے۔ اس ناچیز کا تأثر ملک کے اس حصہ کے بارہ میں یہی ہے کہ دین سے محبت اور والہانہ تعلق کے لحاظ سے وہاں کے باشندے

بہت آگے ہیں۔ آئے دن اس کی مثالیں سنتے اور دیکھتے ہیں آتی رہتی ہیں۔ اس کا ایک ادنیٰ نمونہ ڈھاکہ کے قریب ٹونگی میں ہونے والے تبلیغی جماعت کے اجتماع کی شکل میں بھی میرے سامنے آیا کہ ۵، ۶ لاکھ مسلمانوں کا مجمع ایک ویرانے میں گھر بار چھوڑ کر جمع ہے اور ان کا اوڑھنا بچھونا صرف اور صرف دین کی دل سوزی اور فکرمندی ہے، یہ ایک مثالی اجتماع تھا، اس کے مقابلہ میں لادینی عناصر کی قوت بہت کم ہے، مگر پھر بھی سیاست کی ترجمانی کرنے والے کلی یا جزوی طور پر دین سے بہت دور ہیں اور میدان خالی ہونے کی وجہ سے سیاست پر لادینی عناصر کا غلبہ ہے اور خدا اور تصور آخرت سے باغی کرنے والے لٹریچر کو بھی فروغ کا موقع مل رہا ہے ــــ پس اس مہلک مرض کا اگر کوئی علاج ہے تو یہی کہ وہاں کے علماءِ حق زیادہ سے زیادہ جوشِ عمل، اخلاص، تنظیم اور قوتِ ایمانی سے میدان میں کود پڑیں، سادہ دل اور مخلص عوام کو دین کی اخلاقی اور معاشی قدروں سے روشناس کرائیں اور دین کی جامعیت اور اعتدال کے مقابلہ میں موجودہ خالص مادی نظاموں کی بے اعتدالی اور بے مائیگی ثابت کردیں، انہیں زندگی کی صحیح کامیابی کا راستہ دکھائیں اس کے لئے مستحکم تنظیم، سیاسی تدبر کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے لادینی نظاموں سے پوری واقفیت اور گہری نظر بھی ضروری ہے۔ اگر علماءِ حق نے اس نہج پر کام کو تیز تر کردیا تو سیاسی قیادت خود بخود دیندار طبقہ کے ہاتھ آجائے گی اور اس کا رخ بے دینی کی طرف نہیں موڑا جاسکے گا۔ وہاں کی سرزمین علماءِ حق کے لحاظ سے بہت زرخیز ہے، پھر جس مٹی کی سیرابی بطلِ اسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ جیسے سراپا دعوت و عزیمت بزرگوں کے ہاتھوں سے ہوئی ہو۔ اگر وہاں بھی علماء جمود اور تعطل کا شکار ہوئے اور قیادت لادینی نظریات کے علمبردار سیاست دانوں کے ہاتھ میں گئی تو یہ نہ صرف ان علماء کے حق میں بلکہ وہاں کے لئے دینی سیاسی معاشی اور اخلاقی و ملکی لحاظ سے بھی بدترین المیہ ثابت ہوگا۔ (فروری ۶۹ء)

بجرمِ عشق توام می کشند

پچھلے ماہ اس ملک کے دینی اور علمی حلقوں، اسلام لیوا عناصر اور جمہوریت پسند عوام کے اعتماد اور جذبات کو ان اقدامات سے شدید صدمہ پہنچا جو ملک کے کئی حصوں

میں ممتاز علماء و مشائخ کی پے در پے پابندی اور نظر بندی کی شکل میں رونما ہوئے۔ خاص طور سے بعض شہروں میں جمعیۃ العلماء اسلام کے کئی زعماء کو دور افتادہ دیہات میں نظر بند اور ایک مشہور عالم دین کو بلا کسی نوٹس و اظہارِ وجوہ کے ضلع بدر کر کے اپنے گاؤں میں پابجولان کرنا، اس کے علاوہ دیگر بعض مرکزی مساجد کے خطباء کو سیاسی اغراض کی بناء پر بیک جنبشِ قلم معزول کرنا، ایسے واقعات ہیں جو ایک اسلامی وجمہوری ملک کے لئے کسی طرح زیبا نہیں ہیں۔ اور نہ ان اقدامات کو منصفانہ کہا جا سکتا ہے۔

جرم یا فرض منصبی اگر ان علماء کا جرم "اصلاحِ معاشرہ" کے جذبہ سے ملک و ملت کو اخلاقی تباہی اور قومی روایات کی بربادی سے روکنا اور ان منکرات و فواحش پر سرزنش کرنا ہے، جس نے آج یورپ اور تہذیب مغرب کی ذہنی غلامی میں گرفتار ممالک کو خودکشی کے چوراہے پر لا کھڑا کیا ہے تو اس جرم پر لاکھوں وفائیں نثار کی جا سکتی ہیں۔ ملت کی حقیقی فلاح اور ملک کی سالمیت اور استحکام کی خاطر علماء حق کا اولین فریضہ ہے کہ وہ منکرات پر گرفت کرتے رہیں، اور معروف و سچائی کے راستے دکھلاتے رہیں کہ یہی ان کا منصب ہے اور یہی مقام، اگر وہ کسی لمحہ بھی اس فریضۂ ناموسِ دینِ محمدیؐ کی حفاظت اور مدافعت میں سستی کر بیٹھیں اور خوف و لالچ یا کسی لومۃ لائم کی وجہ سے کلمۂ حق اور دعوت الی اللہ سے غفلت برتیں تو حسب ارشادِ نبویؐ شیطانِ اخرس (گونگا شیطان) بن کر اس وعید کے مستحق ہوں گے کہ جس نے حق چھپایا تو اس کے منہ میں قیامت کے دن جہنم کی آگ کا لگام ڈال دیا جائے گا (اُلجِمَ بلجام من النار) وراثت نبوت کے حامل طبقہ کا اگر محراب و منبر سے بھی قوم کو اشاعتِ فاحشہ سے روکنا گناہ ہے۔ تو پھر سلطنت وحکومت کے ایوانوں سے کبھی کبھار علماء کو اصلاحِ معاشرہ کے لئے میدان میں آنے کی دعوت کیوں دی جاتی ہے؟ آخر یہ اصلاحِ معاشرہ ان کے نزدیک کس بلا کا نام ہے؟ پھر اگر واقعی ان سے کوئی ایسا ناقابلِ عفو جرم سرزد ہوتا ہے۔ جو ملک کی غداری اور بدخواہی کے مترادف ہو تو اس کے ثبوت کے لئے عدالت اور عدلیہ کو کیوں بروئے کار نہیں لایا جاتا؟ کیا اس ملک میں غنڈوں اور

دیگر سماج دشمن عناصر پر بھی بلا کسی فردِ جرم اور ثبوت و اثبات کے ایسے فیصلے نافذ کئے جاتے ہیں؟ اور اگر ان حضراتِ علماء کا جرم کلمۂ حق اور اصلاحِ معاشرہ کے علاوہ کوئی اور ہے۔ جس سے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچتا ہے تو اسے عدالتوں کے ذریعہ ثابت کیجئے اور پھر جو چاہیں انہیں قرار واقعی سزا دیجئے اور اگر ایسا نہیں تو پھر ملتِ مسلمہ کے ان حقیقی خیر خواہوں پر اعتماد کیجئے اور انہیں موقع دیجئے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں اس ملک کی حقیقی فلاح و بہبود کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔ جس کے لئے وہ نہ آپ سے کوئی اجر مانگتے ہیں اور نہ داد و ستائش کے طلبگار ہیں۔ جون ۱۹۶۶ء

علماء حق کا قابلِ تقلید اقدام

پچھلے دنوں ملتان میں جمعیۃ العلماء اسلام کے ممتاز علماء اور دیگر کئی جماعتوں کے ممتاز اور امن پسند شہریوں کو صرف اس جرم کی پاداش میں جیل جانا پڑا کہ وہ "جشنِ ملتان" میں ہونے والے غیر شرعی اخلاق سوز تقریبات رقص و سرود، راگ و رنگ کے پروگراموں پر احتجاج کر رہے تھے۔ آج جب کہ ہمارا ملک شدید قسم کے معاشی، سماجی اور اخلاقی مسائل سے دوچار ہے۔ خارجی استحکام اور بچاؤ کے لئے ایک ایک کوڑی کی ضرورت ہے، عوام کو زندگی کی بنیادی ضروریات بآسانی میسر نہیں ہو رہی ہیں۔ ایسے حالات میں اس قسم کے جشنوں کا انعقاد ہی سرے سے محلِ بحث ہے کہ ایک ترقی پذیر قوم اس "عیاشی" کی متحمل کہاں تک ہو سکتی ہے؟ مگر حضراتِ علماء حق کا مطالبہ تو صرف یہ تھا کہ اس جشن سے وہ ایمان سوز غیر شرعی پروگرام حذف کر دیئے جائیں جس کی وجہ سے ہمارا معاشرہ دن بدن رو بہ زوال ہوتا جا رہا ہے۔ غنڈہ گردی، بے حیائی، بدامنی کا فروغ ہو رہا ہے۔ شرفاء کی عزت و ناموس اور پاک بازوں کی عفت و عصمت سماج دشمن عناصر کے ہاتھوں دن دھاڑے لٹ رہا ہے۔ اور جس کے انسداد و استیصال کے لئے نہ صرف علماء بلکہ خود گورنرِ

مغربی پاکستان بھی متفکر اور پریشان ہیں ۔ ہم پورے جذبۂ خیر خواہی سے ارباب اقتدار سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا اصلاحِ معاشرہ کے لئے جدوجہد کرنا اور ملک کو اخلاقی زوال اور سماجی بربادی سے بچانے کی کوشش قابلِ دست اندازی جرم ہے ۔؟ اور کیا یہ اصلاحی کوششیں ملک سے غداری کی مترادف ہیں ؟ اور کیا ایسے نازک حالات میں جن سے ہمارا ملک دوچار ہے ، رقص و سرود کی محفلیں منانا ملک کی خیرخواہی ہے ؟ ان حضرات کی گرفتاری پر عام مسلمانوں کا اظہارِ افسوس اور غم بالکل بجا ہے ۔ پھر جب کہ ہماری معلومات کیمطابق ان حضرات نے گرفتاری تک اپنے مطالبہ کے لئے کوئی غیر قانونی قدم نہیں اٹھایا تھا ، نہ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کی گئی تھی ، نہ کوئی ایجی ٹیشن کرایا گیا تھا اور نہ کوئی عام جلسہ ـــــ تو انتظامیہ کے اس اقدام کو کوئی جواز نہیں ملتا ۔ دسمبر ۱۹۶۶ء

زوالِ علم اور تحقیر علماء کی ایک کربناک تصویر

پچھلے دنوں ایک رہگذر کو سوءِ اتفاق سے ایک ایسی مجلس کا مشاہدہ ہوا جس میں معمولی مادی منصب پر فائز دین اور علم سے تہی دامن ایک انسان اپنے زیر اثر اہل علم و ارباب دین کے ایک گروہ کو مشوروں اور نصائح کے عنوان سے ایسا ڈانٹ رہا تھا ، جیسے سکول کے بچوں کو ڈرایا دھمکایا جا رہا ہو ۔ اس کے کلام میں وعد بھی تھا وعید بھی ۔ خوف بھی تھا اور لالچ بھی ۔ اندازِ بیان نہایت جارحانہ ، دل آزار اور طرزِ خطاب رعونت کا غماز ـــــ دین کے سامنے دنیا کی یہ گھن گرج سننے والا کانپ اٹھا ۔ اس کی آنکھوں میں تو ابوجعفر ، منصور اور ابن ہبیرہ کے سامنے امام ابوحنیفہؒ اور طاؤس بن کیسان اور دیگر علماءِ حق کا کردار تھا ۔ مگر واویلا اس مجلس میں تو کسی صاحبِ جبہ و دستار کو جنبش تک نہ ہوتی وہ اگر چاہتے تو کم از کم نرمی اور ملاطفت سے اُسے اہل علم سے خطاب کے آداب اور سلیقوں کی طرف متوجہ کرا سکتے تھے ، مگر افسوس کہ ردِ عمل میں صحیح فرمایا ، بجا فرمایا اور بے شک بے شک کی آوازیں کانوں

سے ٹکرائیں یلیتنی مت قبل ھذا وکنت نسیاً منسیاً ہر چند کہ یہ مادی مصالح میں جکڑے ہوئے بے کسوں کی ایک اقلِ قلیل جماعت تھی۔ پھر ان میں بھی ایمانی حرارت سے سرشار دو ایک حضرات موجود تھے ـــــ اور اہلِ صدق وصفا اور اربابِ عزیمت علماء سے ملک کا گوشہ گوشہ پٹا پڑا تھا ـــ مگر علم کی اس تحقیر اور منبر ومحراب کی اس تذلیل سے دل پر جو چوٹ لگی اس کا مداوا کن الفاظ میں کیا جائے۔ اس مجلس نے زوالِ علم اور اندراسِ دین کی ایک کربناک تصویر دیکھنے والے کے سامنے رکھ دی ہے اور اس مستقبل کی تصویر سے بھی کلپتے ہوئے خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ جب کہ علم ومشیخت، منبر ومحراب، خانقاہ ومدرسہ اور دین وشریعت کے حامل افراد وسیع پیمانے پر اس صورتِ حال سے دوچار ہوں گے۔ اس وقت اعلاءِ حق اور جرأتِ ایمانی کی کیابی کی تلافی کی کیا شکل ہوگی؟ کسی نے خوب کہا کہ علماءِ حق زمین کا نمک ہیں۔ جس کی نمکینی کلمۂ حق کہنے اور دین کو ہر چیز پر مقدم رکھنے میں ہے۔ لیکن اگر نمک اپنی خاصیت کھو بیٹھے تو پھر کون سی چیز ہے جو اسے نمکین بنا دے ــــ اگر کسی میں اس کربناک منظر کو دیکھنے کی تاب نہیں تو اسے یہ بات ہر وقت مستحضر رکھنی چاہیئے کہ علم خدا کی صفت ہے اور عالم اس کا مظہر، اس علم کا تقاضا ہے کہ اسے اونچا رکھا جائے۔ خدا کی صفت ہر حال میں بالادستی کی مستحق ہے، دار ورسن ہو یا تلوار کی دھار، خدا کے وصفِ خصوصی کو ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ اس علم کے حامل جو لوگ اس کی آبرو نہ رکھ سکیں تو ان کے لئے بہتر ہے کہ عالمانہ بھیس چھوڑ کر چمار اور بھنگی بننا قبول کرلیں۔ ملک وملت سے نصح وخیر خواہی کا معاملہ آپ کا فریضہ ہے۔ اگر کوئی تمہاری رہنمائی طلب کرے تو بصد خلوص بھرپور تعاون کریں۔ لیکن اگر معاملہ غلام اور خادم جیسا ہو تو یہ آپ کی اپنی تحقیر نہ ہوگی بلکہ علم اور دین کی آبروریزی ہوگی۔ علماءِ دین تو آئمہ صدق وعزیمت امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے جانشین ہوتے ہیں۔ دربارِ اکبری کے ابوالفضل اور فیضی اور دربار عباسی کے قاضی ابوالبختری وہب بن وہب کے نقشِ قدم پر چلنے والے نائب رسولؐ نہیں بلکہ اس دھرتی پر خدا کی پھٹکار ہیں۔ شعبان ۱۳۸۷ھ، اکتوبر ۱۹۶۷ء

علماء اور ضابطۂ اخلاق

کافی دنوں سے ایک نئے ضابطۂ اخلاق کا ذکر اخبارات کی زینت بنا ہوا ہے۔ یہ ضابطۂ اخلاق کس کے لئے ہے۔؟ چوروں کے لئے، ڈاکوؤں کے لئے، غداروں کے لئے؟ فحاشی اور بداخلاقی کے مراکز اور علمبرداروں کے لئے؟ نہیں بلکہ علماء امت کے لئے، پہلے اخبارات کے لئے ضابطۂ اخلاق تھا، پھر فلموں کا ضابطۂ اخلاق بنا۔ اور اب امت کے اس گروہ کے لئے ضابطۂ اخلاق جس کا مقام خود ہر دور میں معلّم اخلاق اور مُربّیِ امت کا رہا جنہیں اس نبیؐ کی وراثت کا منصب نشین کہا جاتا تھا، جن کے فریضۂ اساس میں تعلیم کتاب، تہذیبِ نفوس اور تربیتِ اخلاق شامل تھا۔ اسلامی تاریخ کے عہدِ زوال میں جابر اور فاسق حکمران اور سلاطین بھی اس طبقہ سے واقعی نہ سہی سیاستہً سہی رہنمائی، خیرخواہی اور نصیحت کے طلب گار ہوتے اور اپنے شہزادوں سے ان معلّمینِ اخلاق کے جوتے سیدھے کرواتے۔ اب امت کے یہ اتالیق، یہ استاذ، یہ رہنما، یہ وارثینِ انبیاء نیرنگیٔ روزگار کے ہاتھوں اس مقام پر پہنچ گئے کہ ان معلّمینِ اخلاق کو سرکاری اہتمام میں تعلیم اخلاق کی ضرورت محسوس کی گئی اور اب عوامی حکومت نے چاہا کہ عوام کو علماء کی "بداخلاقیوں" سے نجات دے دی جائے۔ محترم وزیر مذہبی امور کی سرکردگی میں علماء (؟) کی ایک اتحاد کمیٹی نے علماء کے لئے ضابطۂ اخلاق کی منظوری دے دی ہے۔

تقریب بین المذاہب کوئی مشینی کام نہیں اس ضابطہ کا مقصد جو بتایا گیا ہے۔ اس کا خلاصہ مختصر الفاظ میں —— تقریب بین المذاہب —— ہے یعنی مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات کو روکنا، یکجہتی کو فروغ دینا۔ اصل مقصد یعنی مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور یگانگت سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔ اور اصل مقصد پر ہم اگلی فرصت میں انشاءاللہ تفصیلی گفتگو کریں گے۔ مگر اس وقت صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ مذاہب اور فرقوں میں مفاہمت

کوئی مشینی عمل نہیں۔ نہ اسے آئینی ہتھوڑوں اور قانونی اوزار سے حاصل کیا جا سکتا ہے اس کا تعلق خارجی سے زیادہ اندرونی عوامل سے ہے۔ یعنی نظریہ سے، دل سے، عقیدہ سے اور ضمیر و ایمان سے، ایسی کوئی بھی کوشش جتنی بھی مخلصانہ کیوں نہ ہو اس وقت تک کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی جب تک مفاہمت کی عمارت کو اس کی فطری بنیادوں پر استوار نہ کیا جائے اور مفاہمت کے فطری اور بنیادی راستوں کو (جنہیں قرآن مجید اور پھر نبیؐ کریم علیہ السلام نے اپنے گرامی ناموں میں تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم میں اشارہ فرمایا) چھوڑ کر اور راستے اختیار کرنا بجائے خیر کے شر میں اضافہ کا موجب بن سکتے ہیں۔ اس فرصت میں اس مقصدِ مفاہمت کی تفصیلات میں گئے بغیر ہم صرف ان خدشات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ضابطۂ اخلاق اور اس کی قانونی جکڑ بندیاں کیا صرف اس مقصد تک محدود رہ سکیں گی۔؟ آنکائے دو جہاںؐ کی شانِ ختم نبوت، حجیتِ حدیث کا دفاع اور وکالت کیا اس ضابطہ کی زد میں نہیں آئیں گے۔ غیر اسلامی اور غیر محمدی ازموں کا نقد و محاسبہ اس ضابطہ کی خلاف ورزی نہیں ہو گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا فاسق سے فاسق اور ظالم سے ظالم کسی بھی حکومتِ وقت پر تنقید "اطاعت اولوالامر" کی دفعہ کی نافرمانی نہیں ہو گی۔

ضابطۂ اخلاق کا مقصد علماءِ سوء بنانا ہم اس ضابطۂ اخلاق کو ترتیب دینے والے شیعہ اور سُنی مسلمانوں کی نمائندگی کے دعویدار ارکان کے اخلاق و سیرت کو جب دیکھتے ہیں تو بجا طور پر، ہمیں خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس طرح اب اس ضابطہ کے ذریعہ وہ تقسیم ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں جو اسلامی تاریخ میں ہمیشہ علماءِ سوء اور علماءِ حق کے درمیان چلی آرہی ہے۔ اور اس طرح وہ چاہتے کہ دورِ حاضر کے ابوالفضل اور فیضی قسم کے مولویوں کو پورے اطمینان اور یکجہتی سے حکومت کے ہر اچھے بُرے اقدام پر احسنت و صداقت کے نعرۂ ہائے تحسین بلند کرنے کی کھلی آزادی مل سکے اور کوئی روکنے ٹوکنے کی "بداخلاقی" کر ہی نہ سکے۔ کیا ہماری حکومت اب علماء کو اس ضابطۂ اخلاق کا پابند بنانا چاہتی ہے۔ جس کا نمونہ کمیٹی کے شیعہ اور سُنی نمائندگی کرنے والے مؤقر ارکان نے اپنے "اسوۂ حسنہ" سے دین کے بارہ میں پیش

کر رہے ہیں۔ یعنی ہر حکومت پر ایمان وغیرہ کا سودا بیچنا، ہر حکومت سے عہدوں، مناصب اور پرمٹوں کا فائدہ لینا۔ حبِّ جاہ و مال میں ہر منکر و غیر منکر کی تمیز ختم کر دینا۔ ضرورت ہو تو ایکٹرسوں کے ساتھ بھی تصاویر کھنچوا دینا، یہودیوں کی تجارتی فرموں کے انعامی بانڈوں کی قرعہ اندازی بھی کر لینا اور اپنے "مقدس" ہاتھوں سے ہندوؤں کو عمرہ کے ٹکٹ تھما دینا یا شیعوں کا وہ رسوائے زمانہ نصیر الاجتہادی جس نے بڑی ڈھٹائی سے ٹیلیویژن پر یہاں کی ۹۵ بز آبادی کے محبوب اور مقتدا جماعت صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع اور تبرا بازی کی اور اس طرح پاکستان کی سب سے بڑی بے حیائی اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ اب یہ لوگ مسلمانوں اور شیعوں کے نمائندہ بن کر علماء کے لئے ضابطۂ اخلاق بنائیں گے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

(ج ۱۰ ش ۷ صفحہ ۳۳۷)

نظامِ دعوت و تعلیم کو موثر بنانے کی ضرورت

اس میں شک نہیں کہ ہمارا موجودہ نظامِ دعوت و اصلاحِ امت اربابِ فکر و دانش اور اصحابِ بصیرت کی نہایت گہری سوچ و بچار کا مستحق ہے۔ بلاشبہ اب تک دینی اقدار اور اسلامی روایات کی جڑیں برِصغیر میں بہ نسبت دیگر اسلامی ممالک کے کچھ گہری اور مضبوط رہیں۔ مگر یہ بات رسمی انجمنوں، اداروں اور جماعتوں یا تنظیموں سے زیادہ اصحابِ دعوت و عزیمت کے سوز دروں، جذباتِ اخلاصِ قوت اور جوششِ عمل، پاکیزگیٔ کردار کی منت پذیر رہی۔ اس وقت اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کے لئے رسمی طور طریقوں کی نہایت فراوانی ہے۔ لٹریچر کا سلسلہ پورے عالمِ اسلام میں اتنا کبھی نہیں رہا، جتنا اب ہے۔ صرف عرب ممالک سے آئے دن نکلنے والی مطبوعات وہاں کے پٹرول سے زیادہ اُبل اُبل کر دنیا میں پھیل رہے ہیں۔ صحائف اور مجلّات کی بہتات ہے، ایک سے ایک بڑھ کو خطیب اور واعظ زورِ خطابت دکھا رہا ہے۔ دینی مدارس اتنے کبھی نہ تھے جتنے آج ہیں۔ جماعتوں اور تنظیموں کا دور دورہ ہے، گلی گلی اصلاحی اداروں اور سماجی انجمنوں سے آباد ہے۔ زبانی حد تک راعی سے لے کر رعیت سب اسلام کی حمد و ستائش میں رطب اللسان ہیں۔ تحقیق اور ریسرچ کے طویل الذیل منصوبوں کی بھی کمی نہیں، اور اس میں شک نہیں کہ اس تمام جہاد و جہد کے اثرات کچھ نہ کچھ ظاہر بھی ہو رہے ہیں اور اپنی جگہ ہر چیز کی افادیت مسلّم ہے۔ مگر ان تمام مظاہر اصلاح اور رسومِ دعوت کے باوجود نتائج نہایت بھیانک شکل میں آ رہے ہیں، خرابی، بھلائی پر اور بدی، نیکی پر غالب آتی جا رہی ہے۔ معاشرہ کی گاڑی عقائد، اخلاق اور آدابِ معاشرت کے لحاظ سے منزلِ مقصود کو گم کر چکی ہے اور ہماری یہ تمام کد و کاوش مادیت اور بے دینی کے طوفان کے سامنے تنکوں کا ڈھیر ثابت ہو رہی۔ اس لئے

لازمی طور پر یہ تمام امور امت کے ہر چیدہ دماغ اور دلِ بیدار کے لئے سوچنے کے ہیں۔ خرابیوں کا سرچشمہ کیا ہے؟ اگر اسے متعین کیا جائے اور پھر دعوتی کام کو اس کے مطابق مرتب کر لیا جائے تو کام کے نتائج ایسے نہ ہوں۔

اگر بنظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ہمارے تمام تعلیمی، دعوتی اور تبلیغی کام ضعف و اضمحلال کی طرف جا رہے ہیں۔ ان سب چیزوں پر کسی ایک فرصت میں نہ تو بحث کی جا سکتی ہے، اور نہ ایک کم سوادکی تنگیٔ داماں اس کی متحمل ہو سکتی ہے۔ افادیت، اہمیت، اور امت پر پچھلی چند صدیوں میں نہایت گہرے اور دور رس اثرات چھوڑنے کے لحاظ سے خالص اللہ کے توکل پر چلنے والے دینی مدارس پہلے نمبر پر آتے ہیں۔

دینی مدارس کی موجودہ حالت اور چند اہم سوالات اس لحاظ سے اس کی موجودہ حالت کیا ہے۔ اس سلسلہ میں معاصر البلاغ کراچی نے تازہ اداریہ میں اپنے نگارشات قلمبند کرتے ہوئے بجا طور پر بڑے اہم سوالات اٹھائے ہیں۔ چونکہ ہمارا تعلق بھی ایک دینی مدرسہ سے ہے اور ان تاثرات کو ہم اپنے دل کی ترجمانی سمجھتے ہیں۔ اس لئے اپنے حلقۂ قارئین کے اصحابِ فکر و بصیرت (خواہ ان کا تعلق قدیم سے ہے یا جدید سے) اور خاص طور سے اربابِ مدارسِ عربیہ کی توجہ بھی ان سوالات کی طرف مبذول کراتے ہوئے ایک اہم دینی ضرورت پر اظہارِ خیال کی دعوت دیتے ہیں۔

(۱) "ایک عام تاثر یہ ہے کہ ہماری موجودہ دینی درس گاہوں سے مؤثر علمی و دینی شخصیتوں کی تیاری تقریباً بند ہو رہی ہے۔ جناب کی نظر میں اس کے اسباب کیا ہیں؟

(۲) موجودہ دینی مدارس کو دوبارہ مردم خیز اور امت کے لئے زیادہ نفع بخش بنانے کے لئے کون سے اقدامات آپ کی نظر میں ضروری ہیں؟

(۳) محسوس یہ ہوتا ہے کہ ہماری دینی درسگاہوں میں تعلیم و تعلم کا اصل مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔ براہِ کرم نشاندہی فرماویں کہ آپ کی نظر میں یہ مقصد کیا ہے۔ اور اہلِ مدارس میں اس کا استحضار کیوں کر پیدا کیا جا سکتا ہے، جو ان کے فکر و عمل پر اثر انداز ہو سکیں"۔

مدارسِ عربیہ کے سلسلہ میں یہ چند سوالات ایسے ہیں جن سے صرفِ نظر کرنا اور انہیں اپنے شبانہ روز غور و فکر کا محور نہ بنانا، پوری ملّت کے دینی، علمی اور فکری ضعف و اضمحلال سے بے پروائی برتنے کے مترادف ہے۔

دینی مدارس علومِ نبوت کے پاور ہاؤس اور انسانیت کی فیکٹریاں پچھلی چند صدیوں سے یہی دینی مدارس اور آزاد دینی تعلیم ہی زیادہ تر ہماری حیاتِ جاودانی کے سرچشمے بنے رہے کارگاہِ حیات میں ان کی حیثیت انسانی فیکٹریوں کی رہی اور یہ مدارس علومِ نبوت کا ایسا پاور ہاؤس ثابت ہوئے جس کا ایک سرا نبوتِ محمدیؐ اور دوسرا سرا ملّتِ محمدیؐ سے وابستہ رہا — اس کے ذریعہ ملّت کی پژمردہ رگوں میں ایمان و یقین کی نئی حرارت دوڑتی رہی اور اس کی ضوء افشانی سے الحاد، دہریت اور فاسد اعمال و عقائد کی ظلمتیں کافور ہوتی رہیں۔

تربیتی پہلو ان مدارس سے نکلنے والوں میں بہت سی ایسی عبقری شخصیتیں تھیں جن میں ایک ایک کبھی کبھی پوری ملّت پر بھاری ہو جاتی۔ اور آج مدارس کے اندرونی ماحول، خارجی اثرات، تربیتِ اخلاق، علمی رسوخ، کردار اور عمل کی بلندی، مقصد سے شیفتگی، اساتذہ اور طلبہ کے باہمی مخلصانہ روابط، غرض ہر لحاظ سے کمی آگئی ہے۔ جب کہ نئے حالات کی بناء پر مدارس اور ان میں ایسی چیزوں اہمیت رگِ جاں سے بھی بڑھ چکی ہے۔ اس لئے تمام اہلِ علم اور اصحابِ دل حضرات کا اس ضعف و تنزل کے اسباب کی نشاندہی کرا کے تدبیرِ اصلاح پر توجہ دینا دین کی ایک اہم پکار پر لبیک کہنا ہوگا — یہ تو مدارس کا تربیتی پہلو تھا۔

عصرِ جدید اور مدارسِ عربیہ کا نظامِ تعلیم نظامِ تربیت کے علاوہ نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم بھی مدتوں سے توجہ طلب مسئلہ ہے۔ بلاشبہ موجودہ درسِ نظامی نے اپنے عہد کے لحاظ سے ہمہ گیری اور رسوخ فی العلم اور اس سے زیادہ ماحول اور تربیت کی کی بدولت ملّت کو نابغۂ روزگار افراد دیئے۔ مگر عہدِ جدید اور اس کا علمِ جدید اس نصاب کا دامن نہایت وسیع کرنے کا طلبگار ہے۔ بیسویں صدی نے نہ صرف دیگر علوم بلکہ

اسلامی علوم و فنون، تاریخ، اسلامی فلسفہ، فقہ اور قانون سازی، اسلامی علم الکلام عمرانیات، لسانیات، سیاسیات، اقتصادیات، ہر چیز کے متعلق بحث و استدلال، غور و فکر اور مطالعہ و تحقیق کے نئے گوشے پیدا کر کے تمام زاویے اور طور طریقے کافی حد تک بدل دیئے ہیں۔ پھر اتنے ہمہ گیر اور شاخ در شاخ کہ جب تک کوئی عالم ان سے پوری مناسبت پیدا نہ کرے، وہ جدید علمی دنیا کا پورے شرح صدر کے ساتھ چیلنج قبول نہیں کر سکتا۔ اور یہ مناسبت صرف موجودہ نصاب سے پیدا ہونی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ تاریخ اب ایک منضبط سائنس ہے۔ جغرافیہ علم کی سینکڑوں شاخوں کو اپنے اندر سمیٹ چکا ہے ادب کا میدان علم و ثقافت کے تمام اہم شعبوں پر حاوی ہو چکا ہے۔ جدید ادب عربی تحریر و تقریر ہر پہلو سے توجہ طلب بن گیا ہے۔ ریاضی علوم اور طبیعات، ثریٰ سے ثریا تک پہنچ چکے ہیں۔ منطق، نئی ریسرچ اور بحث و استدلال کی شکل میں مراحلِ تکمیل کو چھو رہی ہے۔ فلسفہ کے کئی مسلمات، مشاہدہ اور تحقیق سے غلط ثابت ہو چکے ہیں نئے مسلمہ نظریاتی اصول بھی آئے دن بدلتے رہتے ہیں۔ پھر اسلامی علوم و آثار پر کہاں کہاں سے گولہ باری ہو رہی ہے۔ اور کن حربوں سے کام لیا جاتا ہے۔ استشراق کے پردہ میں ایک مستقل علمی دنیا اسلام اور اسلامی علوم و شخصیات کو مشقِ ستم بنائی ہوئی ہے۔ قانون کی تدوین و ترتیب اقوام عالم میں ایک مستقل فن بن چکا ہے۔

شراب کہنہ اور جام نو الغرض اس صدی کے علمی تقاضے، علمی زبان، علمی طریقِ کار گویا ہر چیز کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہے۔ اسلام اور اس کے اصول ابدی اور غیر متبدل ہیں، نہ تحریف کے روادار نہ ترمیم کے، اور نہ تجدد کے۔ مگر علماء اسلام کو یہ شراب کہنہ جام نو میں پیش کرنے کی اہلیت بہم پہنچاتی ہے۔ اس لئے کہ اسلام تو عیسائیت کی طرح میدان سے ہٹ کر عزلت نشینی کو غنیمت نہیں سمجھتا، وہ تو جامع کامل دین، قوت مقابلہ سے بھرپور اور ہر دور میں نئے جوش اور ولولہ سے معمور رہا ہے۔ اور آنکھیں ملا کر ہر دور کے افکار و نظریات کا چیلنج قبول کرتا چلا آیا ہے۔ اس لئے آج بھی ضرورت ہے کہ علماء کرام اور ہمارے علمی ادارے جدید آلات و وسائل اور علمی اوزار حرب و ضرب

سے پوری طرح لیس ہو کر نئے تقاضوں کا سامنا کرسکیں۔ ہمیں دور میں اللہ نے ابوحنیفہؒ، احمد بن حنبلؒ، غزالیؒ، رازیؒ، ابن تیمیہؒ، رومیؒ، ابن رشدؒ، شاہ ولی اللہؒ، محمد قاسم نانوتویؒ جیسے اہلِ فکر و نظر دیئے جن کی بدولت اسلام آج تک زندہ و تابندہ رہا۔ ضرورت ہے کہ نیا دور بھی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کر کے یہ امانتِ عظمیٰ پچھلے دور سے بڑھ کر جوش و خروش اور شان بان کے ساتھ اگلی نسلوں تک پہنچا سکے ــــ مقابلہ شدید تر ہے اور ہر آنے والی گھڑی وقت کی نزاکتوں میں اضافہ کر رہی ہے۔ جنگ کا محاذ ہمہ گیر ہوتا جا رہا ہے۔ علمی و فکری لحاظ سے نیا سے نیا اسلحہ میدان میں آرہا ہے۔ اور قرآنِ کریم واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ کی صورت میں پکار پکار کر دعوتِ تیاری دے رہا ہے۔ الغرض نصاب کے سلسلہ میں بڑی وسعتِ نظر کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے تعلیم کی کل مدت کتنی ہونی چاہیئے۔ اس مدت کو کتنے حصوں میں کس طرح تقسیم کیا جائے، اہم اور لازمی مضامین اور اختیاری مضامین کا تعین اور پھر طریقۂ تعلیم کے ساتھ مطالعہ، تصنیف و تالیف، مؤثر ترین دعوت اور اس کا طریقِ کار۔ الغرض صدہا گوشے ہیں جو بحث و تمحیص کے مستحق ہیں۔ اسے حسنِ اتفاق کہئے یا البلاغ کے اداریہ کے ساتھ توارد فکر کہ علمی و فکری زندگی کے بارہ میں اکابر علماء اور چیدہ چیدہ اربابِ دانش کے تجربات و تاثرات سامنے لانے کے سلسلہ میں الحق نے بھی ایک سوالنامہ روانہ کیا۔ نصاب و نظام پر غور و فکر کرتے وقت اگر ان سوالات کو بھی پیشِ نظر رکھا گیا تو اس سے بھی تعلیمی، مطالعاتی اور تربیتی امور پر کچھ روشنی پڑ سکے گی۔

تعلیمی اور تربیتی پہلو کے بارہ میں چند اور اہم سوالات

(۱) آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے۔

(۲) ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیات۔

(۳) کن مجلات اور جرائد سے آپ کو شغف رہا۔ موجودہ صحافت میں کون سے جرائد آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔

(۴) آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درس گاہوں سے خاص اثرات لئے، ایسے اساتذہ اور درس گاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلبہ کی تعمیر و تربیت میں مدد ملی۔

(۵) اس وقت عالمِ اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث و نوازل کا سامنا ہے اس کے لئے قدیم یا معاصر اہلِ علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کار آمد اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔

(۶) علمی، فکری اور دینی محاذوں پر کئی فتنے، تحریفی، الحادی اور تجدّدی رنگ میں (مثلاً انکارِ حدیث عقلیت، اباحیت، تجدّد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرنزم) مصروف ہیں۔ ان کے سنجیدہ علمی احتساب میں کون سی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔

(۷) موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔

(۸) مدارسِ عربیہ کے نصاب میں وہ کون سی تبدیلیاں ہیں جو اسے مؤثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں۔

امید ہے اپنے مفید خیالات سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ (ستمبر ۸۸ء)

دورِ جدید کے مسائل

| طلبۂ مدارس اور جدید دور کے مسائل | وفاق المدارس العربیہ دینی مدارس کی ایک تنظیم ہے۔ دو ڈھائی سو مدارس عربیہ اس سے وابستہ ہیں۔ اس تنظیم کی نگرانی میں دورۂ حدیث شریف کے سالانہ امتحانات بیک وقت ہوا کرتے ہیں۔ اس وقت حدیث کی مشہور کتاب مسلم شریف کا پرچۂ سوالات ہمارے سامنے ہے۔ جس میں طلباء سے دیگر فقہی و علمی سوالات کے علاوہ عصرِ حاضر کے آمدہ مسائل، تحدید نسل، عزل، عائلی قوانین کے ضمن میں طلاق ثلاثہ کا مسئلہ، ان معاشرتی قوانین کی شرعی حیثیت، احیاء ارضِ موات کے ضمن میں پنجاب اور سندھ کے انگریزی

دور کے مربوں اور جاگیروں کی شرعی پوزیشن اور حدیث نہی عن کراء الارض کے ضمن میں اشتراکیت کا تعاقب وغیرہ امور پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا گیا ہے۔ ان مسائل میں عربی طلباء کی استعداد کا حال تو نتائج آنے پر معلوم ہوگا، مگر اس قسم کے سوالات سے طلباء اور اساتذہ مدارس عربیہ کو جدید مسائل اور عصر حاضر کی ضرورتوں پر تنبیہ ہو جانی چاہیئے۔ بلاشبہ آپ قرأت خلف الامام، آمین بالجہر، امتناع نظیر اور امکان کذب جیسے مسائل پر بھی بحث و تمحیص کرتے رہیں۔ البتہ دور جدید کی ضرورتوں کا تقاضا ہے کہ کتاب و سنت پڑھاتے وقت جدید حوادث و نوازل پر غور و تحقیق اور طلباء کو اس سے متعارف کرانے کا خاص خیال رکھا جائے۔ اسلام دین ابدی ہے اور ان تمام مسائل کا صحیح حل علماء ہی پیش کر سکتے ہیں۔ اور انہیں عصر حاضر کے چیلنج دینا ہے۔ دسمبر ۱۹۶۷ء

دینی مدارس اور لادینی قوتیں

اخبارات میں یہ خبریں آچکی ہیں کہ حکومت اب دینی مدارس کو بھی اپنی تحویل میں لینا چاہتی ہے اور اس کے ساتھ ہی محترم وزیر مذہبی امور نے بھی خطباتِ جمعہ کو سرکاری ہدایات کا پابند بنانے کے لئے ایک "حسین" منصوبہ پیش کر دیا ہے۔

منبر و محراب کے ساتھ مسجد و مدرسہ کو بھی آمریت کی لونڈی بنا دینے کے یہ ارادے نئے نہیں بلکہ اسلامی خلافت کے ملوکیت سے بدل جانے کے بعد ہر دور کی لادینی طاقتوں کی ایک دیرینہ حسرت رہی ہے۔ یہ حسرت انگریز سے پہلے بھی دینِ اکبری کے علمبردار اکبر کے زمانہ میں ظاہر ہوتی رہی۔ اس دور کے ابوالفضل اور فیضی نے دین کے رہے سہے نقوش کو بھی مٹا دینے ہی کے لئے اکبر کو آمادہ کیا کہ آزادانہ دینی نظامِ تعلیم و تبلیغ کے تمام مظاہر کو ایک ایک کر کے مٹا دیا جائے۔ پھر انگریز کا دور آیا اس نے کیا کچھ نہ کیا لاکھوں علمائ تہ تیغ ہوئے، دینی مراکز تہس نہس کر دیئے گئے، مدارس اجڑ گئے، مساجد مسمار ہوئیں، کتاب و سنت کو پائمال کیا گیا۔

برصغیر کے اسلامی تشخص میں مدارس کا کردار | مگر دین کی آزادانہ شان بان کو برقرار رکھنے والے علمائِ حق اتنے سخت جان نکلے کہ سب کچھ لٹا کر بھی محبوبائے دین اور لیلائے علم کی آبرو برقرار رکھی۔ اور علمِ دین کو اقتدار کی غلط خواہشات کی تکمیل کے لئے ایک داشتہ بن جانے سے بچائے رکھا۔ برصغیر میں عیسائیت کی یلغار ہوئی، ہندو اکثریت نے مسلمانوں کو مٹانا چاہا، مغربی سیلاب کی یلغار ہوئی دو سو برس انگریز نے ہندوستانی مسلمانوں کو ظاہراً و باطناً انگریز بنانے کے لئے کروڑوں اربوں رقم خرچ کی ایک نیا نظام و نصابِ تعلیم رائج کیا، یہ سب کچھ ہوا مگر برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کا انجام اُندلس، تاشقند اور سمرقند کی طرح نہ ہوا، اسلام نہ صرف بچا رہا بلکہ ہر باطل قوت کو دبا دبا کر ابھرتا رہا۔ آج ہماری اسلامی تعلیم، ثقافت، اسلامی تشخص اور پھر نظریۂ پاکستان کے نام پر الگ خطے کا حصول یہ سب کچھ ان مدارسِ عربیہ ہی کی بدولت ہے۔ جو غلامی کی تاریکیوں میں ایک روشن قندیل

کی طرح نہ صرف اسلامی علوم بلکہ اسلامی اخلاق وعادات آزادی اور حریت، جہاد اور سرفروشی کی روشنی بھی پھیلاتے رہے۔ یہیں سے حریت فکر اور جودت ذہن سے سرشار قائدین حریت اور سرفروشانِ ملک وملت نکلے۔

بہرحال یہ سب چیزیں تاریخ کا ایک ایسا واضح اور قطعی حصہ ہیں جس پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں۔ مدارسِ عربیہ نہ ہوتے تو آج برصغیر کی مسجدیں اذانوں کو ترستیں، مدرسے تعلیمِ دین کے نام سے ناآشنا ہوتے اور یہاں کی حالت امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ کے دیس سے مختلف نہ ہوتی آج اسپین کی مسجدِ قرطبہ کی طرح لاہور کی شاہی مسجد بھی اذان اور نماز کے لئے ترستی اور اسلامی سربراہوں کے اجتماع جیسا حسین وجمیل منظر کبھی نہ دیکھ سکتی۔

مسجد ومحراب کی قفل بندی کی ناکام کوششیں ایوب خان کے دور میں اسلام دشمن طاقتوں کی نظریں بھی مدارس پر پڑیں بے دین لوگوں نے اسے سہارا دیا منصوبے بنتے رہے، ملت فروش مذہب نما افراد نے تجاویز بتائیں کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے امیرالمومنین بننا ہے تو مولویوں کو ختم کردو، دین کو ماڈرن بنادو، مدارس کو قفل لگوادو، تمہیں بقائے دوام مل جائے گی اور مجددِ وقت بن جاؤ گے، ایسے ہی خردماغوں نے ایوب خان سے عائلی قوانین نافذ کروائے اور دین کی تحریف وتلبیس کا ایک طویل سلسلہ رسوائے زمانہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی شکل میں شروع کیا جو ایوب خان کے دوام کا نہیں بلکہ علماء اور دینی قوتوں کی شدید بیزاری کا سبب بن کر بالآخر ایوب خان کے شرمناک زوال پر منتج ہوا۔ ایوب خان اہل دین کو نہ چھیڑتے تو ملکی استحکام وسالمیت اور مادی ترقیاتی منصوبوں کے لحاظ سے وہ اوروں سے بہرحال بہتر تھے اور اہلِ حق کو اس لحاظ سے ان سے کوئی بیر نہ تھا۔ مگر وہی ہوا جو سنت اللہ ہے۔ آج نہ ایوب خان ہے، نہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن، نہ ان لوگوں کو ان کے درباری ملت فروش مولویوں کے فتوے بچاسکے نہ سلطانِ وقت کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنے والے مشائخ کی دعائیں ان لوگوں کا آج بھی یہی شیوہ ہے۔ صرف لبادہ بدل گیا ہے مگر مذہب زندہ ہے، علماء حق کا ولولہ اور جوش قائم ہے۔ مدارس عربیہ اسلام کی ضیاء باریوں میں

رواں دواں ہیں مساجد کلمۂ حق سے گونج رہی ہیں۔ مجالسِ وعظ و تبلیغ شاد و آباد ہیں۔ حیرت تو موجودہ حکومت کے "قائدِ عوام" وزیرِاعظم بھٹو صاحب پر ہے جنہیں عوام کے مزاج پہچاننے کا ملکہ ہے۔ وہ حالات اور اس کے نتائج کو بھی سمجھتے ہیں۔ مگر بیٹھے بٹھائے کن بے بصیرت لوگوں نے انہیں بھی (!)۔ ایسے راستہ پر ڈال دیا جو بالآخر مسلمانوں کی نہایت دلآزاری اور اللہ کی رحمتوں سے محرومی ہی کا سبب بنے گا۔ اور اپنے دامن میں سوائے حرمان اور بربادی کے کچھ نہیں رکھتا۔

مدارس اور لادینی قوتیں قادیانی مسئلہ کے حل ہونے کے بعد یکایک ایسی باتوں کا اخبارات میں آجانا اور حکومت کا اب تک چپ سادھ لینا مختلف پریشان کن افواہوں اور خیالات کا سبب بنتا جارہا ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے قادیانی مسئلہ پر مجبور اور بے بس ہو کر جو قدم اٹھایا اس سے یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ یہاں کی اسلامی طاقت کا ایک اہم ترین سرچشمہ مدارس عربیہ ہیں، قادیانیوں کو تو اپنا دشمن پہلے سے معلوم ہے۔ ملک میں سوشلسٹ طاقتوں کو بھی علماء اور ان کے مراکز اور سرچشموں کا وجود ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اب اگر حکومت نے خدانخواستہ کوئی بھی ایسا اقدام کیا تو اسے لازماً ان تین طاقتوں کا قادیانی مسئلہ کے فاتحین سے انتقام سمجھا جائے گا۔ کیا واقعی حکومت ایسا اقدام کر کے قادیانیوں کے زخموں کا اندمال کرنا چاہتی ہے اور کیا واقعی یہاں لادینی سوشلزم کا قطعی قیام مقصود ہے؟ اور کیا حکومت کا مقصد یہی ہے کہ اس کے لادینی اقدامات پر کوئی انگلی اٹھانے والا نہ رہے۔ اور بجائے کلمۂ حق کے یہاں ہر فاجر و فاسق کے منکرات و معاصی کو اللہ اور رسولؐ کی عین اطاعت قرار دینے والے سرکاری ملاؤں اور علماء سوء کا دور دورہ رہے؟ یہ سب کچھ کیا جارہا ہے اور حالات ان اندیشوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔

مدارس کا استحصال حکومت نے بہت سے کارخانے بنک اور زمینیں قومی قومی تحویل میں لے لی ہیں۔ اب شاید وہ ان دینی کارخانوں اور مدارسِ عربیہ کا بھی استحصال کے نام پر استحصال کرنا آسان سمجھتی ہے۔ مگر اسے شاید معلوم نہیں کہ مادی منافع پر مبنی

فیکٹریوں اور املاک کا معاملہ اور ہے اور شمع رسالت کو روشن رکھنے والے مدارس اور مراکز کی حیثیت اور۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے اور اہل علم اس معاملہ میں نہایت حساس ہیں حکومت کو چند ٹکوں کے لئے ایمان اور ضمیر بیچنے والے بہت ہی کم ملیں گے۔ مدارس عربیہ کی چٹائیوں پر عمر عزیز صرف کر دینے والے اساتذہ اور سوکھے ٹکڑوں پر گزارا کر کے جوانیاں لٹا دینے والے طلباء علوم نبوت کے ان پاور ہاؤسوں کو بچانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائیں گے۔ جو مدارس دینیہ کی شکل میں قائم ہیں۔ جن کا ایک سرا دامانِ نبوت سے اور دوسرا عالم کی بقاء اور مسلمانوں کی حیاتِ ابدی سے وابستہ ہے۔

متحدہ تنظیم | ہمیں خوشی ہے کہ اربابِ مدارس اور ہر مکتبِ فکر کے علماءِ حق نے ملتان میں جمع ہو کر اس بارہ میں اپنی زندگی کا ثبوت دیا ہے۔ مدارس عربیہ کے تحفظ کے لئے ایک فعال متحدہ تنظیم اتحاد المدارس العربیہ کے نام سے قائم کر دی گئی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ تمام مدارس بلحاظ اختلاف مسلک و مشرب اس تنظیم کی ہدایات اور مشوروں کی قطعی پابندی کریں گے۔ تاکہ مدارسِ عربیہ کا یہ چراغِ مصطفوی ہمیشہ ہمیشہ روشن رہے ——— (جلد ۱۰، شمارہ ۱۲)

قادیانیوں کے عزائم

ہم نے اس سے قبل دینی مدارس کو قومی تحویل میں لینے کی افواہوں پر تبصرہ کرتے ہوئے اس خدشہ کا اظہار بھی کیا تھا کہ قادیانی تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جانے کے بعد ملک کے لادینی عناصر قادیانیوں کی شہ پر علماء اور طلباء دین کی قوتوں کے اصل سرچشمہ مدارسِ عربیہ کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے ان خدشات کی تائید قادیانی حلقوں اور مرزائی پریس کا اس بارہ میں تبصروں سے ہو سکتی ہے قادیانی جماعت کے ترجمان "پیغامِ صلح" ۱۲؍ جنوری ۱۹۷۵ء کا شمارہ ہمارے سامنے ہے

اس کے مقالۂ افتتاحیہ اور ایک مضمون میں حکومت کے ایسے ارادوں کا پُرجوش خیر مقدم کرتے ہوئے مدارسِ عربیہ کو امتِ مسلمہ کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔

پیغامِ صلح کا مرزائی مقالہ نگار جو ملت کے اس طبقۂ علماء کے ہاتھوں ضربِ کاری کھا چکا ہے۔ حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ:۔

"ایسے اقدامات کو جلد عملی جامہ پہنایا جائے کہ اس طرح سماج دشمن اور تخریب پسند روایت کی اہمیت ختم ہو جائے گی اور قومی اتحاد اور وحدتِ ملی کا تصور روشن ہو جائے گا۔"

قادیانی صحافی کو ان مسلمانوں کے دینی مراکز کے اصلاحِ نظام و نصابِ تعلیم کا درد بھی کھائے جا رہا ہے۔ قادیانی اخبار کو اس بات کا بھی دکھ ہے کہ ان مدارس میں مختلف طریقوں سے جمع کی جانے والی لاکھوں رقومات کا خرچ اموال کا بدترین ضیاع ہے ___ مگر وہ خود یہ نہیں سوچتا کہ استعمار اور اسلام دشمن طاقتوں کے درپردہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عزائم خبیثہ کی تکمیل کے لئے ان لاکھوں کروڑوں روپیہ کا مصرف کیا ہے۔ جو قادیانیت کے پردہ میں خرچ ہوتے ہیں اور اس دولت سے مسلمانوں کی وحدتِ ملی کو کیا فائدہ پہنچا۔ وہ ۹ کروڑ روپیہ جس کی مرزا ناصر نے اپیل کی تھی، کہاں سے آئے۔ جس کا مصرف ربوہ اور قادیان کی شرمناک پاپائیت کی ہوس رانیوں کی تکمیل کے سوا کچھ نہیں اور جو عالمِ اسلام میں درپردہ آئے دن کی سازشوں میں لگائے جا رہے ہیں۔ اپنے سادہ لوح تبعین کے وصایا اور وراثتوں کے خون پسینہ کی کمائی کو جاہ و باہ کے کن قبیح اور شرمناک طریقوں سے ہضم کیا جاتا ہے۔ اور یہ سامراجی گماشتے عالمِ اسلام میں ایک طرف تو صیہونیت کے ہراول دستہ ہیں دوسری طرف استعماری تجوریوں سے ایتھوپیا میں مسلمان کا خون بہا رہے ہیں قبرص میں ترکوں کے خلاف سرگرم ہیں، کشمیر کو بھارت کے ہاتھوں قادیان کی موہوم امید پر رہن کرا چکے ہیں ___ مگر انہیں فکر ہے تو ان طیب و طاہر پاکیزہ چند دن کا

جو درمند مسلمان اپنا پیٹ کاٹ کر دینی مدارس پر لگاتے ہیں اس لئے کہ تاجدارِ ختمِ نبوت کے علوم اور مواریثِ نبوت وہدایت کی یہ حفاظت گاہیں مسیلمہ کذاب کی اولاد کے استیصال کے مراکز ہیں۔ وہ ان مدارسِ عربیہ سے عشقِ نبوی اور حفاظتِ اسلام کے جذبہ سے سرشار ان جانباز فارغ التحصیل علماء کو انسانی ضیاع قرار دیتے ہیں جو اپنی مرضی سے دُنیا اور اس کی رنگینیوں کو کملی والے آقاؐ کے دین پر تج چکے ہیں اور روکھے سوکھے ٹکڑوں پر قناعت کئے بیٹھے ہیں۔

بہر حال قادیانی اخبار نے ہمارے خدشات کی تائید کر دی ہے کہ مدارسِ عربیہ کا گلا گھونٹنے کی یہ کھچڑی کہاں کہاں پک رہی ہے۔ ہمیں قادیانی جماعت سے اس بارہ میں کوئی شکوہ نہیں کہ ملّتِ مسلمہ کی قادیانیوں کی تو اب کھلی جنگ ہے۔

مدارسِ عربیہ کی ''اصلاح'' کے پُرفریب سنہری وعدے مگر افسوس تو ہمیں اپنوں کی بعض ایسی دردمندانہ ''تجاویز اور منصوبوں'' کو دیکھ کر ہوتا ہے جو علماء اور طلبۂ مدارسِ عربیہ کی خیرخواہی اور ان کی حالت بہتر بنانے کی شکل میں ہمارے سامنے آرہے ہیں۔

مثال کے طور پر ہمارے محترم وزیر مذہبی امور مولانا کوثر نیازی کا ایک انٹرویو مطبوعہ ''جنگ'' ۲۷ر فروری ۱۹۷۵ء ہمارے سامنے ہے انہوں نے دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کی تردید کے باوجود کچھ باتیں ایسی کی ہیں جن پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ انہیں ان مدارس کے اساتذہ کی تنخواہوں اور طالب علموں کی حالت بہتر بنانے کی بھی فکر ہے۔ کیونکہ بقول ان کے یہ لوگ دستِ سوال دراز کئے پھرتے ہیں۔ مدارسِ عربیہ کو مالی امداد دینے کا بھی ذکر ہے۔

اہلِ مدارس کا مطمحِ نظر کبھی دنیاوی نہیں رہا مگر کیا محترم مولانا یہ نہیں جانتے کہ یہ لوگ حصولِ علمِ دین کی راہ اپنی جوانیوں کی متاعِ عزیز جو لٹا دیتے ان کا مطمحِ نظر دنیاوی آسودگی اور آسائشِ حیات نہیں ہوتا۔ زندگی کے دیگر شعبوں میں جا کر یہ راستے تو ان پر بھی وا ہو سکتے

تھے ۔ مگر انہوں نے سوچ کر اور ایسی تمام خواہشات کی قربانی دے کر اپنی زندگیاں کتاب و سنت کی شمع تابناک کو فروزاں رکھنے کے لئے وقف کر دیں انہیں معلوم ہے کہ یہ راہ و رسم وفا مادی خوشحالی کی کبھی مرہون نہیں رہی۔ یہ کانٹوں کی سیج ہے پھولوں کی نہیں۔ اصحابِ صفہ کی سیرتِ مقدسہ ان کے سامنے ہے ۔ اور وہ زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ جنہیں مادی حالت کی بہتری اور دنیوی جاہ و جلال، عہدے اور مناصبِ جلیلہ درکار ہوں تو انہیں اس راہِ عشق سے کیا سروکار۔ ع

جس کو ہو جان و دل عزیز تیری گلی میں جائے کیوں

زہد و ایثار کا صلہ | ان لوگوں نے انگریز کے عہدِ غلامی میں چٹائیوں اور بوریوں کی رہائش اور روکھے سوکھے ٹکڑوں پر قناعت کو ترجیح دی ورنہ انگریزی مراحم و عنایات کے دروازے ان پر بھی کھل سکتے تھے۔ یونیورسٹیوں کی ملاقاتی زندگیاں انہیں پکار رہی تھیں وہ بھی سر اور خان بہادر بن سکتے تھے۔ شمس الاسلام اور شیخ الاسلام جیسے مناصب تو خان بہادر اور سر سے بھی سستے داموں بک رہے تھے مگر ان فقراء زہد و علم نے یہ سب کچھ ٹھکرا دیا۔ پھر خدائے غیور کی بارگاہ سے کوئی سید احمد شہیدؒ بن کر نکلا کوئی محمد قاسم نانوتویؒ کوئی شیخ الہندؒ اور کوئی شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کے نام سے اسلامیانِ ہند کے قلوب پر بے تاج حکمران بنا، کوئی حسین احمد مدنیؒ کی شکل میں عرب و عجم کی سیادت کی خلعت سے نوازا گیا، کوئی اشرف علی تھانویؒ کی صورت میں حکیم الامت بنا تو کوئی احمد علی لاہوریؒ کے پیکر میں قطبِ ارشاد اور شیخ التفسیر بن کر نمودار ہوا کوئی سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی صورت میں امیرِ شریعت بن کر منصۂ خطابت پر جلوہ افگن ہوا۔ پھر مولانا یہ کیوں بھول گئے کہ۔

سنہری اور پُر فریب وعدے | اس سے قبل بھی معیارِ زندگی کی بلندی اور معاشی بہتری کے نام پر کئے گئے ایسے سنہری عہد و پیمان کا کیا حشر ہوا۔ مساجد اور مزارات کو تحویل میں لینے کے وقت بھی ایسے ہی اصلاحی جذبات سامنے آئے، خطباء کی معاشی حالت کی بہتری اور باعزت مقام اور وقار کے مژدے بھی سنائے گئے۔

سرکاری تحویل میں لئے گئے اوقاف کی تباہ حالی | مساجد، خانقاہوں اور مزارات کی

خاطر خواہ دیکھ بھال کرنے کے وعدے بھی ہوئے، لیکن کیا بعد کے واقعات نے
ان ساری باتوں کو سراب نہیں ثابت کیا بہت سی مساجد کی آمدنی لاکھوں تک پہنچتی تھی، آج
وہ کسمپرسی کے عالم میں ہیں۔ بسا اوقات ایک چٹائی اور بلب کے لئے مسجدیں ترستی ہیں
کچھ دردمند نمازی از خود چندا اکٹھے کر کے دیکھ بھال کا کام چلا لیتے ہیں۔ وقف املاک
کی لاکھوں آمدنی اپنے اصل شرعی مصارف پر خرچ ہونے کی بجائے افسران اور انتظامیہ
کی فوج ظفر موج کی بھاری تنخواہوں اور تکلفات پر لگ جاتی ہیں اور کچھ یورپ کی مادی
اور غیر مذہبی تعلیم کے وظیفوں اور نام نہاد ثقافتی سرگرمیوں پر خطیبوں کی تنخواہیں کئی کئی ماہ رکی
رہتی ہیں۔ معیارِ زندگی بلند تو کیا ہوتا، اوقاف کے بے شمار خطیب ایسے بھی ہیں جن کی
تنخواہ اس جان لیوا گرانی میں بھی پچاس روپے سے متجاوز نہیں۔ پھر ظلم یہ کہ وہ مستقل
سیاسی جوڑ توڑ کے رحم و کرم پر رہتے ہیں۔ غازیوں کی سیاسی وابستگیوں کی رسہ کشی کا
شکار رہتے ہیں۔ اور جدھر کا پلڑا سرکار والا تبار کے ہاں بھاری ہوا خطیب اس کی زد
میں آگیا اور ایک پٹواری کی طرح جب چاہا ایک مسجد سے اٹھا کر دور دراز کسی شہر میں
تبدیل کر دیا۔ پھر ۵۸ سال عمر کے جرم میں ریٹائرمنٹ کی تلوار الگ سر پر مسلط، حالانکہ منصبِ
وعظ و ہدایت اور مقام رشد و تبلیغ میں عمر کے ساتھ اور بھی پختگی اور رسوخ آتا ہے۔ ہمیشہ سے یہ
لائن ریٹائرمنٹ کی لغت سے یکسر نا آشنا ہی ہے۔ رہی سہی کسر جو رہ گئی تھی، اب ان
بے چاروں کو خطبہ میں "وحدتِ موضوع اور تجدید مضامین" کے شکنجوں میں کس کر پوری ہو جائے
گی جس کی خبریں آج کل آ رہی ہیں۔

سرکاری تحویل میں لئے گئے سکولوں، کالجوں میں اسلامیات کی حالت پھر پرائیویٹ
تعلیمی اداروں اور سکولوں کو تحویل میں لیتے کے وقت بھی ایسے ہی دلنواز اور جاذبِ نظر نغمے
سننے میں آئے کہ اب ان اداروں کی کایا پلٹ جائے گی۔ نتیجتاً جو ادارے عام مسلمانوں
کے جذباتِ ملی کے سہارے چل رہے تھے وہ رضاکارانہ جذبات اور مسلمانوں کے
تعاون سے محروم ہو گئے اور ڈھائی سال گزر جانے کے باوجود اب بھی غیر یقینی کیفیت
سے دوچار ہیں نہ ان اداروں کے اساتذہ کو مستقل ہونے کے پروانے مل سکے ہیں

نہ واضح طور پر ان کے مشاہروں کا تعین ہو چکا ہے۔ اور ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ تنخواہوں کی حد بندی کا مسئلہ اٹھا بھی تو جو حکومت دینی مدارس کی معاشی حالت بہتر بنانے کی فکر کر رہی ہے۔ اس نے تنخواہوں کے سکیل مجریہ ۸ر جنوری ۱۹۷۵ء میں انگلش وغیرہ عمرانی مضامین کے ان ٹرینڈ اساتذہ کی شرح تو مقرر کر دی گئی ہے۔ لیکن ان ٹرینڈ فاضلین علوم شرقیہ اور اساتذہ دینیات و معلمین قرآن کے کسی سکیل کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔ بلکہ ایسے اساتذہ کو ۱۹۷۳ء کے سکیل کے مطابق نوے روپے دینے کی ہدایات جاری کر دی گئیں۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ سلام کے جذبے کے تحت حکومت کی نظریں بار بار مدارسِ عربیہ کی طرف اٹھتی رہی ہیں۔ لیکن کیا حکومت خدمتِ اسلام کی اور تمام ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو چکی ہے۔ ملک کے تمام شعبوں میں اسلام جاری اور ساری ہو چکا ہے، تمدن، تہذیب، سیاست و معاشرت، اخلاق و معاشیات کے ہزاروں ایسے شعبے ہیں، جو زبانِ حال سے حکومت کو پکار پکار کر دعوتِ اصلاحِ احوال دے رہی ہیں۔

خدمتِ اسلام کا میدان عصری نظامِ تعلیم | مگر یہاں ہم صرف ایک ہی مثال پر اکتفا کرتے ہیں جس کا تعلق تعلیمی شعبہ ہی سے ہے۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد کیا ہمارے حکمرانوں کا اہم ترین فریضہ نہ تھا کہ ملک کے تمام عصری نظام و نصاب تعلیم کو اسلامی سانچہ میں ڈھال دیا جاتا یہ نہ ہو سکا تو کم از کم یہ تو لازمی تھا کہ عصری تعلیم گاہوں میں اسلامی تعلیمات و اخلاق، قرآن و سنت اور عربی و مشرقی علوم پر خصوصی توجہ دے دی جاتی کہ اب ہمیں غلام ہندوستان کے لئے دیسی کلرکوں کی ضرورت نہ تھی بلکہ ایک اسلامی مملکت کے لئے مہذب اور عالم و فاضل شہریوں کی چاہیئے تھا کہ اسلامی تعلیمات کو اہم لازمی مضمون کی حیثیت دے دی جاتی اور ان علوم کے اساتذہ اور طلبہ کو ترجیح نہیں تو کم از کم انگریزی اور دیگر عمرانی علوم کے اساتذہ اور طلبہ جیسا باعزت مقام اور مراعات تو دے دیئے جاتے، مگر یہاں تو ۲۸ سال گزرنے کے بعد بھی اسلامیات

یا علومِ شرقیہ کا جو برائے نام سلسلہ ہے اس کے اساتذہ کی حالتِ زار سے کون بے خبر ہے۔ نہ سرکاری درس گاہوں میں ایسے اساتذہ دینیات کے لئے لازمی آسامیاں ہیں نہ وہ حقوق و مراعات جو انگریزی پڑھانے والوں کے لئے ہیں بعد از خرابیٔ بسیار تعلیم کے سرکاری اداروں میں اسلامیات کو پہلے اختیاری اور پھر لازمی حیثیت دی گئی مگر وہ بھی ثانوی سطح پر، مگر اکثر صوبوں میں عملاً تدریس قرآن کا صرف اتنا انتظام ہے کہ محض سطحی اور رسمی طور پر بعض جگہوں میں گویا خانہ پری کر دی گئی ہے۔ اور یہ سطور لکھتے وقت تو یہ افسوسناک اطلاع بھی سامنے آچکی ہے کہ :۔

"وفاقی وزارتِ تعلیم کے شعبۂ تدوین نصابات نے سرکلر نمبر F-S-1/74-HSC جنوری ۱۹۷۵ء کے ذریعہ اپنے مجوزہ تعلیمی اسکیم برائے نصاب انٹرمیڈیٹ میں اس نصاب کی فہرست سے اسلامیات کے مضمون کو یکسر خارج کر دیا ہے اور اس کی جگہ فنونِ لطیفہ بالخصوص موسیقی کو مستقل مضامین کی حیثیت دی گئی ہے۔"

ع

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

پھر کیا "خدمتِ اسلام کا یہ جذبہ" آگے چل کر مدارس علومِ نبویہ کو بھی رقص و سرود موسیقی، آرٹس اور کلچر کے مراکز میں تبدیل کرنا چاہتا ہے —— ولا فعلها الله الی یوم القیامۃ۔

علومِ شرقی اور برطانوی دور سے بھی بدتر حالت بہر حال عصری تعلیم گاہوں کے اساتذۂ دینیات اور فضلاء علومِ شرقیہ کی معاشی حالت بہتر بنانے پر کتنی توجہ دی گئی ہے۔ اس کی حقیقت بھی سب کو معلوم ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ فاضل عربی او ٹی اور دوسرے اسناد رکھنے والے اساتذہ کو دیگر لازمی مضامین پڑھانے والے ٹیچروں کی مساوی حیثیت میں مشاہرے دیئے جاتے۔ مگر ایسا نہیں بلکہ ۱۷۵، ۵/۱۴۰، ۴/۱۰۰ یا بالقطع ۱۰۰/- روپے تنخواہ مقرر کی گئی، تنخواہوں کے

گوشواروں کو سامنے رکھ کر آپ پر یہ تفاوت عیاں ہو جائے گی کہ برطانوی دور میں انگریزی اساتذہ اور علوم مشرقیہ کے اساتذہ کی تنخواہوں میں اتنا غیر معمولی فرق نہ تھا جو کہ اب ہے یہ تفاوت ۱۹۴۵ء میں پچاس روپے تھی تو پاکستان بننے کے بعد ۱۹۵۲ء میں ۷۰/- روپے ہو گئی۔ ۱۹۷۰ء میں ۱۲۰/- روپے ہو گئی۔ اور اب عوامی دور کے نیشنل پے سکیل میں ۱۸۵/- روپے ہو گئی۔ یعنی انگریزی اور عمرانی پڑھانے والوں سے اسلامی تعلیمات اور عربی کے معلّمین کو ۱۸۵/- روپے کم ملتے ہیں۔ یہی تفاوت اسلامیات اور انگریزی نصاب کے پرچوں کے نمبرات میں بھی ہے۔ انگریزی پرچہ کے نمبرات ۷۵ ہیں تو عربی کے سو اور انگریزی پڑھانے کے لئے ہفتہ میں آٹھ پیریڈ ہیں تو عربی کے لئے چار۔ اور یہ واقعہ ہے کہ لازمی اختیاری مضامین میں بھی سائنس کو عربی پر ترجیح دینے کی وجہ سے دیگر طلبہ عربی چھوڑ کر سائنس اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

بہر حال اسلامیات اور عملۂ اسلامیات اور دیگر مضامین اور اس کے اساتذہ کے درمیان تفاوت اور حق تلفی کی داستان بہت طویل ہے۔

مقصد یہاں صرف علماء اور طلباء مدارس عربیہ کی معاشی حالت بہتر بنانے کے "پاکیزہ جذبات" پر کچھ عرض کرنا تھا ــــ مذکورہ انٹرویوں میں دینی مدارس کی مالی بے قاعدگیوں اور گڑبڑ کا بھی ذکر ہے۔ نصابِ تعلیم کی اصلاح اور علماء کو معاشرے کا مفید (؟) رکن بنانے پر بھی اظہارِ خیال ہے۔ اچھے مدارس کو حکومت کا مالی امداد دینے کی ترغیب بھی ہے۔ ان تمام باتوں پر گفتگو کا میدان وسیع ہے۔ اور یہ سب باتیں علماء حق اور عام مسلمانوں کو دعوتِ فکر دے رہی ہیں۔ (مارچ ۱۹۷۵ء)

قومی ملکیّت کی تلوار

دینی مدارس پر قومی ملکیت کی تلوار | حکومت کی درپردہ بعض سرگرمیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت قومی ملکیت کی تلوار سے دینی مدارس کو ذبح کر کے دین کے رہے سہے نشانات اور شعائر کو بھی مٹا دینا چاہتی ہے۔ برصغیر کے مخصوص حالات میں مدارسِ عربیہ کی قدر و قیمت اور ضرورت و اہمیت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ یہ مدارس نہ ہوتے تو آج برِصغیر مسلمانوں کی عظمتوں کا قبرستان بن چکا ہوتا اور یہاں کی حالت سپین اور بخارا و سمرقند سے مختلف نہ ہوتی۔ قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک حکومتی ذرائع سے دین اور اسلامی علوم کے فروغ و اشاعت کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا گیا وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو وہ اسلام یہاں بہت مشکل سے مل سکتا جسے لے کر ہم نے نظریۂ پاکستان کا نعرہ لگایا اور ایک سلطنت حاصل کی۔ مگر حکومت کی نظریں اٹھتی بھی ہیں تو بار بار ان مدارس اور مساجد کی طرف، جب کہ زندگی کے ہزاروں شعبے ابھی اسلامی مملکت کی نظرِ کرم کے محتاج ہیں۔ جہاں تک مدارسِ عربیہ کے نصاب، نظام اور خامیوں کی اصلاح کا تعلق ہے، اس کے احساس اور ضرورت سے خود اہلِ علم اور اربابِ مدارس بھی کسی لحظہ غافل نہیں رہے۔ اور نہ حکومت یا کسی بھی حلقے کی کسی مفید اور مخلصانہ مشوروں کو نظرانداز کرنے کا کبھی مظاہرہ کیا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک سرکاری تحویل میں لینے کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کو حکومت صنعتی اداروں، بنکوں اور فیکٹریوں کے پیمانہ پر نہ پرکھے، ایسے اقدامات دینی و علمی حلقوں میں نہ صرف مداخلت فی الدین بلکہ فنائے دین سمجھے جائیں گے۔ اس لئے ایسے کسی اقدام کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے اس کی نزاکتوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

عربی لغۃ الاسلام

عالمِ اسلام کی سب سے قدیم اور عظیم اسلامی یونیورسٹی جامع ازہر کے ریکٹر شیخ محمد محمد الفحام نے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں اپنی تشریف آوری کے موقعہ پر جو خطاب فرمایا اس میں انہوں نے زیادہ تر زور عربی زبان کی اہمیت محسوس کرنے پر دیا اور فرمایا کہ مختلف زبان رکھنے والے مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور اخوت قائم رکھنے کے لئے عربی کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مسلمان اپنی علاقائی زبانیں چھوڑ دیں۔ خدا نے ہر ملک اور قوم کے لئے الگ الگ زبانیں بنائی ہیں۔ اور اس کی حکمتیں اور شانِ قدرت کا ظہور اس اختلاف کا متقاضی ہے، لیکن جب ایک طرف ہم پشتو اردو فارسی سیکھتے ہیں تو بحیثیتِ مسلمان ہمیں عربی زبان کا سیکھنا بھی اس لئے ضروری ہے کہ عربی صرف عربوں کی زبان نہیں بلکہ یہ لغۃ الاسلام ہے، قرآن کی زبان ہے اور ہمارے مقتدا لئے دین و دنیا سرورِ کائنات علیہ السلام کی زبان ہے اور جو اپنے اندر ان کی تعلیمات کو سموئے ہوئے ہے۔ اس لئے اس معاملہ کو تعصب سے نہیں بلکہ اس زاویہ سے دیکھنا چاہیئے، انہوں نے اس سلسلہ میں ایک روایت بھی بیان کی کہ جو اللہ کو چاہے گا، تو لازماً حضورؐ کو بھی، اور جسے نبیؐ عربی سے محبت ہوگی اسے عربوں سے بھی، اور جب عربوں سے ہوگی تو وہ عربی زبان سے بھی محبت رکھے گا۔

ترویج عربی مسلمانوں کی ایک سیاسی ضرورت | مگر اس منطقی اور طبعی محبت کا تقاضا ہے کہ مسلمان اپنے ہاں عربی زبان کی تعلیم و تعلم اور انہام و تفہیم کو اہمیت دیں۔ اس کی ترویج میں بھرپور حصہ لیں انہوں نے بالکل صحیح کہا کہ ایک مسلمان بآسانی گوارا نہیں کرسکتا کہ کسی اسلامی مملکت میں جاکر وہ مسلمانوں کی زبان عربی کے سمجھنے اور سمجھانے والے نہ پائیں، مسلمانوں کے لئے یہ چیز شرم کی بات ہونی چاہیئے۔

عربی کی ترویج کے لئے مدارسِ عربیہ کی کوششوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس موقف کو بھی سراہا کہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد اور روابط کے لئے عربی یہاں کی سرکاری زبان ہونی چاہیئے۔ شیخ الازہر نے دارالعلوم حقانیہ اور دیگر مدارس میں عربی زبان کی تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں بجا طور پر خواہش ظاہر کی کہ اس سلسلہ میں جدید عربی نصاب اور جدید ترین کتابوں سے استفادہ ضروری ہے۔ جب کہ ہر زبان کی طرح عربی ادب میں اندازِ تحریر، طرزِ بیان اور نئے نئے الفاظ و اصطلاحات کی وجہ سے کافی تبدیلی آچکی ہے۔ جب کہ ہمارے مدارس میں عربی کو بحیثیت عربی زبان کی تعلیم و ترویج پر کماحقہٗ توجہ نہیں دی جارہی اور یہ ایک بڑی کمی ہے جو ہمارے ہاں کے علماء اور طلباء اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔

باہمی ربط و اتصال کا ایک لازمی ذریعہ اس تقریب کے افتتاح میں قائدِ جمعیت مولانا مفتی صاحبؒ[1] نے بھی عربی کی اہمیت پر مؤثر انداز میں روشنی ڈالی اور اسے پاکستان کے لسانی مسائل کا واحد حل قرار دیا، انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ ہم اپنی آئینی جدوجہد میں اس لئے عربی کو سرکاری زبان قرار دینے پر زور دیتے ہیں کہ ہماری داخلی اور خارجی ضروریات ہمیں مجبور کر رہی ہیں۔ پاکستان مختلف صوبوں اور علاقوں کا مجموعہ ہے۔ اور ہر حصے کی الگ الگ زبان ہے۔ اب اگر ہمیں کسی ایک زبان کے ذریعہ ان حصوں کو مربوط رکھنا ہے تو سوائے عربی کے کوئی بھی جامع زبان ہمیں نہیں مل سکتی، اپنے ازلی دشمن انگریز کی انگریزی سے نجات پانے کی یہی ایک صورت ہے۔ خارجی ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا مفتی محمود نے فرمایا کہ چونکہ عربی ہمارے قرآن و رسولؐ ہمارے مذہب اور ہمارے کروڑوں عرب بھائیوں کی زبان ہے اس لئے یہ عالم اسلام کے باہمی ربط و اتصال کے لئے ایک لازمی کڑی ہونی چاہیئے۔

پاکستان کی ذمہ داریاں اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں عربی کو اس کا صحیح مقام دینے

---

[1] آپ اس وقت سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے اور شیخ الازہر کے ساتھ تشریف لائے تھے۔

کی راہ میں کافی مشکلات ہیں، اساتذہ کا مسئلہ ہے، نئی کتابوں کی فراہمی ہے، عربی کو لسانیاتی حیثیت سے نظامِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میں وہ جگہ دینی ہے۔ جو ترقی یافتہ مروجہ عربی ادب کو عرب ممالک میں حاصل ہے۔ مگر ایک اسلامی مملکت جب علاقائی زبانوں کے لئے سب کچھ کر سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ ملکی و ملی بقاء استحکام کی حامل اس ضرورت پر توجہ نہ دی جائے چونکہ اس کا تعلق پورے ملک سے یکساں رہے گا، اس لئے مرکزی حکومت پر بھی اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ نئی تعلیمی پالیسیوں میں عربی کی اس ضرورت کا پورا لحاظ رکھا جا سکتا ہے۔ جدید عربی نظامِ تعلیم اور مروجہ نصابوں پر عبور، عالمِ عرب کے تعلیمی اور ادبی اداروں علمی شخصیات سے تبادلۂ خیال اور استفادہ کے لئے عربی سے ذوق رکھنے والے علماء اور طلباء کے وفود کا عرب ممالک سے تبادلہ ہو سکتا ہے۔ عرب ممالک سے اس سلسلہ میں تعاون اور مدد حاصل کی جا سکتی ہے جس کے نتیجہ میں یہاں عربی زبان کی ترویج و تعلیم کے لئے نہایت مفید تجاویز زیرِ عمل لائی جا سکتی ہیں، صوبائی حکومتیں اپنی اپنی حد تک مفید اسکیم اور منصوبے بنا کر عربی کے لئے رفتہ رفتہ ایسا میدان تیار کر سکتے ہیں کہ وہ آگے چل کر بغیر کسی دقت کے پاکستان کی سرکاری زبان بن سکے۔ یہ سب کچھ ملک و ملت سے خیر خواہی کے جذبات، عربی سے شغف، علمی ذوق، اور عالمِ اسلام کے مشترکہ مسائل کا احساس و شعور رکھنے کے علاوہ خدائے کریم کی توفیق اور دستگیری پر ہے، دیکھئے پاکستان کی ملتِ اسلامیہ کب ایسی اہم ذمہ داریوں کو نباہنے کی اہل بنتی ہے۔

(فروری ۱۹۷۳ء)

عصری نظامِ تعلیم اور دین سے بیگانگی

ہمارا سرکاری نظامِ تعلیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ دین اور اسلامی علوم سے کتنی تیزی سے دور ہوتا جارہا ہے، اس کا کچھ اندازہ ذیل کے ایک جائزہ سے لگائیے جو ایک ثقہ اور فاضل شخص کا فراہم کیا ہوا ہے[۱] اور پھر اس کے ساتھ یہ بھی نگاہ میں رکھئے کہ ہمارے فکری اور معاشرتی انتشار اور عدمِ استحکام کے ایک اہم بنیادی سبب نئی پود کی عصری تعلیم گاہوں میں مذہب اسلامی زبان عربی اور اسلامیات سے بے بہرہ ہونا ہے، اس وقت ساری ذمہ داری طبقاتی تفاوت اور معاشی عدم توازن پر ڈالی جارہی ہے۔ مگر اس ساری بے چینی اور اضطراب کو فقط معدہ اور پیٹ کے پیمانے سے ناپنا اور ملک کی دیگر تمام تعلیمی اخلاقی اور معاشرتی اقدار کے زوال اور اس کے محرکات سے صرف نظر کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

عربی سے بے اعتنائی کا ایک جائزہ | عربی ہماری اسلامی اقدار اور تعلیمات کی ترجمان ہے اس کے ساتھ حکومت کی بے اعتنائی اور ہماری بے حسی کا نتیجہ کیا ظاہر ہوا۔ اس کا جواب اعداد و شمار کی زبانی سے سنیئے۔

۱۹۵۳ء میں ۳۶۵۵۸ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۵۳۴۰ تھے۔ پانچ سال بعد ۱۹۵۷ء میں ۵۸۲۷۰ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۴۲۱۷ رہ گئے، دس سال بعد ۱۹۶۳ء میں ۵۸۲۷۰ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۳۲۴۸ رہ گئے، پندرہ سال بعد ۱۹۶۷ء میں ۹۹۹۷۶ طلباء و طالبات نے میٹرک کا امتحان دیا ان میں عربی پڑھنے والے ۴۹۹۲ تھے۔

گویا ۱۹۵۳ء میں میٹرک میں عربی پڑھنے والوں کا تناسب ساڑھے چودہ فیصد تھا۔ لیکن پندرہ سال بعد جبکہ طلباء کی مجموعی تعداد میں ۱۷۳ فیصد اضافہ ہوگیا۔ عربی خواں طلباء و طالبات

---

[۱] اور یہ جائزہ بھی ۱۹۵۲ء سے لے کر ۱۹۶۷ء تک کا ہے اس کے بعد حالات تو اور بھی بہتر ہو کر ہم سب کے لئے لمحہ فکریہ بنے ہوئے ہیں۔

کا تناسب ۵ فیصد سے بھی کم ہو گیا۔ یعنی طلباء کی تعداد ساڑھے چھتیس ہزار سے ایک لاکھ ہو گئی مگر عربی خواں ۵۳۴۰ سے گھٹ کر ۴۹۹۲ رہ گئے ۔ ۱۹۵۳ء میں ایف اے میں پرانے نصاب کے اندر بارہ ہزار آٹھ سو اڑتالیس طلباء شریکِ امتحان ہوئے، ان میں ۱۱۱۵ عربی خواں تھے پندرہ سال بعد طلباء کی تعداد بچپن ہزار سات سو ستاسی ہو گئی اور عربی خواں طلباء کی تعداد ۱۱۱۹ گویا پندرہ سال میں طلباء کی تعداد میں ۳۳۳ فیصد اضافہ ہوا۔ لیکن عربی خواں طلباء وطالبات ۹ فیصد سے گھٹ کر صرف دو فیصد رہ گئے ـــــ اسی سے بی اے، ایم اے میں عربی کو تدریس کا اندازہ کر لیجئے۔

اسلامیات کی بے کسی یہی حال اسلامیات کا ہے میٹرک تک اسے لازمی قرار دینے کے باوجود اب تک اس کے لئے کوئی مستقل اور قابلِ افادیت کتاب مرتب نہیں کرائی گئی۔ ایف اے میں اسلامیات محض اختیاری مضمون ہے وہ بھی صرف آرٹس کے طلباء کے لئے موجودہ قوانین کی رو سے مغربی پاکستان میں ایف ایس سی کا کوئی طالبعلم عربی کسی صورت میں نہیں لے سکتا۔ بی اے کے لئے کراچی اور حیدر آباد یونیورسٹی میں اسلامی تعلیم کا ایک پرچہ لازمی ہے، لیکن پشاور اور پنجاب۔ یونیورسٹیوں میں نہیں فنی اور پیشہ ورانہ اداروں میں یعنی مغربی پاکستان کے کسی میڈیکل کالج، لاء کالج، کامرس کالج، انجنیئرنگ کالج میں اسلامیات کے نام کی کوئی چیز شامل نصاب نہیں ہے، جبکہ ان فنی (TECHNICAL) اور پیشہ ورانہ (PRSFESSIONAL) اداروں کی تعداد مغربی پاکستان میں ۵۸ فیصد ہے۔ گویا ہمارے وکلاء، ڈاکٹروں اور انجنیئروں کو دینی تعلیم سے بے بہرہ رکھنا سرکاری پالیسی ہے۔

مجوزہ نئی تعلیمی پالیسی سے کچھ امید بندھ گئی تھی کہ عصری درسگاہوں میں زیر تعلیم ہماری افرادی قوت کچھ تو دین اخلاق اور تہذیب وشرافت سے آراستہ ہو جائے گی اور شاید اس طرح قوم کی ڈوبتی نیا کچھ سنبھل جائے گی۔ مگر تازہ اخباری خبروں نے ان امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا جن میں کہا گیا ہے کہ حکومت نئی تعلیمی پالیسی کو غیر حقیقت پسندانہ اور ناقابل برداشت اخراجات کی وجہ سے واپس لے رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسے حالات میں دین اور دینی علوم کے تحفظ اور اعلےٰ انسانی اقدار کے فروغ واشاعت کی صورت کیا ہو گی؟

دینی علوم کے تحفظ کے رہے سہے آثار کو مٹانے کی کوشش | ان حالات میں دینی علوم کا تحفظ جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ آزاد عربی مدارسِ دینیہ ہی کا مرہونِ منت ہے جو الحاد اور تجدد کے علمبرداروں کی نگاہوں میں کھٹکتے رہتے ہیں، اور کروڑوں افراد کی فنی وعصری علوم کے لئے تگ ودو کرتے کے باوجود مدارس عربیہ کے طلباء کی قلیل تعداد کا اپنی زندگی کو دین اور محض علومِ دین کے لئے وقف کرنا ان کے لئے ناقابلِ برداشت مسئلہ بن گیا ہے اور کہا جارہا ہے کہ ان مدارس کی بساط لپیٹ دو، ان کی آزاد تعلیمی روح کو بھی کسی طرح سلب کرلو، انہیں امداد اور گرانٹ کے دام زرّیں میں پھنسالو، ان کے آزاد اور ترجمانِ حق ضمیروں میں بھاری تنخواہوں کے تالے لگادو، انہیں اوقاف کے شکنجے میں کس دو تاکہ رہی سہی جو صورت دین کی اشاعت کی رہ گئی ہے وہ بھی ختم ہو جائے ــــ سوال یہ ہے کہ جب انگریزی، اردو سائنس، ریاضی، جغرافیہ اور ٹیکنیکل علوم کے لئے مخصوص افراد مخصوص مزاج اور مخصوص تربیت کی ضرورت ہے تو اسلامی علوم وفنون کو اس کلیہ سے کیوں خارج کیا جارہا ہے تمہیں ان چند گنے چنے مدارسِ عربیہ کے بوریہ نشینوں کی فکرِ معاش نڈھال کئے جارہی ہے، مگر کیا آپ نے ملک کی عصری تعلیم گاہوں میں زیرِ تعلیم نوجوانوں کے دین اور علومِ دینیہ سے دن بدن اعراض واجتناب کا بھی کچھ مداوا سوچا ہے: فاعتبروا یا اولی الابصار۔ (اکتوبر ۱۹۶۹ء)

نصاب اسلامیات میں نفاق اور بے دینی کا بیج

مرکزی حکومت نے سکولوں اور عصری تعلیم گاہوں کے لئے اسلامیات کے نصاب کی از سرِ نو ترتیب وتدوین کے لئے جو کمیٹی نامزد کی ہے اس کے بارہ میں پچھلے شمارہ میں، ہم نے اپنے خدشات کا اشارۃً ذکر کیا تھا۔ یہ مسئلہ عام مسلمانوں بالخصوص اہل علم اور دینی جماعتوں کے لئے جتنی توجہ کا مستحق تھا افسوس کہ اب تک اتنی ہی سرد مہری کا شکار رہا۔

ملک کی اکثریت اہلِ سنت سے ناانصافی | یہاں کی اکثریت (MAJORITY) سُنی مسلمانوں کی ہے جن کے عقیدہ کی اساس خلفاء راشدین کے تقدس اور تمام صحابہ رضؓ کی عظمت پر قائم ہے۔ بچوں کے دینی نصاب پر مستقبل میں ان کے عقیدہ، دین اور نظریہ

کا دارومدار ہوتا ہے اگر اس عمر میں بچوں کے دل و دماغ کا نازک اور پاکیزہ آبگینہ کسی غیر اسلامی جارحیت سے مجروح ہو جائے تو عمر بھر اسے جوڑا نہیں جا سکتا ضرورت اس امر کی بھی کہ غیر سنی حضرات کو ان کی جائز نمائندگی دیتے ہوئے بھی اکثریت کی رعایت بہر حال رکھی جاتی اور ایسے لوگ سنی علماء میں سے بورڈ میں شامل کر لئے جاتے جن کا علمی تبحّر، دینی حمیت اور ذہنی و فکری پختگی مسلّم اور مسلمانوں میں قابلِ اعتماد ہوتی اور جنہیں اسلامیات کی ترویج اور اشاعت سے والہانہ لگاؤ بھی ہوتا، اور وہ کسی بھی عقیدہ اور مسلمانوں کے کسی بھی قابلِ احترام شخصیت کے بارہ میں امت کی پوری نمائندگی کا حق ادا کر سکتے۔ مگر ہوا یہ کہ [illegible] افراد کی اس کمیٹی میں نصف یا اس سے زائد نمائندگی شیعہ حضرات کو دی گئی اور وہ بھی ان کے مذہب کے پختہ اور ذمہ دار سرکردہ افراد کو، جب کہ آبادی کے تناسب سے شاید انہیں ۵٪ نمائندگی بمشکل دی جا سکتی۔

تدوینِ نصاب کی اہلیت پھر دوسری ناانصافی یہ ہوئی کہ دو ایک افراد کو چھوڑ کر باقی سنی حضرات ایسے لئے گئے جنہیں نہ تو مسلمانوں کے جذبات اور معتقدات کے تحفظ سے گہرا اور جذباتی تعلّق ہے نہ اسلامی علوم میں مناسب رسوخ اور گہرائی اور نہ انہیں عامۃ المسلمین کا اعتماد حاصل ہے۔ ایسے حالات میں ہمیں بجا طور پر خطرہ ہے اور اس کے بعض شواہد بھی سامنے آ چکے ہیں کہ ایسی کمیٹی جو نصاب تیار کرے گی اس میں نہ تو اکثریت کے جذبات کی پوری رعایت رکھی جا سکے گی اور نہ ابوبکر و عمرؓ اور عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کو ان کا صحیح مقام دیا جا سکے گا، نہ صحابہ کرامؓ کے باہمی اختلافات اور اسلام کی اوّلین تاریخ کو صحیح شکل میں پیش کیا جا سکے گا بلکہ "اختلافی مسائل" کے نام پر ان تمام باتوں کو نشانۂ ستم بنایا جا سکے گا، ہمیں کسی فرقہ اور طبقہ سے کد نہیں، شیعہ تو کیا دیگر اقلیتی طبقوں کو بھی ان کے دین اور مذہب کے تحفظ کی ضمانت حاصل ہے۔ ہمیں ملکی یکجہتی اور ملّی اتحاد بہر حال عزیز ہے یعنی مسلمانوں کے لئے تمام صحابہ کرامؓ واجب التعظیم ہیں کسی خلیفۂ راشد اور صحابی کی عظمت سے انہیں اختلاف نہیں، سب

کو احترام اور محبت کی نظروں سے دیکھنا ان کا جزو ایمان ہے۔ لیکن اگر معمولی سی تعداد رکھنے والی شیعہ ذہنیت کو ان باتوں سے اتفاق نہیں اور وہ خواہ مخواہ دھڑے بازی اور عصبیت کی بناء پر ہماری ملی یکجہتی کو حق و ناحق اور ظالم و غیر ظالم کی تقسیم سے پارہ پارہ کرنا چاہتی ہے تو یہاں کی ایسے کسی بھی ارادہ اور سازش کو کامیاب نہیں ہونے دے گی۔ جس سے مسلمان بچوں کا مستقبل مخدوش اور ان کا دینی ذہن مجروح ہو سکتا ہو اور نتیجتہً اس سے ہماری قومی یکجہتی بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ ایسے کسی نصاب کمیٹی میں اقلیتی طبقوں کو ان کی شرح آبادی سے زیادہ نمائندگی نہ دی جائے پھر سُنّی مسلمانوں کی طرف سے بھی ایسے راسخ العقیدہ علماء لئے جائیں جن کا علم و عمل دینی تصلّب، اسلامی حمیت مسلّم ہو، مسلمانوں کا ان پر اعتماد ہو اور تعلیم و تربیت سے متعلق امور میں بھی انہیں پورا تجربہ حاصل ہو۔ چند نام نہاد "ماہرین تعلیم" کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ملک کے سوادِ اعظم کے جذبات اور معتقدات کو اس طرح خطرہ میں ڈال کر خدشات اور بے چینی کی فضا پیدا کریں اگر حکومت نے بھی خدانخواستہ ایسے کسی نصاب کو جلدی میں منظور کر کے نافذ کرنے کی کوشش کی تو قوم کا دل اور ضمیر ایمان و یقین احساس اور شعور اسی طرح اسے ٹھکرا دے گی۔ جیسا کہ وہ عائلی قوانین اور اس طرح کے دیگر غیر اسلامی منصوبے بڑی حقارت سے ٹھکرا چکی ہے۔ اس لئے کہ مسلمان اپنے جگر گوشوں اور نونہالوں کو ابوبکرؓ کے دامنِ شفقت اور عمرؓ کے سایۂ عافیت سے نکال دینے کو اتنی آسانی سے برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مئی ۱۹۷۰ء

نظامِ تعلیم کی نئی پالیسی کیا ہونی چاہیئے

زندگی کے مختلف شعبوں میں اہم تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہونے والی حکومتیں عصری نظام و نصاب تعلیم کے بارہ میں بھی اپنی نئی پالیسیوں کا اعلان کرتی رہتی ہیں۔ ایسی کسی نئی تعلیمی پالیسی کے بارہ میں اتنا عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایسے نام نہاد اصلاحی اقدامات سے وہ توقعات پوری نہیں ہو سکتیں جو ملک و ملت

کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کے لحاظ سے نظامِ تعلیم اور تعلیم سے وابستہ کی جا
جا سکتی ہیں۔ ہر چند کہ موجودہ صدرِ محترم[1] کا ارشاد ہے کہ ہم دینِ اسلام کی روح
اور دینی اقدار کو تعلیمی نظام میں سمو دینا چاہتے ہیں۔ مگر اس کی روشنی میں ہم جب
ان کی نئی طویل الذیل تعلیمی پالیسی پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں مایوسی ہو جاتی ہے نہ
صرف بحیثیت مسلم قوم بلکہ حالیہ ذلیل ترین شکست کے بعد ایک شکست خوردہ قوم کی
حیثیت سے ہمیں تعلیمی پالیسی اس بنیاد پر بنانی تھی کہ پورا تعلیمی نظام فرد اور معاشرہ کی اخلاقی
اور ایمانی تربیت کا ذریعہ بن جاتا، وہ مایوسی کی بجائے ولولہ، شک اور اضطراب کی بجائے
ایمان و یقین، خود فراموشی کی بجائے ضبطِ نفس کا موجب بنتا جو ایک بلند و برتر پاکیزہ
اجتماعی مقصد اور اس کے لئے والہانہ جوش اور ولولہ سے سرشار کر کے قومی یکجہتی، اتحاد
اور یگانگت کا ذریعہ بن سکتا اور وہ واضح حسین اور شفاف تصورِ حیات قوم کے منتشر شیرازہ
کو ایک لڑی میں پرو دیتا اور جو اندر سے ایمان و یقین اور اخلاقی اقدار کی لہریں ابھار
کر ہماری تمام اخلاقی و معاشرتی اور طبقاتی ناہمواریوں کا مداوا بن جاتا اور یہ سب کچھ تب
ہوتا کہ ہم ایمان و یقین، خدا، رسولؐ، اسلام اور شریعت کو پوری تعلیم کا محور بنا دیتے۔
طبعیات، حیاتیات اور نفسیات کی کتابوں کو خدا کے تصور کے دائرہ میں لے آتے سائنس
کو مذہب کا خادم بنا کر پیش کرتے، مادیات کو آخرت کا وسیلہ قرار دیتے، طالب العلمانہ دور
کو نہ صرف تعلیم بلکہ ایک مہذب مسلمان شہری کی تربیت کے لئے غنیمت سمجھ لیتے۔ اس طرح
ملک کی تعمیر ہو سکتی۔ انارکی اور جنسی و مادی طغیانیوں میں ڈوبتا ہوا معاشرہ ساحلِ مراد سے
ہمکنار ہو جاتا تعلیمی پالیسی بامقصد ہونے کی صورت میں اخلاقی تربیت، تہذیبِ نفس کا
ذریعہ بنتی اور پوری قوم کو متحد بنا کر اسے اجتماعی عمل اور جد و جہد پر اکساتی اور صحیح معنوں
میں ایک اسلامی انقلاب برپا ہو سکتا۔ اپریل ۱۹۷۲ء

---

[1] جناب ذوالفقار علی بھٹو جو اس وقت صدر تھے۔